CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

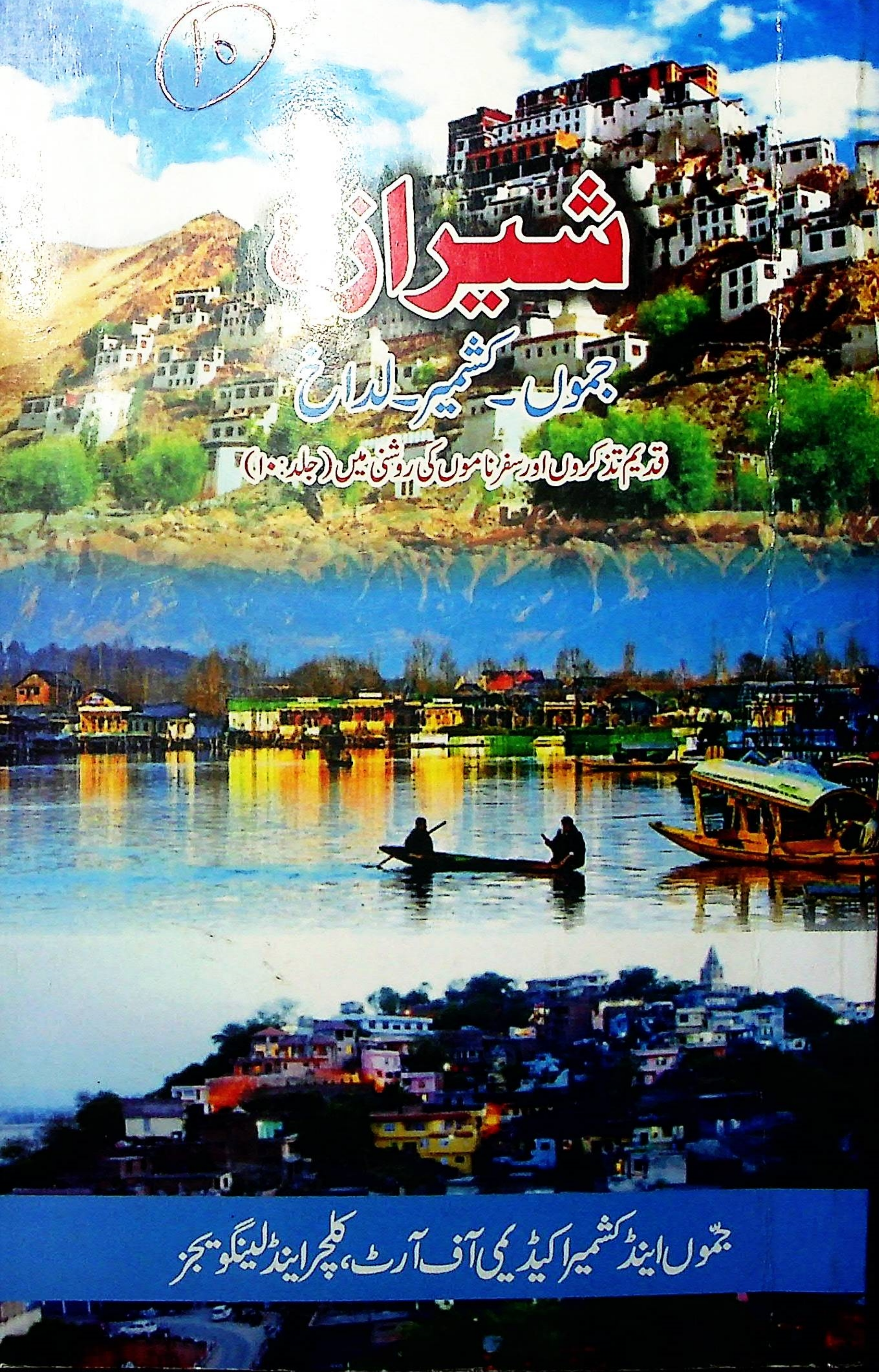

شیرازہ

جموں ۔ کشمیر ۔ لداخ

قدیم تذکروں اور سفرناموں کی روشنی میں (جلد: ۱۰)

جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

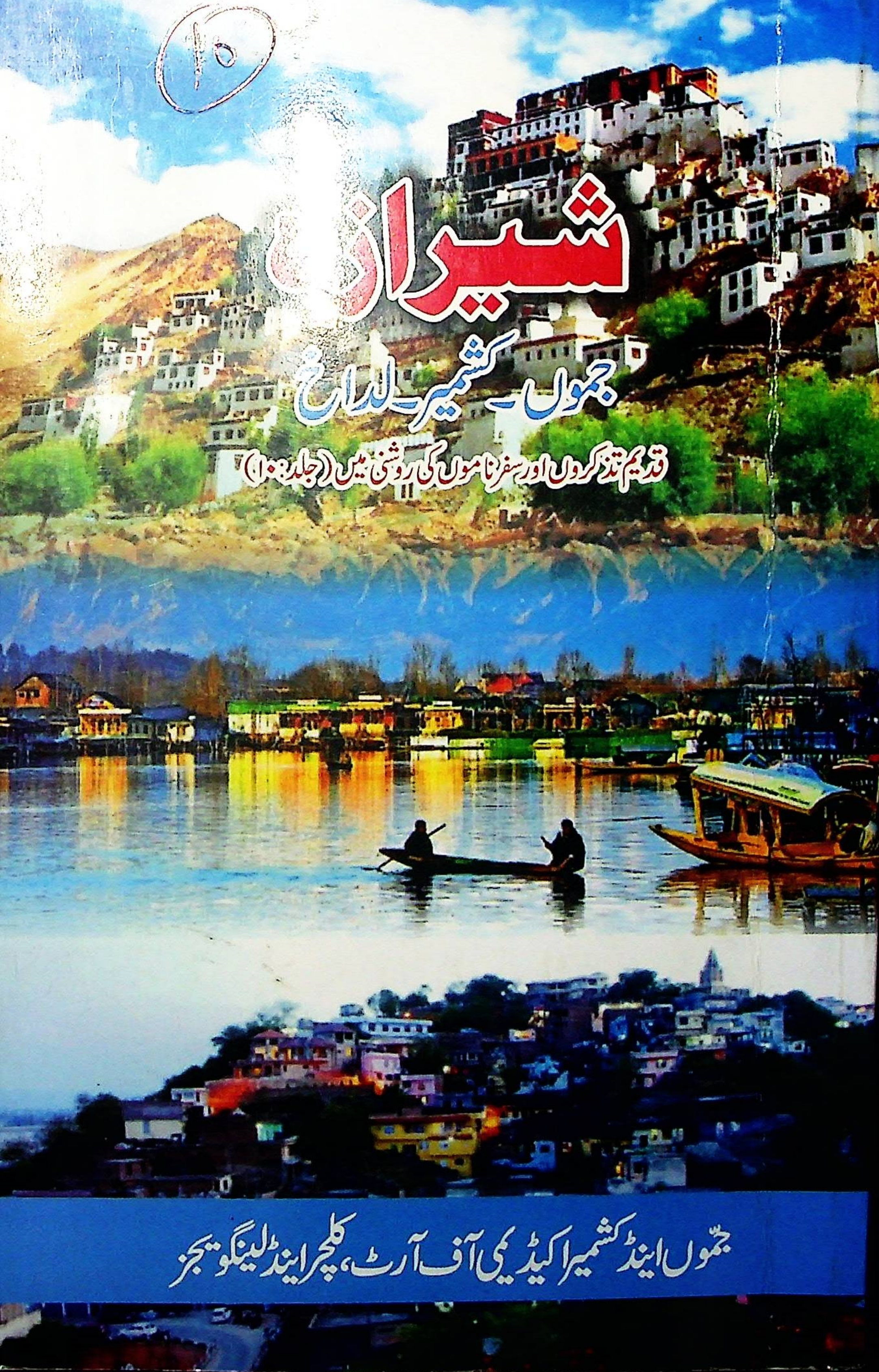

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ماہنامہ

شیرازہ

سرینگر، کشمیر

جلد: ۵۴ | جموں۔کشمیر۔لداخ نمبر (جلد ۱۰) | شمارہ: ۱۔۳

نِگراں : ہارون رشید

مُدیراعلیٰ : محمد اشرف ٹاک

انچارج مدیر: سلیم سالک

معاونین : سلیم ساغر، محمد اقبال لون

جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ناشر : سیکریٹری، جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز

کمپیوٹر کمپوزنگ: بشارت احمد بابا

سرورق ڈیزائننگ: عادل اسماعیل

قیمت: ۱۰۰ روپے

''شیرازہ'' میں جو مضامین شائع ہوتے ہیں اُن میں ظاہر کی گئی آراء سے اکیڈیمی کا کُلاً یا جُزواً اتفاق ضروری نہیں۔

☆......خط و کتابت کا پتہ

محمد اشرف ٹاک

مدیراعلیٰ ''شیرازہ'' اردو

جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز

سرینگر / جموں

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

فہرست

حرفِ آغاز	محمد اشرف ٹاک	۵
کشمیر۔ندیوں اور خلوتوں کی زمین	اصل: پی ، پائری ترجمہ محمد یوسف مشہور	۹
کشمیر اور دراوڑ کے قدیم رابطے	ڈاکٹر آفاق عزیز	۶۰
کشمیر کی ارضیاتی ماہئیت	عطا محمد میر	۸۰
ماؤنٹ الفنسٹن اور کشمیر	ایس ایل سادھو	۸۹
برصغیر ہند کا بٹوارہ اور گلگت سکاؤٹس کی بغاوت کی رُوداد	عبدالغنی شیخ	۹۸
کشمیر میں قدیم انسانی وجود کی نئی شہادت	اصل: ایچ۔ڈی۔سنکالیا ترجمہ: غلام نبی آتش	۱۳۶
آرکائیوز اور دیگر اہم ماخذ	پروفیسر فدا محمد حسنین	۱۴۶
سفرنامۂ لداخ	اصل: ٹنڈل بسکو ترجمہ: غلام نبی خیال	۱۵۲
کشمیر کے روایتی لوک رقص۔چند باقیات	غلام نبی آتش	۱۸۳
کشمیر کے خدوخال۔فوک لور کے آئینے میں	ڈاکٹر گلزار احمد راتھر	۲۰۰

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

"ڈار" لفظ کی وجہِ تسمیہ اور تاریخ	ڈاکٹر آفاق عزیز	۲۱۰
اُردو ادب میں تذکرۂ کشمیر	ڈاکٹر عبدالرشید خان	۲۳۹
عالم معطر از قلمِ مُشکبار ماست	ایاز رسول نازکی	۲۴۸
صوبہ جموں میں کشمیری صوفیانہ کلام کے نقوش	ولی محمد اسیر کشتواڑی	۳۰۱
ہماری عدلیہ...... ماضی کے آئینے میں	محمد نذیر فدا	۳۱۴
شِو جی دراور عشرت کشمیری کی تاریخ کشتواڑ	پروفیسر فدا حسنین	۳۲۲
وتستا سے جہلم تک...........!	راجہ نذر بونیاری	۳۳۲
کشمیر کے کوہِ نشین	عطا محمد میر	۳۴۲
لداخ، بلتستان اور تبت کے خلاف مہاراجہ گلاب سنگھ کی فوجی مہمات	عبدالغنی شیخ	۳۵۶
لداخ کا لسانی منظر نامہ	رقیہ بانو	۴۲۰
قدیم کشمیر میں کتب نویسی	پروفیسر بشر بشیر	۴۷۸
فہرست مضامین۔شیرازہ جموں۔کشمیر۔لداخ نمبر	جلد ۱/ تا ۹	۴۹۶

...........●●●...........

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

حرفِ آغاز

''جموں۔ کشمیر۔لداخ۔قدیم تذکروں اورسفرناموں کی روشنی میں'' کی ۱۰ ویں اور آخری جلد آپ کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے ہم سبکباری کے احساس سے سرشار ہیں کہ ایک دہائی قبل شروع کیا گیا یہ پروجیکٹ بحُسن وخوبی کامیابی کے مراحل طے کرتے ہوئے اپنے اختتام کو پہنچ گیا ہے۔کسی ثقافتی رسالے کا ایک ہی موضوع پر پانچ ہزار سے زائد صفحات، سینکڑوں نادرونایاب تصاویراور خاکوں پر مشتمل ۱۰ جلدیں منظرِ عام پر لانا اپنے آپ میں ایک غیر معمولی بات ہے۔ساتھ ہی ہمیں اِس تشنگی کا بھی احساس ہے کہ ابھی سبجیکٹ پر کام کرنے کی کافی گنجائش موجود ہے۔ہم سفینہ لے کر اِس بحرِ بیکراں کا احاطہ کرنے کے لئے نکلے تھے لیکن کہاں سمندر کی وسعتیں اور کہاں سفینے کی تنگ دامانی۔ بہر حال، ایک بنیاد ڈالی جا چکی ہے اور اِس پر فلک بوس عمارت تعمیر کی جاسکتی ہے۔کشمیر اور اِس خطے کی سیاحت پر آنے والے سیاحوں کے سفرناموں اور اہم تذکروں کا سِلسلہ مشہور چینی سیّاح ہیون سانگ سے شروع کیا گیا ہے جو ۶۳۰ء میں کشمیر آیا تھا۔اس کے بعد

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اوکانگ، مارکو پولو، البیرونی، یورپی سیاح برنیئر، چارلس ہیوگل، ولیم ویکفیلڈ، ینگ ہسبنڈ، آرل سٹائن، ٹینڈل بسکو، الیگزنڈر کننگھم، سر والٹر لارنس، سر رچرڈ ٹمپل، آرتھر نیو، رابرٹ تھروپ، چارلس ایلی سن بیٹس، فریڈرک ڈِرو، نائٹ، میجر سِونبورن، سر جارج ابراہیم گریرسن، جارج فورسٹر، ایف ارنیسٹ، ہنٹن نووُلز، ایرینی پیٹری، مِس گومری، انڈریو وِلسن، ماریان ڈاؤٹی، الیکز نڈرزی ماوڈی کراس، نکلس نوٹووچ، ولیم مور کرافٹ، اگس ہرمن فرینکی، ڈاکٹر بلیو، رمزرے، لبزانگ، ای ایف نائٹ، سر جیمز ڈوے، سیون ہیڈن، اینڈریونا روے، جان کولٹ وغیرہ، شاہانِ مغلیہ جیسے اکبر اعظم، جہانگیر، اورنگ زیب، اس کے ساتھ دُنیا کے مختلف ممالک کے قدیم لٹریچر میں جموں۔ کشمیر۔لداخ کا تذکرہ، خطے کی وجہِ تسمیہ، سِلسلہ ہائے کوہ، اسطوری روایات، کشمیر کے یونان، چین اور وسطِ ایشیاء کے ساتھ قدیم روابط، دراوڈوں اور آریوں کی آمد، مشہورِ عالم مبلغین اور صوفیائے کرام کی آمد، قدیم راستے اور شاہراہیں، دریا اور آبی وسائل، تجارتی سلسلے، عبادت گاہیں، ریاست کی قدیم صنعتیں، دستکاریاں، علوم وفنون، جموں میں ناگ مت، نویں صدی عیسوی میں کشمیر کی ایک جھلک، قدیم کتب خانے، وُلرجھیل کی آغوش میں گُم سندمت نگر، طرزِ تعمیر، قدیم سکہ جات، مجسمہ سازی، لوک روایتیں، تاریخی مزارات، کتبہ جات، کتھا سرت ساگر، قبائل، برزہامہ، لوک رقص، تاریخ کے ماخذ، ثقافتی شناختیں، مختلف زبانوں کے قدیم لٹریچر میں جموں۔ کشمیر۔لداخ خطے میں اِنسانی وجود کی قدیم شہادتیں، فنِ سپاہ گری اور چیدہ مہمات، ظروف سازی، ارضیاتی ماہیئت، چرند و پرند، رسوم و رواج، نباتات، جمادات، قدیم رسائل اور اخبارات اور ریاست کے تینوں خطوں کی ادبی، ثقافتی اور فنی روایات کا احاطہ کرنے والے متعدد مضامین قارئین کی پسندیدگی کا درجہ حاصل کر چکے ہیں۔ یوں یقینی طور

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ایک ایسا دستاویز تیار ہو چکا ہے جو تشنگانِ علم و ادب کی پاس بجھانے کے ساتھ محققین اور موضوع پر کام کرنے والوں کے لئے کار آمد ثابت ہو رہا ہے۔ یہ کہتے ہوئے ہمیں تشفی ہو رہی ہے کہ شیرازہ کی اس اشاعتِ خصوصی کی مختلف جلدوں میں موضوع کے اکثر پہلوؤں پر پہلی بار قلم اُٹھایا گیا ہے۔ قارئین کی سہولیت کے لئے گزشتہ ۹ رجلدوں میں شامل مضامین کی فہرست زیرِ نظر جلد کے آخر میں دی گئی ہے۔ مقصد صرف ایک ہے اور وہ ہے ثقافت شناسی۔

زیرِ نظر شمارہ بھی اپنے اندر قافلہ ہائے رنگ و بو بسائے ہوئے ہے جن میں کشمیر کے کشمیر میں قدیم اِنسانی وجود کی نئی شہامیں قدیم اِنسانی وجود کی نئی شہادت، کشمیر کی ارضیائی ماہئیت، کشمیر کے کوہ نشین، آرکائیوز اور دیگر اہم مآخذ، کشمیر اور دراوڈ کے قدیم رابطے، لداخ، بلتستان اور تبت کے خلاف مہاراجہ گلاب سنگھ کی فوجی مہمات، سفر نامۂ لداخ اور دیگر تحقیقی مضامین شامل ہیں۔ ایچ۔ ڈی۔ سنکالیا کے کشمیر میں قدیم وجود کی نئی شہادت کے زیرِ عنوان مضمون میں کشمیر اور شوالک پہاڑیوں میں چار اَدوارِ یخ (ICEAGE) اور تین بین برفانی ادوارے پر بحث کی گئی ہے۔ مضمون میں یہ بات ہایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ ہزار ہا بلکہ لاکھوں برس قبل بھی اِس خطے میں انسانی وجود کے شواہد اور ان کے استعمال کردہ پتھر کے اوزار پائے جاتے ہیں۔ یہ اپنے آپ میں ایک بہت بڑی کھوج ہے جس سے بہت سے مفروضوں کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

ماہرینِ ارضیات کے مطابق اِس خطے کی اپنی ایک الگ علاقائی ساخت، شناخت اور خصوصیات ہیں۔ زمانہ ماقبل از تاریخ کا ارضیاتی مواد کشمیر میں کریوا پہاڑوں کی شکل میں موجود ہے۔ چٹانوں کے بننے بگڑنے اور ارضیاتی مواد کے تغیّر و تبدل کے لمبے مرحلوں سے گزرنے کے متعدد ادوار کی روداد بھی زیرِ نظر شمارے میں نظر آتی ہے جس سے اِس سرزمینِ رنگ و بو کے اسرار کچھ اور بھی واشگاف ہو جاتے ہیں۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کشمیر کو کتابوں سے خاص اُنسیت اور لگاؤ رہا ہے۔ یہاں تب بھی کتابیں لکھی جاتی تھیں جب کہ دُنیا کی بہت سی قوموں میں اِس کا تصوّر بھی نہ تھا۔ ماضی اور تاریخ کے دھندلکوں سے پردہ ہٹا کر پروفیسر بشر بشیر صاحب نے ہمیں ایک مضمون ''قدیم کشمیر میں کتب نویسی'' عنایت فرمایا ہے جو اِس سلسلے میں بعض نئے نکات کو اُبھارتا ہے۔ اِس مضمون کو زیرِ نظر اشاعت میں شامل کیا گیا ہے۔

بہر حال، سلسلے کی دسویں اور آخری جِلد آپ کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے ہم اُن تمام محققین، قلمکاروں اور ترجمہ کاروں کا شکریہ اَدا کرنا اپنا خوشگوار فریضہ سمجھتے ہیں جنہوں نے اس سیریز کی ترتیب کے گزشتہ دس برسوں کے دوران ہمیں اَپنی بے پناہ عنایتوں سے نوازا کیوں کہ اُن کی سرپرستی کے بغیر یہ پروجیکٹ کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا تھا۔ ساتھ ہی ہم مختلف شماروں کے تزئین کاروں، ٹائٹل گوَر ڈیزائینروں، اکیڈیمی کے شعبۂ طباعت کے عملے اور دیگر متعلقین کے بھی ممنون ہیں جنہوں نے اَپنی پیشہ ورانہ صلاحتیں بروئے کار لاکر ہمارے خاکوں میں رنگ بھرے اور ہمارے منصوبوں کو عملی جامہ پہنایا۔

مٹی کی محبت میں ہم آشفتہ سَروں نے
وہ قرض اُتارے ہیں جو واجب بھی نہ تھے

سری نگر

۳۰/مارچ ۲۰۱۵ء ● ...... محمد اشرف ٹاک

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

● ...... اصل : پی۔ پائری

تلخیص و ترجمہ : محمد یوسف مشہور

کشمیر۔ ندیوں اور خلوتوں کی زمین

یہ انگریزی کتاب اُن سینکڑوں کتب میں سے ایک ہے جو مختلف ملکوں کے سیاحوں، محققوں، دانشوروں اور مورّخوں نے کشمیر کے حسن و جمال، علوم و فنون، ثقافت و تمدن اور وحوش و طیور سے متاثر ہو کر اپنے خونِ جگر سے تحریر کی ہیں۔ یہ کتابیں دنیا کی مختلف زبانوں کا بیش قیمت اثاثہ ہیں۔ میں نے اس کتاب سے قبل بھی کلچرل اکادمی کے لئے دو ایک سفر ناموں کا خلاصے اپنی کم مائیگی کے باوجود ضبطِ تحریر میں لائے اور کئی ایک کا سیر حاصل مطالعہ بھی کیا مگر میں وثوق سے کہتا ہوں کہ زیرِ نظر کتاب برطانوی سیاح مصنفہ پی۔ پائری کے اعلیٰ ذوقِ جمال اور شوقِ جہاں بینی کا عمدہ نمونہ ہے۔ مصنفہ حسنِ فطرت کی دلدادہ ہے۔ اپنی سیاحت کے دوران وہ کشمیر کی سرحدوں پونچھ، راجوری، چمبا، کشتواڑ، بھدرواہ، بارہمولہ، سمبل، پاندریٹھن اور لیہہ لداخ تک جا پہنچی۔ ہر سفر کے دوران چھوٹی چھوٹی چیز اور عام طور سے نظر انداز کی جانے والی بات کی طرف بھی دھیان دیتی، تفصیلات درج کرتی اور قارئین کے ذوقِ سفر و شوقِ سیر و سیاحت کو بھی تحریر کرتی۔ اس طرح یہ کتاب نایاب تصاویر سے پیراستہ ہے جو رنگین بھی ہیں اور سادہ بھی۔ ان سے اس کتاب کی اہمیت دوبالا ہو گئی ہے۔ یہ خشک اور بے کیف سفر نامہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک شعری، افسانوی اور انشائیہ مجموعوں کے معجونِ مرکب کی مانند ہے۔ مصنفہ نہایت ذود حس، تر

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

دماغ اور خلاق ذہن کی مالک رہی ہوگی۔ جس طرح اس نے جگہوں، مناظر، موسم، رنگوں، خوشبوؤں، رسموں، رواجوں، انسانوں اور حیوانوں کی توضیح وتشریح میں قلم توڑا ہے یہ اسی کا حصّہ ہے۔ دوسرے مستشرقین کی طرح وہ زیادہ متعصب نہیں ہے البتہ انگریزوں کا ذکر کرتے وقت اس کی رگِ قومیت پھڑکتی محسوس ہوتی ہے جسے وقت کا تقاضا یا محض بشریت سے تعبیر کر کے درگزر کیا جا سکتا ہے۔ ویسے بھی موصوفہ نے انسانی ہمدردی کا بروقت اور بھرپور اظہار کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا ہے۔ بیگار پر مامور قلی کریم کا حال اس طرح بیان کرتی ہے جیسے وہ اس پر لٹو ہو رہی ہو۔ بکروال چرواہن دوشیزاؤں کا ذکر بھی اس پیرائے میں کیا ہے کہ گویا وہ کوئی خاتون نہ ہو بلکہ کوئی چوٹ کھایا ہوا عاشق ہو۔ رنگوں کا بیان حد درجہ دقیق و مفصل ہے۔ مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ میں اِن مقامات پر اختصار سے کام لینے پر مجبور ہو گیا۔ میرے ذخیرہ الفاظ میں وہ ہیرے موتی نہیں ہیں جن سے میں اس کے مفاہیم کی مرصع کاری انجام دیتا۔

یہ اعتراف بھی کرتا چلوں کہ باوجود کوشش کے مجھے مصنفہ کے حالاتِ زندگی تک رسائی حاصل نہ ہو سکی۔ یہ کتاب ۱۹۰۰ء سے ۱۹۰۹ء کے درمیان تصنیف ہوئی ہے اور اِسی سال کیلی فورنیا یونیورسٹی پریس سے انگریزی زبان میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر شائع ہوئی ہے۔ البتہ اس کے کچھ ابواب پائنیر، اِلہٰ آباد میں ۱۹۰۵ء اور ۱۹۰۶ء کے درمیان شاملِ اشاعت ہوئے تھے۔ کتاب کی تصاویر وتوضیحات مصنفہ کی بہن ایچ۔ آر۔ پائری نے تیار کی ہیں۔ دونوں بہنوں نے تکمیل کے بعد اس کو اپنی والدہ الیکزنڈر ہیملٹن کے نام انتساب کر کے قابلِ تقلید روایت قائم کی ہے۔ انتساب تحریر کرتے وقت دونوں بہنیں اور اُن کی والدہ بادشاہ باغ لکھنؤ (ہند) میں مقیم تھیں۔

قارئین سے گزارش ہے کہ وہ اس خلاصۂ کتاب کے بعد ضرور اصل تصنیف کی طرف توجہ فرمائیں تا کہ اُن کے ذوقِ مطالعہ کی خاطر خواہ تشفی ہو جائے جس کی کمی اِس جیسی تلخیصات میں واقع ہونا قدرتی امر ہے۔

۱۔ پاندریٹھن

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اس باب میں سفیدوں اور بیدوں کی قطاروں کے بیچ بل کھاتی سڑک کا ذکر کیا گیا ہے جو دلدل نما کھیتوں، سرسبز میدانوں اور سیب کے باغوں سے گزرتی ہوئی آگے بڑھتی ہے۔ کہیں کہیں سفید پھولوں سے لدی سیب، ناشپاتی اور گلاس کی شاخیں سروں کے اوپر محرابیں بناتی ہیں۔ ان سڑکوں میں خاص طور سے وہ سڑک قابلِ دید ہے جس ویتھ یا وتستا کے ساتھ ساتھ آگے جاتی ہے۔ مصنفہ نے ویتھ یا جہلم میں تیرتی ہوئی سواری بردار اور مالی بردار کشتیوں کا تذکرہ تفصیل سے کیا جس میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ آبی ٹرانسپورٹ کی اقتصادی اور ثقافتی اہمیت کیا ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ کشتیاں اور ڈونگے چلتے پھرتے دکانوں اور بازاروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تاریخی پسِ منظر بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ مقامی خودمختار راجاؤں نے دریا اور اس کے کنارے چلنے والی شاہراہ کے دونوں جانب بے مثال عمارتیں تعمیر کرائی تھیں جن کے آثار آج بھی اپنی شانِ رفتہ کی داستان سناتے دِکھائی دیتے ہیں۔ اب وہ قدیم عالی شان عمارات صرف کھنڈرات کی شکل میں موجود ہیں۔ اُن کی مرمت اور تجدید کاری کی طرف کوئی توجہ اس لئے نہیں دی جارہی ہے کہ اب نظامِ حکومت بدل چکا ہے۔ موجودہ حکمران اپنی یادگاریں اور حالیہ ضرورت کی عمارات تعمیر کررہے ہیں جن کا فنِ تعمیر پہلے کی عمارات سے مختلف اور مقامی ثقافت کے منافی ہے۔

سرینگر، سورج کا شہر، سے آگے بڑھتے ہوئے سب سے پہلے پاندریٹھن مندر کی باقیات نظرنواز ہوتی ہیں۔ یہاں سڑک کے قریب ہی بیدزاروں کا حسن دلآویز دعوتِ نظارہ دیتا ہے۔ ان بیدوں کے درمیان پانی کے تالاب یا جھیلیں جیسی بنی ہوئی ہیں۔ ان جھیلوں سے ہوتے ہوئے راہ زوپرُ وقار اور مضبوط چناروں تک پہنچتا ہے۔ یہ چنار دریا کے کنارے ذرا دوُر کھڑے ہیں۔ ان ہی کے عقب میں پاندریٹھن کا مندر ہے۔ مئی مہینے کی خوشی گوار صبح ہے۔ ہوا تازہ اور صاف ہے۔ چاروں جانب دور سے پہاڑی سلسلوں کی چوٹیاں شفاف برف سے ڈھکی طلوعِ آفتاب کے وقت دھوپ کی تمازت سے چمک دمک رہی ہیں۔ پاندریٹھن اور سرینگر کے درمیان کوہِ سلیمان ایستادہ ہے جو مخروطی شکل کی پہاڑی ہے۔ اس پر اونچے اور گھنے جنگل ہیں اور

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اِس کے دامن میں درختوں کی چھاؤں میں چھوٹا سا مندر ہے جو قدیم شہر سری نگر کی واحد نشانی ہے۔ یہ بوسیدہ حالت میں ہے۔ اس کا نچلا حصہ پانی میں ہے جو کم از کم دو بارا سے انسانی تباہ کاریوں سے بچنے کا سبب بنا ہے۔ جب اکھمینو کے عہدِ حکومت میں یہ مندر دسویں صدی کے وسط میں نذر آتش کرنے کی کوشش کی گئی تو پانی میں کھڑا ہونے کی وجہ سے یہ بال بال بچ گیا۔ اس کے تقریباً پانچ سو سال بعد بقول مصنفہ، فرشتہ، سکندر کے بُت شکن کے عہد میں بھی یہ مندر بچا رہا۔ اس کے آس پاس کے ذوق وشوق کی داستان زبان حال سے سُنا رہے ہیں۔ شاید اُنہوں نے مندر کے احترام اور تقدس کا خیال کرتے ہوئے اس کے آس پاس اتنے چنار اُگائے تھے۔

اِس مندر کی تاریخی بنیاد اب گمشدگی کے عالم میں ہے حالانکہ اشوک اور بُدھ کا یہ چیلا شنکر آچاریہ بازاروں میں مشہور تھا اور نروان کے لئے برف زاروں میں تپسیا کیا کرتا تھا۔ یہاں شاید اُس کا بیٹا رہتا تھا جس نے کوہ سلیمان یا تختِ سلیمان پر ۲۰۰ ق۔م میں ایک بودھ مندر بنایا تھا جو اس عقیدے کے ماننے والوں کے لئے ایک مقدس مقام رہا ہے۔ تبت کے ہمہ وقتی یاتری لاما بھی اس کو دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ اگنی دیوتا کے حسن و جمال نے اُسے فریفتہ کیا اور وہ دوبارہ قدیم عقیدے یعنی ناگ پوجا کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہو گیا جبکہ اس کا مندر کب کا مسمار ہو گیا ہے اور اس کی جگہ دوسرے معبدوں نے لی ہے۔

للتادتیہ جس کا دور حکومت ۶۹۷ء سے ۷۳۸ء تک تھا، کی فتوحات نے اس سری نگر کے گلی کوچوں میں خوشی کے جشن سے اور اس کے محلات کو ہندوستان اور وسطِ ایشیا کے نوادرات سے سجایا تھا حالانکہ اس وقت سرینگر قریب ایک سو سال سے ملک کا دار الخلافہ چلا آرہا تھا۔

شنکرورما، فاتح اور قمار باز کی فوجی چھاؤنیاں میں 900,000 پیادے، 300 ہاتھی اور 100,000 گھوڑے شامل تھے۔ اُس نے اپنے ہمسائیوں کو تابع فرمان کر دیا ہو، ناممکن نہیں۔ اس کی حکومت نویں صدی عیسوی کے اختتام تک رہی ہے۔ ڈھلوان پر ٹوٹے پھوٹے کھوکھلے ستونوں اور کُندہ کئے گئے پتھروں کے ڈھیر بکھرے پڑے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں کبھی کوئی محل کھڑا تھا۔ ڈھلوان پر کچھ اوپر ایک بڑی چٹان کا حصہ پڑا ہے جس کے بارے میں کہا

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

جاتا ہے کہ یہ ایک دیو قامت بدھ مجسمے کا ٹکڑا ہے جو کسی زمانہ میں بلندی پر مصروف شہر کو تکتا رہتا تھا۔ اس خستہ وشکستہ صدیوں پرانے بھورے رنگ کے پتھر کے پائینی طرح طرح کی پھول دار جھاڑیوں کی کھیپ خوش وخرم لہلہا رہی ہے۔ وہ اس بات سے بے خبر ہے کہ اُن کی خوب صورتی چندروزہ ہے۔

مندر چھوٹا سا ہے یعنی 18 فٹ مربع ہے اور سادہ پتھر کا بنا ہوا ہے۔ اس کی چھت اہرامی ہے اور زلزلے سے ہی ڈھہ سا گیا ہے مگر باہری چہار دیواری بدستور قائم ہے۔ پتھروں کے درمیان دراڑیں بنی ہیں اور اُن کی چولیں ڈھیلی پڑ گئی ہیں۔ اندرونی چھت مبینہ طور قدیم طرز کی شبیہہ کاری سے مزّین ہے۔ چونکہ مندر قریب چار فٹ پانی میں ہے اس لئے اس تک پہنچنے کے لئے کشتی کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس کا نظارہ کیا جائے۔ اس کا بانی راجہ پارتھا کا وزیر اعظم تھا۔ وہ دسویں صدی میں حاکم تھا۔ اس نے اس مندر کو مہادیو کی نذر کیا تھا مگر شاید اس کا کچھ رشتہ دیہات کے قدیم مذہب ناگ پوجا سے تھا۔ یہ فرقہ اب بھی پہاڑوں اور دریاؤں کے کنارے آباد ہے۔ اس چھوٹے مندر نے کبھی شہر کی بھیڑ بھاڑ اور چہل پہل کو نہیں دیکھا کیونکہ اس کی تعمیر سے پانچ سو سال پہلے حکومت کا کاروبار شہرِ سرینگر منتصل ہو چکا تھا۔ سابقہ شانِ رفتہ، دستِ بُردِ زمانہ، خستگی، آگ اور تلوار جیسی سبھی چیزیں اِس مندر کے تراشے پتھر اور فنکارانہ انداز سے اُٹھائے گئے ستونوں کی قسمت میں دیکھنا لکھا تھا۔ اِس کی تعمیر کے پچاسویں برس خطرناک آتش زدگی میں شہر اور اس کا ملحقہ علاقہ خاکستر ہوا۔ اس سے پہلے ہی ہندومت کی بالادستی میں کمی واقع ہوئی تھی اور شاندار ہندو اقتدار روبہ زوال تھا۔ خانہ جنگی اور نااہل راجاؤں نے اس کے خاتمے کو قریب تر کردیا۔ یہاں تک کہ مقامی خودمختار راجے تاتاری حملوں آوروں کے خوف سے بھاگ نکلے۔ یہ چودھویں صدی عیسوی کے ابتدائی دور کی بات ہے۔ زمامِ حکومت ایک خاتون کے ہاتھ میں آگئی۔ یہ ہندوراج کماری کوٹہ رانی تھی۔ وہ ایک فوجی کی بیٹی تھی۔ اس نے فوج تیار کی اور حملہ آور کو نکال باہر کردیا لیکن اس نے من مرضی کے خلاف شادی سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو قتل کردیا۔ اسی کے ساتھ کشمیر میں ہندوراج کا خاتمہ ہوا۔ پھر ۱۸۱۹ء میں رنجیت سنگھ کے فاتح فوجی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

سربراہ وارِد وادی ہوئے۔ درمیانی پانچ صدیوں کا دور مسلم خاندانوں کی حکومت کا زمانہ رہا۔ اسلامی عقیدہ مقبولِ عام ہوا۔ اِن تمام تغیرات کے باوجود جنہوں نے وادی کو متاثر کیا ہے اور اپنے مساجد کی صورت میں چھوڑتے ہیں، کسی نے قدیم قصبہ کی تعمیرِ نو نہیں کی اور چھوٹا مندر آج بھی یکتا و تنہا عمر رفتہ کی داستان سنا رہا ہے۔

فرازِ دریا

پاندریٹھن کے خستہ مندر اور ویران شہر کے آثار کو رخصت ہو کر ہم دریائے جہلم کی طرف مُڑتے ہیں۔ یہاں اس کی چمکدار و مرتعش سطح مئی کی دھوپ کی تابانی، اور سروں کے اوپر پیڑوں پر نغمہ زن طیور سے لطیف اندوز ہوتے ہیں۔ چنار کی شاخ پر سنہرے پرندوں کے مدھر گیت ہمیں باور کراتے ہیں کہ یہ ٹھنڈی، سہانی، گیتوں بھری صبح بہر حال یورپ کی نہیں بلکہ پُر اسرار مشرق کے ایک نہایت رومان پرور خطّے کی صبح ہے۔

کشتی میں فرازِ دریا کی طرف سفر کرنا ایک ایسی پیش قدمی ہے جس میں کئی طرح کی دل لگیاں ہیں۔ مثلاً یہ کہ ہم وقت کے احساس سے یکسر عاری ہو جاتے ہیں۔ گویا وقت کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ رفتار اتنی تیز ہے جو زمان و مکان کو فراموش کردے، کیونکہ فراز کی جانب کشتی کی اوسط رفتار کو تو دہ یخ کی رفتار کے مُشابہ کہا جا سکتا ہے، بلکہ اس لئے کہ محض اس وجہ سے کہ دریا میں وقت کا وجود ہی نہیں ہے۔ ہر ایک اس مسحور کن وادی میں زمانے کی فکروں اور اندیشوں کو بھولنے کی دُھن میں رہنا پسند کرتا ہے۔

سرینگر کے قریب کوہِ ماری پربت پر اکبر کے قلعہ سے نصف النہار کی توپ کی گرج ہمارے شعور کے پھاٹک پر دستک دیتی ہے اور یاد دلاتی ہے کہ ہم نے کس بھیڑ بھاڑ والی دنیا کو پیچھے چھوڑا ہے جس کو یہ دھوکہ ہے کہ وہ بہت ہی ترقی یافتہ اور مہذب ہے حالانکہ وہ صرف تقویم کی جکڑ بندیوں میں جکڑی ہوئی اور عیاشیوں اور فرائض کی چکی میں پِس رہی ہے۔ اس کے علاوہ سرینگر میں پریشانی کا مارا کوئی نہیں ہے۔ سینکڑوں میل تک پھیلا ہوا جنگل جیسا ماحول وقت کا احساس زائل کر دیتا ہے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

دریائی راستہ پر یورپی فلسفی کا یہ سبق یاد ہو جاتا ہے کہ وقت سے بے نیاز ہو کر ہم خوب صورت طلوعِ آفتاب، غروبِ آفتاب، شاندار دوپہریں، سنہری سہ پہریں اور سحر انگیز بھاری چاندنی راتیں یا تاروں بھرے آسمان کی پُراسرار جگمگاہٹ سے محظوظ ہوتے ہیں۔ مرّوجہ پیمانوں سے گھنٹوں میں بانٹنے کے بغیر دِن بدلتے آسمانوں اور خوب صورت مناظر ایک پُروقار پیش قدمی ہیں جس کے حُسن و جمال میں گزرتے بادل اور دھوپ ہر لحظہ نئی دِل کشی پیدا کرتے رہتے ہیں۔

کشمیریوں کا طرزِ گفتگو بجائے خود نہایت حسین ہے۔ اس سے ان کے حقیقی تصور تقسیمِ اوقات کا پتہ چلتا ہے۔ وہ دفتری تقویمات اور مہینوں اور تاریخوں کی تنگ نظر حد بندیوں کی کوئی پروا نہیں کرتے بلکہ مہینوں کا شمار اُن پھولوں اور پھلوں کے حساب سے کیا جاتا ہے جو یہاں اپنے اپنے موسم میں اپنی بہار دِکھاتے ہیں۔ ''پھولوں کے زمانے میں'' سے مراد، بقول کشتی بان، سیب اور ناشپاتی کے پھوٗل کھلنے کا وقت ہے۔ اس موسم میں اکثر بادل، بارش اور دھوپ کا امتزاج رہتا ہے''۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ''شہتوت کے زمانے میں'' آپ سنبل میں بڑی مقدار میں مچھلیاں پکڑ سکتے ہیں۔ ''مکی کے بھُنے پکنے کے زمانے میں'' جنگلوں سے ریچھ اُتر آتے ہیں۔

دریائی سفر کے دوران کوئی جلد بازی نہیں کرتا ہے۔ کشتی اوپر کی جانب قریب دو میل فی گھنٹہ رفتار سے رواں دواں رہتی ہے۔ یہ بات مجھے اُن لوگوں نے بتادی جو کشمیر آکر بھی وقت وغیرہ کا حساب لگانے کی عادت نہیں بھولتے ہیں۔ یہ سست رفتاری اس سفر کی ایک کشش ہے۔ اکثر لوگوں کے ہاں سفر کا تصور تھکاوٹ، تعجیل، غبار اور شغف سے پھوٹتا ہے جس سے وہاں سے کسی طرح گزرنے کی خواہش اُبھرتی ہے جہاں بصورتِ دیگر تادیر قیام کرنے کو دل چاہتا ہے۔ اس بے گرد و غبار، بے شور و شغب اور بلا تعجیل سفر کا حقیقی لطف وہ صدا ہے جو آہستہ خرام کشتی کے چلنے سے پانی میں پیدا ہوتی ہے۔ اِس سے پہلی بار واسطہ پڑنے پر عجیب انبساط کا احساس دل میں کروٹ لیتا ہے۔ یہ اس لئے کہ جیسے ہم غیر فطرتی طور برف پوش پہاڑیوں کی گود میں دھیرے دھیرے اور محنت و مشقت کے بغیر سمٹ رہے ہیں۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

عمدہ موسم میں ڈونگا سفر کے لئے بلا شک بہترین کشتی ہے کیوں کہ اس کی چٹائی نُما دیوار میں وقتی طور ہٹائی یا لپیٹی جا سکتی ہیں۔ اس دوران پورا دِن صاف وشفاف ہوا میں رہنے کا موقعہ ملتا ہے۔ انہیں پھیلائے بغیر لیٹا بھی جا سکتا ہے۔ کُھلے میں سونے کا یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے البتہ طوفانی اور خنک موسم میں ڈونگا شاید زیادہ مناسب پناہ گاہ نہیں ہے کیوں تیز بارشوں کی صورت میں سب چٹائیاں کھول کر یا تن کر رکھنی پڑتی ہیں جس سے ڈونگے میں تقریباً گھپ اندھیرے سے واسطہ پڑنا لازمی ہے۔ اسی طرح جب برفیلی ہوائیں ڈونگے سے ٹکراتی اور دریا میں ہلچل مچاتی ہیں تو اپنے آپ کو گرم رکھنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ سوائے اس کے کہ ہم دریا کنارے پُر مشقت مشقیں کرتے رہیں اِن تمام دُشواریوں کے باوجود ڈونگے میں گزرا وقات کا مشورہ اُن لوگوں کے لئے بہتر ہے جو برطانیہ کے روایتی خانہ بند آرام کے قائل نہیں ہیں بلکہ کسی قدر تکلیف گوارا کرنے میں مزہ لیتے ہیں۔ ہاوس بوٹ (مُقیم آبی گھر) میں یہ احساس پیچھا کرتا ہے کہ آپ اِس متحرک ماحول میں ایک بدنُما غیر متحرک داغ ہیں جو اپنے آس پاس سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ اس (ہاوس بوٹ) کا بھاری بھرکم وجود دریا کے بعض دور تک پھیلی ہوئی تنگناؤں کی سیر سے محروم رہتا ہے۔ ڈونگا واقعی مسحور کن حد تک حسین ہے جو دیگر دل کشتیوں کے علاوہ غیر روایتی عنصر کا حامل بھی ہے۔ ہم اپنے ڈونگے میں خود مختار و مالک ہیں۔ سر والٹر لارنس کے بقول کشمیری لوگ حکمران کے مُصمم ارادوں کو پسند کرتے ہیں۔ وہ فردِ واحد میں مرکوز اختیار کی تمنا کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ اُن (کشمیریوں) کو فراہم کرنا ہر شخص کے بس میں ہے۔ ایسے میں اپنے آپ کو سخت گیر گردانا باعثِ مسرت ہوتا ہے۔ اس طرح آپ کہیں بھی، کسی بھی وقت ٹھہر سکتے، قیام کر سکتے اور اگلے دِن کے لئے اپنے آپ کو تیار کر سکتے ہیں۔ آپ کو کسی سے کوئی صلاح مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کہیں سے کوئی مزاحمت نہیں ہوتی ہے۔ اِس کشتی کے سفر کی دوسری عمدگی یہ ہے کہ ٹھہراؤ کے دوران آپ اپنا سامانِ سفر یک جا کر سکتے ہیں۔ جو سامان آپ نے سادگی کے انداز میں اِدھر اُدھر بکھیر دینے میں لطف حاصل کیا ہے وہ سمیٹنا بھی ایک لطف کی بات ہے۔ کشتی دریا کے پانی پر تیر رہی ہے اور آپ حسبِ معمول اس کے اگلے سرے پر بیٹھے ہیں

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

جو موسمی پھولوں سے سجایا گیا ہے، چاہے مئی کے گلابی ہوں یا سوسنی۔

دریا (جہلم)، جو وقت کی تئیں عالمی عدم توجہی میں شریک ہے، اپنے طاس کے طور ممکنہ حد تک زیادہ سے زیادہ علاقہ استعمال میں لاتا ہے۔ یہ زمین اسلام آباد سے اس کے منبع سے لے کر بارہمولہ جہاں یہ کشتی بانی کے موافق نہیں رہتا، تک پھیلی ہوئی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ (جہلم) وادی کو پیچھے چھوٹنے کے لئے آمادہ نہ ہو اور جس کے لئے اسے قصوروار نہیں ٹھہرایا جا سکتا کیونکہ اس اَن چاہے کام کے کرنے پر یہ بل کھاتا، موڑ کاٹتا اپنی ضد کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے ہمراہ سفر کرتے ہوئے ہم مختلف آب و ہوا، دھوپ چھاؤں، خوش گوار صبحیں، کشتی کے تحرک سے پیدا ہونے والی سہنانی ہوائیں جو سوسن کی نازک پتیوں میں سرسراہٹ پیدا کرتی ہیں اور چپو سے ٹکرانے والی خوش و خرم لہریں دیکھ سکتے ہیں۔ اِسی ہنگامہ حسن قدرت میں ہم بلند و بالا برف پوش چوٹیوں کے دل فریب منظر سے آنکھ لڑاتے ہوئے اِن خاموش مگر سنجیدہ پاسبانوں کے جادو سے متاثر ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ہم بعد دوپہر کی بنفشی اور نیل گوں دھوپ سے نکل کر ابر آلود خطے میں پہنچتے ہیں جہاں موقعہ بموقعہ آفتاب کی شعائیں بادلوں سے چھن کر کوہسار پر مسکراتی ہیں۔ دائیں جانب پیر پنچال کا سلسلہ طوفانی آسمان کے مدِ مقابل سر اُٹھائے سنجیدگی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ سامنے، دور، برف پوش چوٹیاں ڈوبتے سورج کی پیلی سنہری روشنی سے آنکھ مچولی کھیلتی ہیں۔ روشنی کی کرنیں ان کو گدگداتی ہیں۔ اِن سایہ دار اُترائیوں کو سورج کی کرنیں شفاف سنہرے غلاف میں لپیٹتی ہیں جیسے کوئی سندر سپنا سر اُٹھائے غروبِ آفتاب کے کنارے کو ٹٹول رہا ہو۔ ہم اِس حسنِ لامثال میں مستقل قیام کا تصور کرنے سے قاصر ہیں تاہم ہم خود بھی ایک بڑھتی طوفانی لہر سے دوچار ہوتے ہیں۔ شام کے وقت کا دریا بادلوں سے اَٹے، آسمان کو دور اور حسرت سے تکنے لگتا ہے۔

اِختتامیہ

کافی ہے میرے لئے

خوابوں میں دیکھتا

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اور چھونا
تیرے لباس کی گوٹ تیرے قدم
خدا کے اتنے قریب گئے ہیں
کہ میں
آپ کے نقشِ قدم پر
چل نہیں سکتا۔

(رُڈیارڈ کپلنگ۔ حقیقی رومانس)

ہاوس بوٹوں میں محصور لوگوں کے لئے دریا کا آخری سرا اکھنہ بل ہے جو کہ ایک گھاٹ ہے (جیسے کہ راہنمائے سیاح کتابیں بتاتی ہیں)۔ یہ اسلام آباد میں ہے اور خاص اسلام آباد سے سڑک سے ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ سڑک خوب صورت ہے۔ یہ کشمیر میں سفیدوں کی قطاروں کے درمیان گزرنے والی سڑکوں میں سے ایک ہے۔ دونوں جانب نونہال سفیدے ہیں جن کے سفید بھورے رنگ کے تنے پیش پا دل کش مناظر سے ہم رنگ ہیں۔ یہ پیش پا مناظر دھان کے کھیتوں کا حاشیہ ہیں جو بہار اور گرما میں پہاڑی اَبر اور آسمان کو منعکس کرنے والے آئینہ مثال تالابوں کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ موسمِ خزاں میں یہ حاشیے زردی مائل سبز گھاس کے پارچے ان سے دور داہنے طرف، گھاس کے میدانوں کے اس پار ایک طرف پیر پنچال کا سلسلۂ کوہ ہے اور دوسری طرف خشم ناک دیوار نما ڈھلوان ہے جس کے ایک تنگ راستے سے نالہ لدر اُترتا ہے۔ وادی کے تنگ ہوتے ہوئے دامن میں پہلے وہ عریاں ٹیلے ہیں جن کے عقب میں اسلام آباد، آباد ہے اور پھر اس کریوہ کی دوسری جانب ایک تو اچھہ بل کی خوب صورت گول پہاڑیاں ہیں اور نُوبگ گھاٹی کا مشجر علاقہ ہے۔ اس وادی سے دور اور عقب میں وہ برف پوش چوٹیاں ہیں جن کی دوسری جانب کشتواڑ، واڑون اور فلک بوس زنسکار ہے۔

البتہ اگر دوستوں کے حق بجانب مشوروں کے باوجود آپ نے جوکھم لیا ہے اور ڈونگے کی مشقت اُٹھانے کا فیصلہ لیا ہے تو سڑک کا آخری سرا اکھنہ بل سے دو میل دور دشوار گزار موڑوں اور

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

پُرخطر زاویوں کے بعد ہے جہاں تیز وتند جھکڑ چلتے رہتے ہیں اور بیدزاروں کو رقص کراتے ہیں۔ یہ بیدزار دریا کو تقسیم کرتے ہیں۔ کبھی تنگ ہو کر کنارے سے کنارے تک کی چوڑائی صرف تیس گز رہتی ہے اور وہ بھی کئی ندیوں کی شکل میں۔ آپ اپنی کشتی چلاتے ہو سیدھے تنگ اور چھوٹے جزیرے کے اندر تک لے جاسکتے ہیں جہاں سرسبز کنارہ ایک محدود لنگر کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اس لنگر میں صرف آپ کی کشتی لنگر انداز ہوسکتی ہے۔ آپ چاہیں تو کشتی باندھ کے دوسروں کے لئے سفر میں سبقت لینے کے امکانات ختم کرسکتے ہیں۔ دوسری کشتیوں سے الگ، شور مچاتے نوکروں سے دور اور گرجدار آواز والے مانجھیوں سے جُدا آپ کا اپنا الگ وسیع دریائی موڑ ہے، جو صرف آپ ہی کا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ عمدہ خطۂ ارضی ہے۔ سیب کا باغ اور اس میں ایک پُروقار چنار کا درخت:

پُرسکون تنہائی اور
پنہائی
شہتوت کے درخت کے سائے میں

چہار خانہ سبزہ زار
چمن اندر چمن

ایک دنیائے سبز رنگ، جس میں نرم نرم ہواؤں سے چھن کر آتی زرّین دھوپ کی ملمع کی گئی ہے، اپنی مخملی بساط بچھائے محوِ ناز ہے۔ آپ اپنی کشتی سے ہوا میں اُڑتی بیدوں کے ریشوں کا نظارہ کرسکتے ہیں۔ یہ ریشے یا تو ہلکے نیلے رنگ کے ہیں یا غروبِ آفتاب کے وقت زرد گلابی ہیں۔ بیدزاروں سے پرے خاص کشمیری سفیدوں کی دیوار سی قطار ہیں جن کے بیچ ویری ناگ سڑک گزرتی ہے اور پسِ منظر کے طور پر ڈھلوان برفیلی پہاڑیاں سیاہی مائل سبز رنگ سبزہ زار میں اپنا عکس ڈالتی ہیں۔ جزیروں کے درمیان دریا گزرتا ہے تو اس کا رنگ ارغوانی ہے کیونکہ یہاں سیاہ چٹانیں اس کے راستے میں حائل ہیں۔ آگے زرد اور سنہری لہریں ریت اور سنگ ریزوں کے اوپر سے گزرتی ہیں اور اس کی گہرائی میں آسمان جھلکتا نظر آتا ہے۔ اس مقام پر اس

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کا شفاف پانی اور تیز بہاؤ باور کراتے ہیں کہ یہ ایک پہاڑی ندی ہے۔ بہاؤ سے پیدا ہونے والی نغمگی، کناروں سے ٹکرانے کی صدائیں، اُچھلتی کودتی لہریں منجدھاروں میں رقصاں اور ہلکی ہلکی موجیں جو آپ کی کشتی سے ٹکراتی ہیں تبھی کوئی پُر اسرار زبان میں آپ سے گفتگو کرتی ہیں اور آپ کی پیچھے چھوڑی ہوئی ساری دنیا آپ کے حافظے سے محو ہو جاتی ہے۔ یہ موجیں آپ کو تھپکیاں دے دے کر پیش قدمی پر آمادہ کرتی ہیں۔

لیکن یہ نہایت گریز پا دریا ہے جو سینکڑوں بلکہ بقول قدما کے ہزاروں سوتوں سے پھوٹ کر بہتا ہے۔ ان میں سے چند قریب تر اور عیاں تر اچھ بل، بھون اور ویری ناگ چشمے ہیں جہاں جہانگیر کی ملکہ نے لکھا کہ ''یہ آبشار جنّت کے چشموں سے نکلا ہے۔'' چنانچہ مغل عہد سے ہی کشمیر کے حکمرانوں کے لئے یہ عیاشی اور لطف اندوزی کے مقبول راستے رہے ہیں۔ دورِ حاضر کے انگریز حکمرانوں کے لئے یہاں کے گرمائی محلات بھی عالی شان ہیں۔ ان کے آس پاس مندر اور محلات وطرب گاہوں کے کھنڈرات موجود ہیں۔ یہاں دل کش پانی مصنوعی نہروں کے ذریعے اور دیوار بند آب خانوں میں محفوظ و مرکوز کیا جاتا ہے۔ ان نہروں اور آب خانوں میں مقدس مچھلیاں عریاں رقص کرتی ہیں۔

یہ سڑکیں کتنی بھی مشہور ہوں مگر ان میں بل اور جنم موسیقی پیدا نہیں کرتے ہیں۔ اگر آپ ان کی پُر شوق اور تیز رفتار لہروں کو کان لگا کر سننا چاہئیں تو وہ آپ کو دور بہت دور حیران کن حسین مناظر کی سیر کرانے کے لئے چلیں گی۔ جہاں آپ عالی وقار، چمکدار ڈھلوانوں کی خاموشی سے مبہوت برف زاروں کو تکتے رہیں گے۔ اُن کی سفید قبا آپ کو مرعوب کریں گی۔ یہ نا قابلِ تسخیر بلندیاں سندھ اور جہلم کے منابع کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہیں۔ آپ اِس جمیل خطۂ ارضی کو حقارت آمیز نگاہوں سے بھی دیکھ سکتے ہیں کیونکہ یہاں کے راستے آسان اور بہت زیادہ استعمال ہونے والے ہیں۔

اوّل تو آپ شبنمی چراگاہوں سے گزریں گے جہاں جنگلی سرو کے پیڑوں پر جنگلی گلابوں کی بیلیں اویزاں ہیں جن کی گلابی اور سفید فصلِ گُل ندی پر سایہ فگن ہیں۔ اسی طرح کی ندی کے لئے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اسپینی شاعر نے لکھا ہے:

پربت کی ہنسی
پرندوں اور پیڑوں کی بانسری
سبزہ زار کا جمال
آئینہ صبح گاہ
اپریل کی روح
جس کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں
گلاب و سنبل
والہانہ تجھ میں کود پڑتے ہیں

اس سے آگے بڑھ کر آپ سیاہی مائل سبز صنوبر کے گھنے جنگلوں سے گزریں گے جن کے درمیان کہیں کہیں دھوپ کے آنے کی کھلی جگہیں بھی ہیں۔ کہیں گرے پڑے درختوں کے تنوں پر نہایت زرد کائی جمی ہوئی ہے۔ یہاں سے دریا سفید جھاگ اُگلتا ہوا، چاندی کے تالابوں میں رقص کرتا ہوا، راگ الاپتا ہوا نشیب کی طرف بہہ نکلتا ہے۔ اب اس میں وہ ہموار راستے کی سرسراہٹ نہیں رہتا ہے بلکہ ایک پرشور نغمگی اور مست خرامی ہے جس سے جنگلوں کی تنہائیاں آباد و لطف اندوز ہوتی رہتی ہیں۔

مزید آگے کا سفر جاری رکھتے ہوئے آپ بھوج کے درختوں کی سطح سے اوپر سفید پالے کے قطروں سے ڈھکے میدانوں میں پہنچ جائیں گے۔ یہاں ندی پہاڑی گہرائیوں سے پھاندتی ہوئی اور یخ بستہ ہواؤں سے لڑتی ہوئی آگے کو بہتی ہے۔ اس ہماہمی میں اِس میں طوفانی شور پیدا ہوتا ہے جو ان خاموش بلندیوں میں ہمارے تحیر و تعجب کا باعث بنتا ہے۔

جن مہم بازوں نے ان پہاڑی ندیوں میں سے کسی ندی کے منبع کی تلاش میں اس برف زار کے اندر تک جانے کا خطرہ مول لیا ہو وہی سمجھ سکتے ہیں کہ یہاں کسی منجھے ہوئے راستہ کا پتہ لگانا کتنا مشکوک عمل ہے اور اِس کی پیمائش، نقشہ سازی، منظر نگاری اور تفصیلات نگاری کس قدر

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ناممکن یا دشوار عمل ہے کیوں کہ وہ خود بھی یہاں حادثاتی طور آ پھنسے ہوں گے۔اگر آپ اتنے خوش قسمت ہیں کہ اِن تمام مشکلات کا مقابلہ کرنے کی ہمت رکھتے ہیں تو آپ خود ہی اپنے لئے اِن پہاڑی ندیوں کے ابتدائی سِرے یعنی پھوٹنے کے اُس مقام کا اَتہ پتہ دریافت کرسکتے ہیں جس کی دید واقعی باعثِ فرحت وانبساط ہوگی۔

شمال کا راستہ

ہمارے پُرشور سال

لمحے محسوس ہوتے ہیں

ابدی خاموشی کے سنگ

زندگی گزارتے ہوئے

(ورڈس ورتھ)

گلگت کا راستہ ایسا راستہ ہے کہ جس پر کوئی اعتماد نہیں۔اس لحاظ سے یہ کشمیر کے دیگر اکثر راستوں سے مختلف ہے جو مزاج بدلنے کے بہت زیادہ عادی ہیں۔ یہ سڑک کبھی تیز پہاڑی ہواؤں کی آماجگاہ ہے۔نم ہو یا خشک، ہر صورت میں صورتِ حال یکساں ہے۔آپ پھسلن والے زینہ نما پتھروں پر سے چل کر یا ,گرے ہوئے درختوں کے تنوں کے اوپر سے چل کر یا کسی جھکی ہوئی نوکِ کوہ سے لٹک کر یا پانی میں سے تیر کر یا جیسی بھی وقتی طور ضرورت ہوگی، پار کر سکتے ہیں۔ کہیں کوئی وسیع وعریض گھاس کا میدان ہے جو پھولوں سے مُزین اور دل کش ہے۔کہیں برفانی تودوں کے ساتھ پھسلا ہوا مٹی اور پتھر وغیرہ کا ڈھیر ہوگا اور آپ بمشکل تمام ہاتھ پاؤں ٹکائے 66ڈگری ڈھلوان چٹان سے گھسٹ گھسٹ کر آگے بڑھ رہے ہیں۔اس مشکل وقت میں آپ کو اہرام مصر پر چڑھنے والوں کی تصویریں آنکھوں کے سامنے گھومنے لگیں گی لیکن اسی اثناء میں آپ کو یقین دِلاتے ہوئے آپ کا ناشتہ بردار قلی بتاتا ہے کہ یہ دراصل گھوڑوں کا راستہ ہے۔اسی طرح وہ جس قلی راستہ کی طرف اشارہ کرتا ہے وہ بھی کھری چڑھائی ہے جس کے نیچے گہری کھائی منہ کھولے شکار کو نگلنے بے تاب ہے تاہم سوائے کسی اوتاولے کے وہاں جانے کا جوکھم کوئی نہیں

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

لیتا ہے۔ کہیں تاریک اور گھنا صنوبر کا جنگل ہے۔ کہیں ٹیلہ نُما یخ کا تودہ ہے۔ کہیں پے راہ گزر برفیلی ڈھلوان ہے، یہ سب اور کئی دوسرے تمام تر رُکاوٹوں کے باوجود دعوتِ سفر دینے والے کشمیر کے راستے ہیں۔

تاہم گلگت کا راستہ روپ بدلنے کا روادار نہیں ہے۔ یہ کسی مصلحت پسندی یا اپنی اصل خصلت سے ہٹنے والا راستہ نہیں ہے۔ اس میں ایک گونہ مضبوطی اور راستگی ہے۔ اس میں موڑ اور زاویے نہیں ہیں بلکہ ہموار اور سیدھا آگے کی طرف کو جانے والا راستہ ہے۔ یہ برطانوی انداز کا روکھا پن ہے جو اس کے تعمیر کاروں کا مخصوص رویہ ہے۔

یہ (گلگت کا) راستہ لفظ سڑک کے اصطلاحی معنوں جیسے ٹیڑھ میڑھ، موڑ، خم، زاویے وغیرہ کلی طور عاری ہے یہ صرف اور صرف راستہ ہے۔ متانت اور جذبات اس کے لئے بالکل غیر ہیں۔ اگر اِس کے لئے ایسا کرنا ممکن بھی ہوتا تب بھی یہ ان سے پہلو بچاتا رہتا۔ یہ صرف ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا ایک بے مزہ وسیلہ ہے، ایک عمدہ وسیلہ۔ یہ ایک فوجی راستہ ہے جس سے ایسی تمام مشکلات پر قابو حاصل کیا ہے جن کا دنیا کی دوسری سڑکوں کو وہم گمان بھی نہیں ہوسکتا ہے۔ ایک طرف قدرت کی زبردست طاقتیں اس کے خلاف کمر بستہ ہیں جن میں ناقابلِ روئیدگی نوکدار چٹانیں، سیلابی دریا، سرمائی برفانی تودوں کا سرکنا اور سال کے باقی حصّے میں چٹانوں کا پھسلنا، برفانی طوفانی، یخ بستہ خنک آندھیاں سبھی اس کے لئے حتمی موت کا پیغام ہے جو ان میں گھِر گیا ہو۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہاں کسی بھی قحط زدگی کا قوی امکان رہتا ہے کیونکہ کوئی اس راستے سے اشیائے خوردنی سے لدے کاروان یا رسالے روانہ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا ہے وہ بھی اتنی دور رسدگاہ سے ان بے پناہ خطرات کے علاوہ اِس راستہ کی ابتدائی داغ بیل ڈالنے کے لئے ہتھیار بند کارکنوں کی خدمات حاصل کرنا پڑی کیونکہ یہاں جنگ جو قبائل کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ یہ قبائل بہادر، نڈر اور سخت کوش ہیں۔ اس لئے ان کے مقابلے اور سڑک بنانے کے لئے بندوقوں کی گھن گرج جاری رکھنا پڑی تھی تب جا کر کہیں اس سڑک کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوسکا ہے۔ یہ ہے نئی سڑک جس کے بارے میں میرا خیال ہے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کہ یہ کوئی بارہ سال پُرانی ہے۔

ایں ہمہ گلگت سڑک بھی کشمیر کے حسن و جمال اور دل کشیوں سے کلی طور نا بلد نہیں ہو سکتی ہے۔ چنانچہ یہ اپنی مخصوص بے کیفی کے باوجود خوب صورت ہے۔ چنانچہ یہ اپنی مخصوص بے کیفی کے تحیر آمیز ہے۔ پہاڑی سلسلوں کے سلسلے آپس میں پیوستہ، حیران کن حد تک صاف وشفاف ماحول جہاں ابتداء موسمِ بہار سے لے کر موسمِ خزاں کی بے رحمانہ یلغار رنگ برنگے ننھے ننھے پھولوں کی بہار ہر طرف پھیلے پہاڑوں کو خوش بوؤں سے سرشار کرتی رہی ہے۔

گلگت سڑک کبھی بھی اس قدر خوش منظر نہیں رہی ہے جس قدر پیر پنچال سڑک رہی ہے۔ اس کے برعکس یہ ایک جنگی سڑک رہی ہے یا کم از کم یہاں جنگ کے خطرات منڈلاتے رہے ہیں۔ اِس سڑک کا ماضی۔ ماضی بعید۔ طویل دورِ افراتفری رہا ہے۔ یہ تسلط اور استبداد کا دور رہا ہے، قتل وغارت گری اور استحصال کا دور دورہ رہا ہے، ہر طرف خوف و دہشت اور دُکھ کا ماحول رہا ہے جو جبری مزدوری اور غلامی کا روادار رہا ہے۔ بے دست و پا و بے اختیار انسانی آبادی پر بھوک پیاس، غربت و افلاس اور خوف و ہراس کے پہاڑ توڑے جاتے رہے ہیں۔ اس پر مستزاد بے رحم و زمستانی سردی، ٹھنڈی ہوائیں، بے رحم فطرت کے مظالم کی یلغاریں انسانی آبادی کو آڑے ہاتھوں لے کر زندگی کی آسائشوں سے محروم رکھتی رہی ہیں۔ یہ وہ سڑک ہے جس نے ماضی بعید میں انسانی زندگی کی بے شمار قربانی وصول کی ہے۔ مجھے ایک کشمیری ٹرک ڈرائیور نے کہا کہ جب وہ پہلی بار اس سڑک پر گاڑی چلا رہا تھا اور اس وقت وہ صرف سولہ سال کا لڑکا تھا تو اُسے زارو قطار رونا پڑا تھا کیونکہ سڑک کے دونوں طرف بہت سارے آدمی مُردہ پڑے تھے۔

آج جب کہ نئی سڑک تعمیر ہوئی ہے، مختلف درّوں سے چلنے والی برفانی آندھیوں کے چلتے گھوڑوں اور قلیوں کی لاشوں سے اٹ جائے گی۔ موسم سرما میں تو ڈاک لے جانے والے اپنی جان پر کھیل کر ہی روانہ ہو جاتے ہیں۔ برف اگرچہ اپنے راز چھپا کر رکھتی ہے لیکن موسمِ بہار میں اس کے پگھلنے پر اس کے اسرار افشا ہو جاتے ہیں جو برف کے نیچے دبے ہوئے حیوانات ہی بلکہ انسانی لاشیں بھی بکھری ہوتی ہیں۔ بعض دفعہ ہم بر وقت پہنچ کر باربردار ٹٹوؤں کی لاشوں پر

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

منڈلاتے گدوں کا روح فرسا منظر بچشم خود دیکھ سکتے ہیں۔ یہ ٹٹو راستے کی دشواریوں کے ہاتھوں اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ ابھی گلگت کے قریب اس سڑک کے کچھ ٹکڑے ایسے ہیں جہاں جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کے تمام وسائل بے بس و بے کار ثابت ہو رہے ہیں۔ کسی بھی وقت زوردار آندھی سڑک اُڑا لے جاتی ہے اور انسانی زندگی کی قربانیوں کے بغیر دوبارہ قابل استعمال نہیں بنائی جاسکتی ہے۔

یہ سڑک محض ضد اور مخاصمت کی وجہ سے بنائے رکھی جاتی ہے۔ فوجی سنتری قیمتی اور اہم پلوں کی حفاظت پر مامور ہیں اور مسافروں کا اعلیٰ افسران کا اجرا کیا ہوا اجازت نامہ جانچتے ہیں ورنہ اس کے بغیر سفر کی اجازت نہیں دی جاتی ہے۔

اس سے بلندی پر سفید دیو پیکر ننگا پربت یا دیومبر۔ دیوتاؤں کا گھر۔ جیسے آس پاس آباد لوگ اسے نام دیتے ہیں، سایہ کناں ہے۔ اس پر 26629 فٹ برفستان واقع ہے۔ اسے ہر درّہ کی چوٹی سے دیکھا جاسکتا ہے اور ڈھلوان کے آخر پر بلند فصیل گہرے نالے ہیں جن کے کنارے یہ سڑک گزرتی ہے۔ یہ ایک سفید سد ہے جو اس قدر بلندی پر واقع ہونے کی وجہ سے آسمان پر اُڑتے برفیلے پہاڑ کی صورت محسوس ہوتا ہے۔ اس سڑک پر ہر چیز اتنی جسیم ہے کہ کئی دِن گھوڑے پر سفر کرتے کرتے ان کی وسعت، درازی، خوبصورتی، غور طلب خلوت گزینی، خاموشی، الغرض سبھی کچھ اس احساس کو دِل میں جگاتے ہیں۔

خوفناک ہلچل

بے فائدہ و بے سوٗد

اور حرارتِ جہاں موجود

طاقِ نسیاں ہو جاتے ہیں جیسے یہ کیفیات تھی ہی نہیں اور ان سے کم حجم کی کوئی بھی چیز محض وہم وگماں معلوم ہوتی ہے۔

سڑک ابتدائی حصہ کے پائین میں کامری ندی بہتی ہے جو آگے چل کر شمال میں استور پہنچ جاتی ہے۔ اس میں سمندر جیسی قوت مدافعت اور توانائی ہے۔ یہ شفاف آبشاروں میں اُچھلتی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کودتی سفید رنگ کی پھوار کا روپ دھارن کرتی ہوئی، ایک بے پناہ عظیم چٹان کی بنیادوں کا طواف کرتی ہوئی افتاں و خیزاں پیچ و خم کھاتی ہوئی بہتی ہے۔ سفیدی میں یہ چٹان دار ساحل سمندر کے جھاگ کے مشابہ ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ سمندر اور خاص طور سے بیچ سمندر مد و جزر اِس پہاڑی ندی جیسے شفاف نہیں ہیں۔ اس کے جھاگ زرد، دلربا نیلے اور شفاف ہیں کہ آسمان کی نیلاہٹ بھی اس کے آگے مات کھا جائے کیوں وہ بے کیف اور دبیز ہے۔ اِن میں ایک طرح کی چمک دمک بھی پائی جاتی ہے۔ سبز رنگ دفعتاً نیلے رنگ میں مدغم ہو جاتا ہے اور دوسری طرف یہی ارغوانی رنگ میں ضم ہو جاتا ہے۔ اس کی شفافیت، خنکی، داؤ و پیچ اور رقصاں جھاگ کے چاندی نما ڈھیر کو بیان کرنے کے لئے الفاظ ناکافی ہیں۔ ابر اور پہاڑوں کے سائے اس میں ہر قسم و ہر نوع کی صورت گری کرتے ہیں جن میں صرف سورج رنگ بھر سکتا ہے کیونکہ یہ صورت گری صاف و مرمریں پانیوں پر اور شفاف ماحول میں کی گئی ہے۔ یہ رنگ زندگی اور حرکت کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے۔ کیونکہ یہ دریا ہمیشہ تیز رفتاری سے پیش قدمی میں محو ہے اور ہزاروں فٹ کی بلندیوں سے کودنے کی وجہ سے اس میں توانائی بڑھتی رہتی ہے اور اسی تگ و دو میں یہ قریب تیس میل کا سفر طے کرتا رہتا ہے۔

یہ سمندر کی آواز میں گفتگو بھی کرتا ہے۔ اس کے قریب جا کر آپ سمندر کی گرجدار لہروں کی سی آواز سن سکتے ہیں جو رواں دواں پانی کا شور شرابہ کہا جا سکتا ہے۔ یہ طاقت کی زبان بولتا ہے، خود کفالت کی بات کرتا ہے جو اس کا اہم مقصد ہے۔ اسی میں اس کی کامیابی کا راز ہے۔ اسی کامیابی کے حصول کے لئے یہ دیوانہ وار سر پٹختا ہوا محوِ سفر رہتا ہے۔ اس کی بغاوت کی سرکوبی ممکن نہیں ہے۔ یہ خوشی سے چلاتا ہے، پہاڑوں سے اُترنے کی خوشی اور سمندر سے جا ملنے کی مسرت، گویا حسن و جمال کا حسین وصال ہے۔ اس نالہ سے گزرتے دریا کی گہرائی ایک المیہ ہے۔ جُدائی اور فرقت کا المیہ، کیوں کہ اس کی زبانِ فریاد انسانوں کے پہلے نہیں پڑتی۔ دونوں کی زبان میں مشترکہ اشارات و کنایات اب مفقود ہیں جنہیں کبھی آدمی سمجھ سکتے تھے اور ماضی کا رشتہ انسانوں کو اس کی زبان میں دل چسپی لینے اور کان لگا کر سننے کے لئے مجبور کرتا ہے اور عین ممکن

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہے کہ پھر کبھی انسان اس کی باتیں سمجھنے لگے گا۔ اسی امید کے چلتے ہمیں اس کی بات پلے پڑنے کا گمان ہونے لگتا ہے حالانکہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے بس ایک بھولا ہوا نام ہے جو آپ کے لب پہ آیا ہی چاہتا ہے۔

ایک دِن آ ہی جاتا ہے جب ہمیں اس راستہ کو چھوڑنا پڑتا ہے اور دوبارہ معمول کی اور روز مرہ کی دنیا کو لوٹنا پڑتا ہے۔ آخری پڑاؤ دو جھیلوں کے درمیان ہے۔ یہاں سورج ایک گہرے گڈھے میں چھپ جاتا ہے۔ شمال میں آندھی سیاہ اَبر کا ایک پہاڑ ہے۔ اس ابر کے پہاڑ میں سنہری شعاؤں کے تیر چھپے ہوئے ہیں یا یہ دھوئیں اور شعلوں کا بنا ہوا ایک اونچا مینار سا ہے۔ ان بادلوں کی اوٹ میں اور اس راستہ کے شمالی حصہ کی طرف اونچی اور پُر رعب پہاڑیاں ہیں جو برفیلی آندھیوں کے سبب سفید چادر میں ملبوس ہیں جس کی وجہ سے یہ راستہ سرما کے چھ ماہ تک مسدود رہتا ہے۔ ان پہاڑیوں کی چوٹیوں کی باڑھ دھیرے دھیرے بادلوں کے سلسلوں میں ضم ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ بلند و بالا اور دل کش کنارے کی صورت اختیار کرتی ہے جس کا رنگ شام کے وقت کے صاف آسمان کے پسِ منظر میں سفید ہو جاتا ہے۔ سروں کے اوُپر سے کاغذ کے ہوا میں ہلنے کی جیسی آواز سنائی دیتی ہے جو ذرا دیر بعد سارنگی کے تاروں کی موسیقی کے مشابہ ہو جاتی ہے۔ یہ دراصل جنگلی بطخیں ہیں۔ شام ہوتے ہی جھیل کے کنارے اپنی پناہ گاہ کی طرف اُڑان بھر رہی ہیں۔ یہ آواز بار بار سنائی دیتی ہے کیوں کہ ان بطخوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ شروع میں ہم انہیں دور آسمان میں قطاروں میں محو پرواز دیکھ سکتے ہیں لیکن آخر کار چاندنی اور ابر کے ملے جُلے پردے میں یہ اوجھل ہو جاتے ہیں البتہ ان کی اُڑنے کی آواز پھر بھی کانوں میں رس گھولتی ہے۔ یہ بطخیں بھی شمال سے آتی ہیں لیکن اِن کے راستے کے اسرار ان کے بغیر کسی کو معلوم نہیں ہیں۔

مرکبانِ خاص

وہ اپنا تقرر نامہ ایک چھوٹی سی کتاب میں اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ یہ کتاب بہی کھاتے کی مانند ہے اور بھورے رنگ کے کاغذ سے مجلّد ہے۔ اس کے پہلے صفحہ پر فرمانبرداری کا اقرار نامہ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

چھپا ہوا ہے۔

کچھ سال پہلے ان بے نام فلک بوس عمارتوں میں تاج پوشی نے ساری دنیا کی توجہ اپنی طرف کھینچی تھی، اُن کا خیال اُس وقت دور از کار دِکھائی دیا جب ہم یہاں شمال کی طرف گلگت کو جانے والے دروں میں سے ایک کو دیکھ چکے جسے دنیا کے بلند ترین پہاڑی سلسلے کا دروازہ کہا جاتا ہے۔ اِس کی شان وشوکت کو دیکھ کر شایداَب بھی، اپنی تمام تر روایتی عظمتوں کے باوجود، رشک کرتا کیوں کہ یہ پہاڑی درے دوُر بہت دوُر پرسکون اور پروقار خلوتوں اور عظیم پہاڑی سلسلوں کے عین قلب میں واقع ہیں۔ خنک، برفیلی اور تند سرمائی ہواؤں کی متوقع آمد سے پہلے موسمِ خزاں اپنی شعلہ فشانی کی مہر پہاڑی ڈھلوانوں پر ثبت کر چکا تھا۔ ہر طرف سُنہرے اور گلابی منظر منتظرِ دید تھے جن پر سال کی پہلی کثیر برف باری کی وجہ سے سفیدی کی ہلکی سی چھاپ پڑی تھی۔

یہیں اُس (خاص مرکبان) نے مجھے اپنے تقررنامہ کے کاغذات دِکھائے۔ اِس پر حلفِ وفاداری کے بعد اس کا نام درج تھا جو کسی اور نے لکھا تھا کیوں کہ وہ خود لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تھا۔ ہاں نام کے نیچے اس کا عکس انگشت تھا۔ اِس طرح اس نے سات سمندر پار شہنشاہ کی تابعداری کا عہد لیا تھا۔ حالانکہ اس نے یا اس کے ساتھیوں نے اپنے حاکم کو دیکھا نہیں تھا۔ صرف اُس کی عظمت کی افواہیں سُن رکھی تھیں۔ اس کا نام ہی اقتدار کی بڑی علامت ہے۔ خاص طور سے انصاف کی علامت جو اُسے محبوب ومرغوب ہے۔

مرکبان کی کتاب میں اس کے بارے میں دیگر بہت سی معلومات درج ہیں جو کسی بھی مصیبت کے وقت کام آسکتی ہیں۔ مثلاً اگر وہ تودے کے نیچے دب جائے، آندھی کا شکار ہوجائے، نامعلوم گولی کا نشانہ بن جائے یا سفر اور جنگ کی آفت کا لقمہ بن جائے۔

اس خاص مرکبان میں کئی سپاہیانہ لیاقتیں ہیں۔ حکم کی اندھی تعمیل کرنا اور خطرے کی قطعاً کوئی پروانہ کرنا۔ اُس نے چترال اور مالاکنڈ جیسے اگلے مورچوں پر خدمات انجام دینے کے عوض تمغے بھی حاصل کیے ہیں۔ تاہم وہ فوجی نہیں ہے۔ وہ صرف حیوان رِسالے کا ڈرائیور ہے۔ ایک کشمیری مرکبان۔ گلگت سڑک پر کام پر مقرر کیے گئے گیارہ سو مرکبانوں کا جمعدار۔ وہ شاہی عظیم

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کوہستانی مناظر سے گزرنے والی کلید ہندوکش، نامی فوجی اہمیت کی اس سڑک کی سلامتی کے لئے ،جس کے ایک طرف سب سے بڑے یخ کے تودے اور دوسری طرف نانگا پربت وغیرہ کے عظیم برف زار ہیں۔ وہ نہایت کار آمد ہے۔ شمالی درے کھلتے ہی اُسے ولر کے کنارے بانڈی پورہ بھیج دیا جاتا ہے جہاں سے یہ سڑک شروع ہوتی ہے۔ یہ ابتدائی جون سے وسط جولائی تک کا کوئی بھی وقت ہوسکتا ہے۔ اس کا دارومدار سرمائی برف باری کی مقدار پر ہے۔ اس وقت سے لے کر اکتوبر تک جب راستے بند ہوتے ہیں اس کے گھوڑے اشیاء ضروریہ لے کر گلگت اور دیگر دور افتادہ مورچوں کو بھیجے جاتے ہیں تاکہ سال بھر کے لئے اسٹاک کیا جاسکے۔ برف کے موسم میں کوئی سپلائی نہیں بھیجی جاسکتی ہے۔

اُس (خاص مرکبان) کو اپنی ہتھیلی کی طرف سڑک سے واقفیت ہے۔ وہ ساری زندگی اسی پر آوا جاہی کرتا رہا ہے۔ اُس وقت بھی جب ابھی یہ سڑک یا کوئی سڑک نہ تھی۔ پرانی سڑک نہ ہونے کے برابر تھی، بلکہ موت کا کنواں تھی۔ وہی یہاں سے بچ نکلتا تھا جس کا آب ودانہ بھی ختم نہ ہوا ہو۔

دوران صاحب (کرنلی ایلجر نان دوران۔ نگرانِ رسالہ جات) نے جو خود اسی راستہ سے گزرا۔ یاغسانی باغیوں کے خلاف اعلانِ جنگ کیا اور نئی سڑک کی تعمیر کا حکم دیا۔ وہ (مرکبان خاص دونا خداؤں کی قسم کھاتا ہے۔ ایک دوران صاحب جس کے بارے میں اس کا یقین ہے کہ اس کا کوئی ثانی نہیں اور دوسرا کرنل ییلڈ نگ جس نے کئی برس بعد اعلیٰ درجہ کا ٹرانسپورٹ کا نظام قائم کردیا، وہ آخر الذکر کی ثناخوانی کرتا ہے جس نے ان مرکبانوں سے اپنے بیٹوں کا سا سلوک کیا۔ گھوڑے بہترین ہیں جو اس سڑک پر بار برداری کے لئے موزون ہیں۔ اس صاحب نے متبادل سڑک کا مری درّے سے تعمیر کیا تاکہ گھوڑوں کو اچھی گھاس مہیا ہوسکے۔

گریز سے لے کر استوار کے گوری کوٹ تک دو سڑکیں ہیں۔ ایک بزرل سڑک ہے جو حجری نالوں سے گزرتی ہے مگر اس پر گھاس دستیاب نہیں ہے تاہم مسافر اسی کو ترجیح دیتے ہیں کیوں کہ آرام دہ ہے۔ اس کے مختلف پڑاؤں میں مسافر خانے بھی ہیں۔ دوسری مری درّے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

والی جو برزل سے بلند تر ہے اور اسی لئے کم مدت تک قابل آمد و رفت رہتی ہے مگر گھاس والے کوہ دامنوں سے گزرتی ہے اس لئے مرکبان اسے پسند کرتے ہیں۔ وہ پورے اعتماد سے کہتا ہے کہ ایسی گھاس اُس کے گاؤں کے علاوہ اور کہیں دستیاب نہیں ہے۔ ہم کامری سڑک کے ایک نالے میں جہاں اس کے خچر ستاتے ہیں اور کچھ دِن یہاں چرنے کے لئے چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ اُسے گوپی کے مقام تک جانا ہے جو گلگت اور چترال کے درمیان ہے۔ وہ وہاں چاول پہنچا رہا ہے اور اخیر ستمبر تک وہاں جا پہنچنے کی توقع رکھتا ہے۔ وہ حال ہی میں ایک توپ خانے کے ساتھ بانڈی پورہ سے آیا ہے جس پر وہ بہت خوش ہے کیونکہ ایک بااختیار افسر نے اُسے اچھی کارکردگی دِکھانے کے لئے شاباشی دی ہے۔ کشمیر شاہی فوجی دستہ واحد فوج ہے جس کے پاس توپ خانہ ہے اور جس نے اگلی چوکیوں پر عمدہ مہمیں سر کی ہیں۔ وہ (خاص مرکبان) اس توپ خانے کے ساتھ کام کرنے کو اپنے لئے بہت بڑا امتیاز مانتا ہے۔

اس کا دوسرا سفر ہمارے ساتھ رہے گا۔ اُس وقت راستے مسدود ہوں گے۔ اس کی ڈیوٹی ختم ہو چکی ہوگی اور وہ نجی کاموں کے لئے اگلے سال تک دستیاب رہے گا۔ ہم یہاں اُس کے ساتھ تاریخیں مقرر کرنے کے لئے رُکے ہیں، ہم اس کے پرانے دوست ہیں۔ اب ستمبر ہے۔ ہمیں مئی میں اس سے شناسائی ہوئی تھی۔ اس وقت ہم اس کے گاؤں کے پاس پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ اُس نے، اس کے بیٹوں نے اور اس کے خچروں نے ہمیں مع ہمارے سامان کے برف سے گھری ایک پہاڑی جھیل تک پہنچایا۔ یہ جھیل سطح سمندر سے کوئی 13000 فٹ بلندی پر واقع ہے۔ اُسے اپنے خچروں پر ناز ہے کیوں کہ وہ بہت اچھی مخلوق ہیں جو ایسے علاقوں میں بار برداری انجام دیتے ہیں جہاں صرف پیدل چلنا ہی ممکن دِکھائی دیتا ہے۔ اُسے خاص طور میری سواری کے گھوڑے پر ناز ہے۔ دیکھنے میں زیادہ جاذبِ نظر نہیں ہے۔ ہر وقت تیار رہتا ہے۔ سیاہ رنگ ہے، ترش مزاج ہے لیکن بآسانی قدم اٹھاتا ہے اور اس کی ذہانت عمدہ ہے۔ وہ دشوار گزار ڈھلانوں پر چڑھنے کو مجھ سے زیادہ سمجھتا ہے۔ میں زیادہ دشوار گزار جگہوں پر اپنی آنکھیں بند کر کے لگام اُس کی گردن پر پھینک دیتی ہوں اور وہ انتہائی احتیاط سے چٹانی، برفیلے اور نوک

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

دار موڑوں کے کناروں پر سے گزرتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ یہ پولو میں بہت مشہور رہا ہے جو اس کے طریقۂ کار سے بھی عیاں ہے۔ پہلے وہ مجھے مشکوک نظروں سے دیکھ رہا تھا مگر جلد ہی مجھ سے مانوس ہوا۔میں اُسے سیب کھلاتی رہی اور اس کی ناک میں نکیل ڈال چکی ۔گھوڑا کسی سردار سے خریدا گیا ہے۔ مجھے یہاں کی بولی ٹھیک سے سمجھنے میں دِقت ہوتی ہے۔

اس خاص مرکبان کے اپنے قریب پچاس خچر ہیں۔ان میں سے وہی بار برداری اور سواری کے کام میں لائے جاتے ہیں جنہیں بانڈی پورہ کیمپ میں منتخب کیا گیا ہے۔ان ہی میں سے چند ایک ہمارے لئے مخصوص رکھے گئے ہیں۔مرکبان عمر رسیدہ ہے اور جلد ہی اپنا پیشہ ورانہ کام اپنے بیٹوں کو سونپ کر آرام کرنے کی سوچتا ہے۔آج بھی وہ صرف سرکار، کے کام سے رسالوں کے ہمراہ رہتا ہے۔اس دوران بھی وہ خچر پر سوار ہوتا ہے نہ کہ پیدل۔

اس کے صاحبزادے ہمیشہ محوِ سفر رہتے ہیں۔اچھے باہمت جوان ہیں۔بغیر کسی تھکاوٹ کے چھبیس میل کا برفیلی پہاڑوں دروں کا سفر طے کر سکتے ہیں۔حلیم طبع، پُر امید، پُر عزم اور ماہر کار ہیں۔اپنے گھوڑوں کا خیال رکھتے ہیں اور جنگلوں سے الاؤ کے لئے بالن لانے میں پھرتی دکھاتے ہیں۔ یہ اور ان کا باپ ہم صورت ہیں۔ایک دم کشمیری نسل کے گندمی رنگ کے خوب صورت لوگ۔ اُن کے چہرے دھوپ سے پکے ہوئے اور آنکھیں ہلکی بھوری ہیں۔سب سے بڑا پیدائشی خانہ بدوش ہے۔ ہفتہ دو ہفتہ سے زیادہ اپنے گاؤں میں نہیں ٹھہرتا۔اپنے خچروں کے ہمراہ محو رہنے میں خوشی محسوس کرتا ہے۔وہ کچھ کوہِ پیماؤں کے ساتھ پامیر کی بلندیوں تک پہنچا ہے اور پیر پنچال کے تمام دروں سے واقف ہے۔سب سے چھوٹا حد درجہ خوش شکل ہے گویا مائیکل اینجلو کا ڈیوڈ۔اِسے زمینداری سے دلچسپی ہے۔اِن کے ہاں گھر میں کچھ بھیڑ اور کچھ زمین بھی ہے۔چنانچہ وہ کھیتی کر کے اور بھیڑوں کی اون حاصل کر کے کشمیر کا گھریلو پٹو تیار کرتا رہتا ہے۔ خچروں کے ساتھ جانے کا بھی عادی ہے گویا ضرورت پڑنے پر وہ بھی خانہ بدوش ہے۔اُن کا گاؤں بہت پیارا ہے۔ کشمیر میں بھی اِس کا آس پاس نہایت خوب صورت ہے۔ یہ آس پاس دراصل دیودار اور چیڑ کا جنگل ہے جہاں اقسام و انواع کے جنگلی پھول کھلتے ہیں۔اِس سے کچھ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

بلندی پر برف کی سرحد تک گھاس کے میدان پھیلے ہوئے ہیں۔ اِن چراگاہوں میں ان کے خچر بہار اور ابتداء گرما میں موج مستی مناتے ہیں تا آں کہ گلگت روانہ ہونے کا حکم ہوتا ہے۔ اتنی دیر یہ خچر فربہ اور ہرن کی طرح سبک رفتار ہو جاتے ہیں۔ ہرن بھی یہاں زیادہ دور نہیں ہیں۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ ساری دنیا میں ان کے گاؤں کا جواب نہیں ہے۔ جو غلط بھی نہیں ہے۔ پہاڑی درّوں سے گزرتے وقت جب ان کا گاؤں ان کی نظروں سے اوجھل ہونے والا ہوتا ہے۔ وہ پیچھے مڑ کر وادی کی طرف جی بھر کر دیکھتے اور دعائیں دیتے ہیں۔ یہی حال اُس وقت ہوتا جب واپسی پر اُن کی پہلی نظر وادی پر پڑتی ہے۔ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع دل و جان سے کرتے ہیں۔ اُن کا باپ حد درجہ مذہبی ہے۔ اس نے اپنے عیال کی بھی اچھی تربیت کی ہے۔ یہ لوگ سخت زندگی گزارتے ہیں۔ سال میں چھ ماہ محوِ سفر رہتے ہیں۔ کھلے آسمان کے نیچے سوتے ہیں۔ گھوڑوں کے زینوں اور چادروں کے سوا اِن کا کوئی چھپر نہیں ہوتا۔ بارش، آندھی، دُھند اور برف باری کا مقابلہ کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ وہ خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں گویا یہ اِن کا مقدر ہو۔ آخری درّے کی آخری چڑھائی چڑھتے ہوئے جب ہم واپس کشمیر وادی کی طرف رواں تھے ہمیں قریب سو خچروں اور اُن کے مالکوں کو دیکھنے کا موقع ملا جو سامان منزلِ مقصود تک پہنچا کر خالی کشمیر لوٹ رہے تھے۔ یہ سبھی مرکبان جذباتی انداز میں گا رہے تھے۔ گو یا یہ زیادہ خوش الحان نہیں تھے مگر بے فکر اور بے غم تھے۔

ہم نے جب اپنے نوجوان مرکبان لڑکے سے عالمی سیّاح کے انداز میں پوچھا کہ یہ لوگ کیوں گاتے ہیں تو اُسنے جواب دیا: "یہ جو کشمیر لوٹ رہے ہیں نا۔"

شہنشاہی راستہ

یہ محض سڑک کا ڈھانچہ ہے۔ بہت ہی پُر خطر اور آنکھیں بند کر کے چلنے کا متقاضی۔ اُسی طرح جس طرح وہ فوج ہے جو امن کی خاطر قائم میدانِ جنگ میں برسرِ پیکار ہے۔ خام پتھروں سے بنا پہاڑی راستہ جس پر سے مغل شہنشاہ وارِدِ کشمیر ہوتے تھے اور یہی کھائیوں کے اوپر سے گزرنے والا راستہ ہندو راجاؤں کے لئے بھی جادہ و منزل رہا ہے۔ اس پر جدید سائنس اور

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ٹیکنالوجی سے وابستہ معماری کا کوئی نام ونشان نہیں ہے۔اس کے برعکس نئی جہلم وادی کی سڑک ترقی یافتہ اور تانگہ بانی کے لائق ہے۔تاہم یہاں پیدل چلنے والوں کے لئے بار بردار گھوڑے دستیاب ہیں۔برف زیادہ نہ ہوتو بہرام گلہ کا نمبردار اٹھائیس عارضی چوبی پل پانچ میل لمبے نالے پرکھڑا کر دیتا ہے۔اُسے معلوم ہے کہ اگلی آندھی ان سب کو بہالے جائے گی۔ان حالات میں سڑک کھلی رہتی ہے نہیں تو سامان بردار قلی فراہم کئے جاتے ہیں۔درّہ کے پانچ میل فاصلے تک راستہ کُھلا ہونے کی صورت میں خچر عام طور پر دستیاب رہتے ہیں مگر اس کا دارومدار بھی برف کی مقدار پر ہے۔اس سڑک پر وہ نفسیاتی مرحلہ بھی آتا ہے جب مسافر کو موسم گرما کے باوجود برف پوش اور گل پوش پہاڑیوں پر چڑھنے میں کسی کوفت یا سُستی کا احساس نہیں ہوتا ہے۔اس موقعہ پر درّہ کے اس پار شمالی یورپ کی وہ بہار چشمِ تصور کے سامنے آتی ہے جو ہنگامی کُہر اور کاٹنے والی ٹھنڈی ہواؤں کو پیچھے چھوڑ کر خوب صورت آسمان نرم وملائم دھوپ اور حسین رنگ برنگے پھولوں کی سوغات لے آتی ہے۔جوں جوں مسافر وادی (کشمیر) کے قریب ہوتا ہے، بہار رخصت ہو کر موسم گرما کے لئے جگہ خالی کرتی ہے۔اس موسم میں سیبوں کے درختوں پر پھولوں کی بہار آتی ہے جو سفید بھورے رنگ کے کابلی سفیدوں کے پسِ منظر میں نہایت دل کش ہوتی ہے۔ایسا ہر سال کسی خاص تاریخ کو دیکھنے کو نہیں ملتا ہے کیوں کی برف باری اور سرما کی طوالت کے پیشِ نظر اس کے آنے میں تقدیم وتاخیر ناگزیر ہوتی ہے۔کشمیریوں کے بقول خوش قسمت لوگوں کو یہ موقعہ نصیب ہوتا ہے چاہیئے یہ مئی میں آئے یا اپریل میں۔

اس جانب سفر کا آغاز لاہور اور جہلم کے درمیان گجرات کے مقام سے کرنا چاہئے جہاں آپ ریل گاڑی کو الوداع کہتے ہیں۔اب ریل گاڑی آپ کو مخل نہیں ہوتی ہے سوائے اس کے کہ آپ کا سامان لاہور میں چھوڑ دے اور پونے دو بجے تک دھوپ کھاتی رہے تاکہ کوئی گاڑی آپ کو کسی غیر اہم پڑاؤ تک پہنچانے کے لئے پہنچ جائے۔مغل عہد میں سفر لاہور سے شروع ہوتا تھا اور کسی ساعتِ حُسن سے شروع ہوتا تھا۔کئی ہزار پیدل ، گھڑ سوار محافظ ہمراہ رہتے تھے۔ چودھویں دن آپ گجرات پہنچ جاتے۔اس مقام کو اکبر بادشاہ نے بسایا ہے تاکہ یہ گجر قوم نسل

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

محبوب کی آماجگاہ بن سکتے۔ مال مویشی پالنے والوں کو اب بھی کشمیر میں گجر کہا جاتا ہے۔ یہ خانہ بدوش نسل سے ہیں۔ پونچھ اور پنجاب سے تعلق رکھنے والے گجر دوسرے گجروں سے قدر مختلف اور زیادہ جفاکش ہیں۔ عورتیں چمکیلے لباس پہنتی ہیں جو شال کا خاص لباس ہے اور ڈھیلے ترکی پاجامہ ڈھیلی قمیض اور نہایت مرصع سُرخ ٹوپی پر مشتمل ہے۔ یہ لمبے تڑنگے، پُر رونق اور اِن کے ست رنگ ملبوسات جنگلی علاقوں کے لئے موزوں ہیں۔ اِن کا ماضی کیسا رہا ہے اس سے قطع نظر وہ اب بردبار اور شریف نفس ہیں۔ اس کی ایک وجہ اُن کا دشت کو چھوڑ کر قصبوں اور شہروں میں گھل مِل جانا بھی ہے۔ کشمیر کے جنگل تین علاقوں پر مشتمل ہیں۔ نشیب ترین علاقہ ہی گجر آبادی کا مسکن ہے۔ اِن کے پڑوس مرگیں ہیں جو سرسبز چرا گاہیں ہیں۔ یہ پہاڑیوں کے درمیانی میدان ہیں۔ دیودار یا چیڑ کے پیڑوں کے درمیان لکڑی کی بلیوں کے جھونپڑے بنے ہوئے ہیں۔ اس کی ہموار چھت گارے کی بنی ہوئی ہے۔ یہی گجروں کا گرمائی گھر ہے۔ برف کے بوجھ تلے دبنے کی وجہ سے ان کو ہر سال از سرِ نو تعمیر کرنا پڑتا ہے۔ کشمیری کسان ہوشیار ہیں۔ مکانوں کی چھت ڈھلوان بناتے ہیں تاکہ سردیوں میں برف پھسل کر نیچے آئے۔ گجر یا تو اس بارے میں روایت پسند ہیں یا ٹڈی کی طرح مخمصے کے شکار۔ یا وہ ڈھلوان کے ساتھ گھر بنانے کو آسان سمجھتے ہیں کیوں کہ اس طرح اس کی ایک طرف کی دیوار بنی بنائی فراہم ہوتی ہے۔ یہ طرزِ تعمیر اس لحاظ سے مفید ہے کہ اس قسم کے مکان کو اس کے ماحول کے ہم صورت ہونے کی وجہ سے آسانی سے دریافت نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس سے گجروں کے چُھپ کر رہنے کا قدیم جذبہ کارفرما ہے جب ساری دنیا گویا اِن کی دشمن تھی۔ گجروں کے بعد چوپانوں کا علاقہ آتا ہے۔ یہ بھی گلہ بان ہیں۔ اِن کے جھنڈ ہزاروں پر مشتمل ہوتے ہیں جنہیں وہ جنگلوں سے اوپر پہاڑی میدانوں کی طرف ہانکتے ہیں۔ یہاں برف پگھلتے ہی اور سورج کی دھوپ پڑتے ہی چھوٹے چھوٹے اور نازک اندام پھولوں کا فرش بچھ جاتا ہے۔ تیسرا طبقہ بکر والوں کا ہے۔ یہ اتنا اونچا ہے کہ خطہِ برف کو پیچھے چھوڑ کر اور کشمیر کی چراگاہوں سے آگے نکل کر مڑواواڑون کی وادیوں، فلک بوس سوروکی بلندیوں اور لداخ و بلتستان کی سرحدوں کو چھولیتا ہے۔ شمال کی طرف کھلنے والے درّوں سے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

گزرتے ہوئے آپ ان سے دوچار ہوسکتے ہیں جہاں وہ اپنے جھنڈ ہانکتے رہتے ہیں۔ خواتین اور بچے نوزائیدہ میمنوں، بکری کے بچوں، کمزور و ناتواں اور نو آمدہ جانوروں کو منمناتے ہوئے آہستہ آہستہ آگے بڑھاتے ہیں۔ یہ نہایت حسین منظر ہوتا ہے۔ اِن بکریوں کی اِس علاقے میں موجودگی سُرخ ریچھ کو دعوت دیتی ہے جس کی تاک میں شکاری قریب ہی بیٹھے ہوتے ہیں۔

پیر پنچال سڑک پر جھنڈ گرمائی چراگاہوں کی طرف رواں دواں دیکھے جاسکتے ہیں۔ تاہم ہر جھنڈ جدا راستہ اختیار کرتا ہے اور بہت سے درّے ایسے ہیں جو صرف یہ خانہ بدوش ہی استعمال کرتے ہیں۔ عام مسافر کے لئے پہلا پڑاؤ بھمبر ہے۔ گجرات سے بھمبر تک کی سڑک کیملوٹ کی سڑک کی طرح

درمیانِ وسیع کشت زارہائے
جو باجرہ و پنبہ
جو زمین کو زینت دیتے
اور آسمان سے باتیں کرتے ہیں

سے گزرتی ہے۔ برنیر، ایک فرانسیسی، سیاح، جب شہنشاہ اورنگ زیب کے ساتھ کشمیر گیا تو اس نے جھلستے بھمبر کی بات کرتے ہوئے کہا ہے کہ "ہم پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں ایک کنڈی اور بنجر علاقہ میں، کنکریوں اور دھکتی ریت کے فرش پر جو ایک تنور کی مانند ہے۔ اگر ہم مناسب وقت پر کشمیر جائیں تو بھمبر سرسبز اور خوشگوار ملے گا اور آپ کو بے سایہ اور بے آب کنارہ دریا پر خیمہ زن ہونے کی حماقت نہیں کرنی پڑے گی۔ غالب امکان ہے کہ آپ کو خیموں میں نہیں رہنا پڑے گا بلکہ ٹھنڈے سنگی بنگلوں میں جن کے چاروں طرف درخت، باغیچے، ساگ زار اور پھلواڑیاں استوار کی گئی ہیں۔

آج کے سیاح کے لئے بھمبر ایک خاموش قصبہ ہے۔ دوپہر سے قبل ایک گھنٹہ سے لے کر قریب چار بجے تک حد درجہ خاموش، اس کے بعد یعنی صبح و شام ایرانی چرخ سے عورتوں کے پانی بھرنے کی وجہ سے زبردست شور رہتا ہے۔ یہ خواتین پہاڑی کے دامن میں گندمی رنگ کے ہموار

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

چھتوں والے مکانوں سے اور گلبار انار کی جھاڑیوں سے نمودار ہوتی ہیں۔ مغل دور کے بھمبر کی شانِ رفتہ کا واحد نشان شکستہ سرائے ہے۔ پیر پنچال راستہ پر شاندار سرائیں اکثر مغل وائسرائے علی مردان خان کی بنائی ہوئی ہیں۔ وہ ہر سال کشمیر کے دورے کے دوران دس ہزار پونڈ صرف کرتا تھا۔ اس کے شاندار طریق کار کو دیکھ کر لوگ یقین کرتے کہ اس کے پاس کیمیا ہے۔ ان سرائیوں میں چند تا حال اصلی صورت میں ہیں جو تباہ حال ہیں وہ انسان کی دست برد کی شکار ہوئی ہیں۔ ان کے بڑے محرابی صدر دروازے، پختہ دفاعی دیواریں اور برآمدے، اِن کا حجم اور مضبوطی انہیں قرونِ وسطیٰ کے قلعوں کی صورت عطا کرتے ہیں۔ یہ مغل شہنشاہوں کی شاندار باقیات ہیں۔ ان میں سے عظیم ترین اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں اور اورنگ زیب ہیں جنہوں نے کشمیر کی سیاحت کی۔

بھمبر میں واقع سرائے کا ایک حصہ از سرِ نو تعمیر کیا گیا ہے تا کہ اِسے سرکاری خزانہ وغیرہ سرکاری دفاتر اور افسروں کی رہائش گاہوں کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔ جدید عمارت کی چوکور مقصد وصاف وشفاف دیواریں بھاری بھرکم قدیم دیواروں سے یکسر ممتاز ہیں۔ جدید عمارت کی ہموار راہ داریاں قدیم عمارتوں کی محرابی راہ داریوں کے مقابل میں تنگ و تاریک سوراخ جیسی لگتی ہیں۔ بھمبر کے گرمائی دربار اب داستان ہو گئے ہیں جو مغل عہد کی ایک رونق تھی۔ پانچ سو ہاتھی اور تین ہزار قلیوں کا کارواں اس قصبہ میں میلے کا سماں پیدا کرنے کا باعث رہا ہوگا۔ کارواں کی تیز رفتاری اور شہنشاہوں کا خراماں خراماں محوِ سفر رہنا متضاد احساسات کا محرک رہا ہوگا۔ اب ان ویران مگر شانِ رفتہ کے حامل کوچوں گلیوں میں اِکاڈُکا انگریز گزرتا ہے جس کا معمول سامانِ سفر پانچ چھے بار بردار خچر ڈھوتے ہیں اور جس کی آمد سے تھوڑی سے چہل پہل ہوتی ہے جو تھوڑی ہی دیر قائم رہتی ہے۔ خاص طور سے اگر اُس کے ساتھ میم صاحبہ بھی ہو۔

بھمبر اور اِسے آگے کا ذکر کرتے ہوئے خاتون سیاح کہتی ہے کہ شروع کے چار پڑاؤ گھنے سایہ دار درختوں اور اُن سے چھن کر آتی چاندنی میں ہوتے ہیں۔ اس کے بعد چند میل تک سایہ مفقود ہو جاتا ہے۔ رات کو سفر کرنا پڑتا ہے۔ سورج آگ اُگلتا ہے۔ پتھریلا راستہ اور پہاڑی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

دھوپ منعکس کرتی ہیں اور سیاہ رنگ منظر پیش کرتی ہیں۔قریب پانچ میل تک سڑک فراز کوہ کی طرف جاتی ہے۔اس کے بعد تھوڑی سی اُترائی ہے جو ایک سرسبز زرعی وادی کی طرف جاتی ہے ہے مگر گرمی کا زور بدستور قائم رہتا ہے۔یہ سفر کا پہلا دِن تھا۔

اگلے روز کا سفر کافی بہتر ہے۔بلند پہاڑیوں کی نسبت پست پہاڑیاں صنوبر کے درختوں سے سرسبز ہیں۔وادی میں ایک چھوٹی سی ندی کے ساتھ بہار ہے۔شاید اسی مقام کے لئے شہنشاہ جہانگیر نے لکھا۔"میں نے کئی جھاڑیاں پورے شباب پر دیکھیں۔ان کا رنگ نہایت دل کش آڑو کے پھولوں کی مانند تھا۔میں نے اپنے خاص خادم کو بلایا اور انھیں اپنی پگڑیوں میں ان پھولوں کی شاخیں سجانے کا حکم دیا۔میں نے یہ بھی ہدایت دی کہ جو ایسا نہیں کریں گے اُن کی پگڑیاں اُتاری جائیں گی۔اس طرح ایک چلتا پھرتا باغ تیار ہوگا۔" یہ شہنشاہ فطرت کا شیدائی اور فنکارانہ مزاج کا مالک تھا۔اس کے درباریوں کو ایسے احکامات ناگوار بھی گزرتے ہوں گے مگر وہ زمانہ ہٹ دھرمی کا نہ تھا۔یورپ میں اس وقت تک بھی ملحدوں کو نذرِ آتش کیا جاتا تھا۔

جہانگیر، کابل اور کشمیر کی سفری یادداشتوں میں جنگوں اور بغاوتوں کے ذکر کے درمیاں بھی کسی ایسے پھوُل کا تذکرہ کرنا نہیں بھولتا جو وہ پہلی بار دیکھتا ہے۔اسی طرح درختوں کی کوئی خاص قسم یا کوئی ندی مثلاً بدخشاں کی نین سکھ ندی جسے اس کے بقول سلطان محمود غزنوی نے 'قراۃ العین' نام دیا ہے، کا ذکر بھی کرتا ہے۔

سکولوں میں تاریخ کی نصابی کتابوں میں ہم اِس اشارہ کے ذکر سے سرسری گزرتے ہیں جو یہ تاثر قائم کرتے ہیں کہ اِس کے بارے میں جتنا کم معلومات ہوں اتنا بہتر ہے۔مگر اس کی خودنوشت یادداشتوں میں ایک ایسے کردار کی شخصیت اُبھرتی ہے جس میں ذاتی اور شخصی صلاحیتیں موجود ہیں۔اس میں اپنی صلاحیتوں کے بارے میں وہ فخر وشعور نہیں ہے جو اکبر کی شخصیت کا ایک نقص ہے۔اس کے ہاں شاہ جہاں کی خودغرضی اور اورنگ زیب کا کٹرپن نہیں ہے۔یہ بات حیران کن ہے کہ وہ کبھی چھپ چھپا کر نہیں پیتا حالانکہ وہ نور جہاں کا شکر گزار ہے جو اُسے لگاتار شراب نوشی کرنے کا برابر اصرار کرتی رہی یہاں تک کہ یہ روزانہ چند فنجان تک محدود ہوگئی۔شاید

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

یہ اس کی ترش مزاجی تھی جس سے اُس کو زوال آ گیا ورنہ اگر وہ اِٹلی میں ہوتا تو وہ ہیرو کا درجہ حاصل کرتا۔ تاریخِ فرشتہ اور دیگر ماخذوں سے پتہ چلتا ہے کہ اکبر کے وقت جب کہیں بغاوت سر اٹھاتی تھی تو نوجوان شہزادہ سلیم کو اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا جاتا اور وہ عام طور پر فتح مند لوٹتا تھا۔ وہ بہت ہوشیار کھلاڑی بھی تھا۔ چنانچہ اس کے عہد میں پیر پنچال شاید نہایت عمدہ شکارگاہ تھی۔ ابھی گزشتہ بیس سال پہلے سے اس علاقہ میں ہرن، مارخور اور بارہ سنگھا عملاً ناپید یا جلائے وطن کیا گیا ہے۔

اس پڑاؤ کے بعد نوشہرہ آتا ہے یہ دریائے توی کے ایک خم میں ایک چھوٹا سا خوب صورت گاؤں ہے۔ یہاں ایک عمدہ مغل سرائے ہے جو بھمبر کی سرائے کے مقابلے میں اچھی حالت میں موجود ہے۔ گاؤں کی تنگ و تاریک سنگی دیواروں سے گھری سڑکیں اور غیر تراشیدہ پتھروں سے بنی سرائے شاید دل کشی کا باعث نہ ہوتیں اگر سڑک کی دوسری جانب میناروں والی مسجد اور پنجابی لباس میں چلتے لوگ نظر نہ آتے۔ اگلے پڑاؤ کے دوران دور برفیلی پہاڑیوں کی آنکھ مچولی دل کو موہ لیتی ہے۔ جہاں پہنچنے کے لئے ابھی اور پانچ پڑاؤ ہیں۔ قلیوں کے پیدل راستہ مختصر مگر دشوار گزار ہے۔ یہ خاردار جھاڑیوں کے گھنے جنگل کے بیچوں بیچ راستہ ہے۔ اس جنگل میں نہ ہوا چلتی ہے نہ دھوپ آتی ہے۔ اس راستہ کے بعد چھوٹے چھوٹے موڑ آتے ہیں جو ایک دم مائل بہ رفعت اور پتھریلے ہیں۔ دونوں جانب پھولوں سے لدی انار کی جھاڑیاں سفید جنگلی گلاب اور ایک ندی ہے۔ ندی کا پانی مرمریں شفاف ہے اور اِس کا رقص و سرور قابلِ داد ہے۔ اِس سے آگے صنوبر کے درخت اور پھول دار لمبے درخت، جو امریکہ کے لوکس پیڑ کی مانند ہیں، نظر نواز ہوتے ہیں۔ آگے چل کر قدیم تاریخ نویسوں کے تلفظ کے مطابق تنگیوں سک اور جدید تلفظ کے مطابق، چن رگو، نام کی جگہ آتی ہے۔ یہاں حد نظر تک دل کش منظر ہے۔ نیچے سفید سنگ ریزوں سے بنی بساط پر سفید جھاگ انڈیلتی ندی بہتی ہے۔ اس کے دونوں طرف سیاہی مائل جنگلات ہیں جو وادی کو تنگ و تاریک بنائے ہوئے ہیں اور دور بہت دور پیر پنچال کے برف کے ذخائر ہیں۔ ندی کے بہت اوپر ایک اُبھرے ہوئے نوکِ کوہ پر ایک بنگلہ ہے جو چھوٹا سا، ٹھنڈا، ہوادار

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہے۔اسی کے قریب پُر کشش مگر خستہ سرائے ہے۔

غروبِ آفتاب کے وقت سُرخی شفق مانند پڑی برف حد درجہ سفید رنگی ہوئی اور پہاڑوں میں چلنے والی خنک آندھی غریب خواتین کے ریشمی لباس میں سرسراہٹ پیدا کرنے لگی جو جہانگیر زیب تن کئے ہوئے ہوتا تھا۔اس مقام پر اس کے بدن میں کپکپی پیدا ہونا اور اس کی موت واقع ہونا قرینِ قیاس ہے۔چنانچہ کہتے ہیں کہ جب اس کا آخری وقت تھا تو پوچھنے والوں نے اِس کی آخری خواہش معلوم کرنا چاہی تو اس نے آس پس بیٹھے مطلبی ، خوشامدی اور خود غرض لوگوں کو روتے پیٹتے دیکھ کر جواب دیا کہ وہ ''صرف کشمیر'' کی خواہش رکھتا ہے۔

روح کی پرواز سے بھی خوب تر

خوب صورت اور دِل رُبا منظر

مصنفہ کی رائے ہے کہ ہر سیّاح کو صبح کی ٹھنڈی ہوا میں جب ابھی چاند تاروں کی روشنی صاف وشفاف نیلے آسمان پر کسی حد تک موجود ہو اور جب ابھی سورج کی پہلی کرن سرائے کے مغربی دروازے پر نہ پڑی ہو، اپنا سفر چنگیز سے شروع کرنا چاہئے کیونکہ یہاں سے راجوری کی طرف جانے والی سڑک پر سفر طویل بھی ہے اور موسم بھی جھلسا دینے والا ہے۔حالانکہ ہموار سڑک کے دونوں طرف سفید گلاب سے معطر حاشیے پہاڑی بستیاں ، باجرے کے چھوٹے چھوٹے کھیت اور جنگلی راستے نہایت پر کشش ہیں۔راجوری ایک نا قابل عبور دریا کے کنارے آباد ہے اس میں پیر پنچال کی پگھلتی برف کے پانی سے طغیانی آتی ہے تو مویشی بہا لے جاتا ہے۔یہاں ایک خوب صورت بنگلہ ہے جہاں سے دریا اور قصبہ کا نظارہ دیدنی ہے۔گلاس اور آڑو کا باغ بھی دعوتِ نظارہ دیتا ہے۔یہ دراصل ایک قدیم مغل باغ کی باقیات میں سے ہے۔قریب ایک میل کے دائرے میں پھیلا ہوا یہ باغ خطے کے پرندوں کا مسکن ہے۔چنانچہ صبح وشام اِن کی سُر میں سُر ملی ہوئی موسیقی دریا کے شور وغل کو بے اثر بنا دیتی ہے۔اس کا مقابلہ کرنے کے لئے سینکڑوں موسیقاروں اور ساز ندروں کی ضرورت ہوگی۔راجوری ایک قلعہ بند قصبہ ہے جو دو ندیوں کے درمیان آباد ہے۔ان میں سے بڑی ندی توی ہے۔راجوری کے راجاؤں نے اس پر ستر ہویں

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

صدی سے ابتداء انیسویں صدی تک حکومت کی۔ پھر جموں کے حکمران نے اس کو اپنے قبضہ میں کیا۔ یہ راجپوتوں کا قصبہ ہے اور حد درجہ خوب صورت وادی میں واقع ہے۔ بلندی پر برف کا غلاف دمک رہا ہے اور نیچے پائنتی تیز رفتار پہاڑی ندی اس کے پاؤں دھونے پر مامور ہے۔ قدیم زمانے میں جب جدید جنگی حربے استعمال میں نہیں آئے تھے یہ بڑی محفوظ جگہ رہی ہوگی جسے دھوکہ دہی کے بغیر فتح کرنا ممکن نہ ہوتا۔ اس زمانے میں یہاں سخت ظالم سردار حکمران تھے۔ زمانے نے اُن سب کو طاقِ نسیاں کر دیا ہے۔ اب راجوری پُرسکون ہے۔ سکھوں کا قلعہ جو پہاڑی پر کھڑا ہے زیادہ ہی پُرسکون ہے۔ یہاں ایک سپاہی حفاظت پر مامور ہے جو غیر مسلح ہے۔ دریا کے خم کے اس پار تھنہ منڈی ہے جہاں نسبتاً ہموار سڑکیں ہیں اور اس کے قریب بہت سے چھوٹے چھوٹے گاؤں اور کھیت ہیں۔ اس پڑاؤ کے اختتام سے پہلے معمولی سی چڑھائی کا فرش معطر ہے جس سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ ہم تو کشمیر کے نزدیک پہنچ گئے۔ یہ دو دیہات تھنہ اور منڈی ایک دوسرے سے ایک آدھ میل چوڑی پہاڑی کی وجہ سے جُدا ہیں۔ یہاں کی سرائے واحد مغل سرائے ہے جو آج بھی آباد ہے۔ یہ اُن لوہاروں کا سرمائی مسکن ہے جو گرما میں درّہ سے کچھ نیچے پوشیانہ کے مقام میں ٹھہرتے اور ان بار بردار گھوڑوں کے نعل چڑھاتے ہیں جو اس موسم میں یہاں سے گزرتے ہیں۔ تھنہ منڈی میں ہمیشہ ایک ریچھ کی موجودگی کی افواہ گشت کرتی رہتی ہے تاہم اُسے کسی نے دیکھا نہیں ہے۔ یہاں ایک عمر رسیدہ شکاری رہتا ہے جو جنرل کنلوچ اور دیگر نامی شکار کھیلنے والوں کے ہمراہیوں میں سے ایک ہے۔ اب وہ یہاں سے گزرنے والے سیاحوں کی ملاقات سے محظوظ ہوتا ہے کیونکہ وہ پیرانہ سالی میں ہے اور اس کا ایک ہاتھ کسی صاحب کی غلط نشانے پر لگنے والی گولی سے ناکارہ ہو گیا ہے۔ تھنہ منڈی سے بہرام گلی تک کا سفر پہاڑی ہے۔ رتن پیر پہاڑی کی طرف جاتے ہوئے جس برف کے ذخیرے کے قریب آپ پہنچ رہے ہیں اس سے آنے والی ہوا کاٹ کر نکلتی ہے۔ رتن پیر آٹھ ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔ اس تک قریب تین میل کا راستہ گھاس کے میدانوں کے بیچ گزرتا ہے۔ یہاں سے یخ کا نظارہ دیکھا جا سکتا ہے جو تنا کوٹی چوٹی پر ہے۔ مقامی بولی میں اِسے کوہِ شفاف کے ہم معنی نام سے پکارا جاتا

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہے۔ مذکورہ پہاڑی ٹیلے سے بہرام گلی تک پر پیدل سفر مزے دار ہے جو دیودار کے پیڑوں کے بیچ سے گزرتے ہوئے طے ہوتا ہے۔ اس مقام پر جنگلی بنفشہ اور بڑے سفید گلاب جوبن پر ہیں۔ ساتھ ہی سنگھاڑے کے پودوں پر بھی پھولوں کی بہار ہے۔

بہرام گلی ایک چھوٹا ہیبت ناک اور تنہا و یکتا گہرا نالہ ہے۔ بہت نیچے گہرائی میں دریا توڑ پھوڑ کرتا ہوا گرجتا ہے۔ ہر طرف پہاڑوں کی بلند دیوار نے پُر وقار خاموشی اور سکون کا ماحول پیدا کیا ہے۔ یہ آبشاروں کا مقام ہے۔ اِس بے حد گہرے نالہ کے موڑ کے بعد ایک دوسرا نالہ کھلتا ہے جو قدرے لمبا مگر خوب صورت ہے۔ اس کے کنارے جنگلوں سے مالا مال اور اس کا بلندی سے گرتا ہوا پانی سیماب جیسا ہے جو اُس کھلے انواع و اقسام کے پھولوں کے پسِ منظر حد درجہ جاذبِ نظر لگتا ہے۔ یہاں سب سے حسین و جمیل آبشار نوری چھمب ہے یہ دنیا کے عجائبات میں سے ایک ہے۔ جو چٹانوں کی دیواریں اِس کا موجب بنی ہیں وہ شوخ سیاہ ہیں جیسے اِس بے قیاس رفعت سے کودتے ہوئے سفید رنگ کے سیال مادے کے لئے ایک آہنی قید خانہ بنایا گیا ہے۔ بہرام گلی تیز ہواؤں، گرج چمک اور ان کی آواز بازگشت، آندھیوں اور بادو باراں کی آماجگاہ ہے۔ جب یہاں بارش ہوتی ہے تو مان لینا چاہیئے کہ اوپر پنچال کی رفعتوں پر برف باری ہو رہی ہے۔ مقامی باشندوں کے بقول یہ جگہ سخت ہے جس کا مفہوم ان کے ہاں دشوار، مشکل، شریر، کمینہ وغیرہ ہیں۔ کبھی سڑک کے لئے، کبھی پہاڑوں کے لئے، کبھی موسموں کے لئے سخت کا لفظ بولا جاتا ہے۔ نمبردار اور بعض صاحب جو لوگوں کو گولی مار کر ہلاک کرنے کی دھمکی دیتے ہیں بھی سخت کے زمرے میں آتے ہیں۔ میں نے ایک سخت میم صاحبہ کے بارے میں بھی سنا ہے۔ جو غیر مانوس اور چینگ ہمشو کے اُس پار کسی جگہ کی سیر کو بھی نکلتی اور ایک وقت بیس میل تک کا سفر پیدل طے کرتی تھی۔ کہتے ہیں وہ فرانس نژاد شہزادی تھی۔

مصنفہ نے یہاں پہاڑی یا گوجری زبان کے تین الفاظ، سخت، نمل اور چنگا، کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کی مدد سے آپ کشمیر میں دور تک پہنچ جاتے ہیں۔ 'نمل' کا معنی ہے صاف مطلع، چنگا کا عمدہ اور سخت کا وہی جو اوپر بتایا گیا۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

بہرام گلی کا نمبردار اپنے طور ایک شخصیت ہے۔ اس کا نام شاہِ جہاں ہے۔ نہایت لحیم وشحیم مگر بدصورت نہیں ہے۔ اس نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے اور وہ فخر کرتا ہے کہ اس نے محض سیر سپاٹے کے لئے کشمیر کا سفر کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ دورانِ سفر جب لوگ اس سے اس کے سفر کی غرض وغایت پوچھتے تو وہ جواب میں یہی کہتا ہے کہ اس کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ وہ محض انگریز صاحب کی طرح سیروتفریح کے لئے سفر کررہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ بہرام گلی سردیوں میں بہت 'سخت' ہوتا ہے۔ پچھلے برس سترہ گز برف جمع ہوئی تھی۔ میرے (مصنفہ کے) چہرے پر کچھ تاثرات دیکھ کر اُس نے کہا کہ یہ برف بیک بار تو نہیں گری تھی۔

یہاں مصنفہ بہرام گلی کے ریسٹ ہاوس کا ذکر کرتے ہوئے کہتی ہے کہ یہ نہایت ٹھوس ہے اور طرزِ تعمیر کے اعتبار سے سخت آندھیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے موزوں ہے۔ یہ پونچھ کے راجہ کی ملکیت ہے جو اسے ہر گزرتے سیاح کے لئے ہر وقت مہمان نوازی کے طور پر دستیاب رکھتا ہے۔ اگلے پڑاؤ میں وہ مقام آتا ہے جہاں شہنشاہ جہانگیر نے اپنی وفات سے پہلے آخری تیر چلایا تھا۔ یہ سخت ڈھلوان جگہ ہے جو ایک طرف دریا سے کئی سو فٹ اونچی چوٹی تک ہے اور دوسری طرف قدرے ہموار ہے جہاں اُسے اُٹھا کر لے جایا گیا تھا۔ اُس نے مخالف سمت بھاگتے ہرن کو نشانہ بنایا۔ زخمی شکار کچھ دور جاکر گرا اور دم توڑ بیٹھا۔ ایک تعاقب کرنے والا اُٹھانے کے لئے دوڑا تو اس کا پاؤں پھسل گیا اور وہ گہری کھائی میں گر کر مر گیا۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ نے اسے بُرا شگون خیال کیا اور اِسے اپنی وفات کا پیش خیمہ قرار دیا۔ یہ پڑاؤ آبشاروں کی گہری بساط کے ساتھ ساتھ ہے۔ قلیوں کا راستہ خچروں کے راستے کے مقابلہ میں زیادہ ڈھلوان ہے۔ خچروں کے راستے میں ٹہنیوں کے بنے پلوں کے اوپر سے گزرنا پڑتا ہے جنہیں بھاری پتھروں کے وزن سے قدرے غیر متزلزل بنایا گیا ہے۔ حالانکہ یہ پھر بھی چیلوں کے گھونسلوں کی مانند دکھائی دیتے ہیں۔ آگے چل کر پوشیاں آتا ہے جہاں جولائی میں پھول (پوش) کھلنے کا موسم ہوتا ہے۔ اس سے پہلے یہاں خالی جھونپڑے ہوتے ہیں۔ خیمہ نصب کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ تیز آندھی کو مقامی مرکبان پہچان لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ گلی (درّہ) کی ہوا ہے۔ پوشنیاں کے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

نشیب میں گھنے جنگل ہیں۔ اِردگرد حجری ڈھلوانوں پر گھاس اُگی ہوئی ہے۔ یہاں درجہ حرارت بہت کم ہے۔ ڈھوکے (جھونپڑے) تاریک ہیں مگر شام گئے روشن آگ اور چائے کی چسکیاں باعثِ تسکین ہیں۔ یہاں مختصر قیام کے بعد چل چلاؤ رہتا ہے کیوں کہ قلی صبح سویرے پو پھٹنے سے پہلے چاندنی میں سفر کا آغاز کرنے کے حق میں ہیں۔ رات کے آخری پہر کوئی چار بجے قافلہ روانہ ہوتا ہے۔ سفر نہایت تکان دہ ہے۔ 'پیر' پر پہنچنے کے لئے عمودی چڑھائی درپیش ہے۔ یہاں جدید انجینئرنگ کا کام میں لانے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ 'پیر' تک ابھی ساڑھے گیارہ ہزار فٹ چڑھنا ہے۔ جس سے سانس لینے میں دشواری ہوتی ہے۔ قلی چونٹیوں کی طرح محوِ سفر ہیں اور گھاس کے جوتوں کی وجہ سے پھسلن سے محفوظ ہیں۔ یہاں خچروں اور مرکبانوں کے گر کر مرجانے کے قصّے عام ہیں۔ درّہ کے اوپر پہنچ کر تھوڑا اطمینان حاصل ہوتا ہے مگر قلی درمیانِ راہ کی تیز آندھیوں اور پھسلنوں کے خوف سے جلدی روانگی پر مصر ہیں۔ یہاں مصنفہ نہایت شاعرانہ انداز میں ماحول کی رنگینی کا بیان کرتی ہے۔

تین میل آگے بڑھ کر علی آباد سرائے ہے جو ویران وخستہ ہے۔ یہاں قیام کرنا اس لئے ناممکن ہے کہ تیز ہوائیں چلتی ہیں اور بالن دستیاب نہیں۔ سرائے کے بعد اُترائی ہے جو کئی موڑ کاٹ کر طے ہوتی ہے۔ کہاوت ہے کہ ایک زمانہ میں یہاں غلام نامی دیو رہتا تھا۔ اُس پر کیا گزری کوئی نہیں جانتا۔ بہرحال جھنڈ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ بھیڑوں سے زیادہ کشمیری بکریوں پر مشتمل ہے۔ چرواہن کی معصوم مگر نہایت خوب صورت بیٹی اور اس کے باپ بکروال کی تصویر کشی کرنے میں بھی زبان و بیان کے تمام ممکنہ وسائل کا استعمال کیا گیا ہے۔ اُن کے خیموں میں سازوسامان اور لمبے بالوں والے بکروالی کتوں کا ذکر بھی میں جزئیات کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ بکروال کارواں اپنے جھنڈوں سمیت مڑواہ وواڑدن اور زنسکار سے آیا ہوا تھا اور کشمیر وادی سے ہوتے ہوئے سرمائی چراگاہوں کی طرف جارہا تھا۔ اُن کا روایتی مختصر سا راستہ ریاستی حکومت اور میجر وگرام صاحب کے حکم سے اس سال بند کردیا گیا تھا۔ بکروالوں نے بتایا کہ اُنہیں سنتھن کے صرف گیارہ سوفٹ بلندی کے درہ سے کئی گنا بلندی والی چوٹیاں زیادہ پسند

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہیں کیونکہ ان کی بکریاں وہاں کی گھاس نشیبی خطوں کی گھاس کے مقابلے میں زیادہ پسند کرتی ہیں حالانکہ وہاں سرخ ریچھ کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔ ایک بکروال مصنفہ کے قافلے سے اپنے بیمار باپ کے لئے دوائی طلب کرتا ہے لیکن وہ کہتی ہے کہ اس کی بیماری کی دوا ابھی دریافت ہی نہیں ہوئی ہے تاہم وہ اُسے خوش کرنے کے لئے وہ کھانسی کی دوائی کی بوتل دے دیتی ہے جو کسی طرح ان کے پاس موجود تھی۔

واپسی

اس بات میں مصنفہ نے اپنی سیاحت کے دوران وارڈون وادی اور اس کے حدود اربعہ کی منظر کشی ہے۔ موسم کا حال بیان کرتے ہوئے کہتی ہے کہ پہلے روز تیز بارش اور چوٹیوں پر برف باری ہوئی تھی۔ نیلے آسمان پر پہاڑی چوٹیوں کے قریب سفید بادل کے بڑے بڑے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ یہ وادی سطح سمندر سے آٹھ سوفٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ جنوب اور مغرب میں کم ڈھلوان والی پہاڑیاں ہیں جو اسے کشمیر سے الگ کرتی ہیں۔ شمال اور مشرق میں اونچے پہاڑ ہیں۔ چھوٹی چھوٹی بستیاں کونوں کھدروں میں آباد ہیں۔ ہر ایک بستی میں اخروٹ، سیب، ناشپاتی، گلاس اور خوبانی کے بھول بھلیاں کے مانند موڑ کاٹنے کے بعد دوب جن اور سکھ سرائے نامی جگہیں آتی ہیں۔ سکھ سرائے کسی مُغل خاتون نے دریا کے بائیں کنارے پر تعمیر کرائی تھی۔ سڑک سے اس سرائے تک دشوار چڑھائی ہے۔ قلی پنجوں کے بل چل کر وہاں پہنچنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ سکھ سرائے کے آس پاس سر سبز خطہ جنگل ہے جس کے پسِ منظر میں برف کا میدان ہے۔ راستہ کے ساتھ ساتھ دوڑنے والے نالے کا پانی سفید برف ایسے جھاگ اُگل رہا ہے۔

یہاں سے آگے اُس حسن و جمال کی وادی کی گل پوش زمینوں سے آنکھیں ٹھنڈک محسوس کرتی ہیں جس کے خواب ہم نے مدتوں دیکھے ہیں اور ہر ایک دیکھتا رہے گا۔ لِدر اور وارڈون کا حُسنِ دلآویز بے تاب نگاہوں کا منتظر ہے۔ انگلستان کی بہار اور سکاٹ لینڈ کے گلستانوں کے مشابہ ہر طرف سیب، ناشپاتی اور گلاس کی گُل بہار شباب پر ہے۔ ان پھولوں کے موسم کے ڈھلنے کے بعد بھی وہی حُسنِ دلفریب پہاڑوں، ندیوں، جنگلوں، برف زاروں اور گھاٹیوں کی صورت

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

میں دعوت نظارہ دیتا رہے گا۔ یہاں فطرت ابھی انسانی دست بُرد سے ہنوز محفوظ ہے۔

چرواہن

اس عنوان کے تحت نہایت شاعرانہ، فنکارانہ اور حُسن پرستانہ انداز سے مقامی گلہ بان خاتون کا سراپا پُر بہار ماحول کے تناظر میں بیان کیا گیا ہے۔ اِس سلسلے میں مصنفہ نے اپنی ہیروئن کی شخصیت کو اُبھارنے کے لئے مختلف ملکوں اور قوموں کی اساطیری ہیروئنوں ذکر کرنے کے بعد بھی مصنفہ نے اپنے عجزِ بیان کا اعتراف کیا ہے۔ چرواہن نے مصنفہ کو بتایا کہ وہ اور اس کا شوہر سوات اور بونیار سے آئے ہوئے ہیں۔ یہاں مصنفہ نے برنوار ندی کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ جہلم میں گرنے والی ہزاروں ندیوں میں سے ایک ہے۔ اسی طرح چرواہن کے درخت اُگے ہیں جو بے محابا پھلے بڑھے ہیں۔ تاہم مقررہ موسم میں اِن میں پھل لگتے ہیں جن کے لئے مقامی لوگ بے تابی سے انتظار کرتے ہیں کیونکہ وہ انھیں پکنے سے پہلے ہی چٹ کر جاتے ہیں۔ گھاس کی چادر میں ملبوس ڈھلوانوں پر پھولوں کی فصل لہلہاتی ہے لیکن اِن پر مویشی چرتے ہیں۔ ڈھلوان کھیتوں میں مکئی اور شالی کی فصلیں سنہری اور تیز زرد رنگ کی بہار دِکھاتی ہیں اور ہوا کے جھونکوں سے جھومتی اور سرسراتی ہیں۔

یہ ایسی جگہ ہے جہاں انسان آرام سے جینا اور اطمینان سے مرنا چاہے گا کیونکہ یہاں فطرت اپنے حقیقی روپ میں آشکارا اور پیراستہ دیدنی ہے۔ سرمائی برف زاروں کی متانت، تغیر پذیر حُسنِ بہار کا تبسم، آخر خزاں کی کمالِ شفافیت اور موسموں کی تفاوت پیدا کرنے والے بھاری بھرکم بادل، کہرا اور گرج چمک کا موسمِ برسات۔

موسمِ بہار میں مہاراجہ نے وادی کے ہر گاؤں سے بیگار مزدور بلوائے تھے تا کہ وہ تبت جسے کریم چین کہتا ہے، میں انگریز کی جنگ میں مدد کریں۔ کریم اپنے گاؤں سے واحد مزدور آیا تھا۔ وہ اسلام آباد کے بنیادی پڑاؤ میں ملے تھے۔ پوری تحصیل سے دوسو پچاس آدمی آئے تھے۔ انھیں دشوار گزار راستے طے کر کے اقصائے تبت میں بڑے دریا اور پل عبور کر کے انگریزوں کو اسلحہ پہنچانا تھا۔ اِس سفر میں کریم کو سخت بخار ہوا اور صاحبوں نے اُسے واپس جانے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کی اجازت دی۔ وہ طویل سفر کر کے اپنے گھر جا رہا تھا۔ صحت مند ہونے کی صورت میں وہ روز چالیس میل طے کرتا مگر شدید بخار کی وجہ سے اُس کی رفتار سست ہوگئی اور اُسے کئی دِن کا سفر کرنا پڑا۔ ایک طرف وہ اس ظلم کے بارے میں سوچتا تو دوسری طرف اُسے اپنی مسافرت، گھر بار کی یاد اور اپنے گاؤں کی خوبصورت تصور ذہنی طور مصروف رکھتا تھا۔ بخار کی شدت اور سفر کی ماندگی سے بے قرار وہ ٹھنڈے پانیوں میں اپنے پاؤں کی جلن کم کرنے کے لئے وہ بار بار ندیوں اور نالوں میں اُترتا رہا۔ اُسے ٹھیک ٹھیک معلوم تھا کہ یہ پانی کِس کِس بلند چوٹی کی برف سے ٹپکا اور کن کن راستوں سے اُچھلتا کودتا چٹانوں سے ٹکراتا اور درختوں کے سایوں سے کھیلتا ہوا آگے بڑھا ہے۔ گزشتہ سال وہ یہاں ایک صاحب کے ساتھ آیا تھا جو ہرن اور ریچھ کا شکار کرتا تھا۔ وہ فصل کٹائی کے موسم کے قریب گھر لوٹا۔ گاؤں میں گھاس کاٹ کر بید کے درختوں سے لٹکائی گئی تھی۔ وہ اپنے گاؤں کے وہاں کے بید کی شاخوں سے بنے مکان سے ہو کر اُس جگہ پہنچا جہاں انگریز پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے جو مارویا کشتواڑ شکار کھیلنے جا رہے تھے۔ وہ پُل عبور کر کے زیارت کے قریب سے گزرا اور اس کے راستے میں نمبردار کا گھر آیا۔ اُس دوسرے دِن اس سے ملنے کا ارادہ کیا تاہم وہ اِس وقت نمبردار کی بیٹی زونی کو دیکھنے کے لئے بے قرار ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے وہ بیگار پر گیا تھا۔ اُس کے گھر میں اُس کی ماں ڈھلتی دھوپ میں سرمائی ملبوسات کے پٹو کے لئے چرخے پر اون کات رہی ہے۔ اُس کی بڑی بھابی ہتھ چکی پر گیہوں پِس رہی ہے۔ اس کی چھوٹی بہنیں پانی لاتیں، ہنستی، باتیں کریں، ساگ چُنتیں یا بڑے بھائی کے بچے کے ساتھ کھیلتی۔ سڑک کے ایک طرف گاؤں کے دکاندار کی لکڑی کی بنی دُکان ہے جہاں اس کے شناسا کے، آدمی گپ شپ میں مصروف تھے۔ اُنہوں نے اِس کا گرم جوشی سے استقبال کیا اور سوالات کی بوچھاڑ کی۔ اُس نے اوٹ پٹانگ جواب دِیئے۔ وہ رخصت ہوا تو اُنھوں نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اِسے شدید بخار ہے۔ اس کا زندہ بچنا اب محال ہے۔ گھر کے نزدیک پہنچ کر اُس نے چرخ کی آواز سنی۔ کسی کی نظر اس پر پڑی تو سارے اُس کو لینے کے لئے باہر آئے۔ اندر داخل ہو کر وہ خوشی سے مست و مدہوش گہری نیند سویا۔ جب بیدار ہوا تو کانوں میں آواز پڑی "

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ٹھیک ہو جائے گا" یہ انگریز صاحب ڈاکٹر کی آواز تھی جسے کریم کے علاج کے لئے بلایا گیا تھا۔ ڈاکٹر نے دوائی پلانے کے لئے کہا ہے۔ وہ اونی چادر سے نکل کر اُٹھنے لگا لیکن گر گیا۔ افراد خانہ اُس کے گرد جمع ہوئے بوڑھے والد نے سرہانے بیٹھتے ہوئے ڈاکٹر کی دوائی کے بارے میں اُسے بتایا۔ ماں نے اُسے دوائی پلائی۔ چودہ دِن صاحب فراش رہنے کے بعد ہی وہ گھر کے باہر آ کر چند قدم چل سکا۔ شام کو اس کا بھائی بخشش کی لالچ سے صاحب کو میوؤں کی ٹوکری تحفہ میں لے گیا تھا اور گھر کے دوسرے لوگ بھی کہیں باہر تھے تو زونی اُس کی کھڑکی کے سامنے سے گزری جس پر وہ بیٹھا ہوا تھا۔ پھٹے پرانے اونی کپڑے اور قصابہ پہنے ہوئے خوب رو دوشیزہ تھی۔ کریم اس ستمبر دِن کی شام کو سنتھن کی طرف جانے والی سڑک پر چل پڑا۔ ہر طرف انواع واقسام کے پھولوں کی خوشبو سے ماحول عطر بیز تھا۔ مکئی کے خوشے خوب صورت منظر پیش کر رہے تھے۔ کریم مارتھر نالہ کے کنارے ایک چٹان پر زونی کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ وہ جون سے لے کر ستمبر تک اپنے گاؤں کے دلفریب نظاروں سے دور تھا اور اب اِسے جی بھر کر دیکھتے ہی رہنا چاہتا تھا۔ وہ شکر بجا لا رہا تھا کہ جوں توں وہ دوبارہ اپنے گاؤں میں ہے اور زندہ ہے۔ اسی اثناء میں اُسے نمبردار کی صاحبزادی زونی کچھ دور آتی دکھائی دی۔

چمبہ میں

قصبہ پہاڑی ریاست کا مرکزی مقام ہے جو پنجاب کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ اس کے پڑوس میں کشمیر اور لداخ ہیں۔ یہاں اچھی شکار گاہیں اور چمبہ کا راجہ یہاں کی سیر کے لئے آنے والے سیاحوں پر نہایت مہربان ہے۔ اس ریاست کی کئی چوٹیاں اٹھارہ ہزار فٹ کی بلندی پر ہیں۔ اس کے شمال میں پانگی اور لاہولکی فلک بوس پہاڑی چوٹیاں ہیں جو بیس ہزار فٹ بلند ہیں اور قریبی یخ کے تودوں کے لئے ماحول میسر کرتے ہیں۔ اس ریاست کی مرتب تاریخ کی تصدیق دسویں صدی کے حکمران راجہ ساہلا ورما سے ہوتی ہے۔ چمبا ریاست اُسی نے اپنی بیٹی کی خوشنودی کے لئے قائم کی ہے۔ کئی فتوحات جو ستلج کی ریاستوں سے کابل تک اُس نے حاصل کیں اور کئی مندروں کی تعمیر مکمل کرنے کے بعد راجہ اپنے بیٹے کے حق میں تخت سے دستبردار

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہوا۔ خود جنگلوں میں سنیاس لیا۔ یہ جنگل اس کی پہلی راجدھانی اور بچپن گزارنے کی جگہ برہموار کے آس پاس تھے تقریباً گزشتہ چودہ صدیوں سے چمبہ پر ایک ہی خاندان کے حکمرانوں کی حکومت رہی ہے۔ یہ خاندان ہندوستان کے راجپوت خاندانوں میں قدیم ترین ہے اور آج بھی میواڑ کے اودھے پور پر حکومت چلاتا ہے۔ چمبہ بجائے خود ایک وادی ہے جو تین ہزار فٹ سے زیادہ بلندی نہیں ہے۔ چاروں طرف کوہ بلینک کے برابر بلندی کے برف پوش پہاڑ ہیں۔ اس کے مرکز میں ایک بڑا ہموار میدان ہے جو پولو گراؤنڈ بھی ہے۔ اس کے اردگرد ایک سڑک چلتی ہے جس کے ساتھ ساتھ صاف وشفاف بازار ہے۔ بازار کے عقب میں مندر، مکانات اور شاہی محلات ہیں۔ یہاں آب و ہوا نہایت شفاف ہے۔ چمبہ نمونے کی ریاست ہے۔

کشمیر، کشتواڑ اور بھدرواہ سے ہوتے ہوئے ہم نے چند ایام چمبہ میں گزارے۔ یہ اکتوبر کا مہینہ تھا۔ ہم یہاں فارسٹ بنگلے میں ٹھہرے جہاں ہم دالان سے دیکھ سکتے تھے کہ کشمیر، کشتواڑ ، بھدرواہ اور پاڈر سے آئے ہوئے قافلے سامنے سڑک پر رواں دواں تھے۔ یہاں سے پانگی اور دؤر لیہہ کو بھی پہنچا جا سکتا ہے۔ کشمیر کی کسی بھی سرحدی علاقہ سے لیہہ پہنچا جا سکتا ہے۔ چند میل تک سڑک دریائے راوی کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ یہ وہ علاقہ ہے جہاں نہ کھیت اور نہ باغات ہیں۔ حال ہی میں سرول باغ لگایا گیا ہے۔ چمبہ کے لفظی معنی مسرور بتائے جاتے ہیں۔ یہاں سے گزرنے والے تمام قبائلی اور نیم وحشی لوگ روایتی لباس سے اپنے قبیلہ یا گاؤں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اِن میں گدی قبیلہ کا روایتی لباس خاص دل چسپی کا باعث ہے۔ اسی طرح چمبہ کی خواتین کا لباس رنگین، منقش و مرصع ہوتا ہے جو نارمن خواتین کی یاد تازہ کرتا ہے۔ اِن کے حسن و جمال میں پہاڑوں کی سادگی اور دل کش ہے۔ یہاں سے گزرنے والوں میں راجہ کے رسالہ کے گھوڑے اور سرکاری گاؤ خانہ کی گائیں بھی ہوتی ہیں۔ ایک لاما روز ہمیں انڈے فروخت کرنے آتا ہے۔ اُس کا تعلق لیہہ سے ہے۔ وہ کیمرے سے بھاگتا ہے۔ اس علاقے میں ایک سرکاری ہاتھی کی موجودگی مقامی لوگوں کے لئے تعجب کی بات ہے۔ اسے روز ہوا خوری اور غسل کے لئے لیا جاتا ہے۔ غروبِ آفتاب کے وقت پجاری وشنو مندر میں پوجا پاٹ کے لئے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اکٹھے ہوتے ہیں۔ یہ سورج کو الوداع کہنے کا وقت ہے۔ وشنومت سوریا پوجا کا واحد دوسرا نام ہے جسے آریہ وسطِ ایشیا سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس شمالی ریاست میں دونوں عقیدے مروّج ہیں۔ قدامت پسند باشندے آج دیوؤں اور بھوتوں کی پوجا کرتے ہیں جن کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ وہ پہاڑوں، غاروں، ندیوں اور چشموں میں رہتے ہیں۔ اس موقعہ پر مصنفہ نے قدیم مندروں میں پوجا پاٹ کی منظر کشی نہایت تفصیل اور رنگین انداز میں کی ہے۔ آخر پر قہر برپا کرنے والے وشنو کے ترشول کا ذکر ہے جو نہایت اختصار سے کیا گیا ہے۔

ڈونگے میں وَرُود

اس باب میں مصنفہ نے وادی کشمیر میں داخل ہونے کا اہم راستہ جہلم ویلی روڑ زیرِ بحث لایا ہے جو کوہالہ سے شروع ہو کر قریب سو میل کی مسافت کے بعد بارہمولہ تک پہنچتا ہے۔ یہ سڑک دریائے جہلم کے کنارے چلتی ہے۔ کوہالہ سے بارہمولہ تک جہلم تند و تیز پہاڑی نالہ ہے۔ بارہمولہ سے آگے قریب اسی میل تک کشتی رانی کے لئے مناسب و موزوں ہے۔ اِس مقام تک پہنچنے کے لئے راولپنڈی ریلوے سٹیشن سے سفر کا آغاز کرنا پڑتا ہے جو تانگے میں طے کیا جا سکتا ہے۔ بارہمولہ میں خوب صورت کشتیاں سیاحوں کی خوش آمدید اور اُن کو کشمیر کے سب سے دل کش اور مرکزی مقام سرینگر لے جانے کے لئے ماہی بے تاب بنی ہوتی ہیں۔ مصنفہ ابتدائی اپریل کی ایک خوش گوار صبح کو بارہمولہ پہنچی تو یہاں کے باغوں کے سیب، ناشپاتی، آڑو، گلاس اور خوبانی کے پھولوں سے لدے پیڑوں نے جھولے جُھلا کر اور راستے مشک بو کر کے اس کا خیر مقدم کیا۔ اُس کے حساب سے وہ راولپنڈی سے ایک سو ساٹھ میل کا تھکا دینے والا سفر تانگے میں طے کر کے بارہمولہ بیساکھی کے موقعہ پر پہنچ گئے۔ بارہمولہ بازار میں اس وقت بیساکھی کا جلوس نکلا ہوا تھا۔

جہلم کے کنارے پر واقع مہاراجہ کے ریسٹ ہاوس میں کسی دوست نے ان کے لئے انتظامات کئے تھے۔ اُنھیں ایک صاف شفاف اور بالکل نئے ڈونگے میں سوار کیا گیا۔ ڈونگے کا ایک آنکھ سے معذور مالک رجب، اس کی بیوی اور اس کے بیٹے نے گاہک سیاحوں کا والہانہ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

خوش آمدید کہا۔ سیاحوں نے اس کشتی کو مرلی ٹون (Mirliton) کا نام دیا جس کا مفہوم سرور آگیں، ارزاں و دل کش ہے۔ مصنفہ نے ڈونگے کی ساخت اور افادیت پر تفصیلی گفتگو کی ہے اور اعتراف کیا ہے کہ کشتی کی یہ قسم صرف کشمیر کے فنکاروں کی تخلیقی کاوش کا نتیجہ ہے۔ اس کی خاص بات اس کی کم خرچی اور بالانشینی ہے۔ مصنفہ اور اس کے ہمراہی ماہوار صرف تین پونڈ کا خرچہ ادا کرتے تھے۔ باورچی خاتون 'مہرہ' کو مہمانوں نے بہت سراہا ہے۔

بارہمولہ سے سرینگر کا سفر

مصنفہ اس باب میں بھی حسب معمول انتہائی دِقت نظر اور جُزئیات نگاری سے کام لیتے ہوئے احوالِ سفر قلم بند کرتی ہے انہوں نے صبح آٹھ بجے سفر کا آغاز کیا۔ گزشتہ روز کی بارش کے بعد کھلی دھوپ خوش گوار اور بشاشتِ امروز تھی۔ دو گھنٹے بعد قافلہ آدھے گھنٹے تک ناشتہ کے لئے رُکا۔ ناشتہ دریا کنارے کیا اور ماحول کو اپنی آنکھوں میں عکس بند کر دیا۔ ناشتے کے بعد سواریاں دریا کنارے کئی میل پیدل چلیں اور کشتی اُن کے متوازی خراماں خراماں سیر کر رہی تھی۔ پیدل سفر کے دوران مینڈکوں کی اُچھل کود دیدنی تھی۔ اسی رات قافلہ سوپور میں قیام پذیر ہوا۔ مصنفہ نے سوپور کو قریب ہزار گھروں پر مشتمل بڑا گاؤں قرار دیا ہے۔ اکثر مکانات مٹی کے بنے ہوئے تھے۔ سوپور کو حسب حال ولر کا دروازہ کہا گیا ہے۔ موسم اچانک ناسازگار ہو گیا تو سیاحوں نے گرم ترین کپڑے پہنے اور ساتھ کانگڑی کی آنچ کا لطف بھی اُٹھایا۔ سوپور سے روانگی کے بعد ولر میں تیز آندھی کے سبب طوفان برپا ہوا۔ ملاحوں نے تمام تر کوشش بروئے کار لا کر سواریوں کو محفوظ مقام پر پہنچا دیا جہاں اُنہوں نے ایک یادگار شب گزاری۔ اگلے دن اُنھیں معلوم ہوا کہ اُن کے ڈونگے کے ساتھ ہی ایک کشتی میں دو انگریز سوار تھے جو ولر کے تھپیڑوں کی زد میں آگئے مگر کچھ سامان کے اِتلاف کے بعد بال بال بچ گئے۔ مصنفہ نے سوپور کا قدیم نام سوریا پور، سُیا انجینئر کے نام پر تحریر کیا ہے۔ مصنفہ کے بقول اُنہوں نے سوپور میں سِکھ دور کے پہلے حکمران گلاب سنگھ کا تعمیر کردہ قلعہ و کھنڈرات کی صورت میں پایا۔

اگلے روز موسم سازگار تھا اور وہ ہلکی دھوپ میں نہاتے ہوئے ڈونگے میں سوار فی گھنٹہ دو

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

میل محو سفر ہوئے۔ سمبل، جہاں روایتی کشمیر طرز کا پل ہے اور شہتوت کے موسم میں مچھلیوں کا اچھا خاصا شکار ہوتا ہے، راستے میں دیکھ کر وہ آنا ٹینگ کے قریب پہنچے جس کے عقب میں مانسبل جھیل ہے۔ سیاحوں نے اس کی سیر مؤخر کی تاکہ وہ جون جولائی میں اس مشہور عالم جھیل میں کنول کی پُر شباب بہار کا لطف لے سکیں۔ بعد میں جب وہ اس سال تیس جون کو گئے تو سخت گرمی کے باوجود وہاں اپریل جیسا موسم اُن کی دل جوئی کے لئے تیار تھا۔ مصنفہ نے گلاس کا مربہ تیار کر کے نوش کیا۔ یہاں وہ ایک فقیرِ خدا کے باغ کے قریب ٹھہرے تھے۔ وہ کہتی ہے کہ شومیٔ قسمت سے اس سال جھیل میں ایک بھی کنول نہ تھا کیونکہ گزشتہ برس کی خشک سالی اور قحط سالی کی وجہ سے لوگوں نے اِس کی جڑیں تک چٹ کر ڈالیں۔ مچھروں کی بھرمار کے خوف سے قافلہ راتوں رات واپس لوٹ گیا۔

سرینگر کی طرف

سمبل سے نکل کر سیاحوں کا ڈونگا شادی پورہ سے گزرا جہاں سندھ اور جہلم آپس میں بغل گیر ہوتے ہیں۔ شادی پورہ کے چناروں نے اُنھیں بہت محظوظ و مسرور کیا۔ یہاں سے گاندربل قریب چودہ میل کا سفر ہے۔ گاندربل زوجیلا درّہ سے گزرنے والی لیہہ سڑک کا پہلا پڑاو ہے۔ شادی پورہ سے قافلہ سرینگر کی طرف چل پڑا مگر بقول مصنفہ پر مسافت کچھ دل کشی نہ تھی۔ سرینگر میں خواتین اپنے میلے کچیلے بچوں کو دریا کے گدلے پانی میں نہلاتی ہیں۔ یہاں دریا کے کنارے اونچے عالی شان مکانات، مندر اور زیارت گاہیں ہیں جن کی دیواروں کے ساتھ عشق پیچاں اویزاں ہیں۔

سرینگر میں سفر کے دوران ساتوں پُل یعنی سیف پل جسے سیف خان نے ۱۶۶۴ء میں تعمیر کرایا تھا، کے نیچے سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ مغل دور کا فرماں روا تھا۔ پانچویں پل کے نیچے سے گزرتے ہوئے بلبل لنکر مسجد دکھائی دی جو بلبل شاہ نام کے بزرگ کے لئے بنوائی گئی تھی جس اوّلین مسلم بادشاہ نے یہ مسجد بنوائی وہ رینچن شاہ تھا جو اُس بادشاہ کا شہزادہ تھا جس کی سلطنت تبت تک پھیلی ہوئی تھی۔ رینچن شاہ نے کشمیر کے راجاؤں کی آپسی سر پھٹول بھانپ کر حملہ کیا اور

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ایک سلطنت ایک شہزادی اور ایک دین حاصل کیا جو بلبل شاہ کا دین تھا۔ چوتھا پُل زینہ کدل ہے جو زین العابدین کے نام سے منسوب ہے جو یہاں بڈشاہ کے نام سے مشہور و معروف و مقبول ہے۔ اُس نے تبت تک اپنی سلطنت پھیلائی۔ فنون و علوم کی سرپرستی کی اور عالی شان عمارات و شاہراہیں تعمیر کیں۔

پہلا پُل امیرا کدل ہے۔ اس کے قریب ہی مہاراجہ کے محلات اور سنہری کلس والا سکھ گردوارہ۔ تھوڑی سی دوری پر دریا میں متعدد ڈونگے اور ہاوس بوٹ تھے۔ آس پاس چناروں کی بہتات ہے۔ ہمارے یہاں ٹھہرنے کا جی کر رہا تھا مگر ڈونگے بان نے کہا کہ علاقہ صرف حکمرانوں کے لئے مخصوص ہے اس لئے ہم ڈلگیٹ سے ہوتے ہوئے ڈل کی وسعتوں میں پہنچ گئے۔ مصنفہ نے عام سیاحوں کی سرینگر میں مصروفیات کا بڑا دلچسپ نقشہ کھینچا ہے جو وادی کے دیگر حصوں سے بے خبر اپنی پونجی خرچ کر کے واپسی کا سفر اختیار کرتے ہیں۔ لگتا ہے کہ مصنفہ کی رائے کشمیر کا چپہ چپہ چھان مارنے کی ہے وہ کسی ایک جگہ تک محدود رہنے کے حق میں نہیں ہے جس کا ثبوت خود اس کا یہ سفرنامہ ہے جو اس کے دور دراز اور دشوار اسفار پر مشتمل ہے۔

مغل باغ

شہنشاہ اکبر کو اگرچہ ہندوستان جیسے وسیع ملک چلانے سے فرصت نہ تھی جو وہ کشمیر کی حسن کاری کی طرف دھیان دیتا۔ تاہم اپنے تین دوروں کے دوران اسی نے یہاں ان مٹ نشان چھوڑے۔ اسی کے وزیرِ خزانہ راجہ ٹوڈرمل کا بندوبست اراضی اور پہاڑی پر موجود قلعہ ہاری پربت اُس کی انتظامیہ کی منہ بولتی شہادتیں ہیں۔ اُسے اپنے دادا بابر سے ذوقِ جمال وراثت میں ملا تھا چنانچہ اس نے موجِ صبا یا نسیم باغ جیسا خوب صورت ترین مغل باغ مشہور عالم جھیل ڈل کے کنارے اور موئے مقدس آنحضرت ؐ کی امین درگاہ حضرت بل کے پہلو میں آراستہ کرایا۔ اس میں جاں فزا فضا پیدا کرنے والے متین و حسین چنار اپنی مثال آپ ہیں۔ قریب ہی نشاط اور شالیمار حسن آب ڈل سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھتے ہیں۔ اس موقعہ پر مصنفہ نے کشمیر کے چرب دست اہل حرفہ کی تعریف میں خوب قصیدہ گوئی و مدح سرائی کی ہے۔ اُس کی محنت کشی کی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

تعریفیں کی ہیں۔ اُنھیں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

تختِ سلیمان کا ذکر کرنا بھی وہ نہیں بھولی ہے جو بلند و بالا نشین ہے اور شہر بھر کے شب و روز کا چشم دید گواہ ہے۔ پری محل، گپکار اور نالہ مار بھی اُس کے سفر نامہ میں اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۔	دریائے راستہ	
۲۔	شمالی راستہ	
۳۔	گھوڑے والا	
۴۔	شہنشاہی راستہ	
۵۔	چرواہن	
۶۔	واپسی	
۷۔	چمبہ میں	
۸۔	ڈونگے میں	
۹۔	مغل باغات	

رنگین تصاویر (کی فہرست)

۱۔ چنکس سرائے دروازہ
۲۔ جہلم کنارے مہاراجہ کا مندر
۳۔ دریا کے ساتھ بالائی کی طرف
۴۔ دریائی راستہ
۵۔ بیجہاڑا کے قریب
۶۔ سڑک پر
۷۔ جنگلی سڑک

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

۸۔ استوا کے تارشنگ دیہات

۹۔ تہذیبی پھاٹک

۱۰۔ قلعۂ استور

۱۱۔ درۂ کامری کے پار

۱۲۔ چراگاہ

۱۳۔ اس کا گاؤں

۱۴۔ پیر پنجال جنگلات میں گجر خواتین

۱۵۔ ہم سفر

۱۶۔ پیر پنچال درّہ پر علی آباد سرائے

۱۷۔ چرواہن

۱۸۔ ایک قبیلہ

۱۹۔ دیو کا خاتمہ

۲۰۔ اس کی بہن

۲۱۔ نالہ مارتھر

۲۲۔ دریا پر

۲۳۔ وزیر کا گھوڑا

۲۴۔ جھیل ڈل اور طوفانی مغرب

بے رنگ توضیحات (کی فہرست)

۱۔ ایک کشتی بان

۲۔ سواری کا گھوڑا

۳۔ سدود شاہراہ

۴۔ گلگت فراہمی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

۵۔ وادی کی کشمیرن

۶۔ پونچھ کی گجرانی

۷۔ بالائی دریا کے جنگلاتی کنارے

۸۔ کشتی رانی

۹۔ کشمیری شِکارا

۱۰۔ سفیدوں کے درمیان

۱۱۔ سوریا دیوتا کے مارتنڈ مندر کے دروازے کا شکستہ حصّہ

۱۲۔ سرینگر۔ مرکزی بازار

۱۳۔ بہار میں سڑک

۱۴۔ پاندریٹھن۔ تالاب میں ایستادہ مندر

۱۵۔ خوش حال وادی

۱۶۔ سرینگر۔ دکان دروازہ

۱۷۔ سرینگر۔ عقبی کوچہ میں

۱۸۔ کھینا

۱۹۔ شکارا

۲۰۔ خزاں کی شام

۲۱۔ مضافاتی کشتی

۲۲۔ گڈی (بیل گاڑی)

۲۳۔ اسلام آباد میں

۲۴۔ بیدزار میں

۲۵۔ آزمودہ راستہ سے آگے

۲۶۔ پہاڑی ندی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

۲۷۔ دریائی کا آخری پڑاؤ

۲۸۔ سیبوں کے درختوں کی نہر۔سرینگر

۲۹۔ بار بردار خچر اور قلی

۳۰۔ راجدیانگ کے قریب

۳۱۔ اونٹوں کے رِسالے

۳۲۔ رکھوالن

۳۳۔ آخری اشجار

۳۴۔ نانگا پربت۔دنیا کا چوتھا بلند ترین پہاڑ

۳۵۔ شاہی فوج کی ٹکڑیاں اکتوبر میں گلگت سڑک پر ایک درّہ کو عبور کرتے ہوئے

۳۶۔ ایک شمالی سیاح

۳۷۔ ایک مرکبان

۳۸۔ مقامی صحتِ عامہ

۳۹۔ طوفانی راستہ

۴۰۔ گریز کے قریب اچھی سڑک

۴۱۔ پڑاؤ ڈالنے کا مقام

۴۲۔ گھڑسواری کے بعد

۴۳۔ سفر کی تیاری

۴۴۔ گھر میں

۴۵۔ دیہی بزرگ

۴۶۔ ریاست میں آغاز

۴۷۔ پیش قدمی۔مُغل

۴۸۔ ٹونگا سڑک پر تہذیبی نشانات

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

۴۹۔ گجر خاتون محوِ رفتار

۵۰۔ تیسرے منطقے میں

۵۱۔ یکے میں بھمبر تک سفر

۵۲۔ کشمیر میں

۵۳۔ شاہی سامانِ سفر

۵۴۔ سائے

۵۵۔ خواب آور مقام

۵۶۔ نوشہرہ کے قریب سڑک پر پھاٹک

۵۷۔ راجوری کے پائین میں فورڈ

۵۸۔ راجوری کا بنگلہ

۵۹۔ دھنی دھر

۶۰۔ کشمیری سیاح

۶۱۔ بزرگ للہؔ

۶۲۔ گرتے پُل

۶۳۔ پوشیانہ

۶۴۔ پیر پنچال

۶۵۔ احکام کا انتظار

۶۶۔ خلوت گاہ

۶۷۔ وٹو کے بعد

۶۸۔ سنتھن درّہ کے قریب

۶۹۔ پائین درّہ

۷۰۔ کشمیری بکریاں

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

۷۱۔ ایندھن

۷۲۔ گجرانی بچہ اور برتن اُٹھائے

۷۳۔ گھریلو ذمہ داریاں

۷۴۔ بالائی کی طرف

۷۵۔ دوسری خاتون

۷۶۔ گاؤں میں

۷۷۔ پڑوسی

۷۸۔ خستہ شجر

۷۹۔ بار برداری بذریعہ قلی

۸۰۔ خیمہ گاہ

۸۱۔ سرمائی بالن

۸۲۔ نمبردار

۸۳۔ دیہی گھر

۸۴۔ ترجمان

۸۵۔ آشوب پا

۸۶۔ ظُنی کی گھڑکی

۸۷۔ کوہ نائے ہمدم

۸۸۔ چمبہ میں

۸۹۔ چمبہ کی دوشیزہ

۹۰۔ رانی کا محل

۹۱۔ روانگی

۹۳۔ جلوس کا حصہ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

۹۴۔ چمبا کے قدیم مندر

۹۵۔ جدید استھان

۹۶۔ ڈونگے میں

۹۷۔ ایک ہم سفر

۹۸۔ بارہمولہ کی ٹانگہ سڑک

۹۹۔ رات بھر بندھا ہوا

۱۰۰۔ ایک اچھی خاتونِ خانہ

۱۰۱۔ مغل باغ

۱۰۲۔ ندی کنارے بید

۱۰۳۔ پھلدار جھاڑیاں

۱۰۴۔ ڈل کا مالی

۱۰۵۔ چراگاہِ کشمیر

۱۰۶۔ چنار کے پتے

شیرازہ اُردو "محمد یاسین بیگ نمبر"

شیرازہ کا یہ خصوصی شمارہ ریاست کے معروف شاعر مرزا محمد یاسین بیگ کی شاعری اور شخصیت کے انوکھے اور فلک رنگ پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔

اس پتے پر منگوائیں:

☆......کتاب گھر، سرینگر/ جموں/ لیہہ/ لداخ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

● ...... ڈاکٹر آفاق عزیز

کشمیر اور دراوِڑ کے قدیم رابطے

کشمیر اور دراوِڑ قوم کے قدیم رابطوں کے متعلق بات کرنا قدرے دشوار ہے۔ بنیادی مواد کی عدمِ دستیابی، اس موضوع پر قلم اُٹھانے میں سب سے بڑی رُکاوٹ ہے۔ البتہ کچھ تاریخی اور لسانی اشاروں کا سہارا لے کر اس موضوع کے ساتھ متصادِم ہونے میں کوئی ہرج نہیں۔ ممکن ہے اس وطیرہ سے کہیں نہ کہیں کشمیر اور دراوِڑ رابطوں کی بھنک آئے۔ اس لئے زیرِ بحث موضوع کو چند ذیلی عنوانات میں بانٹنے کی ضرورت محسوس کی گئی تاکہ تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ میں آسانی ہو۔ جس میں دراوِڑ لفظ کی وجہ تسمیہ، اُن کا آبائی وطن اور کشمیر میں دراوِڑوں کی تلاش وغیرہ شامل ہیں۔ سب سے پہلے دراوِڑ لفظ کو زیرِ بحث لانا ضروری ہے، تبھی جا کے بات آگے بڑھنے کے امکانات روشن ہو سکتے ہیں۔

دراوِڑ کی وجہ تسمیہ

دراوِڑ لفظ پر بات کرنے سے پہلے ماہرین کا یہ اشارہ دہرانا لازمی ہے کہ لفظ جملے کی ایک آزاد اکائی ہے جس میں ہزاروں سالوں کی تاریخ اور تمدن کی گُم گشتہ کڑیاں محفوظ ہوتی ہیں جن کا وجود اور ارتقاء زبان و کلچر سے جُڑا ہوتا ہے۔ یہ لفظ ہی ہے جو کسی بھی پہلو، موضوع یا کہانی میں بنیادی دھاگے کا کام دیتا ہے۔ الفاظ سے وابستہ دلائل سے پتہ چلتا ہے کہ ہم کون ہیں، کہاں

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

سے آئے ہیں، ہمارے تمدن اور ہماری تاریخی حقائق کیا ہیں۔ شاید لفظ کی اسی اہمیت کو سمجھنے اور لفظوں کے ساتھ کھیلنے والے ایک مشہور سیاستدان وِنسٹن چرچل نے کہا ہے:

" Words are the only things that lost forever"

جہاں تک دراوڑ کا تعلق ہے، اس بارے میں ایک مشہورِ عالم لسانیات ماہر روبرٹ کالڈویل لکھتے ہیں:

" The oldest dravidian word found in any record in the world appears to be the word for ' peacock,in the hebrew text of the books of kings and chronicles, in the list of the articles of merchandise brought from Tarshish or ophir in Soloman's Ships, about 1000 BC " 1

برصغیر کی بات کریں تو ایک مصدقہ اِطلاع کے مطابق دراوِڑ لفظ کو سب سے پہلے کُمارِ لابَھٹا 2 نے اپنی مشہور کتاب ''تانتر اور تکا'' میں درج کیا ہے جو ساتویں صدی عیسوی میں لِکھی گئی تھی۔ اس حوالے سے ایک زبان دان زِویل لکھتے ہیں کہ کُمارِ لابَھٹا نے دراوِڑ لفظ کا تذکرہ اس لئے کیا تھا کہ کچھ معاصر سکالروں نے تامل زبان کے چند الفاظ غلط طریقے سے سنسکرت زبان سے مشابہ ٹھہرائے تھے 3 بعدازاں دراوِڑ لفظ کو کیرلا کے کلادی قصبہ میں پیدا ہوئے، عظیم

1. Robert Caldwell, 1974, A Comparative of the Dravidian, New Delhi P.88

2: کُمارِ لابَھٹا ہندو فلاسفی کے بڑے عالم اور شاعر تھے جو سات سو عیسوی میں آسام میں پیدا ہوئے۔ اُن کا عقیدہ اور تجربہ یہ تھا کہ جملے میں استعمال کئے گئے لفظوں کا انفرادی معنی مفہوم سمجھانہ جائے، جملے کا وحدتی تصور جاننا ممکن نہیں۔

3. Zvelbil Kamil, 1990, Dravidian Linguistics:An Introducation, Pondichary Institute of Linguistic Introducation, Pondichary Institute of Linguistic and culture,tic and culture, P.xxii,F.no.21

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

فلسفی ادی شنکر المعروف شنکر آچاریہ 1 نے آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے استعمال میں لایا تھا۔ جب اُس نے خود کو "دراوِڑ پترا" کہا تھا جس کا معنی بقول اُن کے "پانی کے نزدیک والے علاقے کا" تھا 2 ایک اور رائے کے مطابق وہ علاقے جو دریا، تالاب یا سمندر کے بالکل نزدیک ہو، دراوِڑ کہلاتا ہے 3 اسی طرح دراوِڑ کو "میدانِ جنگ" سے بھاگنا اور "دوڑنا" کے معنی میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اگروال لکھتے ہیں:

> " From the root words" dra" or " drav" which means running,the Word Dravidia is derived.This word indeed refers to the people who have run away from fighting the battle field" 4

دلچسپ بات یہ ہے کہ دراوِڑ لفظ کو جو معنی شنکر آچاریہ نے دیا تھا۔ جدید اسکالروں نے اسی معنی مفہوم کو اُلٹ پھیر کر کے پیش کیا ہے۔ ماہرین کے مطابق دراوِڑ دو لفظی اکائیوں دراو(Drav) اور وِڑ(Vid) کا مرکب ہے۔ اُنہوں نے دراو کو پانی اور وِڑ کو کنارہ یا نزدیک کا معنی دیا ہے۔ 5 کئی ماہرین نے وِڑ لفظ کو طویل پہاڑیوں کا سلسلہ بھی ٹھہرایا ہے۔

1: آدی شنکر کے زمانے کے متعلق محققین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاہم بیشتر محقق اس بات پر متفق ہیں کہ وہ 788ء میں پیدا ہوئے اور 820ء میں اس دُنیا سے چل بسے۔ آپ نے ۸ سال کی عمر میں سنیاس لی۔ کچھ وقت سنیاس میں رہ کر جنوب سے شمال ہند کی جانب سفر کیا۔ اس دوران آپ کی ملاقات بڑے بڑے فلاسفروں اور خدا دوستوں سے ہوئی۔ فلسفہ پر مبنی "اماروشقا" آپ کی اہم کتاب ہے جو اپنے آپ کو پہچاننے کی مفصل دلالت کرتی ہے۔

2.M.K.Agarwal, 2012,From Bharta to India: Chrysee the Golden,volume.1, p. 75

3. www.sulekhacreative.com

4. M.K.Agarwal, 2012, From Bharta to India: Chrysee the Gold, Vol.I, P.58. PP.57-59

5. www.sulikhacreative.com

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اس بحث سے یہ بات صاف ہوگئی ہے کہ دراوڑ لفظ کو زمانہ قدیم سے آج تک ''پانی کے نزدیک رہنے والے'' اور ''دوڑنے والے'' کے معنی ومفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اِدھر دراوِڑ تاریخ کے ارتقائی مطالعے سے اس بات کا گمان ہوتا ہے کہ دراوڑ لفظ کے مذکورہ سبھی معنی بالکل درست ہیں۔ اگر اوّل الذکر معنی کو دراوڑ تاریخ کے پسِ منظر میں جانچنے کی کوشش کی جائے تو مُثبت نتائج سامنے آسکتے ہیں۔ چونکہ دراوِڑ قوم آج بھی جنوبی ہندِ کے اُن ہی آبی ذخائر کے نزدیک آباد ہے جہاں اُنہوں نے آج سے چار ہزار سال پہلے سکونت اختیار کی تھی۔

دراوِڑ قوم کا آبائی وطن

دراوِڑ قوم کے آبائی وطن کے متعلق مورخین الگ الگ رائے رکھتے ہیں۔ کسی نے اِن کا وطن ہندوستان ٹھہرایا ہے اور کوئی انہیں وسطِ ایشیاء کے مہاجر گردانتا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ لوگ موجودہ عراق کے باسی تھے اور کئی مورخین نے ان کا وطن افریقہ قرار دیا ہے۔ یہ بھی کہا جارہا ہے کہ دراوِڑ قوم مُلک مِصر کے باشندے تھے حقیقتاً دراوِڑ وطن کے متعلق جتنے اسکالر اُتنی گتھائیں۔ تاہم اس حوالے سے ایک خاص رائے سامنے آچکی ہے جس پر اسکالروں کی اچھی خاصی تعداد متفق نظر آتی ہے کہ دراوڑ لوگ بحیرۂ روم کے علاقوں (Mediterranean Region) 1 سے ہجرت کرکے واردِ ہند ہوئے تھے۔ 2 اس کی حمایت میں ماہرِ عمرانیات ڈاکٹر برنارڈ سرجنٹ لکھتے ہیں:

"Anthropologically they are Mediterranean" 3

1: بحیرہ روم کا علاقہ تین براعظموں یورپ، افریقہ اور ایشیاء تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے گردونواح میں جو ممالک آباد ہیں اُن میں البانیہ، بوسنیا، ہرزی گوینا، الجیریا، موناکو، مراکو، فلسطین، مالٹا، تیونیشیا، لیبیا، لبنان، اسرائیل، یونان، سولوانیا، اٹلی، فرانس، مصر، سپرس، کروشیا، سپین، شام، ترکی وغیرہ شامل ہیں۔

2.Prof. N. Subramaniam, 1973, The History of Tamilnadu to AD 1336, Tamilnadu,p.22

11. 3. Dr. Bernard Sergent, 1997, Genesis of India, Paris, p.50

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اُدھر پروفیسر گریفتن ایلوٹ اور پروفیسر ڈبلیو جے پیرے عالمی تمدن پر تحقیق کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ دنیا کی بیشتر ثقافتیں بشمول سمیری 1 اور عیلامی 2 مصری تمدن کی شاخیں ہیں۔3 اسی بنیاد پر اسکالروں کی ایک جماعت نے دراوڑ تمدن کو بحیرۂ روم کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ اس حوالے سے آر اینگریوں خامہ فرسائی کرتے ہیں:

"The Resemblance between the Mediterraneans and Dravidians in the Shape of Skull, Colour and texture of their colour of eyes, in features and build,are striking." 4

مندرجہ بالا آراء سے یہ بات اخذ کی جا سکتی ہے کہ مصری، سمیری، عیلامی، تمدن علاقہ بحیرۂ روم اور دراوڑی تہذیب میں کافی یکسانیت پائی جاتی ہے۔ قدیم آثار کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ دراوڑ قوم مصر سے نکل کر بحیرۂ روم، سمیر، عیلام اور ایران سے ہوتے ہوئے بھارت پہنچی تھی۔

1: چار ہزار سال ق۔م میں سمیر ایک عظیم سلطنت تھی جس میں بارہ چھوٹے چھوٹے راجواڑے تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ سمیری قوم، غیر عرب تھی۔ ان کی زیادہ تر آبادی دریائے دجلہ اور فرات کی وادیوں میں رہائش کرتی تھی۔ یہ لوگ زراعت، من کوزہ گری اور زیورات بنانے کے پیشہ سے وابستہ تھے۔ میوزک سُننے اور سنانے کے زبردست شوقین تھے۔ ان کا رسم الخط سب سے قدیم مانا جاتا ہے۔

2: عیلام ایک قدیم سلطنت کا نام تھا جو خلیج فارس اور بابل کے درمیان میں واقع تھی جسے سوسنا کہتے تھے۔ تین ہزار ق۔م میں عیلامی اور غیر عربوں کے بیچ تنازعہ اُٹھ کھڑا ہوا جس میں سمیری اور اکاری بھی شامل تھے۔ سوسا، عیلام کی راجدھانی تھی جو 640 ق۔م تک قائم تھی۔ کورش بزرگ سوسا کو اپنا دارالخلافہ بنایا تھا۔ اس سلطنت کے حدود سندھ سے کیکر بحیرہ روم اور کوہ قاف سے عرب ہند تک پھیلے ہوئے تھے۔ آج کل عیلام کو ریاست کا درجہ حاصل ہے جو ایران میں واقع ہے۔ آبادان اس کا پایہ تخت ہے۔ اس کا رقبہ 7011 مربع میل ہے۔

3. T.R. Sesha Iyengar, 1982,Dravian India. New Delhi, P.29

4. Ibid, PP 29-30

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

بھارت میں دراوڑ

اگر یہ نظریہ کہ دراوِڑ مقامی نہیں، غیر ملکی تھے، درست مان کر چلیں تو ایک لازمی سوال پیدا ہونا قدرتی امر ہے کہ یہ لوگ کب داخلِ بھارت ہوئے تھے اور انہوں نے کہاں اپنی ابتدائی بستی قائم کی تھی۔ اس موضوع پر لکھنے والے حسبِ معمول کئی خانوں میں بٹے ہیں۔ ایس کانھی متھی ایم وجے اور اے رمیش کا مشترکہ نظریہ یہ ہے کہ دراوڑ تقریباً دس ہزار سال پہلے ہندوستان میں داخل ہوئے تھے۔ 1 رمن دیپ کو مختلف تحقیقی شعبوں خاص کر علم توالدُ وتناسُل اور عمرانیات سے تعلق رکھنے والے اسکالروں کی مفروضات کو بنیاد بنا کر دعویٰ کرتی ہے کہ دراوِڑ پچاس ہزار سال پہلے افریقہ سے نکل کر ہندوستان پہنچے تھے 2 اسی طرح اِسکالروں کی خاصی تعداد نے دراوڑوں کا وارِدِ ہندِ تین ہزار سال ق۔م قرار دیا ہے۔ 3 بہر حال دراوڑ ہندوستان پہنچنے کی صحیح تاریخ جو بھی ہو لیکن اِتنا تو طے ہے کہ انہوں نے چھ ہزار ق م سے لے کر تین ہزار ق۔م کے بیچ بھارت کو اپنا وطن بنایا تھا۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ دراوڑ قوم نے برصغیر میں قدم رکھتے ہی سندھ وادی کو اپنا پہلا مسکن بنایا تھا 4 جہاں اُنہوں نے سب سے پہلے شہرِ ہڑپا کی بنیاد رکھی تھی 5 اِدھر ماہرین آرکیالوجی اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ ہڑپا تمدن کی بنیاد ڈالنے والے لوگ دراوِڑ قوم کے ہی لوگ تھے 6 جس کے ثقافتی رشتوں میں شمال سے لے کر جنوبی ہندوستان تک کوئی تفاوت نہیں بلکہ یکسانیت نظر آرہی تھی۔

1: S. Kanthimathi, Genetic study of Dravidian castes of Tamil Nadu, Journal of Genetics.Vol.87, No.2,2008, Chinnai,p.175

2: Ramandeep Kaur, 2014, who were Dravidians in India.CF www.mapsofindia.com

3: Dr. Naval Viyogi, 2003, The founders of Indus Valley Civilization and their Later History, Delhi,P.123

4: Clyde.A.Winters, The Ancient Dravidian Diaspora,International Journal of Dravidian Linguistic. vol-49, No.2June 2014, Kerala, P.173

5: Clyde A. Winterts,1994, An untold History of Dravidian writings,chicago,22-24 PR

6: H.D. Sankaliya, 1969, Beginning of Civilization in South India.Journal of Tamil studies.vol.I.Madrass, p.2

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہڑپا تہذیب کا تاریخی، سماجی، اقتصادی اور علمِ آثارِ قدیمہ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ اینٹیں، مٹی کے برتن، زیورات (جس میں سونے، چاندی، ہاتھی کے دانتوں اور قیمتی پتھروں سے بنائے جانے والے ہار، بازوبند، انگوٹھی اور چوڑیاں شامل تھیں) اور کپڑا تیار کرنے میں کافی ماہر تھے۔ اِن لوگوں میں دستار باندھنا عام رواج تھا۔ بکری، بھینس، گائے، ہاتھی، کتا اور اونٹ وغیرہ جانور پالنا ہڑپا قوم کا خاص پیشہ تھا۔ کھدائی کے دوران زراعت سے منسلک بہم ہوئے اجزاء کا جائزہ لینے سے پتہ چلا ہے کہ علاقہ ہڑپا میں رہنے والے لوگ زراعت پیشہ سے وابستہ تھے جو گیہوں، جو، مٹر اور کئی مقامات پر چاول کی کاشت بھی کرتے تھے 1 یہ بھی پتہ چلا ہے کہ گیہوں، مچھلی اور دودھ وافر مقدار میں استعمال کیا جاتا تھا 2۔ سارنگی، طبلہ اور تنبور بجانا ہڑپا لوگوں کا خاص تفریح تھا۔ زیادہ نہیں لیکن کچھ اشارے ضرور مل چکے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ سورج، پانی اور آگ کی پرستش کرتے تھے۔

کشمیر میں دراوڑ تہذیب کی تلاش

کشمیر میں دراوڑ تہذیب کی تلاش جیسا اہم مگر پُر پیچ موضوع کو زیرِ بحث لانا انتہائی مشکل ہے۔ سچ پوچھا جائے تو اس موضوع پر قلم اٹھانا ٹھاٹھیں مارتے سمندر کو پار کرنے کے مترادف ہے۔ یہ بات قابلِ ستائش ہے کہ محمد یوسف ٹینگ نے اس حوالے سے پہلے ہی بعض ایسے مضامین تحریر کئے ہیں جن میں دراوڑ اور کشمیری زبان کے کچھ ایسے مشترکہ الفاظ کی نشاندہی کی گئی ہے جن سے کشمیر میں دراوڑ تہذیب کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ تاہم ثقافتی اور لسانی تاریخ، ٹوپونامی یا قدیم آثار جیسے بنیادی شعبوں کو مدِ نظر رکھ کر ابھی کوئی باضابطہ تحقیقی کام نہیں ہوا ہے جو کشمیری اور دراوڑ رشتوں کی مضبوط بنیاد فراہم کر سکے۔ کچھ ایسے اشارے ضرور سامنے آئے ہیں جو ان روابط کو اُجاگر کرنے میں مددگار ثابت ہوں جس میں تاریخی، لسانی، ٹوپونامی، علم التوالد و تناسل اور قدیم آثار کے چند نکتے اور مفروضات قابلِ غور ہیں۔

---

1. Lallanji Gopal,2008, History of Agriculture in India, Part,I, New Delhi, p.111

2.Edgar Thorpe 2012, The peasson, CSAT Manual, India, P.12

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

تاریخ

اوّل یہ کہ مطالعہ تاریخ دراوڑ سے پتہ چلتا ہے کہ میدانی علاقوں (خاص کر دریائے گنگا اور جمنا) کا رُخ کرنے سے پہلے دراوِڑ قوم کا ''آندھرا'' نامی قبیلہ کشمیر سمیت شمالی ہندوستان میں سکونت پذیر تھا۔اس حوالے سے ماہرِ لسانیات اتکوری بالا رامہ مورتی نے یوں خامہ فرسائی کی ہے:

" Before arriving at the banks of Ganga and Jamna, Andhras might have visited Belochistan, Afghanistan and Kashmir."1

شمالی ہندوستان کے مذکورہ بالا علاقوں میں رہنے والا یہ ''آندھرا'' قبیلہ ''ڈیسی'' نام کی زبان بولتا تھا جس کی ایک شاخ پشاچی مانی جاتی ہے۔2 ساتھ ہی یہ رائے زنی بھی کی جارہی ہے کہ کشمیر اور نیپال کی قدیم زبان بھی ''ڈیسی'' تھی۔3 شاید اسی حقیقت کے چلتے سُدھیشور شرما کی وہ رائے بھاری لگتی ہے جس میں انہوں نے ''زون'' لفظ کو کشمیری اور نیپالی زبان کا مشترکہ میراث ٹھہرایا ہے۔4 اتکوری بالا رامہ مورتی ''ڈیسی'' زبان کے متعلق مزید لکھتے ہیں کہ اس زبان کا رشتہ دردخاندان سے جا ملتا ہے جو بقول اُن کے خود دراوڑ زبان کی ایک شاخ تھی۔5 بالا رامہ مورتی کی اس رائے کو من وعن تسلیم کرنا یا اس پر کوئی ردعمل ظاہر کرنا تب تک ناممکن ہے جب تک اس کو تاریخی اور لسانی اصولوں کے مطابق جانچا نہ جائے۔تاریخ کے حوالے سے ایک اور رائے سامنے آئی ہے جس میں ہڑپا اور کشمیری کلچر کے درمیان قریبی رشتے کی بات کی گئی ہے6

1: Proto-draviadian@lists.hcs.harvard.edu

2: Evolution of Andhra Language-Windows Internet Explore

3. Evolution of Andra Language-Windows Internet Exploere

4: حوالہ محمد یوسف ٹینگ، ۱۹۷۷ء، تلاش، دہلی، ص۹۔

5: Evolution of Andhra Language-Windows Internet Explore.

6:M.K.Kaw, 2004, Kashmir and its people :Studies in the Evolution of Kashmir SOciety, New Delhi, PP,23-24

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

لسانیات

اسی طرح اگر لسانیات کی بات کریں تو اس حوالے سے کشمیر میں دراوڑ تہذیب کو ڈھونڈ نکالنے کا کوئی ٹھوس کام نہیں ہوا ہے جس سے خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہو، پر تحقیق میں ہمیشہ ایک ایسی روایت چلی ہے کہ معمولی نکتوں کی بنیاد پر ایک غیر معمولی نظریہ جڑ پکڑ سکتا ہے جو بسا اوقات نتیجہ خیز ثابت ہوا ہے۔ اس اعتبار سے جب دراوڑیات پر لکھی گئی سینکڑوں کتابوں جن میں گستاو اوپرٹ کی "بھارت کی اصلی باشندوں پر"، روبرٹ کالڈویل کا "دراوڑی گرائمر" اور ایم بی ایمنیوں کی "دراوڑ اسٹمالوجیکل ڈکشنری" وغیرہ کا مطالعہ جو کشمیر دراوڑ رشتوں کی گم گشتہ کڑیوں کو کھنگالنے میں معاونت کر سکتے ہیں۔

ٹوپونامی

اگر ٹوپونامی کی بات کریں تو یہ کہنا موقعہ محل ہوگا کہ ابتدائی بستیوں کے نام یک لفظی ہوتے تھے جو جنرک (Generic) کہلاتا ہے۔ 1۔ جب دو لفظی بستی ناموں کی روایت چلی تو دوسرے محققوں نے لفظ کو سپسفِک (Specific)۔ نام دیا۔ اگر ان ناموں کا مطالعہ جنرک اور سپیسفک کی بنیاد پر کیا جائے تو نام کا پرانا پن اور اس کا لسانی خاندان ڈھونڈ نکالنا آسان ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور اگر کسی بستی کا نام "اُر" ہے یا نام کے ساتھ "اُر" بطور لاحقہ مُنسلک ہو تو اسے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بستی دراوڑ قوم کی بسائی ہوئی ہے۔ تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ "اُر" لاحقہ دراوڑ ٹوپونامی کی ایک اہم مثال مانی گئی ہے جو نہ صرف دراوڑ لسانی خاندان کی تمام زبانوں میں مشترکہ طور پائی جاتی ہے بلکہ ایسے ناموں کی خاصی تعداد پورے بھارت میں موجود ہونے کی شہادت ملتی ہے۔ بالا کرشنن نیئر رقمطراز ہے:

1: K.M. George, 1986, place.Names of South India, Trivandrum,P.38

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

"The name of villages or towns made up of the suffix"ur"for India as a whole would be region.In south India place.Names with this suffix are almost Ubiguitous.In the Tamil language,"Ur"means village, town, city.In Malayalam it has the same meaning."1

اِدھر ٹوپونامی پر مبنی تحقیق کا جائزہ لینے کے بعد نیئرؔ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ "اُر" لاحقوں کی ۱۸% بستیاں تامل ناڑو کے ضلع کنیا کماری اور رام ناتھا پورم میں موجود ہیں۔2 اسی طرح کشمیر کی ٹوپونامی کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں کے سینکڑوں بستی نام دراوڑ ٹوپونامی سے مماثلت رکھتے ہیں۔ مثلاً

گاؤں کا نام	تحصیل	گاؤں کا نام	تحصیل
ووٹپر	بڈگام	کوزو	ژوڑر
ژوڑُر	ژوڑُر	گُلر	ہندوور
شولُر	کپوور	دوگُر	ورمُل/ژوڑُر
ہوگُر	بنڈپور	گڈُر	سوپور
گڈُر	پلووم	ووڑُر	سوپر
ڈوڈُر	پلووم	زولُر	سوپور
ووسُر	پُلووم	نولُر	سوپور
سرُر	پٹن	ووگُر	گاندربل
ژوگُر	گلمرگ	سولُر	گاندربل
اوٹھر	گلمرگ	اوبُر	گاندربل

1: T. Balakishnan nayar, 1957, The problem of Dravidian Origins-A Linguistic, Anthropoligical and Archaeological and Archaeological Approach, Madrass, p35 ,　　2 . Ibid P 45

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

دراوڑاور کشمیرٹوپونامی کی مماثلت مندرجہ ذیل بستی ناموں سے بھی اخذ کی جاسکتی ہے۔مثالے

دراوڑنام	کشمیری نام	دراوڑنام	کشمیری نام
رکھتپور	رتھ پورعیدگاہ سرینگر	سونارگان	سونرگنڈ بڈگام
کلامُلہ	کھل مُلہ، درگاہ، سرینگر	میمندر	میمندر شوپیان
نیلؤر	نیلُر، پلوامہ	وٹی	وچی پلوامہ
چتور	ژِتُر، پانزن چاڈورہ	وٹی	وٹو، ناسنور کولگام
انتاپور	اونتی پور	ملہ پور	ملہ پور، چرارشریف
ملاواڑ	ملہ واڑ، پلوامہ	ملہ پور	مُلہ پور، حبہ کدل
وانکابل	وٹنگل، چاڈورہ		
وانکابل	وانہ بل، راولپور، سرینگر	بڈر	بڈر، حیات پورہ، کوکرناگ
		سنگام	سنگم، اننت ناگ
سنی پا	سونہ پا، بیرؤ بڈگام	لاوے پور	لاوے پور، شالہ ٹینگ سرینگر
نمبل ہار	نمبل ہار، بڈگام	رتناپور1	رتن پور، پلوامہ

ٹوپونامی کا مزید سہارا لیتے ہوئے یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ ہڑپا تہذیب کو معرضِ وجود میں لانے والوں نے اپنی بستیوں کی منصوبہ بند قلعہ بندی کی تھی جس کے لئے اُنہوں نے ایک مخصوص لفظ ''کتا'' (Kotta) استعمال میں لایا تھا۔ یہ کُٹے یعنی قلعے اُن تمام بستیوں میں تعمیر کئے گئے تھے جہاں ہڑپا تہذیب سے وابستہ لوگ بودوباش کرتے تھے، پرپولا لکھتے ہیں:

"Parpola refers to settlement names of Dravidian Origin in the Harappan area and considers the word "Kotta"font (generally considered to be of

1: K.M.George, 1986, place-Names of South India, Trivandrum, PP.16, 23,27,Pb 102

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

Dravidian origin) to be of particular interest' because its distribution in North India is mainly limited to the Harappan area and the Northwest."1

دراوِڑ لسانیات کے عالمی شہرت یافتہ ماہر روبرٹ کالڈویل نے کٹا/کوٹا(Kotta) لفظ کو کئی صورتوں میں پیش کیا ہے جیسے کٹا، کوٹا، کوٹہ، کوٹی، کوٹی اور کٹہ وغیرہ۔ ان الفاظ کو تیلگو، کنٹر اور تامل زبانوں میں قلعے کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔2

اسی طرح اگر تاریخی لسانیات کے اصولوں کو مدنظر رکھ کر کشمیری ٹوپونامی کا بغور مطالعہ کیا جائے تو مذکورہ بالا ارک بندی (Fortification) تہذیب کو کھنگالنے میں کافی آسانی ہوگی۔ اس حوالے سے کئی بستی ناموں کو بطورِ مثال پیش کیا جاسکتا ہے جس میں کٹہ، کٹہ بل، کٹہ ہار، کٹھیر، کٹہ راج وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ جہاں تک پہلے لفظ کٹہ کا تعلق ہے، سینکڑوں کنال زمین پر پھیلے اس نام کی دو غیر آباد جگہیں تحصیل چاڈورہ کے ناگام اور حیات پورہ نامی گاؤں میں واقع ہیں۔ دونوں گاؤں میں یہ باتیں عام ہیں کہ کسی زمانے میں یہاں ایک قلعہ تھا جس میں شاید کوئی راجہ رہتا تھا''3 راقم بچپن سے سنتا آیا ہے کہ ''چلو، کٹے پر جائیں گے۔ یا وہ کٹے پر گیا ہے'' وغیرہ وغیرہ۔ رہی بات کٹہ بل کی جو تحصیل چاڈورہ کا ایک بالائی گاؤں ہے۔ یہ گاؤں چھوکول (دودھ گنگا) کے بالائی حصے کی اوپر والی کریوہ پر واقع ہے۔ گاؤں کی لوک روایت کے مطابق ''نامعلوم زمانے سے یہاں کوئی قوم رہتی تھی۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ کسی زمانے میں یہاں ایک بڑی بلڈنگ بنی تھی۔'' تاہم آج تک کسی قسم کے آثار دستیاب نہیں ہوئے ہیں۔ اگر کھٹیر نامی بستی کی بات کریں تو ٹوپونامی کے دو اہم اصولوں کے بغیر اس کی اصلیت کھنگالنا ناممکن ہے۔

1: ASKO Paropola, 1994, Harappan Inscriptions, New York,P.170

2 : Robert Caldwell 1974,A Comparative Grammar of the dravidian Language, New Delhi,PP.569-570.

3: ایسی باتوں کا اظہار مرحوم غلام محی الدین بیتو ساکنہ ناگام اور مرحوم عبدالرحیم مراد ساکنہ حیات پورہ نے راقم کے ساتھ آج سے تیس سال پہلے غیر رسمی بات چیت کے دوران کیا تھا جو راقم کی ذاتی ڈائری میں آج بھی درج ہیں۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

پہلا اصول یہ کہ نام کی پرانی صورت ڈھونڈ نکالی جائے اور دوسرے اصول کے مطابق نام کی لسانی ساخت کا مطالعہ کیا جائے۔ تبھی جا کے بستی کی تاریخ معلوم ہو سکتی ہے۔ ان اصولوں کو بروئے کار لا کر پتہ چلتا ہے کہ کٹھہیر لفظ کی اصلی صورت کٹ (قلعہ) + ہیڈ (سیڑھی) یا جوڑ کے کُٹھیڈ ہے جس کا مطلب قلعے کی سیڑھی ہے۔ مذکورہ گاؤں کی سینہ بہ سینہ روایت بھی یہی ہے کہ کسی زمانے میں یہاں ایک قلعہ تھا جس پر چڑھنے کے لئے سیڑھی کے نشانات ماضی قریب تک پائے جاتے تھے۔ بہر حال کٹھیڈ لفظ میں اُس وقت ایک اور تبدیلی دیکھنے کو ملی جب آریا قوم نے کشمیر میں اپنا ڈیرہ ڈالا اور پشتی باشندوں کو مار بھگایا۔ آریا وارد کشمیر ہونے کے فوراً بعد کٹھیڈ لفظ میں موجود ''ڈ'' حرف نے ''ر'' کی جگہ لی جس سے کٹھیڈ بالترتیب کٹھیر اور کٹھہیر میں بدل گیا۔

جہاں تک ''ڈ'' اچھر ''ر'' میں تبدیل ہونے کا تعلق ہے۔ اس کے پیچھے ایک خاص مقصد کام کر رہا تھا کہ کسی نہ کسی طریقے سے کشمیر کے قدیم باشندوں خاص کر ''ناگ''، اُن کے ذیلی قبائل اور دراوڑ تہذیب سے وابستہ لوگوں کو نیچ ٹھہرایا جائے تاکہ مقامی آبادی احساسِ کمتری، نیچ پن اور نفسیاتی دباؤ کا شکار ہو جائے اس مشن میں کامیاب ہونے کے لئے آریا قوم نے نسلی امتیاز، لسانی تعصب اور مذہبی نابرابری کا سہارا لے کر ناگ اور دراوڑ اقوام کو ہر لحاظ سے بدنام کرنے کی ہمہ تن کوشش کی۔ اگر یہ دلیل درست مان کر چلیں کہ کشمیر میں آریا قوم وارد ہونے سے پہلے، واقعی دراوڑ تہذیب متعارف ہوئی تھی تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آریوں کی مذکورہ ہمہ تن تعصبی بازگشت کشمیری قوم میں آج بھی سُنائی دی جا رہی ہے خاص کر لسانی اعتبار سے۔ مثال کے طور پر علاقہ مراز یعنی جنوبی کشمیر کے لوگ ''ڈ'' اچھر کو دباو کے ساتھ استعمال کرتے ہیں جیسے گڈ (گھوڑا)، نڈ (بازو)، ہوڈ (اُدھر)، یوڈ (اِدھر)، توڈ (وہاں)، کوڈ (کہاں)، چوڈ (گونگا) وغیرہ وغیرہ۔ محمد یوسف ٹینگ کے بقول شہر باش اور کمراز کے لوگ ''ڈ'' آواز کو نمایاں طور ادا کرنے پر مراز کے باشندوں کو حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ راقم نے ایسے ماحول کا مشاہدہ کئی بار خود بھی کیا ہے۔ اس کی وجہ کچھ بھی ہو لیکن ایک بات طے ہے کہ شہر باش اور اُن کی تہذیب پلک جھپکنے میں بیرونی اثرات کی لپیٹ میں آتی ہے۔ جبکہ دیہی تمدن متاثر کرنا کارے دارد والا

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

معاملہ ہوتا ہے۔

لفظ کی ساخت، تاریخ، معنی اور اس کے خاندان کا مطالعہ ذرا دھیان سے کیا جائے تو مندرجہ بالا بستی ناموں کو ہڑپا کلچر کے سوا اور کسی تمدن کا حصہ ٹھہرانا کسی بھی لحاظ سے درست نہیں ہوگا۔ اسی طرح بونہ کوٹ، پیٹھ کوٹ، پیچھ کوٹ، اندرکوٹ، سدرکوٹ بالا، سدرکوٹ پائین، چھچھ کوٹ وغیرہ بستی ناموں سے بھی دراوڑ۔ ہڑپا کلچر کی بھنک آتی ہے۔

علم توالد وتناسل

اگر علم توالد وتناسل کے حوالے سے کشمیر اور دراوڑ رشتوں کی بات کریں تو کبھی کبھار کئی بے سوچے سمجھے خیالات پڑھنے کو ضرور ملتے رہتے ہیں جن کو قابلِ بھروسہ گردانے میں کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ البتہ حال ہی میں ایک برطانوی مورخ پیٹرک فرنچ کی یہ خاص تحقیقی کاوش قومی اخبارات کی زینت بنی جس میں انہوں نے دعویٰ کیا ہے کی بعض کشمیریوں کا نسلی رشتہ دراوڑوں سے جاملتا ہے۔ پیٹرک فرنچ رقمطراز ہے۔

''میں یہ جان کر اُس وقت زبردست حیران ہوا جب لداخ، سکم، شمال مشرق اور کشمیر کے کئی لوگوں کا جین (Gene) ٹیسٹ کیا گیا تو اُن کا بنیادی نسبی رشتہ دراوڑوں سے ثابت ہوا'' 1۔

علاوہ ازیں اور بھی کئی من چلے خیالات نے جنم لیا ہے جو ابھی پیٹ کے بل ہی چلتے ہیں۔ اس لئے اُن کا تذکرہ کرنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

قدیم آثار:

ماہرینِ آثارِ قدیمہ کی یہ رائے بالکل مستند ہے کہ بشمول کشمیر صنم قدیم یا بڑے پتھروں (Megalithic) کا استعمال پورے بھارت میں ہو رہا تھا۔ مورّخ کے سی جین لکھتے ہیں:

1: Patrick French, India: A Portrait, An Intimate Geiography of 1-2 Billion people, penguin Allen Kane, C.F, Hindustan Times. July. 7,2014 and Deccan Herald, July 7,2014

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

" The megalithic monuments around, on Iran-Pakistan borderlands.Sind, Kashmir,Rajasthan and Utterpradesh, are probably the struggling remains on the onward movement of the Megalithic idea from Makran to Middle India and thence to the south."1

صنم قدیم یا میگالیتھک تہذیب کے متعلق آثار شناس متفق ہیں کہ اسے دراوڑ قوم نے متعارف کیا تھا۔ مثلاً

"The Megalithic builders seems to have been mainly rice aggriculturalists, ironusers and, at least according to traditional studies,speakers of the Dravidian languages." 2

ایک اور ماہر آثارِ قدیمہ ایچ ڈی سنکالیا، اس تہذیب کے متعلق لکھتے ہیں کہ "یہ دو ہزار سال ق م میں شمال سے لے کر جنوبی بھارت تک بغیر کسی تفاوت کے مروج تھی"۔3 جب اس

1: K.C.Jain, 1979, Prehistory and Protohistory of India, New Delhi, P.193

2: Dictionary of Archaelogy, 1983, Roth.D.Whitehouse(ed.), London, P.15

3: H.D.Sankaliya, 1969, Beginning of Civilization in South India, Journal of tamil studies, Madrass, Vol-I, P-2

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کلچر (میگالیتھک) کو کشمیر میں تلاشنے کی کوشش کی گئی تو ایس ایل شیلی نے بہ بانگِ دہل دعویٰ کیا کہ اس تہذیب کے آثار بُرزہامہ اور گوپھ کرال سے وافر مقدار میں دستیاب ہوئے ہیں۔1 اِدھر نامور روسی آثار شناس ایلیا پیروس اور شِنر لمان نے گوپھ کرال اور سیمیتھن سے دریافت ہوئی راگی (Rogi) اور مونگ (Mung) کی بنیاد پر دعویٰ کیا ہے کہ یہاں دراوڑ لوگ بود باش کرتے تھے۔2

مندرجہ بالا شواہد سے یہ بات صاف ہوگی کہ ہڑپا تہذیب کی گونج برصغیر کے شمال اور شمال مشرقی علاقوں کے علاوہ کشمیر میں عہدِ پارینہ سے ہی سُنائی دے رہی تھی۔ ضلع بارہمولہ کے ایک تاریخی گاؤں کانسپورہ میں حالیہ کھدائی کے دوران فن کوزہ گری (Ceramic Art) کے جو آثار دریافت ہوئے ہیں، اُن کا قریبی رشتہ ہڑپا تہذیب کی کوٹ د.جی سے جاملتا ہے جس کی کاربن ڈیٹنگ 3500 ق۔م قرار دی گئی ہے3 اعتبار سے بی۔آر۔ مینی صفحۂ قرطاس پر یوں خامہ فرسائی کرتے ہیں:

> " Dish-on -stand, perforated Jar and such other ceramic, carnelian beads, blades on semi-precious stones and such other features are common to both Harappan and Kashmir Neolithic and suggest at least the cultural contact between the two from the fourth millennium B.C.onwards."4

1: S.L.Shali, 2001, Settlement Pattern in Relation to climatic changes in Kashmir,New Delhi, PP. 108-129 2: Ilya I peyras and victor A Shimirelman, 1992, In search Dravidian Homeland, Journal of centre of central Asian studies, university of Kashmir, Srinagar, Vol-III, PP.8,10 3: B.R.Mani. 2004, Further Evidence on Kashmir Neolithic in the Light of recent Excavations at Kanishkapura, Journal of Interdisciplinary studies in History and Archaeology Vol-I No.I , P.142
4. B.R.Mani, Kashmir Neolithic and Early Harappan: A Linkage, P.229
This paper was presented in the international Seminar on the "First Farmers in Global perspective;Lucknow, India, 18-20 January 2006.

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

سطورِ بالا میں یہ جانکاری کہ بشمول بُرزہامہ، دیگر ہڑپا جگہوں سے جو فصلِ انگور اور عقیقِ احمر سے بنے زیورات اور مہریں دریافت ہوئی ہیں، سے پتہ چلتا ہے کہ کشمیر اور دراوڑ تہذیب کے درمیان عہد پارینہ سے ہی تجارتی لین دین تھا۔

اسی طرح بُرزہامہ، گوپھہ کرال اور کانسپور سے تانبے اور کانسی کے بہت سے اشیاء دریافت ہوئے ہیں جو ہڑپا تہذیب کی جیتی جاگتی تصویر پیش کرتے ہیں۔45اس سے بڑھ کر یہ کہ کانسپورہ (بارہمولہ کشمیر) کی کھدائی سے فصل گندم کی ایک ایسی قسم دریافت ہوئی ہے جس کا آبائی وطن مغربی ایشیاء ٹھہرایا گیا ہے۔مینی رقمطراز ہے:

" The discovery of emmer wheat of west Asian origin at Kanispur Neolithic levels and also their occurence at early Harappan sites and disappearance during mature phase and afterwards is significant in not only suggesting contacts but also the route for penetration in the Indian Sub.continent in the early phase when various cultures Co-existed in different geomorphic zones with cultureal interlinkages.'2

ممبئی کے ٹاٹا انسچیوٹ آف فنڈامینٹل ریسرچ اور لکھنو کے بیربل سہنی انسچیوٹ آف پیلیو بانٹنی کی طرف سے کانسپورہ کشمیر میں دریافت شدہ آٹا، کو جانچنے اور پرکھنے کے لئے C-14 فارمولہ کو بروئے کار لا کر، ماہرین اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کشمیر میں ہڑپا تہذیب کا آغاز 2500 ق۔م (پہلے 2500 ق۔م ہی مستند تاریخ مقرر رہوئی تھی) میں نہیں بلکہ 3500 ق۔م میں ہوا تھا۔اس ریڈیو کاربن ڈیٹنگ سے کشمیر میں نیو لیتھک کلچر کی ترقی اور مزید علاقوں تک اس کے پھیلاؤ کے متعلق کئی

1. Ibid, P-229 2. Ibid, PP.229-234

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

شواہد سامنے آئے ہیں جس کا اظہار مینی نے یوں کیا:

"It seems that Central Asian Neolithic tradition entered the Kashmir valley in the second half of the fourth millennium BC when the Neolithic settlers occupied the western part of the valley around Kanishapura and then moved towards central Kashmir as the dates from Burzaham, indicate the occupation around 2881 B.C. onwards. The Neolithic Settlements occupied further South eastern part of Kashmir in about 2347 B.C onwards around Guf Kral." 1

مقالے سے نسبت رکھنے والے اور بھی کئی حوالے، کوٹیشن اور شواہد دستیاب ہیں جن کو طوالت کے باعث شامل مضمون کرنا مناسب نہ سمجھا گیا۔ ویسے بھی مندرجہ بالا متن میں جو دلائل دیئے گئے ہیں، وہ یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ کشمیر اور ہڑپایا کشمیر اور دراوڑ قوم کے درمیان کس نوعیت کے رشتے تھے جس کا نچوڑ کچھ اس طرح سامنے آیا ہے:

ا۔ دراوِڑ لفظ کو بار اوّل ہندو فلسفے کے عالم اور شاعر "کُمارِلا بٹھا" نے ساتویں صدی عیسوی میں اپنی کتاب "تانتر اورتکا" میں استعمال کیا تھا۔ بعد ازاں اس کا استعمال آٹھویں صدی عیسوی میں کیرلا کے شنکر آچاریہ نے خود کو "دراوِڑ اپتر" یعنی دراوڑوں کا بیٹا، کہہ کر کیا تھا۔

۲۔ دراوڑ ایک مرکب لفظ ہے جو 'دراو' اور 'وڑ' سے بنا ہے۔ دراو کو پانی اور 'وڑ' کو "کنارہ" یا "کنارے کے نزدیک"، معنی دیا گیا ہے۔ دریا اور سمندر کے نزدیک رہنے والے کو بھی دراوڑ کہا گیا ہے۔ علاوہ ازیں دراوڑ لفظ، دوڑنے اور میدان جنگ سے بھاگنے، کے معنی میں بھی استعمال ہوتا آیا ہے۔

1: Ibid, P. 225

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

۳۔ مختلف شعبہ علم کا تجزیاتی مطالعہ کرنے سے یہ بات بالکل طے ہے کہ دراوڑ قوم کا آبائی وطن افریقہ تھا جہاں سے نکل کر ان لوگوں نے مصر، سمیر، اُر، عیلام، ایران اور بھارت میں اپنی نئی بستیاں قائم کیں۔

۴۔ دراوڑ قوم کب وارد بھارت ہوئی تھی، اس حوالے سے کئی نظریہ سامنے آئے ہیں۔ تاہم جو رائے سب سے معتبر مانی جاتی ہے یا بہ الفاظ دیگر دراوڑ قوم کے متعلق جو قدیم آثار دریافت ہوئے ہیں، ان کی کاربن ڈیٹنگ چار ہزار سال ق۔م کے آس پاس مقرر کی گئی ہے جس سے واضح ہوجاتا ہے کہ دراوڑ قوم آج سے چھ ہزار سال پہلے بھارت میں داخل ہوئی تھی۔

۵۔ بھارت کی قدیم تاریخ وادی سندھ کی تہذیب سے شروع ہوتی ہے۔ مختلف تحقیقی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ اس تہذیب کو دراوڑ قوم نے معرضِ وجود میں لایا تھا جو رفتہ رفتہ شمال سے لے کر جنوبی بھارت تک پھیل گئی۔

۶۔ وادئ سندھ کی تہذیب ہڑپا نام سے بھی مشہور ہے۔ اس تہذیب کے آثار سندھ سے باہر کئی جگہوں سے ملے ہیں جس میں کشمیر کا کانسپور، برزہامہ، گوپھ کرال اور سمیتن خاص طور قابلِ ذکر ہیں۔ جدید تحقیق سے یہ بات واضح ہے کہ دراوڑ قوم نے کشمیر میں داخل ہوتے ہی بارہ مولہ کانسپور نامی گاؤں میں آج سے تقریباً چھ ہزار سال پہلے اپنی پہلی بستی قائم کی تھی۔ کانسپور کے بعد دراوڑ قوم نے بالترتیب بُرزہامہ اور گوپھ کرال کا رخ کیا جہاں ایسے آثار دریافت ہوئے ہیں جو ہڑپا تہذیب کے ساتھ نہ صرف مماثلت رکھتے ہیں بلکہ من وعن ایک جیسے ہیں جس میں گیہوں، جو، مٹر، مونگ، چاول، زیورات اور مٹی کے برتن شامل ہیں۔

۷۔ مطالعۂ کشمیر ٹوپونامی سے معلوم پڑتا ہے کہ کشمیر میں بعض ایسی کئی بستیاں جن کا نام ''اُر'' اور ''کوٹ یا کٹا'' لاحقوں پر اختتام پذیر یا کوٹ اور کٹہ سابقوں سے شروع ہوتا ہے، دراوڑ قوم نے آباد کی ہیں۔

۸۔ علم توالدُ وتناسُل سے بھی پتہ چلا ہے کہ بعض کشمیریوں کے نسبی رشتے آج بھی قوم

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

دراوڑ سے جا ملتے ہیں۔

آخر پر یہ کہ دراوڑ قوم نے ہڑپا تہذیب کی بنیاد ڈالنے کے بعد جب کشمیر کا رخ کیا تو اُنہوں نے یہاں کے مقامی کلچر کو ہر سطح پر متاثر کیا جس میں ٹوپو نامی، زبان، مذہب، اقتصادیات، تجارت اور علم توالد و تناسل خصوصی طور قابلِ ذکر ہیں۔ تاہم یہ کہنے میں کوئی ہرج نہیں کہ اس میدان میں ابھی بھی باضابطہ تحقیقی کام شروع نہیں ہوا ہے۔

............●●●............

شیرازہ اردو "مغل اور کشمیر نمبر"

اس خصوص نمبر میں مغلوں اور کشمیر کے مابین روابط، ثقافتی میل جول، علوم وفنون پر اثرات اور سیاسی محاذ آرائی کا احاطہ کرنے والے تحقیقی و تنقیدی مضامین شامل ہیں۔ اس خصوصی اشاعت میں مغلوں اور کشمیر کے مابین روابط پر نئے زاویۂ نگاہ سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس پتے پر منگوائیں:

☆...... کتاب گھر، مولانا آزاد روڈ، سرینگر

☆...... کتاب گھر، کنال روڈ، جموں توی

☆...... کتاب گھر، فورٹ روڈ، لیہہ لداخ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

● ...... عطا محمد میر

کشمیر کی ارضیاتی ماہئیت

وادیٔ کشمیر کو اپنے مخصوص مُوسموں، مناسب ماحول، فرحت بخش آب و ہوا، صنوبری جنگلوں، حسین وجمیل کوہساروں، مخملی سبزہ زاروں، چھوٹی بڑی وادیوں، منفرد ارضیاتی خدوخال اور ہمالیائی پہاڑوں میں اس کے خوبصورت محل و وقوع کی بنا پر، ہمالیائی جنت "Himalayan Paradise" بھی کہا جاتا ہے۔ ہزار ہا سالوں کی مُوسمیاتی تبدیلیوں، ارضیاتی اُتھل پتھل اور زمین کی اپنی شکست وریخت نے اس کو آج کی شکل بخشی۔ ماہرینِ ارضیات کے مطابق وادیٔ کشمیر حقیقت میں ماضی میں نہ صرف کئی برفانی ادوار "Ice Ages" سے گزری ہے بلکہ اِسے کئی subtropical ادوار نے بھی انتہائی گرم ہواؤں کا مزہ بھی چکھایا ہے۔ ارضیاتی مطالعہ کے مطابق Archaean and Palaeozoic دور سے لے کر Pleistocene دور تک جو مُختلف چٹانوں کے بننے کے پانچ بڑے ادوار مانے جاتے ہیں، جن کو میٹا فورفک، پنچال، زانسکار۔ ٹرشری اور الوییم کے نام سے جانا جاتا ہے، وادیٔ کشمیر کے اردگرد کے پہاڑوں میں اُن کا عمل دخل ایک دوسرے میں مدغم بھی نظر آتا ہے اور ادوار کے لحاظ سے وہ اپنی ایک الگ شناخت کے ساتھ نظر بھی آتے ہیں۔ اس سلسلے میں Geneisses, Metamorphic, Schists, Granite اور خاکستری رنگ کی دوسری ریتیلی چٹانیں Precamb rian وادی کے شمال مغرب کی پہاڑی دیوار میں خاص تناسب میں نظر آتی ہیں جب کہ Palaeozoic ادوار کی چٹانیں جو quartzite, sandy shales, solid shales اور چونے کے پتھروں پر

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

مشتمل ہیں، جن کو بہ حیثیت مجموعی Metamorphic system سے منسوب کیا جاتا ہے، وادئ لدر، وادئ سندھ اور پیر پنچال پہاڑ کے دامن میں وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ permianچٹانیں جو Palaeozoic چٹانوں کی اُپری تہہ بناتے ہیں، بھی متذکرہ علاقوں میں نہ صرف با افراط موجود ہیں بلکہ اپنے ایک خاص ارضیاتی دور کی نقیب بھی ہیں۔اس کے برعکس Carboniferousاور Mesozoicچٹانیں(Zananskar system)اور Cambiran silurianچٹانیں(Panjal system)دوستوروں، مہادیو، سر پنچال۔ کریپن۔ وانگت، کنگن اور لدر وادی کے پہاڑوں میں واضح طور پرایک دوسرے میں مدغم تو نظر آتی ہیں۔ مگر زانسکار پہاڑی سلسلے میں اپنی واضح شناخت بناتے ہیں۔ Tertiary system یا Mesozoic , Eocene کی چٹانیں جو Lime stone, compact quartiziteاور calcereoos slate پر مشتمل ہیں، ماہر ارضیات کے مطابق کشمیر وادی اپنی ایک الگ علاقائی ساخت، شناخت اور خصوصیات کی حامل ہیں۔ پیر پنچال کے کوہستانوں میں Cambrianاور Silurianادوار (Panjal syatem) کی چٹانیں، جو کالے پتھر، چونے کے پتھر۔ ریتیلے پتھر، آتش فشانی پتھر اور Conglomerates پر مشتمل ہیں زیادہ تناسب میں تہہ بہ تہہ پائی جاتی ہیں۔ Plaeistoceneیا زمانہ ماقبل از تاریخ کا ارضیاتی مواد جس کو ہم Alluvial system بھی کہتے ہیں، وادئ کشمیر میں کریوا پہاڑوں اور ٹیلوں کی شکل میں موجود ہے۔ یہ مختلف اقسام پر مشتمل اُس مٹی کے ڈھیر ہیں، جن کے بنانے میں پہاڑی دریاؤں کے بہاؤ نے کلیدی رول ادا کیا ہے۔ ہزارہا برسوں تک پانی میں ڈوبے رہنے کے باعث انہیں جھیل برآمدہ۔ ڈھیر یا Lacustrene knolls بھی کہا جاتا ہے۔ چٹانوں کے بننے، بگڑنے اور ارضیاتی مواد کے تغیر و تبدل کے لمبے مرحلوں سے گزرنے کے پانچوں بڑے ادوار اور اُن کے ذیلی اداروں کی تاریخ وادئ کشمیر کے پہاڑوں اور نشیب وفراز پر واضح طور رقم نظر آتی ہے۔اس طرح وادئ کشمیر کی Geological History ارضیاتی کہانی نہ صرف نہایت ہی قدیم، منفرد۔ عجیب اور گوناگوں ہے، بلکہ دلچسپ بھی ہے۔اس کی ایک اپنی خاص ارضیاتی ساخت بھی ہے اور

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

شناخت بھی۔ تاریخ دان، ماہرِ ارضیات اور آثارِ قدیمہ کے ماہرین کے مطابق ایک زمانہ میں یہ ایک وسیع، خاموش اور خوبصورت جھیل تھی، جس کو ستی سر یا پاک باز عورت کی جھیل کہا جاتا تھا۔ ہندو دیومالائی قصوں کے مطابق یہ پاک باز عورت پہاڑوں کے دیوتا شِو کی دیوی پاروتی تھی۔ اس جھیل کے بننے سے پہلے، ماہرِ ارضیات کے مطابق جنوبی ہند کے سارے علاقے بشمول کشمیر وادی کو ایک گہرے سمندر کے پانیوں نے ڈھک لیا تھا، جس کو Tethys Sea کہتے تھے۔ یہ سمندر جنوب میں Angara اور شمال میں Gandwana زمین تک پھیلا ہوا تھا۔ جب کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وادیٔ کشمیر بذاتِ خود RiverGandwana کی Estuary تھی، اور اس کا پانی جنوب سے شمال کی جانب بہہ کر Tethys Sea میں جا گرتا تھا۔ اِن ہر دو اُونچے خطوں (Gandwana and Angara Land) سے بہت سی ندیاں اپنے بے پناہ سیلابی مواد، کیچڑ۔ پتھروں، تجر۔ اور ریت کے ساتھ Tethys Sea کی طرف بہتی تھیں اور اس طرح یہ سارا دریائی ملبہ اس کے تہہ میں جمع ہوتا رہا۔ عام ارضیاتی اتھل پتھل، زمین کی سطح دب جانے، سمندر کی تہہ ملبہ کی وجہ سے بُلند ہونے اور اُونچے خطوں کے گساوٗ کے عمل سے گزرنے کے باعث اور اس طرح توازن بگڑنے کی وجہ سے مقابل کے خطے باہم ٹکرا گئے، جس کی وجہ سے نئے نشیب و فراز، نئے رود بار اور نئے Anticline اور نئے Syncline وجود میں آ گئے۔ نئے اُونچے خطے جو Tethys Sea کی تہہ سے اُبھرے، وہ ایک اور قدرتی اور ماحولیاتی عمل یعنی کٹاوٗ، کھرچنے اور عمل فرسودگی اور Weathering کے مختلف عوامل سے گزرنے کے باعث مُختلف شکلیں وقت کے ساتھ ساتھ اختیار کرتی گئیں۔ یہ اصل میں ارضیاتی بناوٗ بگاڑ کا لامنتہائی عمل ہے جو Chain reaction طرز پر ہوتا ہے۔ یہ عمل زیادہ تر ایک خاص ارضیاتی دور Carboniferous Era میں اپنے جوبن پر تھا جب نئے نئے خطے، زمینی حدیں، اور چٹانوں کی بلند و بالا سرحدیں اور سلسلے اپنی پوری قوت سے تشکیل پا رہے تھے۔ فطرت اور قدرت کا ایک اپنا اوّلین خوبصورت عمل ہے، جس کے ذریعہ یہ زمین کو اپنے اندرونی دباوٗ کے ذریعہ اُونچے خطوں کی شکل میں اُوپر اٹھاتا رہتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ کٹاوٗ، عمل فرسودگی، گھساوٗ،

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

مانجھنے اور رگڑنے جیسے طاقتور بیرونی عمل سے اُنہیں ڈھاتا بھی رہتا ہے۔اس طرح سے زمین کی سطح پر ہر دم نئے نئے نشیب وفراز (Relief features) جنم پا کر خود زمین کو خوبصورت زمینی مناظر Landscape سے مالا مال کرتا رہتا ہے۔

ستی سر کی جھیل کیسے وجود میں آئی، حقیقت میں یہ آج تک ایک ارضیاتی معمہ ہی ہے، لیکن کہا جا سکتا ہے کہ کسی دور میں معمول کے ارضیاتی اُبھار اور اتھل پتھل Subsidence اور uplifts نے اردگرد کی سنگستانی دیواروں (موجودہ پہاڑوں کی بیضوی فصیل) کو رفتہ رفتہ اُونچا کیا ہو اور اُن کے بیچ کی زمین Syncline Depression میں پانی جمع ہونے کی وجہ سے وہ جھیل بن گئی ہو جس کو بعد میں ستی سر کا نام دیا گیا۔ ماہرِ ارضیات کی عام رائے بھی یہی ہے کہ جب پیر پنچال پہاڑ جنوب ومغرب میں اُبھرا اور اس کے بالمقابل شمال ومشرق میں ہمالیہ پہاڑ کی ذیلی شاخیں اُبھریں، تو بیچ کا حصہ ستی سر جھیل کا اصل علاقہ بن گیا۔اس سلسلے میں Petterson and De Terra لکھتے ہیں،

Due to the rise of the Pir Panjal, a lake was formed between the Himalayan and the Pir Panjal ranges. ..... at a subsequent stage, a breach in the Pir Panjal near Baramulla drained out the lake

یہ وادی اُس پانی سے بھر گئی جو اُبھرے ہوئے پہاڑوں سے ندیوں کی شکل میں اپنی فطرت کے مطابق نشیب کی جانب بہنی شروع ہوئیں۔ ماہرِ ارضیات کے مطابق زمین کے اُبھار اور اس کے دب جانے کے عمل جو اس کی سرشت میں ہے، جس کو Tectonic movement کہتے ہیں، پہاڑوں، وادیوں، گھاٹیوں، میدانوں، ٹیلوں، جھیلوں، سمندروں اور دریاؤں کی گزرگاہوں کے بننے کا اصل سبب ہوتے ہیں۔ تاہم جھیل کا اصل علاقہ کیا تھا، اس بارے میں R.Lydekker لکھتا ہے۔

The question as to the nature of the barrier which

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

dammed this old lake cannot be determined with certainity, until it is finally decided wheather the lower Karewa of Baramulla are true lacustrine or wash deposits. If they are the former, the old lake must have continued below the Baramulla ridge. But if, as seems probably the case, they are the latter, this ridge may have formed the boundary of the lake.

اس اوّلین جھیل کا پانی بھی ارضیاتی تبدیلیوں کے باعث pleistocene دور میں بہہ گیا، جب ہمالیہ پہاڑوں کا سلسلہ اُونچا ہورہا تھا اور کم اُونچا والا درہ بارہمولہ نکاسی آب کی واحد گزرگاہ بن گئی۔ یہ درہ بھی پانی کے مسلسل گھساؤ اور کھر جن کی وجہ سے لگاتار گہری ہوتی گئی اور آج کی گھاٹی کی شکل اختیار کرگئی۔ اگر چہ جھیل ستی سر کے بننے، بگڑنے اور اس سے متعلق دیگر ارضیاتی پہلوؤں پر R. Lydekker نے پوری تفصیل سے لکھا ہے اس کے جمالیاتی پہلوؤں اور خوبصورتی کے بارے میں آرتھر نیو Arthur Neve اپنے خیالات کا اظہار کرکے لکھتا ہے۔

So, we are probably justified in picturing a time when Kashmir was occupied by a lake of great depth, and with an area of 15,000 square miles. On its shore grow alpine flowers, primula, gentiana, mauve, yellow and white anemones and edelweiss.

یہ واقعی ایک بہت ہی خوبصورت ہمالیائی جھیل رہی ہوگی، جس کی وسیع سطحِ آب پر سال بھر برفانی تودے Icebergs ہواؤں کی کروٹ کے ساتھ تیرتے رہے ہوں گے، جو دُھند، بادلوں اور دھوپ کی اوٹ سے دلکش نظارہ پیش کرتے ہوں گے۔ پانی، پتھروں، برف اور

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کنارے کے پھولوں کا یہ عظیم الشان اتصال باہمی ہزاروں سال یوں ہی چلتا رہا ہوگا۔ستی سر کی اصل باج گزار ندیاں وہ تھیں، جن کا منبع آب وہ گلیشر، برف کے ڈھیر اور سال بھر بہنے والے چشمے تھے جو خود ستی سر کے اردگرد کے سنگستانی پہاڑوں کو گود میں باافراط تعداد میں موجود تھے۔پیر پنچال پہاڑ کے اُبھرنے، یا زیادہ صحیح معنوں میں اس کے کئی مرحلوں میں اُونچا ہونے کے دوران کئی Tectonic uplifts واقع ہو گئے ہوں گے، جن کی وجہ سے ستی سر جھیل کی جسامت، گہرائی، حجم اور ارضیاتی خدوخال میں بھی واضح تبدیلیاں آتی رہی ہوں۔آج ہم ستی سر جھیل کے اصل حجم، گہرائی اور ہیت کا اگرچہ ایک ذہنی خاکہ ہی کھینچ سکتے ہیں، لیکن جب ہم گنگہ بل، کونسر ناگ شیش ناگ، مارسر یا تارسر جھیل کو دیکھتے ہیں تو ستی سر کی ایک چھوٹی سی مشابہ شکل ذہن کے پردوں پر صاف اُبھرتی ہے۔

موجودہ گلیشر، اُن کی رابطہ وادیاں اور گھاٹیاں، پہاڑی ندیوں کے پیچ وخم، کریوا پہاڑیوں کی شکل وصورت، سیلابی مواد کے ڈھیر، موجودہ پہاڑی چشموں کا جائے وقوع، پہاڑوں کا کٹا پھٹا دامن، تمام ستی سر جھیل کے حجم، کناروں، شکل اور رقبہ کی ایک مدھم سی تصویر بناتے ہیں۔ مثلاً کولہائی گلیشر جو آج اس کی نزدیک والی گھاٹی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے، نے اپنے کئی ادوار میں لدر وادی کو پوری طرح ڈھک لیا ہوگا اور یہاں تک کہ ایک دور میں عیش مقام پر ستی سر جھیل کے ساحل تک پھیلا ہوا ہوگا۔اس طرح پیر پنچال پہاڑ کے ایک اہم گلیشر، برہما سکلی، جو آج کونسر ناگ کی اُوپری جنوب مشرقی چٹانوں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے، نے ویشو وادی کو کولگام کے علاقے تک ڈھکا ہوا ہوگا۔اس طرح پیر پنچال کے دوسرے گلیشروں، روش تھونگ، ٹٹہ کوٹی کاچہ گل، توسہ میدان اور اپھروٹ، جو آج چھوٹے چھوٹے برفانی تودوں کی شکل میں موجود تو ہیں، اُس زمانے میں وہاں تک اپنی وادیوں کو برف وبخ سے بھر دیا ہوگا جہاں ستی سر جھیل کا کنارہ شروع ہوتا ہوگا۔امرناتھ، تججی واس۔ہر بھگوان، ہرموکھ اور نارانا گ وادیوں نے ایک مشترکہ گلیشر بنایا ہوا ہوگا، جو پرنگ تک پھیلا ہوا ہوگا۔یہی حال سربل۔ارن، تراگہ بل، لولاب، ماور اور کاجی ناگ کی وادیوں کا رہا ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ ماہرِ ارضیات نے ماضی قریب میں ہی ختم ہونے والے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ان گلیشروں کے چھوڑے ہوئے نشانات کو کھرچی ہوئی چٹانوں، برفانی مواد اور Moraines کی مختلف اقسام کی صورت میں اردگرد کی وادیوں میں بہت سی جگہوں پر سطح سمندر سے صرف 6,500 فٹ بلندی پر بھی دریافت کیا ہے۔اس سلسلے میں F.Drew لکھتا ہے۔

On the Kashmir side of the range the numerous small valleys running parallel with the strike of the rocks and known by the local name of marg, are generally surrounded by rounded masses of detrital matter, which are probably of glacial origin.

آج ہم وادی کے اردگرد کے پہاڑوں میں کچھ ہی چھوٹے چھوٹے گلیشر اور سال بھر رہنے والے یخ کے ڈھیروں sonw beds کو موجود پاتے ہیں اور وہ بھی سطح سمندر سے 13,000 فٹ کم بلندی پر واقع ہیں۔ لگتا ہے کہ ان گلیشروں نے اپنے بننے اور بگڑنے کے دوران Retreat، جو ہزارہا برسوں تک جاری رہا ہوگا، بہت سارا ارضیاتی مواد کاٹ کر وادی میں ادھر اُدھر Moraines کی شکل میں بچھا دیا ہوگا۔گلیشروں کے اس عمل سے اوپری وادیوں میں پہاڑی جھیلیں بن گئی اور وادی کے قدرے میدانی علاقوں میں کریوا ٹیلے وجود میں آ گئے۔ بہتی پہاڑی ندیوں نے بھی اپنے ساتھ کیچڑ، مٹی، ریت، باجری اور کنکر اپنے ساتھ لائے ہوں گے اور وادی میں تہہ بہ تہہ بچھاتے گئے ہوں گے۔ ارضیات اور ماحولیات کے اپنے قدرتی قوانین کے تحت سطح زمین دب جانے، اُوپر اٹھنے اور اس میں ہلچل ہونے کے بعد تبدیلیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل نکلتا ہے اور ایسے متاثرہ علاقوں میں برف، پانی، ہوائیں اور دوسرے ارضیاتی تبدیلی لانے والے عنصر لگاتار زمین کی شکل بدلتے رہتے ہیں۔ پانی کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ یہ قدرت کا ایک طاقتور اور نہ تھکنے والا Agent ہے، جو گھساؤ، کٹاؤ اور gradation اور sedimentation کے کام میں ہر دم محو رہتا ہے۔ پہاڑی علاقوں میں اس کی اس قوت میں زبردست اضافہ ہوتا ہے کیونکہ وہاں کے لحمہ بہ لحمہ بدلتے موسم پانی کا تیز بہاؤ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ڈھلوان زمین اور دیگر ارضیاتی کمزوریاں اِسے چٹانوں کو توڑنے، ڈھلون زمین کو کھر چنے اور ارضیاتی مواد کو ادھر اُدھر بکھیرنے میں خاص مدد کرتے ہیں۔ اس طرح یہ مواد بہتی ندیوں کے ذریعہ فراز سے نشیب کی طرف منتقل ہو کر وہاں تہہ بہ تہہ بچھ جاتا ہے۔ پانی کے بارے میں ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ وہاں اپنی سطح برقرار رکھتا ہے جہاں اس کا بہاؤ رک جاتا ہے اور اس کے رکھتے ہی یہ اپنے ساتھ لائے ہوئے alluvial Matte r کو وہاں رکھ چھوڑ دیتا ہے۔ ایسے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ وادئ کشمیر کا میدانی حصّہ جس کو ارضیاتی طور پر Depositional plain کا نام بھی دیا جاتا ہے پانی کے ایک خاص عمل sedimentation کا نتیجہ ہے اور پانی کا یہ عمل یہاں اُس وقت سے جاری ہے، جب ستی سر جھیل سے پانی خارج ہونا شروع ہوا تھا۔ بھاری ارضیاتی مواد جیسے کنکر، پتھر، گول اور مخنی بجری کے مقابلے میں ہلکی مٹی اور ملبہ کو ڈھونا پانی کے لئے زیادہ آسان ہوتا ہے اس لیئے مہین مٹی وادی کے بیچ میں Deposit ہوئی، جبکہ زیادہ بھاری مواد پہاڑوں کے دامن اور دریائے جہلم کے درمیان بچھ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ وادی کا میدانی حصّہ جو دریائے جہلم کے دائیں اور بائیں جانب واقع ہے، Loamy clay پر مشتمل ہے۔ اس کو ارضیاتی معنوں میں Alluvial soil بھی کہتے ہیں۔ آرتھر نیو اپنی کتاب Picturesque "Kashmir" میں لکھتے ہیں۔

The valley of Kashmir is in the main a great rocky depression, a synclinal axis .... now filled up with alluvial deposit.

فیڈرک ڈریو بھی کچھ ایسا ہی اپنی کتاب Jammu and Kashmir Territories میں لکھتے ہیں۔

The substance of the flat of the low-level plain is loam or clay that has been deposited from the river in its overflows; addition to it are still going on.

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ستی سر جھیل سے پانی خارج ہونے کے دوران، وادی میں موجود پانی کے بہاؤ نے کٹاؤ اور گھساؤ (Erosion) کے اپنے فطری عمل سے بارہ مولہ گھاٹی کی جانب بہتے ہوئے وادی کے بیچوں بیچ پانی کی واحد گزرگاہ Channel بنائی جس کو آج دریائے جہلم کہا جاتا ہے۔ یہ آج بھی Basin- shaped وادیٔ کشمیر کی تمام پہاڑی ندیوں، میدانی چشموں اور بحیثیت مجموعی 13000 ہزار مربع کلومیٹر catchment area کی واحد Draining channel ہے۔ وادیٔ کشمیر کی ارضیاتی تاریخ پانی سے شروع ہوئی اور پانی کی مُختلف قوتوں نے چٹانوں، مٹی اور دوسرے متعلقہ مواد کے ڈھیروں کو توڑ کر وادی کو ہمالیہ پہاڑوں کی ملکہ بنایا۔ پانی اس کی سب سے بڑی دولت رہی ہے اور اُن لوگوں کے لئے کشش کا باعث بھی جو اوّلین ادوار میں اس وادی میں رہائش کے لئے آئے۔ جھیلوں، چشموں اور ندیوں کی اس خوبصورت زمین نے اُن کا دل اس قدر للچایا کہ اُنہوں نے دریاؤں کے کناروں پر ڈیرہ ڈال دیا اور اس ہمالیائی جنت کو ''موج کشمیر'' کا نام دے کر اس کا دامن تھاما۔

●●●

میر غلام رسول نازکی نمبر

میر غلام رسول نازکی اُردو، کشمیری، عربی، فارسی اور انگریزی ادب پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اپنے تبحرِ علمی اور بلند خیالی کی وجہ سے ادبی حلقوں میں خاصے مقبول تھے۔ اُردو، کشمیری، فارسی اور عربی میں انہوں نے کئی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ میر غلام رسول نازکی پر ''شیرازہ'' کی خصوصی اشاعت، شیرازہ اُردو کا ایک کارنامہ ہے جس کو علمی اور ادبی حلقوں میں خاصی پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

● ...... اصل: ایس ایل سادھو

ترجمہ: محمد اقبال لون

ماؤنٹ الفنسٹن اور کشمیر

انیسویں صدی میں ہندوستان میں جن انگریز اہلکاروں نے اپنا نام روشن کیا اُن میں ماؤنٹ سٹیورٹ ایل فنسٹن (Mount Stuart Elphinston) کا نام نمایاں ہے۔ وہ ۱۷۷۹ء میں پیدا ہوئے اور بمبئی پریذیڈنسی کے گورنر کے عہدے تک جا پہنچے جس پر وہ ۱۸۱۹ء سے ۱۸۲۹ء دس سال کے عرصے تک فائز رہے۔ ہندوستان میں تاج برطانیہ کے بے شمار وائسرائے، فوجی جنرل اور وزراء آئے لیکن یہ عام تاثر ہے کہ الفنسٹن ایک کامیاب منتظم اور صاحبِ ادراک شخص تھا۔ انگریزوں کو اس بات کا اعتراف ہے کہ ہندوستان میں جن لوگوں نے انگریزی حکومت کو استحکام بخشا اُن میں الفنسٹن پیش پیش رہے۔ بمبئی میں الفنسٹن کالج کے علاوہ اُن کی کتاب The Kingdom of Kabul یادگار کتاب ہے جس میں اُنہوں نے بہت سے تواریخی واقعات قلم بند کئے ہیں۔

اس وقت امریکہ، روس، چین وغیرہ طاقت ور ممالک تسلیم کئے جاتے ہیں لیکن اٹھارہویں صدی میں ایران کے نادر شاہ دُرانی اور کابل کے احمد شاہ ابدالی کے نام کا ڈنکا بج رہا تھا۔ احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۵۲ء میں ہندوستان پر حملہ کر کے مرہٹہ حکومت کی بنیادیں ہلا دیں۔ اُس وقت انگریز ہندوستان میں اپنے پاؤں جما رہے تھے، کابل کی سلطنت سرہند سے مشہد تک پھیلی ہوئی تھی لیکن ۱۷۸۹ء میں فرانس میں زبردست انقلاب آیا۔ وہ انگریزوں کے خلاف برسرِ پیکار ہو گیا اور اپنے ایلچی مصر اور ایران بھیج دیئے۔ ہندوستان میں بھی انگریزوں

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کے خلاف نفرت پھیلنے لگی اور فرانسیسیوں نے انگریزوں کے خلاف ٹیپو سلطان کی مدد کرنا شروع کی۔ انگریز لرزہ براندام ہوگئے اور اُنہوں نے شاہِ کابل کو اپنے دائرہ رسوخ میں لانے کی کوششیں شروع کیں۔ اِس مقصد کے لئے افغان حکومت کے پاس روانہ کئے گئے تاکہ وہ انگریز حکومت کے خلاف فرانس کی کسی طور مدد نہ کرسکیں۔ اِن سفارت کاروں میں Mountstuart Elphinstone سرِ فہرست تھے۔

احمد شاہ کے بعد تیمور شاہ کابل کے تخت پر بیٹھا۔ اُس کا انتقال ۱۷۹۳ء میں ہوا۔ اُس کے بہت سارے بیٹے تھے جن میں زمان، ہمایوں، محمود، شجاع وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ اِن میں سے کوئی بھی اتنا باصلاحیت نہیں تھا کہ لوگ اُسے تیمور شاہ کا جانشین تسلیم کرتے۔ اِس افراتفری میں اُن کا چھوٹا بیٹا زمان وہاں کا بادشاہ بن بیٹھا۔ کچھ ہی عرصے میں اُسے تخت سے اُتار کر اندھا کردیا گیا۔ اس کے بعد محمود کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں شجاع کو بادشاہ بنادیا گیا۔ محمود کو بالا حصار میں قید کردیا گیا جہاں تخت کے ناکام دعویدار بند رکھے جاتے تھے۔ ۱۸۰۸ء میں جب الفنسٹن سفارت لے کر دِلی سے روانہ ہوا اُس وقت شاہ شجاع وہاں کا بادشاہ تھا۔

کشمیر میں مغلوں کی حکمرانی ۱۷۵۲ء میں ختم ہوگئی اور یہاں کابل سے صوبے دار اور فوجی اَفسران آنے لگے۔ درانی سردار اقتدار کی ہوس میں ہمیشہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے رہتے اِس وجہ سے کشمیر میں بھی آئے روز لڑائیاں ہوتی رہتیں۔ کشمیر کے علاوہ ملتان، سندھ، ڈیرہ اسمٰعیل خان اور پشاور وغیرہ بھی کابل حکومت کے زیرِ نگین تھے مگر اتنی بڑی سلطنت میں سرینگر سب سے بڑا شہر تھا۔ کشمیر سے واپس جاتے ہوئے درانی صوبے دار سونا، جواہرات اور کروڑوں روپے لے کر واپس کابل جاتے تھے۔

الفنسٹن ۱۳/اکتوبر ۱۸۰۸ء کی دِلی سے روانہ ہوا۔ اُس کے ساتھ سفارتی مقالات کے ماہر، فوجی اَفسر، نقشہ بنانے والے، فوج کے کئی دستے، خوراک، سفر کا سامان لے جانے والے عملہ، ڈاکٹر، ہرکارے، گھوڑے اور اونٹ وغیرہ تھے۔ وہ راجستھان کے صحراؤں سے ہوتے ہوئے بہاولپور اور ملتان وغیرہ سے ہوتے ہوئے ڈیرہ اسمٰعیل خان پہنچے۔ اس کے بعد وہ پشاور

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

پہنچے جہاں شاہ شجاع کے حضور میں اُنہیں ۵ مارچ ۱۸۰۹ء کو پیش ہونا تھا۔ وہاں پہنچنے میں اُنہیں قریب پانچ مہینے لگے لیکن اِس وقت سے اُنہوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ جہاں سے وہ گزرے اُس علاقے کا بھرپور جائزہ لیتے کہ راستے کیسے ہیں، میدان کتنے وسیع ہیں، نباتات، جمادات، ندی نالے، دریا، کنویں وغیرہ کہاں کہاں ہیں۔ پیداوار کیسی ہے۔ لوگوں کے عادات اور اُن کی سوچ کیسی ہے۔ وہ سپاہ گری سے کتنی واقفیت رکھتے ہیں۔ تجارت کیسی ہے۔ اِن علاقوں کے حکمران کیسے ہیں اور اُن کو کیسے زیر کیا جاسکتا ہے۔ دریائے سندھ پار کرتے ہوئے وہ اِس کی گہرائی ناپ گئے۔ پہاڑ دیکھ کر وہ اس کی بلندی کا اندازہ کر گئے۔ راستے میں جس سے ملاقات ہوتی اُس سے مختلف نوعیت کی معلومات حاصل کرتے اور ان پر آپس میں بحث ومباحثہ ہوا کرتا۔ بازاروں میں مختلف اشیاء کے بھاؤ معلوم کرتے۔ بسا اوقات شکار کے بہانے جنگلوں اور رابطہ سڑکوں کا بغور جائزہ لیتے۔ اس کے علاوہ وہ اُن کتابوں کا مطالعہ بھی کرتے جو اُن کے ہاتھ آتیں۔

پشاور پہنچ کر وہ شاہ شجاع کے سامنے پیش ہوئے۔ وہ چھ برس سے کابل کے تخت پر براجمان تھا۔ اُس کے دشمنوں نے کئی بار سر اُٹھانے کی کوششیں کی تھی لیکن کامیاب نہیں ہوسکے تھے جس سے یہ گمان ہونے لگا تھا کہ وہ باغیوں کو سر کرنے میں کامیاب ہوگیا لیکن ۱۸۰۹ء میں اُس کا سوتیلا بھائی اُس کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ شجاع کا خزانہ خالی تھا۔ اُسے رقومات کی سخت ضرورت تھی تاکہ وہ اپنے دشمن کو ختم کرسکے۔ اُس نے الفنسٹن سے کہا کہ انگریز اُس کی مدد کریں لیکن چالاک انگریز نے جواباً کہا کہ وہ درانیوں کی خانہ جنگی میں بالکل غیر جانب دار ہیں۔ شجاع کیلئے فتنے سر اٹھانے لگے۔ یہ دیکھ کر الفنسٹن پشاور چلا گیا وہاں سے راولپنڈی اور دلی واپس آگیا۔ شجاع کابل سے بھاگنے پر مجبور ہوکر رنجیت سنگھ کی پناہ میں چلا گیا۔

۱۳ / اکتوبر ۱۸۰۸ء کو جب الفنسٹن سفر پر نکلا تو پشاور واپس پہنچ کر اپنا مشن پورا کرنے کے بعد جو حالات اُس کو درپیش آئے وہ اُس نے **The Kingdom of Kabal** نامی کتاب میں درج کیے ہیں جو ۱۸۱۴ء ہو شائع کی گئی۔ یہ کتاب مقبولِ عام ثابت ہوئی اور اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ الفنسٹن کا مشاہدہ اور مطالعہ کتنا گہرا تھا۔ افغانستان میں بیسویں صدی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

میں کیا حالات تھے اُس کا خلاصہ الفنسٹن پیش کرتا ہے۔ وہ وہاں کے مختلف قبائل کا حال بیان کرتا ہے جو آپس میں عموماً لڑتے رہتے ہیں۔ جنگ وجدل جاری رہا اور قتل وخون عام سی بات تھی۔ اگر کوئی زبردست سردار اُبھرتا جیسا احمد شاہ دُرانی تھا، وہ بڑے قبیلوں جیسے سہ وزائی، الکزائی، یوسف زائی، نورزائی وغیرہ کو مطیع کرتا۔ اِسی طرح احمد شاہ نے اپنی سلطنت کو وسعت دی اور سکھوں، مغلوں، مرہٹوں اور ایرانیوں کو اپنے علاقوں سے بھاگنے پر مجبور کیا۔

کشمیر میں مورّخوں نے بار بار اِس بات کو دہرایا کہ یہاں کے سردار دامر، مارگیش اور پرتہِ ہار (ڈار، ماگرے اور پڈر) کسی کے وفادار نہیں اور وہ اپنی وفاداریاں بدلتے رہتے ہیں۔ زین العابدین کا دبدبہ اسی طرح ختم ہو گیا۔ چک ختم ہو گئے۔ مغلوں کا عہد بھی اسی طرح اپنے اختتام کو پہنچ گیا اور ۱۷۵۲ء میں کشمیر افغانوں کے زیرِ نگین آ گیا۔ الفنسٹن نے اپنی کتاب میں کشمیر کے متعلق کچھ کم ہی لکھا ہے کیونکہ ۰۹۔۱۸۰۸ء میں انگریزوں کو کشمیر کے ساتھ کچھ زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔

الفنسٹن لکھتا ہے کہ کشمیر کے لوگ ہندو نسل کے ہیں لیکن ان کی ایک انفرادی خصوصیت ہے کہ اُن کی زبان اور طور طریقے اپنے ہیں۔ مرد محنتی لیکن بسا اوقات عیش پسند ہیں۔ جھوٹ عام ہے۔ ۸۴۲ھ تک وہ ۱۵۲ ہندو راجاؤں نے حکومت کی۔ جب احمد شاہ درانی نے کشمیر سے مغلوں کو ہرا کر بھگایا کشمیریوں نے پہلے پہل بغاوت کی لیکن اُن کو سختی سے دبا دیا گیا۔ کشمیری حکمرانوں کے پر کاٹ دیئے گئے۔ افغانوں اور قزلباشوں نے اُن کو بے دست وپا کیا۔ کشمیر کے افغان صوبیدار خود مختار بادشاہ کی طرح سارے اختیارات استعمال کرتا ہے۔ وہاں کی انتظامیہ بہت ہی جابر اور ظالم ہے۔ کسی کشمیری کو ہتھیار رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس کے بے شمار مخبر ہیں اور لوگ ظلم وجبر سے ماتم کناں ہیں۔ کشمیری کہیں بھاگ بھی نہیں سکتے کیونکہ یہاں سے باہر جانے کے لئے اُنہیں پروانہ راہداری چاہیئے جس کے لئے اُن سے موٹی رقومات طلب کی جاتی ہیں جو کہ اُن کے بس میں نہیں ہوتیں۔

درانی سلطنت میں کتنے ہی شہر تھے، ہرات، قندہار، کابل، پشاور، ملتان وغیرہ لیکن

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

سرینگر شہر اُس وقت بھی سب سے بڑا تھا اور اس کی آبادی قریب دو لاکھ تھی۔ کشمیر کی آمدن ۴۶۲۶۳۰۰ روپے تھی جس میں ۱۵۰۰۰۰۰ روپے یعنی ۳۳٪ فی صد کابل کے خزانے میں داخل کی جاتی تھی اور ۷۰۰۰۰۰ روپے فوج کی تنخواہ پر صرف کئے جاتے تھے۔ ۶/لاکھ روپے جاگیروں، افغان سرداروں، ملاؤں، درویشوں اور فقیروں پر صرف کئے جاتے تھے۔

الفنسٹن آگے لکھتا ہے کہ افغان سردار کشمیر پہنچ کر عیش پرست اور مغرور ہو جاتے ہیں۔ یہاں کے گورنر اکثر بغاوت کر بیٹھتے ہیں لیکن آرام طلبی کی وجہ سے بہت جلد پسپا ہو جاتے ہیں۔ کابل سے جو فوجی یہ بغاوت دبانے کے لئے بھیجے جاتے ہیں وہ لوٹ مار کی ہوس میں اپنا کام خوبی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔

اُس وقت کشمیر میں شال بنانے کے ۱۶۰۰۰ کارخانے تھے۔ اُن میں کام کرنے والے ماہر کاریگروں کو ۶ سے ۸ پیسے روزانہ دیئے جاتے تھے۔ نو آموزوں کو ایک پیسے سے ۴ پیسے روز دیئے جاتے تھے۔

افغانوں نے کشمیر کے بالائی علاقوں کے چھوٹے راجاؤں مثلاً لمبے اور کھکھے مطیع کئے اور اُن کو جاگیریں عطا کیں جس کے بدلے میں وہ بوقتِ ضرورت لڑائیوں کے لئے سپاہی فراہم کرتے تھے۔ کشمیر پر اپنا دبدبہ قائم رکھنے کے لئے افغان فوج سرینگر میں رہتی تھی جن میں ۵۴۰۰ سوار اور ۳۲۰۰ پیادے شامل تھے۔ جس وقت لڑائی کی نوبت آتی تو موقع پر بھی بھرتی کی جاتی تھی۔ اِن میں سے اکثر کو تنخواہ وغیرہ نہیں دی جاتی تھی اور وہ لوٹ مار کی ہوس میں فوج میں شامل ہو جاتے۔ احمد شاہ نے اپنی حیات میں ایک بڑا علاقہ نصر خان نامی ایک سردار کو بخش دیا تھا تا کہ وہ کشمیر میں لڑنے کے لئے بوقتِ ضرورت ایک ہزار سپاہیوں کا انتظام کر سکے۔

مغل دور کے مقابلے میں پٹھان دَور میں کشمیر اور اس کے گرد و نواح میں بہت کشمکش رہی ہے۔ یہاں صرف بعض واقعات پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ شجاع الملک س۱۸۰۳ء میں تخت پر بیٹھا۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد کشمیر کے صوبیدار عبداللہ خان نے بغاوت کی۔ ۱۸۰۶ء میں شجاع الملک نے مختار الدولہ شیر محمد خان کو عبداللہ خان کو سزا دینے کے لئے بھیجا۔ وزیر شیر محمد خان

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

بارش کی وجہ سے پہاڑیوں میں محصور ہو کے رہ گیا۔ اُس کو رسد اور اہم اشیاء کی قلت محسوس ہونے لگی۔ اُس نے عبداللہ خان کو قاصد بھیجے۔ عبداللہ خان نے بعض شرائط رکھیں۔ مذاکرات میں شیر محمد خان نے اپنے لئے رسد کا انتظام کر کے مشکل وقت خوبی کے ساتھ گزارا اور لڑائی کی تیاری شروع کی۔ پیش قدمی کرتے ہوئے وہ شمالی کشمیر کے علاقے لڈر پہنچ گیا۔ یہاں سے عبداللہ خان نے گرس بونہ میں قیام کیا۔ جہاں کانسپور کی ولدل جہلم کے ساتھ ملتی ہے۔ یہاں سے عبداللہ خان سیر جاگیر آ گیا اور رات کی تاریکی میں کشتیوں سے بنے پُل سے دریا عبور کر کے شیر خان پر حملہ آور ہوا۔ شیر خان کے پاس اُس وقت صرف ایک سو سپاہی تھے لیکن اُس نے صورتِ حال کو سنبھالا۔ کچھ دیر کے بعد شیر خان کا بیٹا عطا محمد پسپا ہو گیا لیکن شیر خان نے کمالِ بہادری اور بردباری دکھائی اور یہ مشہور کر دیا کہ یہ حکمتِ عملی اُس نے خود بنائی تھی۔ وہ بڑی بہادری سے لڑا اور عبداللہ خان پسپا ہو گیا۔ اُس کی فوج دریا کی طرف بھاگ گئی۔ اِس افراتفری میں کشتیوں سے بنا پُل ٹوٹ گیا اور بہت سے سپاہی ڈوب کر بہہ گئے۔ عبداللہ خان بھاگ کر بیروہ کے قلعہ میں محصور ہو گیا اور وہیں مر گیا۔ الفنسٹن کہتا ہے کہ عبداللہ خان قابل، حوصلہ مند، انصاف پسند، وسیع القلب اور خوش خلق تھا۔ وہ کہتا ہے کہ اُس کی ہار کا کشمیریوں کو بہت افسوس ہوا۔

وزیر شیر محمد نے اپنے بیٹے عطا محمد کو کشمیر کا صوبیدار بنایا اور خود کابل چلا گیا۔ پشاور پہنچ کر کسی پرانی خطا پر اُسے برطرف کیا گیا۔ وہ شاہ شجاع کے دشمنوں کے ساتھ مل گیا۔ بغاوت ہو گئی اور شیر محمد مارا گیا۔ فتح مند شجاع پشاور میں داخل ہو گیا اور شیر محمد خان کا سر اُس کے پیچھے پیچھے نیزے پر رکھا ہوا آ رہا تھا۔ لیکن معاملہ یہیں پر ٹھنڈا نہیں ہوا۔ شجاع کا سوتیلا بھائی محمود سرکشی پر آمادہ ہوا اور کئی سردار اُس کے ساتھ جا ملے۔ کابل، قندھار اور ہرات کے لوگ محمود کی حمایت پر اُتر آئے۔ یہاں سے کشمیر کا صوبیدار عطا محمد بھی سرکش ہو گیا تھا کیونکہ اُس کا باپ مختار الدولہ شیر محمد خان پہلے برطرف کیا گیا اور اس کے بعد قتل۔ شاہ شجاع نے عطا محمد خان کو سمجھانے بجھانے کے لئے اپنے معتمد اکرم خان کو بھیجا لیکن اکرم خان کی مظفر آباد میں غلط راہنمائی کی گئی اور وہ کسی کھائی میں پھنس گیا جہاں اُس کو گھیر لیا گیا۔ اکرم خان نے مصلحت سے کام لیا اور اشرفیوں کی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

تھیلوں کے منہ کھول کے اُس کے سپاہیوں کا دھیان بھٹکا دیا اور خود نو دو گیارہ ہو گیا۔ اُس کے سپاہی بے سروسامانی کی حالت میں پشاور پہنچے۔ اِس ہزیمت سے شاہ شجاع بہت گھبرا گیا۔ اُس نے پشاور سے بھاگ کر رنجیت سنگھ کے پاس پناہ لی۔ الفنسٹن اُس وقت وہیں موجود تھا جب اُسے معلوم ہوا کہ اکرم خان نے سفارت کاری سے توبہ کی وہ اَپنے ساتھیوں کے ساتھ پشاور سے نکل کر ہندوستان روانہ ہوا۔

کشمیر کا صوبیدار عطا محمد خان موقعے کی تاک میں تھا کہ شاہ شجاع سے اَپنے والد کا بدلہ لے۔ اُس نے موقعہ غنیمت جانا اور اپنے بھائی جہاں داد اور دیوان نند رام ٹکو کو شجاع کے پاس بھیجا تا کہ اُسے کشمیر آنے کے لئے آمادہ کیا جا سکے۔ دونوں نے شجاع سے کہا کہ اِس پریشانی کے عالم میں وہ کشمیر آئے کیوں کہ یہ اُس کی اپنی سلطنت ہے۔ سراسیمگی کے عالم میں اُسے کچھ نہ سوجھا اور وہ سرینگر آ گیا جہاں اُسے آتے ہی قلعہ ہاری پربت کے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ یہ قلعہ اِس واقعے سے قبل ہی عطا محمد خان نے بنوایا تھا۔ عطا محمد خان نے اٹک کے قلعہ کو بھی کمک روانہ کیا تا کہ کابل سے کشمیر پر یورش نہ ہو سکے۔ لیکن کابل میں محمود شاہ کے وزیر فتح محمد خان نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ساتھ ساتھ گانٹھ کی۔ اُس نے رنجیت سنگھ سے کہا کہ وہ کشمیر حاصل کرنے میں اُس کی مدد کرے جس کے عوض وہ اُسے آٹھ لاکھ روپے کی رقم دے گا۔ رنجیت سنگھ راضی ہو گیا وہاں سے فتح محمد اور سکھوں کا کماندار محکم چند آئے اور یہاں سے عطا محمد خان۔ باہر سے آنے والی فوج کا پلڑا بھاری رہا اور وہ راولپورہ میں خیمہ زن ہو گئے۔ محکم چند چھتہ بل میں ٹھہرا۔ عطا محمد خان تاڑ گیا کہ اَب کچھ نہیں ہو سکتا۔ اُس نے محکم چند سے کہا کہ مجھے بچاؤ اِس کے بدلے میں تمہیں اٹک کا قلعہ دے دوں گا۔ شاہ شجاع نے کہا کہ میں کوہِ نور ہیرا پیش کروں گا۔ حکم چند کی مدد سے یہ دونوں کشمیر سے باہر نکل گئے۔ عطا محمد خان نے ایک کروڑ روپے کے بدلے اٹک کا قلعہ حوالے کیا۔ شجاع نے بہت سے حیلے بہانے کئے لیکن اُسے کوہِ نور ہیرے سے ہاتھ دھونا پڑا اور پناہ کے لئے انگریزوں کے پاس لدھیانہ چلا گیا۔ لدھیانہ سے شجاع کشتواڑ آ گیا اور کچھ فوج لے کر برنگ علاقے میں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن وہاں وہ عظیم خان کی فوج کا سامنا نہیں

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کر سکا اور واپس لدھیانہ بھاگ گیا۔

الفنسٹن کی دور بینی اور گہری نظر کے بارے میں پہلے ہی کہا گیا ہے۔ جب تک انگریز اُس کے مشورے پر افغان خانہ جنگی میں غیر جانب دار رہے اُن کا بال بھی بیکا نہیں ہوا۔ اس کے بعد لارڈ اک لینڈ نے پالیسی بدل دی اور شاہ شجاع کو تخت پر بٹھا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۴۲ء میں افغانستان میں مقیم تمام انگریزوں کو زبردست شکست ہوئی۔

الفنسٹن اپنی کتاب میں افغان روایتوں کے بارے میں بعض دلچسپ باتیں لکھتا ہے مثلاً اگر دو افغانوں کے بیچ زبردست دشمنی ہو لیکن اگر ان میں سے کوئی دوسرے کے گھر چلا جائے تو وہ ذی وقار مہمان تسلیم کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ کوئی نازیبا حرکت کمینہ کرتوت مانی جاتی ہے۔ دوسرا روان ''ناناووتی'' ہے یعنی میں حاضر ہوا ہوں۔ اگر کسی کو کسی کے پاس کوئی حاجت ہو تو وہ اُس کے گھر چلا جائے گا اور کہے گا ''ناناووتی'' نہ وہ وہاں کچھ کھائے گا اور نہ پیئے گا جب تک اُس کا وہ مطلب پورا نہ ہو جس کے لئے وہ وہاں آیا تھا۔ کبھی ناناووتی کہنے والا صاحب مالک سے کہتا ہے کہ میری کسی دشمن کے خلاف مدد کرو۔ رواج کے مطابق ناناوتی کی کہنے والے کی حاجت ہر صورت میں پوری کرنی پڑتی ہے۔ ۸۰۰ھ میں محمود نے عبداللہ خان کے ساتھ ناناوتی سمجھوتہ کیا تا کہ زمان شاہ کو ہرایا جا سکے۔ زمان شاہ ہار گیا اور اُس کی دونوں آنکھیں نکال دی گئیں۔ ایک اور رسم یہ تھی کہ اگر کسی خاتون کو کسی سے کوئی حاجت ہوتی تو وہ اُسے اپنا برقعہ بھیجتی۔ برقعہ لینے والا اِس بات کے لئے مجبور تھا کہ وہ اُس خاتون سے پوچھے کہ اُس کی حاجت کیا ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اُسے بے غیرت خیال کر کے اُس کی تذلیل کی جاتی۔ کبھی کبھی یہ برقعے جنگوں کا فیصلہ کرتے تھے۔ تیمور شاہ کا بیٹا زمان چھوٹا تھا اور ہمایوں بڑا۔ لیکن زمان کی ماں نے اپنا برقعہ ایک سردار سرفراز خان کے پاس بھیج دیا اور اُسے اپنا حمایتی بننے پر مجبور کر دیا۔ خون ریز جنگ کے بعد زمان شاہ کو ۱۷۹۳ء میں تخت پر بٹھا دیا گیا۔ اسی طرح جب الفنسٹن ۱۸۰۹ء میں پشاور میں تھا، شجاع شکست کھانے لگا، شجاع کے بعض حمایتی الفنسٹن کے پاس گئے اور گزارش کی کہ انگریز حکومت شجاع کا ساتھ دے۔ اُنہوں نے کہا کہ شجاع کی رانی اِس سلسلے میں

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اپنا برقعہ بھی بھیج رہی ہے۔ الفنسٹن نے ٹال مٹول کیا کہ انگریز غیر جانب دار کی اُپنی پالیسی چھوڑ نہیں سکتے۔ البتہ الفنسٹن نے یہ نہیں لکھا ہے کہ آیا برقعہ اُس کے پاس آیا تھا یا نہیں۔

کتاب میں اور بھی بعض دلچسپ واقعات ہیں۔ پشاور، کابل اور دیگر شہروں میں بہت سے ہندو رہتے تھے۔ وہ تجارت پیشہ اور بہت ہی آسودہ حال تھے۔ افغان سردار اپنی دستار کا پھندا دائیں طرف رکھتے تھے اور ان کی آرائش کے لئے جو پَر لگائے جاتے تھے وہ کشمیر سے لائے جاتے تھے۔ یہ پَر جمع کر کے بادشاہ کو پیش کئے جاتے تھے جو انہیں اپنے سرداروں کو بخشتا تھا۔

داغستان (Georgia) میں بہترین پستولیں بنتی تھیں۔ الفنسٹن کہتا ہے کہ اُس نے کشمیر میں بنی ایسی ہی پستولیں دیکھیں اور کوئی دونوں میں فرق نہیں نکال سکتا تھا۔

افغانستان میں بہت سے قبیلے دس سال کے وقفے کے بعد زمین کی نئے سرے سے تقسیم کرتے تھے تا کہ اچھی فصلیں دینے والی زمین باری باری ہر قبیلے کے حصے میں آجائیں۔

بالا حصار میں ایک محل تھا جہاں شہزادوں کو قید میں رکھا جاتا تھا۔ وہاں ہندوستانی سپاہی پہرہ دیتے تھے جو انگریزوں کی وردی زیب تن کرتے۔

انیسویں صدی میں ایک کشمیری پنڈت مرزا موہن لال تھا جو افغانستان اور ایران وغیرہ کے چپے چپے میں گھوما تھا۔ بقول برج کرشن مدن یہ شخص سَتھو بربر شاہ کے موٹا خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے بعد اُس نے اپنا سفرنامہ شائع کیا جس کی کافی تعریفیں کی گئیں۔ الفنسٹن کہتا ہے کہ موہن لال کی ذہانت اور انگریزی زبان پر اُس کا عبور تعجب کا باعث ہے۔

افغانوں کی بدولت کشمیری ذاتوں میں اضافہ ہو گیا کابل میں وزیرِ اعظم عموماً بامزئی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس ذات کو بعض کشمیری پنڈتوں نے اپنایا۔ خان اور درانی کشمیر میں بہت سے پنڈتوں اور مسلمانوں کی ذاتیں ہیں۔ پنڈتوں میں قندہاری میں اور مسلمانوں میں کابلی ہیں۔ پنڈتوں میں میر آخور ہیں۔ افغانستان میں گھوڑوں کے محکمے کے افسر کو میر آخور کہتے تھے۔

...........●●●...........

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

● ...... عبدالغنی شیخ

برصغیرِ ہند کا بٹوارہ
اور
گلگت سکاؤٹس کی بغاوت کی روداد

اگست ۱۹۴۷ء میں ہندوستان آزاد ہوا اور ایک نئی مملکت پاکستان وجود میں آئی۔ گلگت، ریاستِ جموں وکشمیر کا علاقہ تھا۔ ۱۹۳۵ء میں برطانوی ہند حکومت نے گلگت کو ۶۵ سال کے لئے پٹے پر حاصل کیا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں ملک کی تقسیم کے اعلان کے بعد وہ گلگت سے دست بردار ہوا اور ڈوگرہ حکومت کو بحال کیا۔ ڈوگرہ حکمران مہاراجہ ہری سنگھ نے بریگیڈر گھنسارا م سنگھ کو بطورِ گورنر گلگت بھیجا۔

تقسیمِ ہند اور قیامِ پاکستان کے بارے میں خبریں ۱۹۴۷ء کے آغاز سے گلگت پہنچ رہی تھیں۔ ہنزہ اور نگر کے میروں اور دیگر راجاؤں میں بعض کے پاس ریڈیو سیٹ تھے۔ چند سرکاری ملازموں کو اخبارات آتے تھے۔

اگست ۱۹۴۷ء میں مہاراجہ ہری سنگھ نے ہنزا اور نگر کے میر اور پونیال کے راجا کو سرینگر مدعو کیا۔ انہوں نے مہاراجہ سے وفاداری کا اظہار کیا۔ صرف چترال کا میر نہیں آیا۔ اس

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

نے پاکستان کے حق میں حمایت کی تھی۔

گلگت سکاؤٹس کے چند جونیئر افسر پاکستان کے ساتھ الحاق کے حق میں سرگرمِ عمل تھے۔ خفیہ میٹنگوں میں وہ بغاوت کا منصوبہ بناتے تھے۔ بعد میں ان کے ساتھ چند سینئر افسر شامل ہوئے۔

اس سے پہلے ڈوگرہ حکومت کے خلاف چند مسلم افسروں نے ۱۹۴۶ء میں جموں میں ایک انقلابی کونسل بنائی تھی۔ اس میں بھی زیادہ تر جونیئر کمیشنڈ افسر تھے۔ کپتان حسن خان اس کا چیئر مین تھا۔ وہ گلگت کا رہنے والا تھا۔ اس کا مقصد مہاراجہ کا پاکستان سے الحاق نہ کرنے کی صورت میں بغاوت کر کے چھاؤنیوں پر قبضہ کرنا تھا۔ سرکار کو اس کا علم ہوا اور افسروں کو ریاست کے مختلف علاقوں میں تبدیل کیا اور پروگرام ناکام ہوا۔ کپتان حسن خان گلگت تبدیل ہوا۔

گلگت سکاؤٹس نے ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کی حکومت سے یکجہتی کا اعلان کیا اور اعانت کی درخواست کی۔ سکاؤٹس نے بانیٔ پاکستان اور گورنر جنرل محمد علی جناح اور وزیرِ اعظم لیاقت علی خان سمیت کئی لوگوں کو ایک ہی مضمون کے خط میں پاکستان سے الحاق کی خواہش کا اظہار کیا اور مدد مانگی۔ ایک سکاؤٹ امیر جہاندار شاہ نے دو ہفتے پیدل سفر کر کے یہ خطوط ایبٹ آباد کے ڈاک خانے لئے جو گلگت سے پاکستان کا سب سے نزدیکی ڈاک خانہ تھا۔ لیکن اس خط کا جواب نہیں آیا۔ پھر امیر جہاندار شاہ سکاؤٹ قاصد کی حیثیت سے محمد علی جناح سے ملاقات کے لئے گیا۔ پاکستانی مورخ پروفیسر احمد حسن وانی نے اس ضمن میں اپنی کتاب History of Northern Areas of Pakistan میں لکھا ہے محمد علی جناح نے یہ جواب دیا:

> Our sympathies are with you. May God grant you success.Help yourself. I am myself preplexed. Fourteen lakh of Muslims have been killed. We cannot give you any help.

(ترجمہ) ہماری ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا آپ کو کامیابی دے۔ اپنی مدد آپ کیجئے۔ میں خود پریشان ہوں۔ چودہ لاکھ مسلم مارے گئے ہیں۔ ہم کوئی مدد نہیں دے سکتے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

پاکستان مدد کرنے کے لئے سنجیدہ نہیں تھا۔اس کی وجوہات سے یہ ہیں کہ نوزائیدہ ملک مختلف مسائل سے دوچار تھا۔وسائل محدود تھے۔کھلم کھلا مداخلت کی صورت میں ہندوستان سے حملے کا خطرہ تھا۔

مہاراجہ ہری سنگھ اور ہندوستان گلگت اور بلتستان کو اپنی قلمرو میں رکھنے کے لئے بڑے سنجیدہ تھے۔مہاراجہ کو سکاؤٹس کی بغاوت کا اندیشہ تھا اور اس کو توڑ کر سکاؤٹس کی چھاؤنی میں بونجی سے ڈوگرہ چھٹی پیدل بٹالین کو منتقل کرنا چاہتا تھا۔بونجی گلگت سے ۵۶ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔سکاؤٹس کو مہاراجہ کے منصوبے کا پتہ چلا۔

۲۴ سالہ انگریز فوجی افسر میجر ولیم براؤن گلگت سکاؤٹس کا کمانڈر تھا۔گورنر گھنسارام سنگھ کو بغاوت کی بوباس مل گئی اور کرنل عبدالمجید خان کو بونجی فون کیا کہ گلگت جتنی فوج لا سکے، لائی جائے۔اس پر عمل آوری سے پہلے باغیوں نے یکم نومبر ۱۹۴۷ء کو گورنر کو اپنی حراست میں لیا۔ گورنر ہاؤس پر پاکستانی جھنڈا لہرایا۔ڈاک خانہ اور تار گھر اپنے قبضے میں لائے۔

گلگت کے بعد سکاؤٹس کی نظر بلتستان پر تھی۔سکردو بلتستان میں میجر محمد الدین نے مسلمان فوجی نوجوانوں کو پاکستان کے حق میں اپنا ہم نوا بنایا تھا۔وہ جموں کا رہنے والا تھا۔ پاکستان کے حق میں مہاراجہ ہری سنگھ کے خلاف بغاوت کرنے کے منصوبے میں وہ پاکستان کے حسن خان کے ساتھ میٹنگوں میں شریک رہا تھا۔سکردو پہنچنے پر اس نے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا۔

۲۲/اکتوبر کو کشمیر پر قبائلی حملہ، مہاراجہ ہری سنگھ کا ہندوستان سے الحاق اور جموں میں قتلِ عام کی خبریں یکے بعد دیگرے گلگت اسکردو اور لیہہ پہنچیں۔

۱۶/نومبر ۱۹۴۷ء کو سردار محمد عالم خان نے گلگت پاکستان کے پولیٹیکل ایجنٹ کی حیثیت سے چارج لیا۔۳۰/نومبر کو راولپنڈی میں پاکستانی فوج کی ہائی کمان نے میجر براؤن کی جگہ میجر محمد اسلم خان کو بھیجا۔

لیہہ میں ان دنوں بڑی غیر یقینی صورتِ حال تھی۔میں ان دنوں پانچویں یا چھٹی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

جماعت میں پڑھتا تھا۔ایک کشمیری ڈاکٹر کے پاس ریڈیو گرام تھا۔بیٹری کے لئے لکڑی کا ایک بڑا پہیہ گھما کر توانائی پیدا کی جاتی تھی ۔اسے گھمانے میں ہمیں بڑا لطف آتا تھا۔شام کو قصبے کے معدود ے چند پڑھے لکھے اور سیاست سے دلچسپی رکھنے والے افراد ریڈیو سننے آتے تھے اور بڑے دھیان سے سنتے تھے ۔لیہہ کے ایک تعلیمی افسر ایلی امیز ر جولدن انگریزی خبروں اور تقریروں کا لداخی میں ترجمہ سناتے تھے۔پھر ان پر تبصرہ ہوتا تھا۔ہمیں کچھ سمجھ نہیں آتا تھا۔

بلتستان پر گلگت سے حملہ کا خطرہ منڈلا رہا تھا۔لیہہ سے نومبر ۱۹۴۷ء میں میجر شیر جنگ تھاپا کو لیفٹیننٹ کرنل کی ترقی دے کر کچھ فوجیوں کے ساتھ سکردو تبدیل کیا اور کمک میں تین کمپنیاں بھیجیں۔فروری ۱۹۴۸ء میں بریگیڈر فقیر سنگھ کی سرکردگی میں ڈوگرہ فوج نے برف وباد میں زوجیلہ کو عبور کیا اور سکردو کی طرف پیش قدمی کی۔ادھر میجر احسان علی کی سرکردگی میں سکاؤٹس کے ۲۵۰ جوان گلگت سے سکردو پہنچے تھے اور سکردو چھاؤنی کو محاصرے میں لیا تھا۔ گھات میں بیٹھے ہوئے سکاؤٹس کے سپاہیوں کے حملوں سے بریگیڈر فقیر سنگھ کی فوج اور ان کے پیچھے آنے والے فوجیوں کو سخت مالی اور جانی نقصان اٹھانا پڑا۔

فروری کے دوسرے ہفتے میں جب سکاؤٹس کے سکردو پہنچنے کی خبر لیہہ پہنچی تو لوگوں میں بڑا خوف وہراس پھیلا۔

میجر محمد اسلم نے فوج کو چار گروپوں میں تقسیم کیا۔ان میں تین گروپوں کے نام ایبکس (Ibex) فورس، اسکیمو فورس اور ٹائیگر فورس رکھے۔یہ گلگت سکاؤٹس پر مشتمل تھے۔ہر گروپ میں چار سو سے او پر فوجی تھے۔چوتھا گروپ جموں وکشمیر پیدل بٹالین کے فوجیوں پر مشتمل تھا جو پونچھ اور میر پور سے تعلق رکھتے تھے۔ان کو مختلف کمانڈروں کی قیادت میں زوجیلہ،لیہہ،زنسکار،نوبرہ، گریز اور بانڈی پورہ تک فوج کشی کے لئے بھیجا۔اس فوج نے اپنے سے کہیں زیادہ بڑی فوج کا مقابلہ کیا،ہتھیار حاصل کئے اور انہی ہتھیاروں سے لڑے اور کامیابی حاصل کی۔ایک طرف یہ لیہہ کے پاس پہنچے۔دوسری طرف گونڈ پر حملہ کیا اور سونمرگ سڑک پر کئی پل تباہ کئے۔۱۱۵۸۶ فٹ بلند راج دھانی درہ سے ہوتے ہوئے بانڈی پور پر دھاوا بولا۔شمال سے گریز کی طرف سے اور

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

مشرق سے سونمرگ کی طرف سے سرینگر کو خطرہ ہوا۔ کرگل سے ہوتے ہوئے یہ زنسکار پہنچے اور پدم میں جھنڈا گاڑا۔

سدھیرایس۔ بلوریا اپنی کتاب (۱۹۹۷ء) The Battle of Zojila میں لکھتا ہے:

"جون ۱۹۴۸ء کے وسط تک لگ بھگ دو بٹالین حملہ آور تقریباً ۸ ماہ کے عرصے میں گلگت سے نوبراہ، لداخ، قراقرم سے زوجیلہ اور گریز تک وسیع اور فوجی لحاظ سے اہم خطے پر قابض ہوئے۔ یہ فوجی بڑے جفاکش اور پہاڑی علاقے کے جنگجو باشندے تھے۔ گوریلا لڑائی لڑنے میں طاق تھے۔ مذہب ان کا سب سے بڑا اثاثہ تھا جسے نوزائیدہ ملک کے لیڈروں نے مؤثر طور استعمال کیا۔"

کشمیر پر قبائیلی حملے کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن گلگت سکاؤٹس کی بغاوت اور لڑائیوں کے بارے میں میری دانست میں وادئ کشمیر اور جموں کے قارئین کو بہت کم علم ہے۔ بلتی مورّخ محمد یوسف حسین آبادی نے اپنی دو کتابوں، تاریخِ بلتستان، اور بلتستان پر ایک نظر، (۱۹۸۴ء) اور پروفیسر احمد حسن دانی نے (۱۹۸۹ء) History of Northern Area of Pakistan میں اچھی روشنی ڈالی ہے۔ ایس۔ بلوریا کی کتاب (۱۹۹۷ء) The Battle of Zojila اور ایس کمار۔ مہاجن کی Debacle in Baltistan اہم تصنیفات ہیں۔ ہندوستان اور خاص کر پاکستان کے کئی فوجی افسروں نے، جو اس جنگ کے اہم کردار تھے، یادداشتیں رکھی ہیں یا کتابیں لکھی ہیں جو اس موضوع کے اہم ماخذ ہیں۔ جیسے 'انقلابِ گلگت۔ میری نظر میں' از کرنل غلام حیدر خان، انقلابِ گلگت۔ ایک مختصر جائزہ، 'از کرنل سیّد درانی، اور انقلاب اور جنگ آزادی از میجر محمد خان جرال اس ضمن میں پاکستان فوجی افسروں کی تصنیفات ہیں۔ بریگیڈیئر گھنسارام سنگھ، کرنل حسن خان، گروپ کپتان شاہ خان، میجر سکندر خان وغیرہ نے یادداشتیں رکھی ہیں جن کا پروفیسر دانی اور محمد یوسف حسین آبادی نے براہِ راست یا بالواسطہ طور استفادہ کیا ہے۔ انہوں نے کئی متعلقین سے انٹرویو بھی لئے ہیں۔

مذکورہ بالا مختصر تبصرہ کی تفصیل یوں ہے:

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

انیسویں صدی میں زار روس ایک توسیع پسند حکمران تھا۔ وسطِ ایشیا کے ملکوں پر قابض ہونے کے بعد روس کی نظر ہندوستان پر تھی اور روسی فوج پامیر تک پہنچی تھی۔ انگریزی حکومت کی شہہ اور مدد سے مہاراجہ نے گلگت، چترال، ہنزہ، نگر، استو وغیرہ پر قبضہ کیا۔ اس پورے علاقے کو عام طور پر گلگت کہا جاتا ہے۔ ہنزہ اور نگر کے حکمران انگریزوں سے تعاون نہیں کرتے تھے اور روس کے حامی تھے۔ روس کے اثر ونفوذ کو روکنے کے لئے انگریزوں نے ۱۸۷۶ء میں گلگت میں دریائے سندھ کے علاقوں میں ایک پولیٹیکل ایجنسی قائم کی۔ ۱۸۸۹ء میں کرنل ڈورانڈ کو گلگت میں پولٹیکل ایجنٹ مقرر کیا۔ ڈورانڈ نے ایک مقامی فوج کھڑی کی۔

۱۹۱۳ء میں گلگت سکاؤٹس کا قیام عمل میں آیا۔ تب سکاؤٹس کے جوانوں کی تعداد ۵۸۲ تھی۔ ۱۹۳۵ء میں گلگت کو ۶۵ سال کے لئے اجارہ پر لیا۔ اجارہ ختم ہونے پر بریگیڈیئر گھنسا رام سنگھ نے انگریز پولیٹیکل ایجنٹ کرنل آر۔ این۔ بیکن (R.N.Becon) سے سول انتظامیہ کا چارج لیا۔

اگست اور ستمبر میں ریاستی فوج کے کئی افسران تبدیل ہو کر گلگت اور بونجی پہنچے۔ ان میں لیفٹیننٹ کرنل عبدالمجید خان درانی، کپتان حسن خان، کپتان نیک عالم، کپتان سیّد درانی، لیفٹیننٹ محمد خان اور لیفٹیننٹ حیدر خان شامل تھے۔

ہندوستان کی آزادی سے پہلے سکاؤٹس کے جونیئر افسروں میں پاکستان کے حق میں ایک مہم چل رہی تھی۔ ۳۰ جولائی ۱۹۴۷ء کو گلگت سکاؤٹس کے صوبیدار میجر محمد بابر خان اور دوسرے جونیئر کمیشنڈ افسروں نے مہاراجہ کی فوج کے انگریز سربراہ جرنیل سکاٹ اور جے اینڈ کے کمپنی کمانڈر کپتان درگا سنگھ سے ملاقات کی اور پاکستان سے اپنی وفاداری دکھائی۔ بریگیڈیئر گھنسا رام سنگھ نے بھی اپنی یادداشت میں لکھا ہے کہ بابر خان نے پہلی ملاقات میں اس سے کہا کہ وہ پاکستان کی خدمت کرنا چاہتا ہے۔

ستمبر کے اختتام میں بابر خان کی صدارت میں منعقدہ ایک میٹنگ میں پاکستان کے حق میں تحریک چلانے کا فیصلہ ہوا۔ تاہم اس کے بارے میں فی الحال عوام، راجوں اور

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

میر سے راز داری برتنے کا تصفیہ ہوا۔ بونجی چھاؤنی کے مسلم افسروں سے رابطہ قائم کرنے اور سکاؤٹس کے وی۔سی۔او کو اعتماد میں لانے تک محدود رکھا گیا۔ وی۔سی۔او سے مراد وائیسرائے کمیشنڈ افسر ہے۔ یہ کمپنی کمانڈر ہوتا تھا۔ اس عہدے پر میروں، راجاؤں کے بیٹے اور بھائی تقرر ہوتے تھے۔

پروفیسر احمد حسن دانی نے لکھا ہے کہ ہنزا کے میر جمال خان اور نگر کے راجا ڈپلومیٹ جیسے تھے جبکہ چترال کا میر کھلم کھلا پاکستان کی حمایت کرتا تھا۔

گلگت سکاؤٹس کے باغی افسروں کی میٹنگیں گلگت سے باہر رات کو منعقد ہوتی تھیں اور ان کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا جاتا تھا۔ شاہ رئیس خان کی قیادت میں 'تنظیمِ سرفروشاں' کے نام سے ایک تنظیم قائم ہوئی تھی۔ بابر خان نے بھی آل مجاہد کے نام سے ایک تنظیم قائم کی تھی۔ میجر براؤن کو بابر خان کی سرگرمیوں کا علم ہوا اور بابر خان کو لمبے دورے پر بھیج دیا۔

گورنر گھنسارا رام سنگھ کو گرفتار کرنے کے لئے ۲۶ر اکتوبر کی تاریخ مقرر ہوئی۔ یہ خبر گورنر تک پہنچی۔ گورنر نے بونجی سے فوج طلب کی۔ باغیوں نے کرنل عبدالمجید خان میجر براؤن اور میجر احسان علی کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کیا۔ میجر احسان علی کو سرینگر سے ۳۰ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو بونجی میں بطور چھٹے انفنٹری بٹالین تبدیل کیا تھا۔

گورنر کو گرفتار کرنے کی نئی تاریخ ۳۱ر اکتوبر مقرر ہوئی تھی۔ بونجی گلگت سڑک کی ناکہ بندی کی گئی تاکہ بونجی سے کمک نہ پہنچے۔

مولویوں کو پروپیگنڈہ کرنے کے لئے ہمسایہ علاقوں میں بھیجنے کا فیصلہ ہوا۔

۳۱ر اکتوبر کی رات بابر خان نے دس بجے گورنر ہاؤس کو گھیرے میں لیا۔ صبح چار بجے تک گولیاں چلیں ہنزہ اور نگر کا ایک ایک آدمی مارا گیا۔ گورنر کے مطابق لگ بھگ سو سکاؤٹس نے محاصرہ کیا جبکہ بابر خان کے مطابق چودہ افراد نے گھیرا ڈالا۔ کسی نے بابر خان کو بنگلے کو نذر آتش کرنے کا مشورہ دیا لیکن بابر خان نے نہیں مانا۔ نائب تحصیلدار پنڈت منی رام بیچ بچاؤ کر رہا تھا۔ صبح ساڑھے سات بجے گورنر نے ہتھیار ڈال دیئے اور انہیں چھاونی میں نظر بند کیا۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

بونجی سے فوجی کمک روکنے کے لئے چیلا سکاؤٹس نے اہم کردار ادا کیا۔ صوبیدار سنیت سنگھ سمیت اس کے پلاٹون کے سارے جوانوں کو ۲/نومبر کو مار ڈالا۔ ڈوگرہ سپاہی چھاونی سے فرار ہوئے۔ بہتوں کو پکڑا گیا۔ بونجی میں راشن، ہتھیاروں اور گولہ بارود کا اچھا ذخیرہ تھا جس میں ۱۱۰۰ رائفلیں، ۲۰۰ سٹین گن، ۵۰ برین گن، مارٹر ۳۵ اور ۹ میڈیم مشین گن شامل تھے۔ باغیوں نے ان پر قبضہ کیا۔

سکاؤٹس نے گورنر ہاؤس کے علاوہ سکاؤٹس لائنز پر پاکستانی جھنڈا لہرایا۔ پھر عبوری حکومت بنی۔ شاہ رئیس خان کو عبوری حکومت کا صدر بنایا گیا اور کپتان حسن خان کو، جو بعد میں کرنل کے عہدے پر ریٹائر ہوا، فوجی امور کا سربراہ بنایا گیا۔

گلگت کے خزانے سے گیارہ لاکھ روپے کی رقم دستیاب ہوئی۔

کرنل مجید خان اور میجر براؤن کو حراست میں لیا گیا تاہم جلدی رہا کئے گئے۔

سکاؤٹس نے کرنل عبدالمجید خان کو قیادت کے لئے اپیل کی لیکن انہوں نے معذوری کا اظہار کیا۔ میجر براؤن سے پرچم کشائی کرائی گئی۔

سکردو میں حالات مخدوش تھے۔ لداخ کا منتظمِ اعلیٰ لالہ امرناتھ جو وزیرِ وزارت کہلاتا تھا، اکتوبر میں لیہہ سے سرمائی صدر مقام سکردو آیا۔ تب لداخ، لیہہ، کرگل اور سکردو تحصیلوں پر مشتمل تھا۔ وزیر چھ ماہ سکردو اور چھ ماہ لیہہ میں گزارتا تھا۔ اُس سال سکردو کی صورت حال بالکل مختلف تھی۔ گلگت سے حملے کے خطرے کے پیشِ نظر وزیر نے دریائے سندھ پر کشتی سروس بند کی اور سکردو میں ایک ہوائی اڈہ تعمیر کیا۔

میجر محمد الدین اور کپتان مرزا حسن خان نے سکردو کے چند روساء کو ایک شام چھاؤنی پر دعوت دی اور بلتستان میں انقلاب برپا کرنے کے بارے میں ان کے خیالات معلوم کئے۔ راجا محمد علی شاہ نے مکمل حمایت کا یقین دلایا۔ تاہم میجر محمد الدین کو روساء پر زیادہ اعتماد نہیں تھا۔ اس لئے براہِ راست لوگوں کے خیالات جاننے کے لئے سکردو اور گردونواح کے چند گاؤں میں جا کر نمبرداروں اور معززین سے تبادلۂ خیال کیا، جنہوں نے تعاون کا یقین دلایا۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

انتظامیہ کو میجر محمد الدین کی سرگرمیوں کا پتہ چلا اور سکردو سے جموں تبدیل کیا۔ اپنا چارج کپتان کرشن سنگھ کو دے کر ۱۵ر اکتوبر کو وہ سکردو سے روانہ ہوا۔ کپتان نیک عالم کو سکردو تبدیل کیا۔

لالہ امرناتھ کے حکم سے مشکوک گھروں کی تلاشی لی گئی اور لائسنس والے ہتھیار سمیت تلوار، کلہاڑی، ڈھال، چاقو، تیر کمان وغیرہ کو ضبط کیا۔

۱۵ر نومبر کو سردار محمد عالم خان نے گلگت میں حکومتِ پاکستان کے پولیٹیکل ایجنٹ کا عہدہ سنبھالا اور اس کے پندرھواڑہ کے بعد ۳۰ر نومبر کو فوج کے جنرل ہیڈ کوارٹر راولپنڈی نے میجر محمد اسلم خان کو گلگت بھیجا اور میجر براؤن کی جگہ لی۔ میجر اسلم نے جنرل ہیڈ کوارٹر راولپنڈی سے مالی مدد کے لئے درخواست کی۔ میجر جرنیل شیر خان نے چار ہزار روپیہ دیا۔ اس میں نصف رقم کا راولپنڈی کے راجہ بازار سے کمبل اور پرانے کپڑے خریدے جنہیں بونجی میں ہوائی جہاز سے پھینکا گیا۔

میجر اسلم نے اپنا نام کرنل پاشا رکھا۔ دوسری جنگِ عظیم میں اس نے برما کے محاذ پر لڑا تھا اور اسے ملٹری کراس ملا تھا۔ اس نے ٹائیگر فورس کا کمانڈر کپتان حسن خان، ابیکس فورس کا کمانڈر میجر احسان علی، اسکیمو فورس کا کمانڈر لیفٹنٹ شاہ خان اور اے ونگ کا کمانڈر کپتان محمد خان جرال کو بنایا۔

پولیٹیکل ایجنٹ سردار محمد عالم خان نے ۹ر دسمبر کو صوبیدار میجر محمد بابر خان اور ۳۱ر دسمبر کو نائب صوبیدار شاہ خان کو ترقی دے کر لیفٹنٹ کا عہدہ دیا تھا۔

میجر محمد اسلم نے ابیکس فورس کے کمانڈر میجر احسان علی کو بلتستان کا ائیریا کمانڈر بنایا۔ اور ۲۵۰ سکاؤٹس کے ساتھ سکردو پہنچنے کا حکم دیا۔

لیہہ سے لیفٹیننٹ کرنل شیر جنگ تھاپا کپتان گنگا سنگھ اور ۸۵ فوجیوں کے ساتھ ۱۳ر دسمبر کو سکردو پہنچا تھا۔ کرنل عبدالمجید خان کی گرفتاری کے بعد لیہہ کے چھاؤنی کمانڈر میجر تھاپا کو لیفٹننٹ کرنل کی ترقی دی گئی تھی۔ گلگت ہاتھ سے چلے جانے کے بعد اب حکومت بلتستان کو کسی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

بھی قیمت پر دشمن کے حملے سے محفوظ بنانا چاہتی تھی۔جنوری کا مہینہ تھا،زوجیلہ برفباری سے بند پڑا تھا۔بلتستان پر منڈلاتے خطرے کے پیشِ نظر ۱۳رجنوری ۱۹۴۸ءکوڈوگرہ فوج کی تین کمپنیاں کپتان پربھات سنگھ لیفٹننٹ اجیت سنگھ اور لیفٹیننٹ بھگت سنگھ کی سرکردگی میں سرینگر سے نکلیں اور چھوٹے چھوٹے دستوں میں برف و باد میں زوجیلہ کو عبور کر کے کرگل پہنچنے لگیں۔۲۷رجنوری کو تینوں کمپنیوں کے سارے جوان کرگل پہنچے تھے۔جہاں سے تینوں کمپنیاں یکے بعد دیگرے سکردو روانہ ہوئیں۔

پولیٹیکل ایجنٹ سردار محمد عالم خان نے سکاؤٹس کو بلتستان بھیجنے کی مخالفت کی۔میجر اسلم نے نہیں مانا۔اس بات پر دونوں میں تناؤ پیدا ہوا۔میجر اسلم نے پولیٹیکل ایجنٹ کو حراست میں لینے کا ارادہ کیا۔تاہم ضرورت نہیں پڑی۔۱۰رفروری کو میجر احسان علی کا ۲۵۰ سکاؤٹس پر مشتمل ایکس فورس سکردو پہنچا۔

۱۱رفروری کی شام کرنل تھاپا نے سرینگر اطلاع دی کہ چھاؤنی گھیرے میں ہے۔صبح ساڑھے چھ بجے دشمن نے حملہ کیا۔کرنل تھاپا نے ہوائی مدد مانگی۔میجر احسان علی نے اچانک چھاپہ مار کر چھاؤنی میں گھسنے کا منصوبہ بنایا تھا جو غلط سگنل کی وجہ سے ناکام ہوا۔

سکردو میں ۲۵۰ سکھ اور ہندو تجارت اور ملازمت کے سلسلے میں آباد تھے۔انہوں نے مہارانی کو تار دیا کہ انہیں بذریعہ ہوائی جہاز سرینگر پہنچایا جائے۔ان کی درخواست پر کسی نے کان نہیں دھرا۔انہوں نے بادل ناخواستہ چھاؤنی میں پناہ لی۔

چھاؤنی کی طرف سے گولیاں چلانے کی آواز سن کر وزیرِ وزارت لالہ امرناتھ نے اپنے بنگلے کی چھت پر سے دوربین سے نیچے چھاؤنی پر نظر ڈالی۔وہ پولیس سب انسپکٹر کے ہمراہ فوراً خزانہ کی طرف روانہ ہوا۔خزانہ کے پاس چھٹے پیدل فوج کا سپاہی سرفراز خان موجود تھا۔لالہ امرناتھ نے اس سے پوچھا کہ چھاؤنی کی طرف سے گولیاں چلنے کی آواز کیسے آرہی ہے۔سرفراز نے جواب دیا کہ گزشتہ شام کرگل سے جو نفری آئی ہے،وہ اپنے ہتھیاروں کی صفائی کے لئے ان کی جانچ کر رہی ہے۔امرناتھ کو اس پر شک ہوا اور اپنا پستول نکال کر اس کا سرفراز کی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

طرف کیا۔ سرفراز نے اپنا سٹین گن چلایا اور لالہ امرناتھ ہلاک ہوا۔ جبکہ پروفیسر دانی نے لکھا ہے کہ سرفراز خان نے خزانے کے ایک روزن سے گولی چلا کر وزیر کو موت کی نیند سلا دیا، بعد میں پولیس افسر کو بھی ہلاک کیا۔

ڈوگرہ فوج کی دوسری کمپنی ۳رفروراور تیسری کمپنی ۱۵رفروری کو سکردو پہنچی۔

۱۴اور ۱۵رفروری کی رات سکاؤٹس نے ۸۸۵۳ پہاڑی پوائنٹ پر قبضہ کیا اور کئی اور چوٹیوں پر مورچہ بندی کی۔

محاصرہ کے دوران چار سکاؤٹس مارے گئے۔ کپتان محمد خان سمیت اکثر جوانوں نے مورچے چھوڑ دیئے اور میجر احسان علی نے پسپائی کا حکم دیا۔

سکردو کے بلتی صورتِ حال سے بڑے پریشاں اور ہراساں تھے۔ ایک وفد میجر احسان علی سے ملنے قمرہ گیا اور چھاؤنی کا دوبارہ محاصرہ کرنے کی درخواست کی۔ محمد یوسف حسین آبادی کے مطابق بڑی بحث وتکرار کے بعد وہ واپس آنے پر رضامند ہوا اور کھرپوچو پہاڑی کی ایک ٹیکری پر ایک مورچہ قائم کیا۔ اس دوران سکردو میں کمیٹیاں بنائی جارہی تھیں اور لڑنے کے لئے رضاکار اکٹھے کئے جارہے تھے۔

سکردو چھاؤنی میں لیفٹیننٹ کرنل شیر جنگ تھاپا کی کمان میں ۲۸۵ فوجی تھے۔

فروری ۱۹۴۸ء کے آغاز میں ریاستی سرکار کے ہوم سیکرٹری ڈی پی دھر نے لداخی انجینئر صنم نربو کو فون پر پوچھا کہ کیا وہ لیہہ میں ایک ہوائی اڈہ تعمیر کرنے کے لئے جانا چاہیں گے۔ صنم نربو نے اثبات میں جواب دیا۔ وہ اُن دنوں سرینگر میں ہوائی مستقر کے انچارج تھے۔ انہی دنوں میجر پرتھی چند کشمیر میں تعینات تھا۔ وہ صنم نربو کا ہم جماعت رہا تھا۔ دونوں میں ملاقات ہوئی۔ نربو سے معلوم ہوا کہ سکردو کی صورتِ حال پر لیہہ میں لوگ بڑے پریشاں ہیں۔ پرتھی چند ہماچل پردیش کے لاہول کا رہنے والا تھا، جہاں لداخی زبان بھی مروج ہے۔ چنانچہ وہ لداخ تبدیلی چاہتا تھا۔ انہوں نے پہلے اپنے کمانڈر سے اور پھر بریگیڈر سین سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ لیکن دونوں نے کہا کہ ہائی کمان سے کوئی ایسا حکم نہیں ہے۔ اس لئے وہ انہیں لداخ تبدیل

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

نہیں کر سکتے۔میجر پرتھی چند کے ایک انٹرویو کے مطابق انہوں نے لیہہ تار بھیجا کہ لداخ کے لوگوں کی طرف سے وزیرِ اعظم جواہر لال نہرو کو تار بھیجا جائے، جو اُن کو لداخ جانے کی راہ نکالے۔ لیہہ میں ینگ مین بڈھسٹ ایسوسی ایشن کے صدر کلون چھوانگ رگزین اور انسپکٹر سکولز شری دھرڈولو نے لداخ کے بچاؤ کے لئے تب ایک مہم چلائی تھی۔

انٹرویو سے لگتا ہے، کلون چھوانگ رگزین اور شری دھرڈولو نے میجر پرتھی چند کو لداخ تبدیل کرنے کے لئے وزیر اعظم سے استدعا کی تھی۔

۱۴ یا ۱۵ رفروری کو صنم نر بو کو ڈی پی دھر کا دوبارہ فون آیا کہ وہ لیہہ کب جا سکیں گے۔ صنم نربو نے دو روز کی مہلت مانگی۔ رگزن نمگیل کلون کے مطابق لیفٹیننٹ کرنل شیر جنگ تھاپا نے روانگی سے پہلے لیہہ میں ہوائی اڈہ کی ضرورت کو ابھارا تھا۔ان کی یہ تجویز پنڈت نہرو کی نوٹس میں آئی تھی۔اس لحاظ سے تھاپا پہلا فرد ہے، جس نے لیہہ میں پہلے پہل ہوائی اڈہ کی تعمیر کی افادیت کو سمجھا تھا۔

۱۷ رفروری کو صنم نر بو سرینگر سے لیہہ کے لئے نکلے۔ایک روز پہلے پرتھی چند روانہ ہوا تھا جن کو اب لیفٹیننٹ کرنل کی ترقی دی گئی تھی۔ان کی پارٹی میں میجر خوشحال چند، صوبیدار بھیم چند سمیت ۱۳ آدمی تھے جن میں ۷ لاہولی، ۵ لداخی اور ایک کینور کا باشندہ تھا۔

سونمرگ میں ریاستی ۱۶۳ انفنٹری بریگیڈر کے کمانڈر بریگیڈیئر فقیر سنگھ سکردو جانے کے لئے پہنچا تھا۔ بھاری برف پڑی تھی اور ایک ایک قدم چلنا دوبھر تھا۔

بریگیڈر بولا۔"اس حالت میں ہم آگے نہیں جا سکیں گے۔"

"ہمیں جانا ہوگا" صنم نربو بولے۔

اس سال زوجیلہ کے علاوہ گونڈ اور سونمرگ میں بھی بھاری برف پڑی تھی۔صنم نربو گنڈ میں ۷ روز پھنسے رہے۔سونمرگ سے بال تل تک کا سفر طے کرنے میں انہیں آٹھ گھنٹے لگے۔ آگے برف اتنی زیادہ پڑی تھی کہ قلیوں نے آگے جانے سے انکار کیا۔صنم نربو نے دباؤ ڈالا تو وہ رونے اور چلانے لگے۔آخر کار ترغیب اور تاکید کے دباؤ میں آکر وہ جانے کے لئے راضی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہوئے۔ صبح ساڑھے تین بجے زوجیلہ کے ڈاک ہرکارہ کی رہبری میں سبھی زوجیلہ کی طرف بڑھے۔ صنم زبو کے دیئے ہوئے ایک انٹرویو کے مطابق انہیں ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل برف پر چلنا پڑا۔ ایک مرتبہ قلیوں کے سامنے پسی کا ایک بڑا ریلا گزرا اور قلی بال بال بچے۔ آخر کار بڑی مشقت اور مصائب جھیل کر زبو، قلیوں اور بریگیڈر فقیر سنگھ کے سینکڑوں سپاہیوں نے زوجیلہ عبور کیا۔ ماچ کرگل پہنچے جہاں سے صنم زبو اور لیفٹیننٹ کرنل پرتھی چند کی پارٹی لیہہ روانہ ہوئی۔ صنم زبو پرتھی چند سے پہلے لیہہ پہنچا اور ۸/ مارچ سے ان کی نگرانی میں لیہہ ہوئی اڈہ کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔ ایک مقامی بابو دورجے ان کا معاون تھا۔ حکومت نے ائیر پورٹ کے ۲۳۰۰ گز لمبا رن وے بنانے کے لئے صنم زبو کو تیرہ ہزار روپے دیئے تھے۔

بریگیڈئر فقیر سنگھ یکم مارچ کو کرگل پہنچا۔ ایک ہفتہ آرام کرنے کے بعد ۸/ مارچ کو ۳۵۰ فوجیوں کے ہمراہ وہ سکردو روانہ ہوا۔ بریگیڈر کے ساتھ ہندوستانی فوج کا ایک افسر راجپوتانہ رائفلز کی چھٹی بٹالین کا میجر وِکٹر کوٹس بھی تھا۔

کرگل سے سکردو ۹۶ میل دور ہے۔

سیکرٹری کمانڈر میجر احسان علی کو سراغ رسانوں کے ذریعے بریگیڈر فقیر سنگھ کی کمک کی خبر ملی۔ سکردو چھاؤنی کا محاصرہ لیفٹیننٹ محمد بابر خان اور رضا کاروں کے ایک دستے کے حوالہ کیا اور خود فوجیوں کے ساتھ مہدی آباد پہنچا جو سکردو سے ۳۲ میل دور ہے جہاں تصور گو پڑی کی تنگ وادی میں ۱۶/ مارچ کو گھات لگا کر بیٹھا۔ ہتھیاروں کے علاوہ وادی کے نشیبی تنگ راستے پر ڈوگرہ فوج پر لڑھکانے کے لئے بڑے بڑے پتھر رکھے۔ بریگیڈر کی آمد کی رپورٹ کے بعد گلگت سے ۴۵ رائفلیں، ۶ مشین گن اور ۲ مارٹر پہنچے۔

بریگیڈئیر فقیر سنگھ کو علاقے کے جغرافیہ کا علم نہیں تھا۔ وہ اپنی روانگی سے پہلے ہراول دستہ تو بھیجتا تھا لیکن بقول ایس۔ ایس بلوریا بریگیڈر دائیں بائیں اونچے پہاڑوں کی جانچ نہیں کرتا تھا۔

۱۷/ مارچ کو فقیر سنگھ اور میجر کوٹس کھور گو پڑی کی تنگ وادی سے گھوڑے پر سوار فوج

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کے آگے آگے گزر رہے تھے۔۳۵۰ فوجیوں کے علاوہ ان کے ساتھ چھ سو قلی اور ۲۰۰ گھوڑے تھے۔گھات پر بیٹھے دشمن نے اچانک حملہ کیا۔گولیوں کے علاوہ بڑے بڑے پتھر لڑھکائے۔ چاروں طرف افراتفری مچ گئی۔۳۵۰ فوجیوں میں سے ۱۳۵ فوجی فرار ہونے میں کامیاب ہوئے۔ بریگیڈیئر فقیر سنگھ خود زخمی ہوا۔ان کی ناک پر گولی لگی تھی۔مفرور سپاہیوں میں بہتوں کو نزدیکی گاؤں کے باشندوں نے ہلاک کیا اور ہتھیاروں پر قبضہ کیا۔

باغیوں کو ہتھیاروں اور گولہ بارود کا بڑا ذخیرہ ملا جن میں مارٹر، برین گن اور سٹین گن شامل تھے۔اس سے نہتے بلتی رنگروٹوں کو ہتھیار فراہم کئے جاسکے۔

لیفٹینینٹ کرنل تھاپا کو سرینگر سے یہ اطلاع ملی تھی کہ ۱۸ مارچ کو بریگیڈیئر فقیر سنگھ سکردو پہنچنے والا ہے۔اس روز کرنل تھاپا نے لیفٹننٹ اجیت سنگھ کی کمان میں دو پلاٹون بریگیڈیئر کی پیشوائی کے لئے بھیجا۔ایک روز پہلے بریگیڈیئر کی فوج تباہ ہوئی تھی۔دنوں پلاٹون سکاؤٹس کے نرغے میں آئے اور بڑی مشکل سے بھاگنے میں کامیاب ہوئے۔ بریگیڈیئر فقیر سنگھ کرگل پہنچا اور اپنا چارج میجر کوٹس کو دے کر سرینگر چلا گیا۔

میجر احسان علی شمالی علاقے کا پہلا کمیشنڈ افسر تھا۔وہ نگر کا رہنے والا تھا۔سرینگر میں میٹرک پاس کیا تھا۔دوسری جنگِ عظیم میں مشرقِ وسطیٰ کے محاذ پر لڑائی دیکھی تھی۔میجر نے نیا نام کرنل مختار رکھا۔

کرنل پرتھی چند نے ۱۳ مارچ کو لیہہ میں لوگوں کو کرزو باغ میں بلایا۔آزادی سے پہلے یہ برٹش جوائنٹ کمشنر کی قیام گاہ تھا۔یہ لداخ کے سابق خودمختار راجا کا مسکن رہا تھا۔کرزو باغ میں برٹش جوائنٹ کمشنر کے زمانے کا یونین جیک جھنڈا لہرا رہا تھا۔کرنل اور دوسرے جوانوں نے جھنڈے کو سلامی دی۔اسے اتارا اور اس کی جگہ ترنگا جھنڈا لہرایا۔ پھر کرنل نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

''ہم لداخ کی حفاظت کے لئے آئے ہیں اور آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔ہم آپ کو فوجی ٹریننگ دیں گے۔آپ لڑنے کیلئے تیار ہو جائیں۔ ہر گھر سے ایک فرد قربانی دینے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کیلئے تیار ہو جائے۔"

پھر انہوں نے سوال کیا۔ "آپ میں سے کون قربانی کے لئے تیار ہے؟" خاموشی چھا گئی۔

پھر ایک نوجوان کھڑا ہوا اور بولا۔ "میں تیار ہوں۔"

وہ نوجوان چھوانگ رینچن تھا۔ ۱۷ سال کا تھا اور لیہہ کے لوئر ہائی سکول میں نویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ کرنل رینچن کو ۱۹۴۸ء اور ۱۹۷۱ء کی لڑائیوں میں بہادری کے لئے دو مرتبہ مہاویر چکر ملا۔ کرنل پرتھی چند کی اپیل کے جواب میں مزید رضا کار آپ آگے آئے۔ بعد میں کرنل پرتھی چند نے دوسو جوان منتخب کیے۔ ان کو فوجی ٹریننگ دی گئی۔ ان کو ہوم گارڈز کا نام دیا گیا۔ اسی دوران کل ۳۰۰ بودھوں اور ۵۰ مسلمانوں کو فوجی تربیت دی گئی۔ ایک ہوم گارڈ صنم ونگڈوس بگو نے ایک سمینار میں بتایا کہ ہتھیار نہ ہونے کی وجہ سے اس نے اور اس کے ساتھیوں نے بندوق کی جگہ ڈنڈے پر ٹریننگ لی۔ پرتھی چند نے اپنے ساتھ ۵۰ رائفلیں، لائٹ مشین گن اور ایک بکس کارتوس اٹھالایا تھا۔

پھر میجر احسان علی کو مخبروں سے معلوم ہوا کہ لیفٹننٹ کرنل کرپال سنگھ اور لیفٹننٹ کرنل سمپورن سنگھ کی سرکردگی میں دو بٹالینوں نے یکے بعد دیگرے کرگل سے سکردو کی طرف پیش قدمی کی ہے۔ کرپال سنگھ ساتویں جے اینڈ کے انفنٹری بٹالین اور سمپورن سنگھ پانچویں جے اینڈ کے انفنٹری بٹالین کے کمانڈر تھے۔ میجر احسان علی نے اب کی دفعہ سرمیک میں دشمن کو گھات لگا کر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ سرمیک مہدی آباد کے پاس ہے۔

کرپال سنگھ جانتا تھا کہ فقیر سنگھ کی فوج کا کیا حشر ہوا۔ اس لئے وہ پھونک پھونک کر بڑھ رہا تھا اور روزانہ آدھا پڑاؤ طے کرتا تھا۔ دریا کے دونوں طرف گشتی دستے سنبھل سنبھل کر پیش قدمی کر رہے تھے۔ ۷ر اپریل کو کرپال سنگھ مہدی آباد پہنچا۔ ۸ر اپریل کو اس کا گشتی دستہ سرمیک پہنچا۔ یہاں سکاؤٹس بلندی پر کئی روز سے ambush کرنے کیلئے گھات میں بیٹھے تھے۔ محمد یوسف حسین آبادی کے مطابق ان کو پانی لینے کے لئے دریا تک جانا پڑتا تھا۔ اسلئے ان کے مورچے سے دریا تک پیروں کے نشان تھے۔ ہراوّل دستہ کے جوانوں کو شک ہوا۔ ایک

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

سپاہی اس راستے سے ہوتا ہوا سکاؤٹس کے مورچے تک پہنچا۔ مورچے سے گولیاں چلیں۔ پھر کیا تھا۔ دریا پار کے تمام مورچوں سے گولیاں چلیں۔ کشمیری لائٹ انفنٹری بٹالین کے جوانوں نے چٹانوں اور دیواروں کی آڑ لے کر جوابی گولیاں چلائیں۔ اتنے میں پشت کی جانب سے گولیاں برسنے لگیں۔ پیش قدمی رک گئی۔

پروفیسر احمد حسن دانی کا بیان قدرے مختلف ہے۔ وہ لکھتا ہے کرنل کرپال سنگھ کے سپاہیوں نے کپتان محمد خان کے چند آدمیوں کو دیکھا اور گولیوں کا تبادلہ ہوا۔ کرپال سنگھ کی فوج پنڈھا نام کے مقام پر ایک چوٹی پر قابض ہوئی۔ محمد خان نے میجر احسان علی کو صورتِ حال کے بارے میں سگنل بھیجا۔ وہ سکردو چھاؤنی کے محاصرے پر تھا۔ یہ ذمہ داری لیفٹنٹ بابر خان کو سونپ کر ۲۴/اپریل کو مہدی آباد پہنچا۔ عقب سے آخر پنڈھا کی چوٹی واپس لی۔ علاقے کے لوگوں کے تعاون کی وجہ سے سکاؤٹس کو یہ فائدہ تھا کہ تمام جگہوں کا پتہ لگتا تھا اور چپے چپے تک رسائی حاصل تھی۔

پیچھے پیچھے کرنل سمپورن سنگھ کا بٹالین طولتی کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔ طولتی سکردو سے ۴۸ میل دور ہے۔ یہاں سمپورن سنگھ کی فوج گولیوں کی زد میں آئی۔ دونوں بٹالین سکردو پیش قدمی نہیں کر سکیں۔

اپریل کے وسط میں لیہہ کا ہوائی اڈہ بن گیا۔ صنم نر نے ۱۶/اپریل کو سرینگر ۱۶ ہیڈ کوارٹر انفنٹری بریگیڈیئر کو وائرلیس سے پیغام بھیجا کہ ہوائی اڈہ تیار ہے۔ صبح سویرے اور دوپہر کے درمیان موسم نہایت ہی اچھا رہتا ہے۔ فوراً ہوائی جہاز بھیج دیں۔

لیکن ہوائی جہاز اس کے ایک ماہ دس دن بعد اترا۔

اس دوران ایک مرحلے پر لیہہ میں وائرلیس کا نظام ٹھپ ہوا۔ ایک مقامی آدمی احمد شیخ نے اسے بحال کیا۔ احمد شیخ نے برطانوی ہند فوج میں کام کیا تھا۔ میجر محمد اسلم خان ٹائیگر فورس کے کمانڈر نے کپتان حسن خان کو بانڈی پور کی مہم پر روانہ کیا۔ وہ گلگت کا رہنے والا تھا۔ دوسری جنگ عظیم میں برما کے محاذ پر لڑا تھا اور اسے تمغہ ملا تھا۔ کپتان حسن خان اپنی فوج کے ساتھ برزیل

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

درہ سے ہوتا ہوا معنی مرگ پہنچا جہاں سے وہ گریز گیا اور ۱۰ر مارچ کو تار گیال درہ پہنچا۔ بانڈی پور کے پاس سندر بن میں ہندوستانی فوج کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ ٹائیگر فورس نے دھاوا بولا۔ جواب میں ہوائی اور زمینی حملے ہوئے۔ توپوں اور ٹینکوں نے گولہ باری کی۔ ان کا مقابلہ کرنا ٹائیگر فورس کے بس کی بات نہیں تھی۔ کسی کمک کی امید نہیں تھی۔ گریز پسپا ہوا۔ محمد یوسف حسین آبادی نے سکاؤٹس کے حوالے سے بتایا ہے کہ بانڈی پور پر حملہ توجہ ہٹانے کے لئے فوجی حکمت عملی تھی۔

اپریل کے وسط میں اسکیمو فورس کو سطح مرتفع دیوسائی کے راستے کرگل اور دراس پر قابض ہونے کے لئے روانہ کیا۔ یہ غیر معمولی نوعیت کی مہم جو یا نہ فوجی حکمتِ عملی تھی۔ فورس میں قلیوں سمیت ۴۵۰ نفر تھے جو بڑے جفاکش تھے اور انہیں کوہ پیمائی کا تجربہ تھا۔ اسکیمو فورس کا کمانڈر شاہ خان ۱۹۴۲ء میں گلگت سکاؤٹس میں بھرتی ہوا تھا۔ بعد میں وہ پاکستان کے فضائیہ میں سکیوڈرن لیڈر رہا تھا۔

دیوسائی ۱۳ر ہزار فٹ بلند ہے۔ فروری میں ۱۰ سے ۱۵ فٹ برف تھی۔ ۲۷ر اپریل کو یہ چلم پہنچا اور ۲۹ر اپریل کو برزل عبور کیا۔ یکم مئی کو پوری فوج گلتری پہنچی۔ جہاں ۴ فٹ برف تھی۔ ۵ر مئی کو فورس کونر پہنچا۔ یہاں دراس، کرگل اور کھارول پر ایک ساتھ حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا اور اپنی حکمتِ عملی کو آخری شکل دی۔ چنانچہ ایک کمپنی دراس چھاؤنی روانہ ہوئی۔ دوسری کھارول پل گئی اور تیسری نے کرگل کی طرف پیش قدمی کی۔ تینوں کمپنیاں ۹ اور ۱۰ر مئی کی درمیانی رات اپنی منزلوں پر پہنچ گئی۔ ۱۰ر مئی کی صبح چھ بجے بیک وقت تینوں اہداف پر ہلّہ بولنا قرار پایا تھا۔ ان کے درمیان وائرلیس کا رابطہ قائم تھا۔ دراس سے کرگل ۲۰ گھوڑوں پر راشن لیا جا رہا تھا۔ سکاؤٹس نے اس پر قبضہ کیا۔

دراس پر حملہ کرنے والی کمپنی میں استور کے ایک مولوی عبدالمنان نے یہ کہہ کر حملہ کرنے سے باز رکھا کہ اسلام میں شب خون مارنا اصولِ جنگ کے خلاف ہے۔ اس لئے ہتھیار ڈلوانے کے لئے چھاؤنی میں ایک قاصد بھیجا۔ قاصد کے پیغام کا جواب گولیوں سے دیا گیا۔

۱۱ر مئی کو کھارول پل پر قبضہ ہوا۔ کرگل میں جمعدار رستم علی کی سرکردگی میں قصبے کے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

جنوب میں ایک اونچی جگہ پر قبضہ جمایا اور گولیاں چلائیں ۱۰ اور ۱۱ رمئی کی درمیانی رات کو کرگل میں فائرنگ بند ہوئی اور رات کے ۱۱ بجے کرگل کے باشندوں سے پتہ چلا کہ ڈوگرہ فوج سورو اور لیہہ کی طرف فرار ہوئی ہے۔ کچھ مفرور پکڑے گئے۔

۱۱ رمئی کو اسکیمو کی باقی فوج کرگل میں داخل ہوئی اور اسکیمو اور ابیکس فورسوں میں رابطہ قائم ہوا۔

اس طرح کرپال سنگھ اور سمپورن سنگھ کی فوجیں، جو کچھ حد تک برسر پیکار تھیں، نرغے میں آ گئیں۔ انہیں اس امر کا علم نہیں تھا کہ دشمن ان سے بہت آگے نکل گئے ہیں۔

کرنل کرپال سنگھ کے فوجی پسپا ہو کر ۷ ارمئی کو خرمنگ پل کے پاس ایک کھلی جگہ پہنچے تھے۔ آگے سے گولیاں برسنے لگیں پھر پیچھے کی طرف سے بھی گولیاں آنے لگیں۔ کافی جانی نقصان ہوا۔ کرنل نے رات کی تاریکی میں دریا پار کیا اور باقی فوجی تورنمون گاؤں کی طرف فرار ہوئے۔ کپتان نیک عالم نے ان پر ہلّہ بول دیا۔ ۳۵ فوجی مارے گئے اور ۱۶ پکڑے گئے۔ دراس میں دریائے شنگو پار کرتے ہوئے پھر حملہ ہوا اور کرنل پانچ افسروں اور ۱۴۵ جوانوں کے ساتھ پہاڑی راستے سے ۷ جون کو سونمرگ پہنچا۔ ایس۔ ایس۔ بلوریا نے لکھا ہے کہ ۵ سے ۱۳ جون کے درمیان کرپال سنگھ کے بچے کھچے فوجی سونمرگ پہنچے۔ ان میں ۵ افسر اور ۱۶۷ باقی دوسرے درجوں کے تھے۔

کرپال سنگھ تلیل پہنچا۔ وہاں ٹائیگر فورس کا ایک پلاٹون رکھا گیا تھا۔ مقامی لوگ اس سے نالاں تھے۔ لوگوں نے ڈوگرہ فوج کو مقامی لباس پہنا کر اپنے گھر میں رکھا۔ رات کو جب ٹائیگر فورس کے جوان سو گئے تو انہیں ہلاک کیا۔ یہ سکاؤٹس کو اب تک کا سب سے بڑا جانی نقصان تھا۔

لیفٹیننٹ کرنل سمپورن سنگھ کے سپاہی پارکوتا سے فرار ہو رہے تھے۔ بے خبری میں کھارول پہنچے جہاں اسکیمو فوجی تعینات تھے۔ انہوں نے گولیاں چلائیں۔ ڈوگرہ سپاہیوں نے چٹانوں کی آڑ میں پناہ لی اور رات کی تاریکی میں اولرینگ پہنچے۔ اولرینگ کرگل سے ۱۶ میل دور ہے۔ اسکیمو کے فوجیوں نے ایک صوبیدار کی کمان میں تعاقب کیا۔ ۱۲ رمئی کو مورول کے پاس یہ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

گھیرے میں آئے۔کرنل سمپورن سنگھ اور میجر کوٹس دریا پار کر گئے۔البتہ ۳۰ جوانوں کی جانیں گئیں اور ۳۲ جوان، ۲ جے سی او اور ایک صوبیدار پکڑے گئے۔

۱۲ رمئی کو کرنل سمپورن سنگھ اور میجر کوٹس بقایا سپاہیوں کے ساتھ ہورول سے لداخ فرار ہوئے۔لیہہ کے پاس ایک پہاڑی پر انہیں مامور کیا۔

اسی دوران لیفٹیننٹ محمد بابر خان کو جو سکردو چھاؤنی کے محاصرے پر لگا تھا، کرگل طلب کیا۔اس کو لداخ روانگی کے لئے نامزد کیا گیا تھا۔

۲۴ رمئی کو لیہہ ائیر پورٹ پر پہلا ہوائی جہاز اترا۔اس ڈکوٹا جہاز کے ہواباز ائر کموڈور مہر سنگھ تھا۔اس کے ہمراہ سرینگر کے ڈویژنل کمانڈر میجر جنرل کے ایس تھاپا تھا۔وہ دوسری بڑی جنگ کے آزمودہ فوجی افسر تھا۔ہزاروں لوگ لیہہ ائیر پورٹ پر جمع ہوئے۔اس سے پہلے کرنل پرتھی چند نے وائرلیس پر کئی مرتبہ ہوائی جہاز اور کمک نہ آنے پر شکایتیں کی تھیں۔تین روز بعد ۲۸ رمئی کو پانچ ہوائی جہاز آئے۔ان میں ۱۲۴ گورکھا کی ایک مسلح کمپنی تھی۔بقول کرنل پرتھی چند ۷۷ گورکھا فوجیوں پر مشتمل یہ ایک کمزور کمپنی تھی جس کی کمان ایک ناتجربہ کار لیفٹیننٹ کر رہا تھا۔

دراس کی چھاؤنی محاصرے میں تھی۔زوجیلہ سے ایک کمپنی ۱۲ رمئی کو محصورین کی مدد کے لئے نکلی۔دراس سے چند میل آگے زوجیلہ کی طرف پن دراس میں سکاؤٹس کا ایک پلاٹون تعینات تھا۔اس نے کمپنی کے جوانوں کو ایمبوش کیا۔کمپنی کے جوان گولیوں کی زد میں آئے۔سکاؤٹس کے ریکارڈ کے مطابق ساٹھ مارے گئے اور ساٹھ پکڑے گئے۔۴ رجون کو شاہ دو کمپنیوں کے ہمراہ دراس پہنچا۔۵ اور ۶ جون کی رات کمپنی کمانڈر اور دوسرے سپاہی فرار ہوئے۔پن دراس میں یہ گھات پر بیٹھے سکاؤٹس کے جال میں پھنس گئے۔کمپنی کمانڈر کپتان کشمیر سنگھ، سارے جونیئر کمیشن افسر سمیت متعدد جوان مارے گئے اور دوسرے گرفتار ہوئے۔

شاہ خان کا اسکیمو فورس زوجیلہ کی طرف بڑھا جہاں ہندوستانی فوج کا مضبوط دفاع تھا۔شاہ خاں نے دیو سائی والی حکمتِ عملی اختیار کی۔بھوت کلان درے سے ہوتی ہوئی دو کمپنیاں تین دن اور رات سفر کر کے ۱۴ رجون کو گومری نالہ پہنچیں۔نالہ کے اوپر ہندوستانی فوج کا

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ایک مورچہ تھا تین میل کی دوری پر ہندوستانی فوج کا بٹالین تعینات تھا۔اسکیموفورس نے ایک اونچے پکٹ پر قبضہ کیا۔آگے اور پشت سے حملوں کا سلسلہ جاری رکھا۔سکاؤٹس نے مارٹروں کا استعمال کیا۔

۱۴رجون کو لیفٹیننٹ بابر خان کرگل پہنچا۔بابر خان کی جگہ سکردو چھاؤنی کے محاصرے کے لئے چترال سے ۲۰۰ رضا کار آئے تھے۔پھر سوات اور ہزارہ سے مزید ایک سو رضا کار پہنچے۔جون میں ہندوستانی فوج نے گریز اور تلیل پر دوبارہ قبضہ کیا۔

۱۷رجون کو محمد بابر خان نے ابیکس کے ۵۰ جوانوں کے ساتھ کرگل سے دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ لیہہ کی طرف پیش قدمی کی۔ایک پلاٹون دوسرے راستے سے لیہہ کی طرف گیا اور لامایورو سے ہوتا ہوا خلسے پہنچا۔۱۰رجولائی کو اسکیمو پلاٹون اور بابر خان کا ابیکس پلاٹون خلسے گاؤں میں ملے۔

اس سے تین روز پہلے ۷رجولائی کو زوجیلہ پر سکیموفورس کا قبضہ ہوا۔تین ہفتے تک طرفین کی فوجوں میں اس اہم درّے کے لئے مقابلہ رہا۔سکاؤٹس کے ایک مورچے سے بال تل اور سونمرگ میں لوگوں کی نقل وحرکت پر نظر رکھی جاسکتی تھی۔زوجیلہ سرینگر سے ۶۴ میل کے فاصلے پر ہے۔

۵رجولائی کو میجر ہری چند کی قیادت میں منالی سے ۴۰/۴۲ دن پیدل سفر کرکے ۲/۸ گورکھا کمپنی لیہہ پہنچی۔منالی سے ایک کمپنی پہلے لیہہ پہنچی تھی۔

سکاؤٹس لداخ کی وادی نوبراہ کی طرف سے بھی پیش قدمی کرکے اودمارو اور سکورو تک پہنچے لیہہ سے صوبیدار بھیم چند کو ایک پلاٹون کے ساتھ نوبراہ بھیجا۔چھوانگ رینچن کی سرکردگی میں نوبراہ ہوم گارڈز دفاع پر تعینات تھے جنہیں مقامی طور تربیت دی گئی تھی۔بعد میں دو اور پلاٹون مدد کے لئے بھیجے اور حملہ آوروں کو سکورو پر روک دیا۔

کلون رگزین نمگیل نوبراہ سے مزید ہتھیار لینے لیہہ پہنچا لیکن لیہہ کی حالت زیادہ سنگین تھی۔وہ نوبراہ لوٹنے کے بجائے خلسے روانہ ہوا۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کرگل کھونے پر حکومت ہند کو بڑی تشویش تھی۔ فوجی ہائی کمان نے میجر جرنیل کے۔ ایس۔ تھمایا کو کرگل اور دراس پر قبضہ کرنے اور سکردو چھاؤنی کا محاصرہ توڑنے کا حکم تھا۔ اب خطرہ لیہہ کو لاحق تھا۔ جرنیل تھمایا اور ڈی پی در لیہہ آئے۔ پرتھی چند نے جرنیل سے ایک بریگیڈ فوج لانے کے لئے درخواست کی۔

ہمس شرکپا چن میں چھ ماہ کے لئے راشن اور ہتھیار جمع رکھے تھے لیکن یہاں بھی دشمن کو زیادہ دن روکا نہیں جاسکا۔ میجر ہری چند کے ہاتھ کو گولی لگی اور کئی گورکھے مارے گئے۔ ایک لداخی ہوم گارڈ بزانگ چھرنگ شرگوہ کی بہادری کی تعریف کی جاتی ہے۔ وہ برین گن چلاتا تھا۔ اس نے سکاوٹس کے ایک مورچے پر قبضہ کیا۔ بعد میں وہ خود بھی مارا گیا۔ لیہہ کو درپیش خطرہ کے پیشِ نظر ایک محلّہ سکراہ کے باشندوں کو لیہہ سے شوق تک ہر آدمی کی نقل و حرکت جانچنے کا کام سونپا گیا۔

سکاوٹس نے پیش قدمی کی اور نیمو پہنچ کر دم لیا۔ ۱۶ر جولائی کو لیفٹنٹ بابر خان نے نیمو میں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کیا۔ سامنے پہاڑوں پر مورچے قائم کئے اور ترہ پر محاذ کھولا جو لیہہ قصبہ سے ۱۳ کلومیٹر دور ہے۔ لیہہ کے باشندے مارٹروں کی آوازیں سننے لگے۔

سکاوٹس کا ایک پلاٹون کرگل سے زنسکار روانہ ہوا اور پدم زنسکار میں مورچہ بندی کی۔ زنسکار کے راستے ہماچل پردیش اور کشتواڑ سے حملے کا خطرہ تھا۔ اس لئے فوجی لحاظ سے زنسکار کی اپنی اہمیت رہی ہے۔ سکاوٹس اب تک لداخ میں تیرہ ہزار مربع میل علاقے پر قابض ہوئے تھے۔

شکست کی وجوہات کا تجزیہ کرتے ہوئے ایس۔ ایس۔ بلوریا نے The Battle of Zojila میں لکھا ہے:

"بھارت کا مشن ہتھیار یا گولہ بارود یا انسانی قوت یا نفری کی کمی کی وجہ سے ناکام نہیں ہوا۔ وسائل ضروریات سے زیادہ تھے۔ فوج کے انتشار، حکمت عملی کی عدم موجودگی، کمان اور کنٹرول میں Confussion.......... غیر مؤثر قیادت اور ۱۶۳ انفنٹری بریگیڈ کے کمانڈر کی صورتِ حال کو سنبھالنے میں نااہلی اور قابلیت کی کمی جیسے عوامل کی وجہ سے فوج مصائب اور آفات

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

سے دوچار ہوئی تھی۔"

سکردو چھاؤنی محاصرے میں تھی۔ محصورین کی حالت روز بروز خراب ہو رہی تھی۔ کھانے کی قلت پڑ رہی تھی۔ بیماروں کا علاج ٹھیک طرح سے نہیں ہو پا رہا تھا۔ فوجی حکم عدولی کر رہے تھے۔ کل ۲۸۰ فوجی محصور تھے۔ لیفٹننٹ کرنل تھاپا افسران بالا کو مدد کے لئے تار پر تار بھیج رہا تھا جن میں راشن، اسلحہ، دوائیاں بھیجنے، ہوائی اڈہ پر فوج اتارنے اور پناہ گزینوں کو سرینگر منتقل کرنے پر زور دیتا تھا۔ ۱۶ر جون سے محصورین کو ہوائی جہاز سے رسد، راشن، وردی، گولہ بارود وغیرہ پھینکے جانے لگے۔ بہت سارا سامان چھاؤنی کے باہر گرتا تھا۔ یہ سلسلہ ۱۳ر اگست تک جاری رہا۔ ۱۹ر جون کو بمبار طیاروں نے سکردو کے مضافات میں سکاؤٹس کے ٹھکانوں پر زبردست بمباری کی۔ اسی اثناء میں بلتستان نیشنل گارڈز کے نام سے ایک رضا کار فورس قائم کیا گیا۔ اس کا مقصد چھاتہ بردار فوج پر نظر رکھنا اور اسے نبرد آزما ہونا تھا۔ ایک ماہ کے اندر رضا کاروں کی تعداد ۵۰۰ ہوگی۔

پھر استور سے پیچیدہ پاؤنڈر کی دو بڑی توپیں آئیں۔ ۱۱ر اگست کے صبح ساڑھے چھ بجے سے ان توپوں نے چھاؤنی کے اندر گولے برسانے شروع کئے۔

آخر کار کرنل شیر جنگ تھاپا کی طرف سے ایک حوالدر نے باہر آکر سکاؤٹس کو یہ پیشکش کی کہ ڈوگرہ فوج جنیوا کنونشن کے تحت ہتھیار ڈالنے کے لئے تیار ہے اور صحیح وسلامت انخلاء چاہتی ہے جسے سکاؤٹس نے قبول کیا۔

۱۴ر اگست کو کرنل تھاپا اپنے افسروں اور ۵۱ سپاہیوں کے ہمراہ وردی میں باہر آئے۔ بعد میں ان کو، بریگیڈیئر گھنسا رام سنگھ اور خواتین قیدیوں کو لاہور کے راستے ہندوستان بھیج دیا۔ سکھ دکانداروں اور جن فوجیوں نے بقول سکاؤٹس فوجی قواعد اور اصولوں کی خلاف ورزی کی تھی، ان کو ہلاک کیا۔ ان میں کپتان گنگا سنگھ بھی شامل تھا۔ البتہ کرنل متاع الملک کو اس کے لشکر سکردو میں لوٹ مار کی پاداش اور کپتان گنگا سنگھ کے قتل کے الزام میں ۱۲، ستمبر ۱۹۴۸ء کو پشاور میں گرفتار کیا اور ایک سال بعد ستمبر ۱۹۴۹ء میں صوبہ سرحد کے گورنر کی مداخلت پر

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

سینٹرل جیل پشاور سے رہا کیا۔

۲۵ پاؤنڈر کی ایک توپ زوجیلہ اور دوسری لیہہ محاذ پر بھیجنے کا فیصلہ ہوا۔

جولائی کے پہلے ہفتے میں پاکستانی فوج کی ہائی کمان نے میجر محمد اسلم خان کی جگہ لیفٹیننٹ کرنل غلام محی الدین جیلانی کو گلگت سکاؤٹس کا کمانڈر مقرر کیا۔ محمد یوسف حسین آبادی نے اس سے Changing Horses in the mid stream یعنی بیچ دریا میں گھوڑے بدل دینے کے مترادف قرار دیا۔ پروفیسر دانی رقم طراز ہے: ''جیلانی جنگ آزمودہ تھا لیکن علاقے سے ناواقف تھا۔''

جیلانی نے حکم دیا کہ حملوں کی باتیں ترک کر کے دفاعی پالیسی اختیار کی جائے۔ تاہم وہ لیہہ پر جلد از جلد قابض ہونا چاہتا تھا۔

اسی اثناء میں میجر احسان علی سے میجر اسماعیل نے چارج لیا۔ لیفٹیننٹ شاہ خان کی جگہ میجر قریشی آیا۔ ۲۱ ستمبر کو میجر محمد خان جاوال اور کشمیر کے سابق فوجی جو پونچھ اور میرپور سے تعلق رکھتے تھے، چھٹی پر چلے گئے۔

ادھر لیہہ میں رسد اور کمک نہ پہنچنے پر لیفٹیننٹ کرنل پرتھی چند شکایت کر رہا تھا۔ انہوں نے وائرلیس سے پھر اطلاع دی۔ ''دردسر کے لئے دوا نہیں۔ راشن نہیں۔ ہتھیار نہیں۔ تب بھی ہم لڑ رہے ہیں۔''

ایک مرحلے پر امداد نہ آنے پر وہ بالکل مایوس ہو گیا تھا اور لیہہ سے فرار ہونے کا پروگرام بنایا۔ لیہہ کا خزانہ لے کر لیہہ سے ۴۵ کلومیٹر دور مرچے رنگ گاؤں پہنچا اور لیہہ کے زور آور فورٹ کو نذر آتش کرنے کا منصوبہ بنایا۔ تاہم نربو صاحب نے ان کو روکتے ہوئے کہا۔ ''آپ تو جا رہے ہیں ہمیں رہنا ہے۔''

پرتھی چند نے ایک خط میں نوبراہ کے کمانڈر صوبیدار بھیم چند کو مورچہ چھوڑنے کی ہدایت دی۔ ایک ہندی رسالے میں شائع صوبیدار بھیم چند کے انٹرویو میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان کو نوبراہ کے محاذ پر لیہہ سے کرنل پرتھی چند کا خط ملا، جس میں انہیں مورچہ چھوڑ کر آنے کی ہدایت

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

تھی اور لکھا تھا کہ وہ لوگ لیہہ سے جا رہے ہیں۔بھیم چند آگے لکھتا ہے۔"میں نے جواب میں لکھا۔ہم راجپوت خاندان کے ہیں۔دشمن کو پیٹھ دِکھا کرنہیں جاتے۔میں آخری دم تک لڑتا رہوں گا۔

بعد میں بھیم چند کو دوسرا خط ملا۔جس میں لکھا تھا کہ انہوں نے جانے کا اپنا ارادہ بدل دیا ہے اور مورچہ سنبھال رہا ہے۔بھیم چند بھی اپنا مورچہ نہ چھوڑتے تھے۔

ایک گورکھا حوالدر سے متعلق بھی ہم نے یہ بات سنی۔اس نے کرنل کو للکار کر کہا کہ اس کے سارے ساتھی لڑائی میں مارے گئے ہیں اور کرنل بھاگنے کی بات کر رہا ہے۔ہم آخری دم تک یہاں لڑتے رہیں گے۔کئی دفعہ جنگ میں ایسے لوگ گمنام رہتے ہیں۔

۲۳ راگست کو لیفٹنٹ کرنل ایچ۔ایس پرب نے پرتھی چند سے چارج لیا۔وہ ۲۱۸ گورکھا بٹالین کا کمانڈنگ افسر تھا۔اس کی ایک کمپنی بذریعہ جہاز اور دو کمپنیاں منالی کے راستے لیہہ پہنچیں۔پرب سِول انتظامیہ اور فوج دونوں کا افسر اعلیٰ تھا۔جے اینڈ کے گزٹ کے ۲۴ر اگست کے شمارے میں چھپے ایک حکم کے مطابق ان کے کسی حکم یا قدم کو ہائی کورٹ میں چلینج یا اپیل نہیں کیا جا سکتا۔کرنل پرب نے لیہہ میں وزیروں کی ایک کونسل بنائی جس میں بودھ، مسلمان اور عیسائی فرقوں کے تین تین ارکان لئے۔لیہہ کے موراوین مشن کے انگریز پادری نارمن ڈرائیو کو وزیر اعظم، ان کی اہلیہ کو وزیرِ صحت، لداخ ینگ مین بڈھسٹ ایسوسی ایشن کے صدر کلون چھوانگ رگزین کو وزیر دفاع، خواجہ عبداللہ شاہ کو وزیر داخلہ اور ایلی ایز رجولدن کو وزیر تعلیم نامزد کیا۔وزاء برائے نام تھے۔ان کو کوئی کام نہیں تھا۔کرنل پرب کے پاس تقریباً دو بٹالین فوج تھی۔لیہہ قصبہ کو تقریباً خطرہ ٹل گیا تھا۔پرب دلچسپ فوجی افسر تھا۔وہ لوگوں کو حوصلہ بلند رکھنے کے لئے زور دیتا تھا، چاہے چھرا اور غلیل ہی کیوں نہ ہو۔وہ گاہے گاہے گھوڑے پر سوار لیہہ بازار کا چکر کاٹتا تھا اور دیکھتا تھا کہ لوگ ہتھیار سے لیس ہیں یا نہیں۔اگر کوئی مسلح نہ ہو تو ہاتھ تک اٹھاتا تھا۔اس لئے لوگ پرب کو دور سے آتا دیکھ کر بھاگ جاتے تھے۔

۲۵ راگست کو منالی سے لداخ کے ہوم گارڈز کے لئے ۸۰۰ رائفلیں بھیجی گئیں اور ۴/۲

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

گورکھا کی مزید دو کمپنیاں لیہہ کے لئے نکلیں لیکن سردیوں میں فوج کے لئے راشن جمع نہیں کیا جاسکا۔ لداخ میں عام لوگوں کے لئے بھی غذائی اور ضروری اشیاء کی قلت تھی۔

میجر ہری چند کی سرکردگی میں ایک گوریلا پارٹی شنگ گونگپا سے لداخ کے علاقہ لائن کے مقبوضہ علاقہ میں داخل ہوئی۔ میجر ہری چند ایک پیشہ ور دلیر فوجی افسر تھا۔ شنگ کی وادی سے وہ سبھی الم تیلا پہنچے۔ ان کا رہبر تو نگ کونگ کا ایک چرواہا تھا۔ الم تیلا سے ونالا گئے جن میں گاؤں والوں نے 'فوق کلچور' سے ان کا سواگت کیا۔ 'فوق کلچور' میں برتن، تھالی وغیرہ میں چاول، آٹا، دودھ یا پانی ڈالے مہمانوں اور سرکردہ شخصیتوں کا روایتی طور استقبال کیا جاتا ہے۔ بطورِ فال نیک برتن اور تھالی کے کنارے مکھن کا ایک چھوٹا سا ڈلا چپکایا جاتا ہے۔ ونلا سومدو میں اونپو کے گھر انہیں کھانے کو گوشت ملا۔ لامایورو میں گوریلا گھات پر بیٹھے۔ وہاں سے ایک قافلہ گزرا۔ اُسی گھوڑوں پر ہتھیار وغیرہ لئے جارہے تھے۔ ہتھیاروں کو جلا دیا۔ وہ گلگت سکاؤٹس کو مارنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

لامایورو کی سپید مٹی کی گھاٹی میں لیہہ کے دو مسلمان بھی مارے گئے۔ وہ نیمو آئے تھے اور اتفاق سے سکردو لوٹ رہے تے۔ یہ دو مسلمان ریاستی سرکار کے ملازم تھے اور سکردو میں تعینات تھے۔ ان دنوں بلتستان کے ملازم بھی لیہہ تبدیل ہوتے تھے۔

اس مہم میں گوریلوں کو چودہ روز تک کھانے کو کچھ نہیں ملا اور 'ژھیرے تیل' یا شِپ شو لولو (Sea Buck thorn) کھایا اور کبھی گھاس تک کھانی پڑی۔ چیلیگ پر مشک کے ذریعے دریائے زنسکار پار کیا اور لیہہ لوٹے۔

گوریلوں نے پاکستان کے لئے خفیہ نام ایک نمبر اور لیہہ سے آنے والوں کے لئے دو نمبر رکھا تھا۔

ایک مرتبہ فیانگ کے پہاڑ ستونڈوق پر اچانک حملہ ہوا۔ ہوم گارڈز کے چند جوان تعینات تھے اور شطرنج کھیل رہے تھے۔ صرف ایک گارڈ فرار ہوسکا۔

ہوم گارڈ کا ایک جوان چھیتن نمگیل فیانگ چھوبی اور اس کے دو ساتھی تین ان دِنوں

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

نیمو میں سکاؤٹس کے جیل میں رہے تھے۔ اس نے واردات کو میں نے کلچرل اکادمی، لیہہ کے اہتمام سے ۱۹۴۸ء کی لڑائی کے موضوع پر منعقدہ اور سمینار میں سنایا۔ اپنے پر بیتی سرگزشت سادگی سے سناتے ہوئے چھیتن نمگیل رو دیئے اور کہا۔

"ہم کئی آدمی فیانگ میں پولو چند کے گھر میں بیٹھے تھے۔ ایک بڈھیا بولی۔ "دو اجنبی آدمی آئے ہیں"۔ یہ گلگت سکاؤٹس تھے۔ لیفٹننٹ کول بولا۔ "کم ہیں۔ ان کو پکڑا جا سکتا ہے۔" یہ کہہ کر لیفٹننٹ کول اور گورکھا سپاہی وہاں سے کھسک گئے۔ پھر چار گلگتی اور ایک بلتی نمودار ہوئے۔ انہوں نے پہلے لونچے خاندان کے ایک بزرگ نمگیل کو پکڑا۔ اس کی جیب ٹٹولی۔ پچاس روپیہ نکلا۔ اسے ہڑپ کیا۔ پھر مجھے پکڑا۔ میری جیب میں پانچ روپیہ تھا۔ اسے اینٹھ لیا۔ ہمارے تیسرے ساتھی کی جیب سے بارہ آنے نکلے۔ اس نے کہا "میں غریب ہوں۔" بارہ آنے واپس کئے۔ پھر پوچھ تاچھ کی۔ "سچ سچ بتاؤ کیا لیہہ میں مسلمان صحیح و سلامت ہیں؟ جھوٹ بولو گے تو جان لینے کے لئے ایک ایک گولی کافی ہے۔

"سبھی مسلمان صحیح و سلامت ہیں۔" ہم نے کہا۔ "تحصیلدار اور نائب تحصیلدار مسلمان ہیں۔ آخون۔ عبدو اور حاجی تقی محفوظ ہیں۔" (یہ لیہہ کے دو متمول مسلمان تھے)۔

"خلسے پل پر کئی مسلمان اور پوریگی مار ڈالے گئے۔" بلتی بولا۔ جو کرگل کا رہنے والا تھا۔

"ہم نے بھی سنا کہ ان کو کرجا والوں رہی چل پردیشی، نے مارا تھا۔" (کرنل پرتھی چند کے ساتھ آئے ایک ہماچلی افسر نے ان کو مروایا تھا۔)

پھر وہ ہمیں اپنے ساتھ لے گئے۔ ہم اُملا پہنچے جہاں لوگ گھربار چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔

نیمو میں ایک کپتان (سیکٹر کمانڈر لیفٹننٹ محمد بابر خان لگتا ہے) نے پوچھا۔ "کیا لداخ کے مسلمانوں کو مار ڈالا؟"

"نہیں جناب، کوئی نہیں مارا گیا۔ سب زندہ اور سلامت ہیں۔"

نیمو میں ہمیں تنگسو کے گھر لے گئے۔ وہاں ایک صوبیدار تھا۔ اس نے بھی یہی سوال دوہرایا۔ اور ہم نے یہی جواب دیا۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اس کو ہماری بات پر اعتبار نہیں ہو رہا تھا۔بولا۔ان کے بدلے میں تم بھی مارے جاؤ گے۔
پھر غلام قادر نام کا ایک آدمی ایک ایک کر کے ہم تینوں کو باز پرس کے لئے لے گیا۔
مجھے اردو آتی تھی۔آخر میں مجھے بلایا۔
ہم جب واپس آئے تو صوبیدار غلام قادر سے مخاطب ہو کر ملا۔
''ان کو کیوں زندہ چھوڑا؟''
''صاحب! یہ سچ بول رہے ہیں۔''
مذکورہ افراد کی گرفتاری اگست کے وسط میں ہوئی تھی۔

کرگل اور دراس پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لئے فوجی ہائی کمان کے حکم پر سرینگر کے ڈویژنل کمانڈر نے ایک نیا منصوبہ بنایا تھا۔اس کے تحت ۳ جاٹ، ۵/۱ گورکھا، ۵ مرہٹہ اور پٹیالہ کے چار بٹالینوں کو زوجیلہ اور عقب میں جا کر سورو سے دراس پر حملہ کرنے کے لئے نامزد کیا ۱/۵ گورکھا سورو روانگی کے لئے ۲۸ راگست کو کھنہ بل پہنچا۔۳ جاٹ ۳ رستمبر کو سونا مرگ پہنچا۔

سورو پہنچنے پر نالہ پار کر کے دراس پر حملہ کرنے کا حکم تھا۔پٹیالہ کو زوجیلہ سے پیش قدمی کر کے دراس پر پہنچنا تھا جہاں دونوں فوجوں کو ملنا تھا۔مذکورہ بٹالینوں کے ساتھ جے اینڈ کے ماؤنٹین بیٹری، ۳۰ فیلڈ بیٹری، ایم ایم جی پلاٹون، الہر، ۱۳ فیلڈ کمپنی انجینئر اور ۵ ڈی ایم ۸۳ فیلڈ ایمبولنس کمپنی شامل ہوئے۔ایس۔ایس بلوریا نے زوجیلہ پر محاذ آرائی اور لڑائی کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

میجر جرنیل تھاپا نے ۷۷ پارا بریگیڈر کے کمانڈر بریگیڈر کنہیا لال اٹل کو محاذ آرائی کے بارے میں ضروری ہدایت دی اور بریگیڈئر پر اٹل ۳۱ راگست کو اپنے ماتحتوں تک اپنا حکم پہنچایا۔بریگیڈر کے ایل۔اٹل نے ۳۰ رجولائی کو ۷۷ پارا بریگیڈ کے کمانڈنگ آفیسر کی حیثیت سے اپنا چارج لیا تھا۔۲ رستمبر کو جرنیل تھمایا بذاتِ خود بال تل پہنچا اور ۳ رستمبر کو فوجیوں کو خطاب کرتے ہوئے چھاؤنی کی افادیت پر روشنی ڈالی۔

لدن گنج میں ۵ /۱ گورکھا حملے کی زد میں آئے۔درے پر سکاوٹ کا ایک پلاٹون تھا

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اور دو مشین گن نصب تھے اور پیش قدمی نہیں ہوسکی۔

۷ ر ستمبر کو جرنیل تھمایا کے اے ڈی سی نے بذات خود جنگ میں لڑائی کا نقشہ دیکھا اور پیش قدمی ناممکن قرار پائی۔

۱۔ پٹیالہ کے لیفٹیننٹ کرنل سکھ دیو سنگھ کے فوجی مئی سے نبرد آزما تھے ان کے اندازے کے مطابق غنیم کی تعداد ایک بٹالین اور دو کمپنیاں تھیں۔ کرنل سکھدیو سنگھ کو دوسری جنگِ عظیم میں بہادری کے صلے میں ملٹری کراس ملا تھا۔

۵ مرہٹہ کے جوانوں نے صبح سات بجے مکند رہل پر مورچہ سنبھالا۔ ۱۰ بجے چت بٹرا ہل کے اطراف سے مکند ہل کی نچلی ڈھلان پر گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی۔

زوجیلہ پر ۷۷ بریگیڈئر کے ابتدائی حملوں کی ناکامی کے بعد حکمت عملی میں تبدیلی لائی گئی اور ۱۰ ر ستمبر کو سامنے سے دھاوا بولنے کا حکم دیا گیا۔ اس کے مطابق ۵ مرہٹہ کو مکند ٹیکری اور ۳ جاٹ کو چت بٹرا چوٹی پر قبضہ کرنا تھا۔ پٹیالہ کو ان کے مدد کے لئے رکھا۔ توپ خانے گولہ باری کی اور بمبار جہازوں نے اوپر سے بمباری کی لیکن حملہ مہنگا ثابت ہوا۔ ۵ مرہٹہ کے چھ فوجی مارے گئے۔ ان میں میجر ناجیر اور دو جونیئر کمیشنڈ افسر شامل تھے۔ دو فوجی اور وائرلیس آپریٹر اور پٹیالہ کا اہم۔ سی۔ ڈی گائیڈ کام آیا۔

مکنڈ ٹیکری اور ایم ایم سی ٹیکری سے گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی۔ ان معرکوں میں ۲۴ جوان مارے گئے۔ ۶۲ زخمی ہوئے اور ۳۳ لاپتہ ہوئے ہتھیاروں کا بھاری نقصان ہوا۔ ۵ مرہٹہ نے ۵ برین گن، ۵ سٹین گن، ۶ رائفلیں، ۱۰۳ برین میگزین، ۶۱ سٹین میگزین، ۴ دوربین اور ۳ پستول، ۲۲۵ برین میگزین، ۱۱۹ سٹین میگزین، ۶ دوربین اور ۲ وائرلیس سیٹ کھوئے۔

اس آپریشن کا نام Duck رکھا گیا تھا، جو ناکام ہوگیا۔

۱۰ ر ستمبر کو لیہہ کے محاذ پر بھی ایک اہم واقعہ پیش آیا۔ اس سے پہلے دشمن کے زیر قبضہ علاقہ ریز رونگ سے ایک آدمی دشوار گزار پہاڑی راستہ طے کر کے نوبرا پہنچا۔ اس کے ساتھ ایک خط تھا، جس میں یہ اطلاع دی گئی تھی کہ لیہہ کے ایئر پورٹ کو ناقابلِ استعمال بنانے کے لئے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ایک توپ لائی جارہی ہے۔ یہ وہی ۲۵ پاؤنڈ کی ۱۳ اعشاریہ ۷ والی توپ (Howitizer) تھی جس کو سکردو چھاؤنی پر گولہ باری کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔ توپ کی یہ جوڑی استور سے لائی گئی تھی۔ دوسری چھاؤنی پر غلبہ پانے کے بعد زوجیلہ بھیجی گئی۔

اسی اثناء میں نیمو کے جوراپا خاندان کے ایک بزرگ نے لیہہ میں میجر ہری چند سے ملاقات کی۔ غالباً اس نے توپ کا ذکر کیا ہوگا جس کا مقصد ہوائی اڈہ کو ہدف بنانا تھا۔ نیمو سکاؤٹس کا ہیڈکوارٹر تھا۔ اس۔ لئے اس کے پاس کچھ اور معلومات بھی ہوں گی۔ لیہہ آنے میں اس نے کوئی غیر معمولی راستہ اختیار کیا ہوگا۔

میجر ہری چند کی سرکردگی میں ساٹھ جوانوں کی ایک بڑی ٹیم راتوں رات نیمو کی وادی کے سرے پر واقع رفتہ پانام کے کنبے کے مکان پر پہنچی۔ جہاں سے یہ چھپ چھپ کر بزگو گمپہ پہنچی۔ توپ نیمو سے ۳ کلومیٹر دور بزگو پہنچی تھی۔ چترگو میں گوریلے چھقشی نام کے کنبے کے مکان میں ٹھہرے اور رات کے آخری پہر توپچیوں پر دھاوا بولنے کے لئے اپنے پر تولنے لگے۔ انہوں نے منظم طریقے سے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنایا۔ توپ توڑ ڈالی اور چھ توپچیوں کو ہلاک کیا۔ توپ کے کچھ کل پرزے اپنے ساتھ لئے۔ ایک توپچی فجر کی نماز کے لئے اٹھا تھا۔ وہ بچ گیا اور نیمو آکر اطلاع دی۔ سکاؤٹس کو لایا اور پیچھا کیا۔ اگرچہ مرختہ پا نے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ چلا کر گوریلوں کے پیروں کے نشانات کو مٹا دیا تھا، جہاں سے وہ چلے تھے۔ نیموژھیریل کی پہاڑی پر کچھ جھڑپیں ہوئیں۔ ایک صوبیدار مارا گیا اور ایک گورکھا سپاہی پکڑا گیا۔ باقی تڑولوٹنے میں کامیاب ہوئے۔ ایک اڑتی سی خبر یہ بھی دی گئی ہے کہ ایک بڑھیا نے اس رات توپچیوں کو شراب میں نیند آنے والی دوا ملا کر پلائی تھی جس سے وہ نیند میں دُھت ہو گئے۔ اس کے انتقام میں بزگو کے چھ آدمیوں کو لب دریا لے جا کر ہلاک کیا۔

اس مہم میں حصہ لینے والے ایک ہوم گارڈ تنڈوپ ٹشی شےشن نے سمینار میں اس واقعہ کی روداد سنائی۔

سکاؤٹس کی قید میں رہے ہوم گارڈ چھیتن نمگیل نے بزگو میں توپ توڑنے کی آواز

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

سنی۔ اس نے بتایا کہ اس واقعہ پر سکاؤٹس بڑے مغموم اور دل گرفتہ ہوئے۔ لیفٹنٹ بابر خان نے اپنی داڑھی مونڈ لی۔

آپریشن Duck کے تحت سُورُو وادی میں ۵/۱۱ گورکھا کمپنی نے گاؤں کے پاس مورچہ بندی کی۔ سکاؤٹس کے ۶۰ جوان گاؤں میں موجود تھے۔ مزید ۲۰۰ افراد زنسکار روانہ ہو گئے۔ یوسف حسین آبادی نے سکاؤٹس کے حوالے سے نفری کی تعداد ایک پلاٹون بتائی ہے۔ سورو میں محاذ آرائی زوجیلہ سے دشمن کی توجہ ہٹانی تھی۔ ۱۱ ستمبر کو فریقین میں کچھ جھڑپیں ہوئیں۔ اسی اثناء میں برف پڑی۔ گورکھا کمپنی کے پاس ایندھن کم تھا۔ ۱۳ ستمبر کو کمپنی کو سُو کھیز کو پسپا ہونے کا حکم ملا۔ اس طرح زوجیلہ کی طرح سورو آپریشن بھی پروان نہیں چڑھا۔

زوجیلہ پر دو حملوں کی ناکامی کے بعد بری فوج کے سربراہ جرنیل کریاپا نے آپریشن کا نام Duck بدل کر Bison رکھنے کا حکم دیا اور زوجیلہ اور کرگل کو دوبارہ زیر قبضہ لانے کے لئے ماتحت افسروں پر دباؤ جاری رکھا۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جہاں ہندوستان کے بری فوج کے سربراہ سمیت سینئر فوجی افسران لداخ کی معرکہ آرائیوں اور دفاع میں براہ راست شریک کار رہے، وہاں کسی پاکستانی سینئر افسر کا نام نہیں ملتا ہے، جس نے تب خطے کا دورہ کیا ہو، یا بالواسطہ طور کوئی اہم کام کیا ہو۔ یوں لگتا ہے لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے کے ایک فوجی افسر پر سب کچھ چھوڑ دیا گیا تھا۔

۲۳ ستمبر کو جرنیل کریاپا نے آگے کے منصوبے سے متعلق غور کرنے کے لئے سرینگر میں ایک کانفرنس طلب کی جس میں کور کمانڈ جرنیل سری نگیش، ڈویژنل کمانڈر میجر جرنیل تھمایا، بریگیڈئیر اٹل اور اہم افسران نے شرکت کی۔ جرنیل کریاپا اور جرنیل سری گنیش نے دوسری جنگ عظیم کے معرکے میں حصہ لیا تھا۔

اس میٹنگ کے دو اہم فیصلے زوجیلہ پر ٹینک کو بروئے کار لانا اور رات کو حملہ کرنا تھے۔ جرنیل تھمایا نے ٹینک کے استعمال کی تجویز رکھی تھی۔

دشمن کو تذبذب میں ڈالنے اور دھوکا دینے کے لئے ذیل کے اقدام لینے کا فیصلہ ہوا۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

۱۔ بالتال سے سونمرگ دن دھاڑے فوج کی واپس روانگی کا مظاہرہ۔

۲۔ گریز کی طرف سے زوجیلہ پر حملہ کرنے کا ڈرامہ۔

۳۔ زوجیلہ پر حملہ کرنے کے ضمن میں توجہ ہٹانے کی (Diversionery) بطور حکمت عملی کرگل کی وادی سورو میں فوج کشی۔

۴۔ ۷۷ پار بریگیڈئیر کو غلط سگنل بھیجنا۔

زوجیلہ پر چھاتہ بردار فوج اتارنے کے لئے زون بنانے کا بھی فیصلہ ہوا تا کہ دشمن کی فوج منتشر ہو جائے۔

سکاؤٹس کے ذرائع کے حوالے سے محمد یوسف حسین آبادی نے لکھا ہے۔ ''ہندوستانی فوج نے زوجیلہ کی مغربی ڈھلوانوں پر جھونپڑے تعمیر کئے جس سے یہ تاثر ملتا تھا کہ سردیاں ختم ہونے تک ان کا زوجیلہ پر حملہ کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔''

سینئر صحافی ایس۔ پی۔ ساہنی نے ٹینک کو بروئے کار لانے کے منصوبے کا انکشاف کیا ہے۔ ستمبر کے اختتام پر وہ وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ اور میجر جرنیل تھمایا کے ہمراہ ایک گاڑی میں گریز سے لوٹ رہے تھے۔ جب جرنیل تھمایا نے شیخ محمد عبداللہ سے کہا کہ وہ بڑا شادماں ہے کہ آخر کار زوجیلہ پر ٹینک استعمال کرنے کی اس کی تجویز مان لی گئی۔

۴ / اکتوبر کو جرنیل تھمایا نے فوج کے ایک بٹالین کو سورو روانگی اور اسے زیر قبضہ لانے کا حکم دیا۔ نیز متعلقہ کمانڈر کو ہدایت دی کہ دراس کی طرف پیش قدمی کے لئے حکمِ ثانی کا انتظار کرے۔

ہلکے ٹینک کی آمد و رفت کے لئے زوجیلہ پر تیزی سے کام ہونے لگا۔ ۲۵ / اگست تک بالتال۔ زوجیلہ پیدل راستے کو جیپوں کی آمد و رفت کے قابل بنایا گیا تھا۔ ٹینک لانے کیلئے ۸ کلو میٹر سڑک کو کشادہ بنایا گیا۔ زیادہ کام رات کے اندھیرے میں ہوتا تھا۔ برف باری سے کام میں رکاوٹ آتی رہی۔ بہر حال ۱۲ / اکتوبر کو کام مکمل ہوا۔

حملہ کرنے کیلئے ۲۰ / اکتوبر کا دِن مقرر رہا۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

۱۷/اکتوبر کو ایک بٹالین سورو پہنچا۔ ۱۱ ٹینک اکھنور سے لائے جا رہے تھے۔ اس کو پورے طور صیغہ راز میں رکھا گیا۔ ٹینک کے کمانڈر لیفٹنٹ کرنل راجندر سنگھ سپیرو نے ٹینک سکیورڈن عملہ کو سخت تاکید کی کہ کسی کو کانوں کان اس کی خبر نہیں ہونی چاہیئے۔

ٹینک کے نچلے حصے کے Turret الگ کیئے۔ ٹی ۱۶ کیریئر کے سامنے بوگی پہیئے جوڑ دیئے گئے، جس سے ٹینک کا حلیہ بدل گیا اور یہ ہتھیار بردار ویگن نظر آرہا تھا۔ ٹاریٹ الگ کرنے سے کمزور پلوں پر بھاری بوجھ پڑنے کا اندیشہ نہیں تھا۔ ٹاریٹ کو تین ٹن گاڑیوں میں لیا گیا۔ Chasis کو چھپا دیا گیا۔

۲۹/ستمبر کو اکھنور سے ٹینک نکلے تھے اور ۹/اکتوبر کو سرینگر پہنچے۔ انہیں بادامی باغ چھاؤنی میں اونچی دیواروں کی آڑ میں چھپا کر رکھا گیا۔ سرینگر سے بالتال لے جاتے وقت سرینگر میں کرفیو لگایا گیا تا کہ لوگ انہیں نہ دیکھ سکیں۔

سکاؤٹس نے کرنل غلام محی الدین جیلانی کے منصوبے کے مطابق زوجیلہ سے بیشتر فوج ہٹا کر نیمو منتقل کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ فوجی راتوں رات سفر کر کے ہتھیاروں سمیت نیمو پہنچ رہے تھے جس کی تصدیق مقامی لوگ کرتے ہیں۔ کرنل جیلانی خود نیمو میں نگرانی کر رہا تھا اور پوری فوج کی آمد کا منتظر تھا۔

زوجیلہ کی پہلے دفاعی لائن پر اب ۲۰۰ سکاؤٹس تھے۔ ایک اور ذرائع نے ۱۱۶ نفری بتایا ہے۔ سابق ائیریا کمانڈر میجر احسان علی نے کرنل کو سمجھایا کہ زوجیلہ پر جب تک ایک گز برف نہ پڑے اسے بند قرار نہیں دیا جا سکتا۔

کرنل جیلانی کا خیال تھا کہ زوجیلہ پر موسم بہار تک حملے کا خطرہ نہیں ہے۔ اس دوران پوری طاقت کے ساتھ لیہہ کو فتح کر کے موسم بہار سے پہلے ساری فوج کو زوجیلہ پر جمع کیا جائے گا۔

زوجیلہ کی دوسری دفاعی لائن کی دونوں کمپنیاں نیمو سے لائی گئی تھیں۔ بسکر دو چھاؤنی میں پناہ لئے ہوئے دو ہندو موچی ایک روز زوجیلہ سے بھاگ گئے۔ سکاؤٹس ان کو زوجیلہ پر

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

فوج کے بوٹ سلانے اور مرمت کرنے کے لئے لائے تھے۔سکاؤٹس نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ وہ بھارتی فوجی افسروں کو صورتِ حال سے آگاہ کریں گے۔

ہندوستانی فوج نے زوجیلہ پر آپریشن کو پانچ مرحلوں میں عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کیا تھا۔ پہلے اور دوسرے دو مرحلوں میں گمری اور مچوئی کو قبضے میں لانا تھا۔ تیسرے مرحلے میں مٹائن اور پن دراس پر قابض ہونا تھا۔ چوتھے میں دراس کو زیر نگیں لانا تھا اور آخری مرحلے میں کرگل پر قبضہ کر کے سرینگر اور لیہہ کا زمینی رابطہ بحال کرنا تھا۔

کور کمانڈر نے اپنا ہیڈ کوارٹر بالتال منتقل کیا تھا۔لیفٹیننٹ کرنل گیان سنگھ توپ خانہ کا کمانڈر تھا۔

سب کا دھیان ۲۰/ اکتوبر کی طرف تھا کہ ۱۹/ اکتوبر کی دوپہر برف پڑی اور رات کو برف جاری رہی۔ایسے میں آپریشن ممکن نہیں تھا اور D day (ڈی ڈے) کے لئے یکم نومبر مقرر ہوا۔کور کمانڈر، ڈویژنل کمانڈر اور بریگیڈ کمانڈر تینوں موقع پر موجود تھے۔

۳۱/ اکتوبر کو موسم دوبارہ خراب ہوا۔تمام کمانڈروں کو فکر ہوئی کہ اگلے روز آپریشن سر انجام نہیں دیا جاسکے گا۔موسم روز بروز خراب ہورہا تھا۔

تاہم یکم نومبر کو موسم سازگار تھا۔جرنیل تھمایا نے سکوڈرن کمانڈر ایس۔ڈی۔ایس جموال کو اپنا ٹینک بڑھانے اور گمری کو زیر قبضہ لانے کا حکم دیا۔

ٹینکوں نے موکونڈ ٹیکری اور چبوترا پر واقع سکاؤٹس کے مورچوں پر گولہ باری کی۔ سکاؤٹس ہلکے ہتھیاروں سے گولیاں چلاتے رہے جو بالکل بے اثر تھا۔دو بجے تک سکاؤٹس گمری سے پسپا ہوئے۔جرنیل تھمایا کے الفاظ میں "دشمن ٹینک دیکھ کر ششدر رہ گئے۔" تاہم محمد یوسف حسین آبادی نے میجر احسان علی کے حوالے سے لکھا ہے کہ میجر کو ٹینکوں کے حملے کا اندیشہ تھا۔ انہوں نے ٹینک شکن ہتھیاروں کا تقاضا بھی کیا تھا جو مورخ محمد یوسف حسین آبادی کے الفاظ میں صدا بہ صحرا ثابت ہوا۔

جرنیل کریاپا اور لیفٹیننٹ جرنیل سری نگیش نے گمری فتح ہونے پر مبارکباد کا پیغام بھیجا۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

یکم اور ۲ نومبر کو پیش قدمی جاری رہی۔ سکاؤٹس دو غاروں میں مدافعت کر رہے تھے۔ ایک میں ۲۵ پاؤنڈر کی ۱۳ اعشاریہ ۷ توپ نصب تھی۔ ان غاروں کو خالی کرنے کے لئے دست بدست لڑائی ہوئی۔ بلوریا نے پٹیالہ کی جنگی ڈائری کے حوالے سے لکھا ہے کہ دشمن کے توپچی افسر شیر محمد سمیت سولہ جوان مارے گئے اور ۴۰ زخمی ہوئے۔ مذکورہ توپ سمیت بڑی مقدار میں ہتھیار اور گولہ بارود ہاتھ آئے۔

۱۶ گھنٹوں کی گولہ باری کے بعد ۲ ر نومبر کو چھوئی پر قبضہ ہوا۔ اس آپریشن میں پٹیالہ، ۵/۱ گورکھا، ۵۱ پارا فیلڈ بیٹری جے اینڈ کے ماؤنٹین بیٹری اور ٹینکوں کے سکیوڈرن نے حصہ لیا۔ بریگیڈر کے۔ ایل اٹل محاذ پر موجود تھا۔

پھر آئندہ لائحہ عمل کے بارے میں میٹنگ ہوئی۔

لیفٹیننٹ سری گنیش اور میجر جرنیل تھمایا چھوئی پہنچے۔

اس کے بعد مٹائن پر قبضہ ہوا۔ آگے کچھ اور لڑائیاں ہوئیں۔ سکاؤٹس نے کچھ مدافعت کی۔ فریقین کے چند فوجی مارے گئے اور زخمی ہوئے۔

۲ ر نومبر کو کرنل جیلانی کو نیمو میں اچانک زوجیلہ پر ہندوستانی فوج کے قابض ہونے کی خبر ملی۔ دراس میں ہندوستانی فوج کی یورش روکنے کی نیت سے وہ فوراً نیمو سے روانہ ہوا۔ ۳ ر نومبر کو خلسے کے ریسٹ ہاؤس میں اطلاع ملی کہ ہندوستانی فوج کی تین کمپنیاں لامایورونگ میں گھات لگائے بیٹھی ہیں۔ وہ دو سکھ سکیور بوچن سے کرگل کے لئے روانہ ہوا۔

مٹائن سے آگے سکاؤٹس ۱۶۷۴۱ فٹ بلند بٹ کنڈی سلسلہ ہائے کوہ کی بلند ترین چوٹی اور ۱۲۹۶۷ فٹ بلند افند پال چوٹی پر مورچہ بند تھے۔ ۴/۵ ر نومبر کی رات ۵/۱ گورکھا اور ۴ راجپوت کو ان دوٹھکانوں پر حملہ بولنے کا حکم دیا لیکن کامیاب نہیں ہوئے۔

ہندوستانی فوجی ہائی کمان دراس پر قبضہ کرنے میں تاخیر پر بے تاب تھا۔ جرنیل کریاپا نے میجر جرنیل تھمایا کے نام ایک سگنل میں اس تاخیر پر تشویش کا اظہار کیا۔

۱۲ ر نومبر کو تین ٹینک اور تین بکتر بند گاڑیاں مٹائن پہنچیں۔ ۱۳ ر نومبر کو مزید لڑائیاں

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہوئیں۔

پھر مزید کمک پہنچی۔ یہ دو بٹالین اور کئی کمپنیوں پر مشتمل تھی۔ دونوں فوجوں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ ہوائی بیڑے نے دس روز تک بھاری بمباری کی۔ خاص کر ۱۴ رنومبر کو ۱۰ بمباروں نے سکاؤٹس کی پوزیشنوں پر ایک ہزار پونڈ کے دو اور ۵۰۰ پونڈ کے آٹھ بم پھینکے، راکٹ داغے اور ۲۰ ملی میٹر توپ نے گولے برسائے۔ کل ۱۲ جہازوں نے ۲۳ حملے کئے۔ زمین سے توپوں اور ٹینکوں نے گولے داغے۔ ۱۵ رنومبر کو انند چوٹی پر قبضہ ہوا۔ پھر باک ہٹ کنڈی چوٹی تسخیر ہوئی۔

۱/۵ رنومبر کو دراس پر بھی قبضہ ہوا۔ میجر قریشی نے دراس خالی کرنے سے پہلے ایمونیشن دریا بُرد کیا۔ تب دراس کے محاذ پر میجر قریشی کے ساتھ تھوڑے سے سکاؤٹس پیچھے رہے تھے۔ باقی پسپا ہوئے۔

کرنل جیلانی کرگل پہنچا۔ میجر قریشی سے حملوں کی شدت کا علم ہوا۔ سُورو کی طرف سے بھی ہندوستان کی فوج پیش قدمی کر رہی تھی۔

میجر جرنیل تھماپا اور نیشنل کانفرنس کے لیڈر غلام قادر گاندربلی پولیس ٹیم کے ساتھ دراس پہنچے۔

۲۳ رنومبر کو دن کے چار بجے کسی مزاحمت کے بغیر کرگل فتح ہوا۔ بریگیڈیئر کے۔ایل۔اٹل کرگل پہنچا۔

زوجیلہ کی لڑائی میں ہندوستانی فوج کے ۳۵۰ فوجی پادر پڑنے (Frost luite) کے شکار ہوئے۔

نیمو سے سکاؤٹس ۱۷ رنومبر کو پسپا ہوئے۔ کرنل پرب کو ۸ نومبر کو جرنیل تھماپا کا حکم ملا تھا کہ دشمن کا خلسے تک تعاقب کریں۔ تاہم ترو سے سکاؤٹس کی پسپائی کے بعد ۱۹/۱۸ رنومبر کی رات وہ پیش قدمی کر سکا۔ نیمو، اُملا اور خلسے میں لڑائیاں ہوئیں۔ بعض مارے گئے اور متعدد زخمی ہوئے۔ ان میں اکثریت سکاؤٹس کی تھی۔ نورُو میں دونوں فوجوں کا تقریباً آمنا سامنا ہوا۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہندوستانی سپاہی پھر کے تھنگ کی پہاڑی پر چڑھے اور پاکستانی تنگ موگنگ کے پہاڑ جونگ جونگ پر چڑھے اور دونوں میں گولیوں کا تبادلہ ہوا۔

کرنل پرب ۲۲ر نومبر کو لامایورو پہنچا۔ پرب کے ساتھ میجر ہری چند سکینڈ لیفٹیننٹ ایس۔کے۔کول اور فوجی تھے۔ ۲۳ر نومبر کو وہ کرگل کے لئے روانہ ہوئے۔

لگ بھگ سات ماہ بعد سرینگر اور لیہہ سے آنے والے فوجی کرگل میں ملے۔

سکاؤٹس کے سات جوان ۲۷ر نومبر کو ونسر پہنچے۔ وہاں سے میموش تھنگ آئے۔

۱۴ر دسمبر تک ساری فوج اولدینگ اور موردلد پہنچی تھی۔ کرنل جیلانی نے کھاروں پل کے پاس دفاعی پوزیشن قائم کی۔

ایک گورکھا کمپنی نے کرگل سے موروں کی طرف پیش قدمی کی۔ گنگم کے مقام پر وہ گھیرے میں آئی اور جانی نقصانات کے بعد پسپا ہوئی۔

ہندوستانی فوج نے ہرداس کی ٹیکری پر قبضہ کیا۔

نوبراہ محاذ سے سکاؤٹس چولونکھا پسپا ہوئے جہاں دفاع میں مورچے تعمیر کئے۔

تین لداخی قیدیوں کو ایک حوالدر نے بتایا کہ ہندوستانی فوج نے زوجیلہ پر ٹینک استعمال کئے ہیں اور پیش قدمی کی ہے۔ اس لئے وہ راہ فرار اختیار کر رہے ہیں۔ قیدیوں کو اپنے ساتھ لیا۔ دوکھر سے وہ واپس آنے میں کامیاب ہوئے۔

یکم جنوری ۱۹۴۰ء کو جنگ بندی ہوئی۔

محمد یوسف حسین آبادی نے ۶۷ بلتیوں کے نام دئے ہیں جو ۱۹۴۸ء کی لڑائی میں کام آئے۔ گلگت سکاؤٹس کے مہلوکین کے بارے میں کچھ معلومات نہیں ہیں۔

۱۹۴۸ء کی لڑائی کے دوران لداخ میں کرگل، دراس اور زنسکار میں بہت سارے مقامی باشندوں نے گلگت سکاؤٹس کا ساتھ دیا۔ فوج میں بھرتی ہوئے اور سکاؤٹس کے ساتھ شانہ بشانہ لڑے۔ سکاؤٹس کی کرگل سے پسپائی کے ساتھ یہ لوگ بھی بلتستان چلے گئے اور سکردو میں آباد ہوئے۔ ان کے علاوہ بزگو کے مسلم گھرانوں نے سکردو ہجرت کی۔ آج بلتستان میں

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

لداخ سے ہجرت کرنے والے خاندان پوریگ پا، زنسکار پا اور ہیمبس پا کے ناموں سے جانے جاتے ہیں۔ کرگل کے ایک قلم کار صادق ہرداسی نے اس ضمن میں سروے کیا ہے اور اپنی کتاب ''بلتی مہاجرین کی مختصر تاریخ تقسیم ہند کے تناظر میں'' میں اس کی تفصیل دی ہے۔ اس سروے کے مطابق بلتستان میں ۲۸۰ کرگلی خاندان ہیں، جو خطے کے طول و عرض میں آباد ہیں۔ نیز کراچی میں کرگل سے تعلق رکھنے والے ۲۸۵ گھرانے ہیں جن میں اکثروں نے ۱۹۴۷ء کی شورش سے پہلے کرگل ضلع سے نقلِ مکانی کی تھی۔

یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو جنگ بندی ہوئی تھی، تاہم پدم، زنسکار میں ایک بلتی پلاٹون چھ ماہ تک جنگ کی حالت میں رہا۔ پلاٹون کے پاس کوئی وائرلیس سیٹ نہیں تھا اور نہ اطلاع دی جا سکی۔ لیہہ سے سکاؤٹس کی پسپائی اور ہندوستانی فوج کی پیش قدمی سے یہ بے خبر رہا۔ پلاٹون کا کمانڈو ایک بلتی نائب صوبیدار حاجی محمد علی تھا۔ پلاٹون میں ۳۶ بلتی جوان تھے۔ ۱۹ مقامی رضا کار بھی ان کے ساتھ تھے۔

ہندوستانی سپاہیوں نے بلتی پلاٹون کو اطلاع دی کہ جنگ بندی ہوئی ہے لیکن محمد علی کو ان پر یقین نہیں آیا۔ اس نے سوچا کہ سکاؤٹس نے لیہہ فتح کیا ہے اور مفتوح فوج زنسکار کے راستے ہماچل جانا چاہتی ہے۔ ان کا راشن اور ایمونشن ختم ہو رہے تھے۔ تاہم محمد علی نے ڈرامہ کیا کہ اس کے پاس گولہ بارود کا ذخیرہ ہے۔

راولپنڈی میں پاکستانی فوجی ہائی کمان نے ہندوستانی ہائی کمان سے رابطہ قائم کیا اور پدم سے اس محصور فوج کے انخلاء کے لئے ایک وفد بھیجنے کی تجویز پیش کی۔ ہندوستان نے اسے منظور کیا اور ۱۹۴۷ء میں ایک لیفٹیننٹ غلام مرتضیٰ اور آٹھ جوان پدم پہنچے۔ نائب صوبیدار محمد علی نے پہلے ان سے ملنے سے انکار کیا۔ اس کو شک ہوا کہ غلام مرتضیٰ ہندوستانی فوج کی قید میں ہوگا اور دباؤ میں آ کر ان کے مورچے خالی کرا رہا ہے۔ غلام مرتضیٰ نے قسمیں کھائیں اور محمد علی کو مشکل سے یقین آیا۔

پدم میں ہندوستانی فوجی افسر میجر کیشندر نے انہیں دعوت دی۔ یکم جولائی کو یہ کھاردل

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

سے بلتستان میں داخل ہوئے اور ۶ ر جولائی کو سکردو پہنچے۔ جہاں ان کے اعزاز میں ۲۱ توپوں کی سلامی دی اور ہزاروں لوگوں نے استقبال کیا۔ بعد میں وزیر اعظم لیاقت علی خان نے ان جوانوں کو انعامات دیئے۔

گلگت اور بلتستان کا خطہ برصغیر ہند میں جغرافیائی لحاظ سے زمانہ قدیم سے غیر معمولی اہم رہا ہے۔ حالیہ برسوں میں شاہراہ قراقرم کی تعمیر اور بلتستان سے بلوچستان گوادر بندرگاہ تک ریلوے لائن بچھانے کے چین کے مجوزہ منصوبے سے اس کی افادیت بڑھے گی۔

............●●●............

''شیرازہ'' میں چھپنے والی نگارشات

(۱) ہر نگارش کا معقول معاوضہ پیش کیا جاتا ہے بشرطیکہ نگارش غیر مطبوعہ اور غیر نشر شدہ ہو۔

(۲) ہندوستانی تاریخ وتمدن اور ثقافت وادب کے مختلف پہلوؤں پر معیاری وتحقیقی مضامین قبول کئے جاتے ہیں۔

(۳) ریاست کے تمدنی اور فنی ورثے کے بارے میں تحقیقی اور تنقیدی مقالات ترجیحی طور پر شائع کئے جاتے ہیں۔

(۴) فنِ تعمیر، آرٹ اور مصوری سے متعلق مضامین کے ساتھ آنے والی نادر تصاویر کا الگ سے معاوضہ دیا جا سکتا ہے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

● ...... انگریزی : ایچ۔ ڈی۔ سنکالیا

● ...... ترجمہ : غلام نبی آتش

کشمیر میں قدیم انسانی وجود کی نئی شہادت

ارضیات ، اثریات اور بشریات کے ماہروں ڈی ٹیرا (De Terra) اور پیٹرسن (Peterson) نے ہندوستان میں اُدوارِ یخ (ICE) اور اُن سے متعلق انسانی تمدنوں کے بارے میں طویل تحقیق کی۔ ۱۹۳۹ء میں اس تحقیق کے نتائج کی رپورٹ میں انہوں نے انکشاف کیا کہ کشمیر، شوالِک پہاڑیوں اور سطح مرتفع پتوار میں چار اُدوارِ یخ اور تین بین برفانی ادوار کے کافی شواہد پائے گئے حالانکہ ان سے پہلے بھی محققین نے یہ بات کہی تھی لیکن ڈی ٹیرا اور پیٹرسن کو کشمیر میں پتھر کے اوزاروں کا کوئی سُراغ نہیں مِلا ، جو ابتدائی انسان نے استعمال کئے ہوتے۔ اس بات پر انہوں نے بڑی حیرت کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے مُتذکرہ ادوار میں انسان کے عدمِ موجودگی کے دو ظاہری سبب بیان کئے ہیں۔ بیرونی ہمالیائی سلسلہ کا لگا تار ارتفاع (پیر پنچال سلسلہ) اور ادوارِ یخ کی حد سے زیادہ سردیاں۔ تازہ تحقیق نے اس تیس سال پرانی رائے کو نہ صرف ترک کردینا ضروری کر دیا ہے بلکہ دُوررس اہمیت وافادیت کی ایک نئی تھیوری کو زیرِ غور لانا لابدی بنادیا ہے۔ نئی تھیوری شمال مغربی ہندوستان میں Chopping Tool Culture اور Handaxe Culture یعنی مارکاٹ، مضروب اور ٹکڑوے کرنے والے اوزار استعمال میں لانے کے زمانے اور ہتھ کلہاڑی استعمال کرنے والے زمانے کے باہمی تعلق پرمبنی ہے۔

آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا فرنٹیر سرکل سرینگر کے آر کے پنت (R.K.Pant)، سردار لال اور میں نے ۱۹۶۹ء میں بڑے پیمانے پر زمین کی کھدائی کے دوران کشمیر میں پہلگام

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کے مقام پر چھلکے والا ایک بھاری پتھر اور پتھر کا ایک بھونڈا اہتھ کلہاڑا پایا۔ دونوں دریا کی تہہ نشین مادوں کی تہوں کی ایک دوسرے پر پوری طرح جم جانے کے عمل سے وجود میں آئے تھے اور ان کا تعلق دوسرے دَورِیخ اور دوسرے بین برفانی دور سے تھا۔ ان دریافتوں کی نمائش ۱۹۶۹ء کے ماہِ ستمبر میں یونسکو کے (UNESCO) کے زیرِ اہتمام Homo Sapiens کے موضوع پر منعقدہ کانفرنس میں کی گئی۔ بوڈرس (Bordes)، لیکی (Leakey)، موویس (Movius) کے علاوہ زمانہ قبل از تواریخ پر گہری نظر رکھنے والے بعض سر برآوردہ مورخین نے ان اوزاروں کو واقعی اصلی اور کھرا قرار دیا۔ ۱۹۷۰ء میں پہلگام میں اس نوع کا مزید کام کرنے اور اس خطہ کے گرد وپیش کا گہرا جائزہ لینے کے دوران سپرانٹنڈنگ پری ہسٹورین آف دِ آرکیولوجیکل سروے آف اِنڈیا، آر، وی، جوشی (R.V.Joshi)، ایس ان راج گُرو (S.N.Raja Guru) ریڈر اِن انوائر نمنٹل آرکیولوجی، دکن کالج کے زیڈ۔ڈی۔ انصاری (Z.D.Ansari) اور راقم الحروف نے دوسرے اور تیسرے اَدوارِیخ سے تعلق رکھنے والے ۹۰ سے زائد اوزار دریافت کر کے پیش کئے۔ ان میں سے موخرالذکر دو اوزار برمے کی طرح تھے۔ دریا کے تہہ نشین مادوں کی پرت پر پرت جم جانے کے عمل سے وجود پانے اور صاف و ہموار ہونے کی وجہ سے وہ خاصے اہم ہیں۔ جزیرہ نما ہندوستان میں تیسرے دورِیخ سے تعلق رکھنے والے پتھر کے اوزاروں کی خصوصیت کے حامل یہ دو اوزار پہلگام وادی کے گنیش پور گاؤں میں برفانی تودے، جس پر نرم پتھر تہہ بہ تہہ جم گئے ہیں، میں پائے گئے۔ امکان ہے کہ ان کا تعلق تیسرے دورِیخ سے ہوگا۔

سرینگر سے 65 میل کے فاصلے پر اور سطح سمندر سے ۱۰۰۷ فٹ کی بلندی پر واقع لِدر وادی (شکل:۱) میں پہلگام سیاحوں کا ایک پسندیدہ مقام ہے۔ یہاں ہندوستان کے اطراف و اکناف سے آ کر لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور سیدھی چڑھائی والی مشقت طلب یاترا کر کے امرناتھ استھاپن میں شراون (جولائی، اگست) کی پندرھویں چاندرات کو بڑے شِولنگم کے درشن کرتے ہیں۔ امرناتھ سطح سمندر سے ۱۲۵۰۰ فٹ بُلند ہے۔

دریائے لِدر ششر م ناگ جھیل سے نکل کر ایک تنگ گھر درّے میں سے بہتا ہوا پہلگام

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کے مقابلتاً کشادہ اور وسیع وادی میں جو دریائی تہہ نشین مادوں کا ایک یکسان دِلکش ڈھلوان خطہ ہے۔ اپنے منبع سے پہلگام تک لِدر وادی کے بالائی گلیشئر وں کے بننے کے عمل کا مطالعہ، مشاہدہ اور ان کی تحقیق گرِنلنٹن (Grinlinton) نے پوری شدت کے ساتھ ۱۹۲۸ء میں کی تھی۔ پیٹرسن (Peterson) نے اُس کے کام کی تصدیق کی اور خود لِدر وادی کے نچلے حصے میں تحقیق جاری رکھی۔ وہ دریائی مادوں کی تہہ نشینی اور گلیشئر وں کے عمل کی تحقیق کو کشمیر کے دوسرے حصوں اور ہمالیہ کے دامن میں واقع پہاڑیوں کے اسی طرح کے عمل سے ملا کر روبہ عمل لانے میں لگ گیا۔ ہماری تحقیق نے دکھایا کہ ان پہلے محققین نے پہلگام میں تحقیق کے بعد جانداروں کے وجود، اشکال اور صورتوں کے بارے میں، جو سائنسی تحقیقی بیان دیئے تھے، وہ درست ہیں۔ تازہ تحقیق کے تناظر میں یورپ اور نیم براعظم میں اَدوارِ یخ کے دوران انسانی وجود کے اظہار سے متعلق، ان محققوں کے نکالے گئے نتائج کے بارے میں اٹھائے گئے استفسارات کو سُلجھانے کے لئے وادی لِدر میں تفصیلی تحقیق اور سروے کے لئے ذرائع اور وسائل کی دستیابی ضروری ہے۔

سب سے پہلا اوزار گھسے پِٹے گول مول پتھروں کے ایک تراکم میں پایا گیا تھا۔ گرِنلنٹن (Grinlinton) اور پیٹرسن (Peterson) کے مطابق کشمیر میں دوسرے دَورِ یخ کے دوران جو مواد تہہ بہ تہہ جمع ہو گیا تھا، اس میں گھسے پِٹے گول مول پتھر، زاویے دار پتھر، ترشے ہوئے پتھر اور سنگریزے وغیرہ شامل تھے۔ ان چٹانوں میں مختلف شکلوں کا معدنی مواد تھا۔ افتراق انگیز اور پھوٹنے والی چٹانیں۔ کئی چٹانوں میں چونے کا پتھر اور اُن کے فرش میں کیلشم کاربونیٹ اور گچ موجود تھا لیکن اچھی طرح جُڑا ہوا نہیں تھا۔ متحجر تراکم پر بھوری مٹی کی ۱۳ میٹر موٹی تہیں جمی ہوئی ہیں۔ گرِنلنٹن نے اس کو ''الووِیم (Alluvium)'' نام دیا اور پیٹرسن (Peterson) نے دوسرے انٹر گلیشیل دور (Inter Glacial Period) کے ساتھ منسوب کیا۔ اس میں سے چھوٹے تنگ راستے جیسے کاٹ کر نکالے گئے ہیں۔ اس کے نچلے حصے پر محدب پیوند والے چند حصے ہیں، جو تہوں کے دوبارہ جمنے سے وجود میں آئے ہیں، جبکہ اس کا اوپر والا حصہ موسموں کے تغیر اور آب و ہوا کی وجہ سے کالی اور بھوری مٹی میں بدل کر ڈھلوان کے اوپر چبوترے کی طرح

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

واضح اور نمایاں سطح میں بدل گیا ہے۔ متجر تراکم کا اوپر والا حصہ اور بھوری مٹی سے بنا اُس کا دامن آپس میں سخت اُلجھ کر رہ گئے ہیں، سوائے چند جگہوں کے۔ اسی لئے بقول پیٹرسن Slit Phase کا صحیح زمانہ مقرر کرنا محال ہے۔ تاہم متجر تراکم کے اسی مقام اِتصال پر دوسری بھونڈی ہتھ گلہاڑی دریافت ہوئی، جو چکنی مٹی کے گارے میں مضبوطی کے ساتھ جمی ہوئی تھی۔

وادیٔ لِدر اور وادیٔ سندھ میں تحقیقی کام کرنے کے دوران ہمیں مندرجہ ذیل دریافتیں ہاتھ لگی ہیں:

ا۔ 25.7x16.5x6 سینٹی میٹر جسامت والا چھلکے دار ایک ٹھوس ٹکڑا۔ کالے رنگ والے Panjal Trap کے ایک گھسے پٹے گول مول پتھر سے الگ کئے گئے اِس Flake کی اوپری سطح کے نصف حصے پر زرد دھبے ہیں۔ اس کے دونوں لمبے استادہ اطراف کے کچھ حصے سخت ہیں اور کچھ حصے آسانی کے ساتھ قابلِ شکست بھی ہیں۔ کناروں پر گول اور سپاٹ دھبے ہیں۔ خاص کر نچلے کندے والے طرف یکے بعد دیگر دو بڑے گہرے دھبے توجہ طلب ہیں۔ ایسا ہی بڑا دھبہ ان کے بالمقابل اوپری سطح پر ہے۔ تصادم اور ٹکراو سے محو شدہ گنبد نما دھبہ دیکھ کر Flake کی باقی سطح نمایاں نہیں لگتی۔ اس فلیک Flake کے کنارے خمیدہ اور منحنی ہیں۔ سائز اور خصوصیت کے پیشِ نظر ان داغ دھبوں کو انسانی ہاتھوں سے بنے ہونے میں شک کرنے کی نہایت کم گنجائش باقی رہتی ہے۔ یہ فلیک پہلگام میں مشرق کی طرف دریائے لِدر کے دائیں کنارے پر کوئی پانچ میٹر اوپر ایک (Boulder Conglomerate) کو نیچے سے کاٹ کر چار سو میٹر لمبا راستہ بنایا گیا تھا۔ اس کا ڈھلوانی حصہ شمال مشرق سے جنوب مغرب کی طرف ہے۔ کنگلومیریٹ جو مرکزی حصے میں ہے، کے بالائی اور نشیبی دونوں سرے بھوری گاڑھی مٹی اور کیچڑ کے ہیں۔

چونکہ کشمیر میں یہ متجر ہ ارکم دوسرے دورِ یخ سے منسوب ہے اس میں سے حاصل شدہ یہ فلیک اور کچھ ایسے دوسرے Flake، جن کے بارے میں ڈی۔ ٹیرا (De Terra) اور پیٹرسن (Paterson) نے رِپورٹ دی ہے، پنجاب کے اُن ٹیلوں کے ساتھ مماثلت رکھتے ہیں جو

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

دریائی موادوں کی تہیں جم جانے کے عمل سے وجود میں آئے تھے اور جن کا تعلق پہلے Interglacial دور سے ہے۔ اس مماثلت کو تسلیم کرنے کی کئی وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ اُس زمانے میں وادیٔ کشمیر اور ہمالیائی دامن میں واقع پہاڑیوں والے علاقوں کا آب وہوا کم وبیش یکساں تھا۔ دونوں خطوں میں نیم استوائی اعتدال پسند نباتات (مثلاً چیڑ، بلوط، دارچینی) اور حیوانات (مثلاً شوالک پہاڑیوں میں رہنے والے ہاتھی) پائے جاتے تھے۔ ان کا ریکارڈ کشمیر کے قدرے کم اونچائی والے کریووں میں محفوظ ہے۔ (ڈی، ٹیرا اور پیٹرسن: ۱۹۳۹: ۲۲۵۔۲۲۴۔ منتری سنگھ اور سکینہ: ۱۹۶۲ء: ۹۴)۔ آب وہوا کی اس یکسانیت اور پیر پنچال سلسلہ کی مقابلتاً کم بلندی (تقریباً ۷۰۰۰ فٹ) جو اس وقت تقریباً ۱۴۰۰۰ فٹ ہے، نے ابتدائی انسانوں اور حیوانوں کو میدانی علاقوں سے پہاڑی علاقوں تک کی نقل وحمل کو آسان بنادیا ہوگا۔ اُن کے لئے نیم استوائی معتدل آب وہوا دوسرے دورِ یخ کی سخت سردیوں کے مقابلے میں زیادہ موافق رہا ہوگا۔ یہاں ہمیں سردی کی شدت کو برداشت کرنے اور اس کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت کو بھی نظر میں رکھنا ہوگا۔ یہ ایک نمایاں حقیقت ہے کہ امرناتھ، جو سال بھر برف سے ڈھکا رہتا ہے، میں ننگ دھڑنگ سادھو زندہ رہتے ہیں۔ بالآخر Interglacial دور کی تاریخ تلچھٹ اور گاد جیسے دریائی مواد کی تہوں کے ایک دوسرے پر جم جانے کے عمل کے اصولوں کے مطابق متعین کرنا ہوگی۔ لیکن اوزاروں کے بننے اور بکھر جانے کے درمیان کچھ وقت کی نرمی برتنی ہوگی۔ اس وقت کو بھی خیال میں رکھنا ہوگا جب تہہ نشینی (Gemographic) ایجنسیوں کے ذریعے عمل میں آئی تھی۔

اگر یہ استدلال تسلیم کیا گیا تو نیم براعظم ہندوستان بلکہ غالباً پورے براعظم ایشیا میں یہ Massive Flake Industry نہ صرف قدیم ترین ہوگی۔ کیونکہ ہندوستان کا پہلا برفانی دور اور اس کا Interglacial زمانہ اس وقت پڑتا ہے جب انسانوں کے ظاہر ہونے کا عمل شروع ہوکر آگے بڑھ رہا تھا۔ (یہ پیٹرسن اور ڈریو مونڈ ۱۹۶۲ء: ۴۲ کا نظریہ بھی تھا، جنہوں نے تنگ نظر روّیہ اپنا کر اس کو Middle Pleistocene زمانے میں رکھا)۔ ہماری موجودہ جانکاری کے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

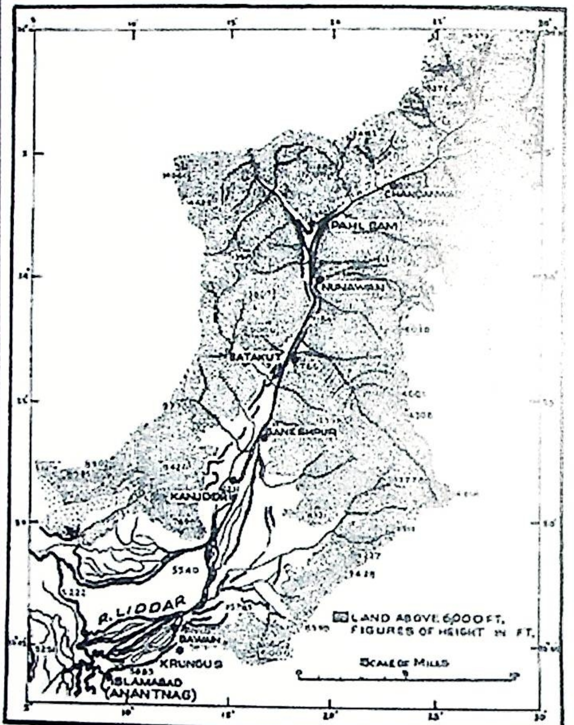

FIG. 1. The Liddar Valley, Kashmir, showing the site of the original finds at Pahlgam (★).

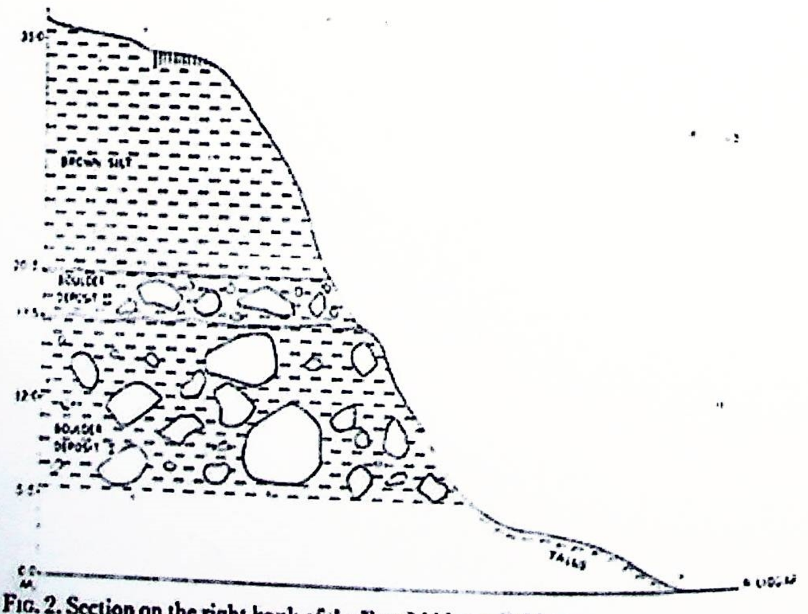

FIG. 2. Section on the right bank of the East Liddar at Pahlgam.

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

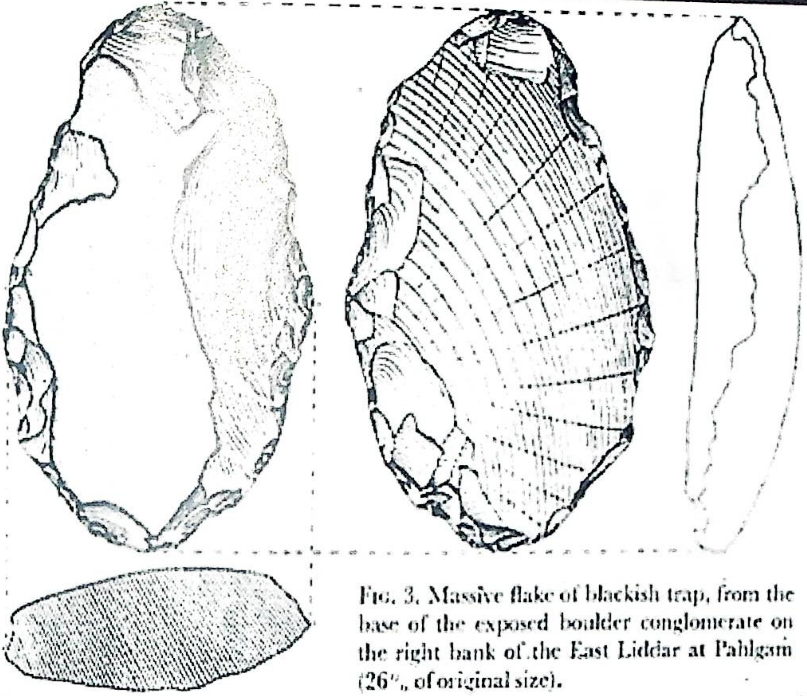

Fig. 3. Massive flake of blackish trap, from the base of the exposed boulder conglomerate on the right bank of the East Liddar at Pahlgam (26%, of original size).

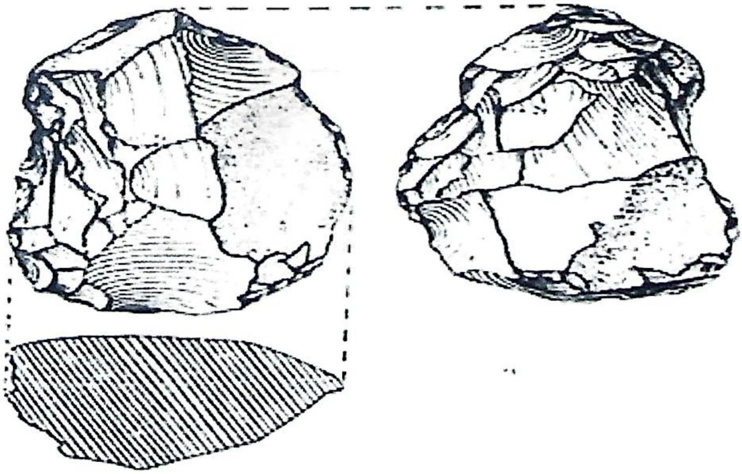

Fig. 4. Biface or handaxe of yellowish quartzite, from the junction of the boulder conglomerate and the brown clay on the right bank of the East Liddar at Pahlgam.

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

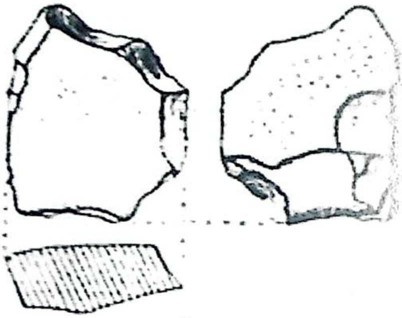

FIG. 5. Scraper of olive-green quartzite, from a clay pocket in the boulder conglomerate on the right bank of the East Liddar at Pahlgam.

All drawings approximately 26% of original size.

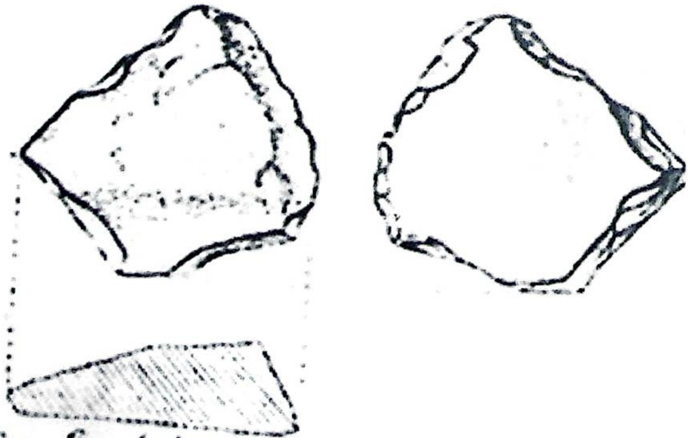

FIG. 6 (*above*). Scraper, olive-green quartzite, from the junction of the boulder conglomerate and the brown clay on the left bank of the East Liddar, three miles from Pahlgam.

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

Fig. 7 (*left*). Borer. Whitish quartz schist, from a glacial scree on the left bank of the Liddar opposite the Ganeshpur bus-stop.

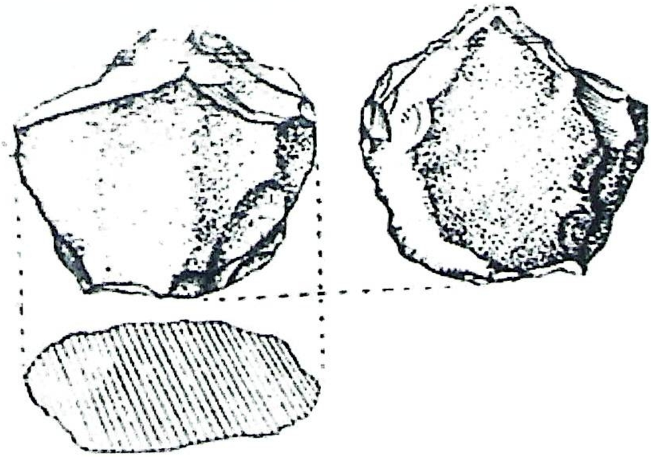

Fig. 8. Borer, olive-green quartz schist, from the same place as the one in Fig. 7.

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

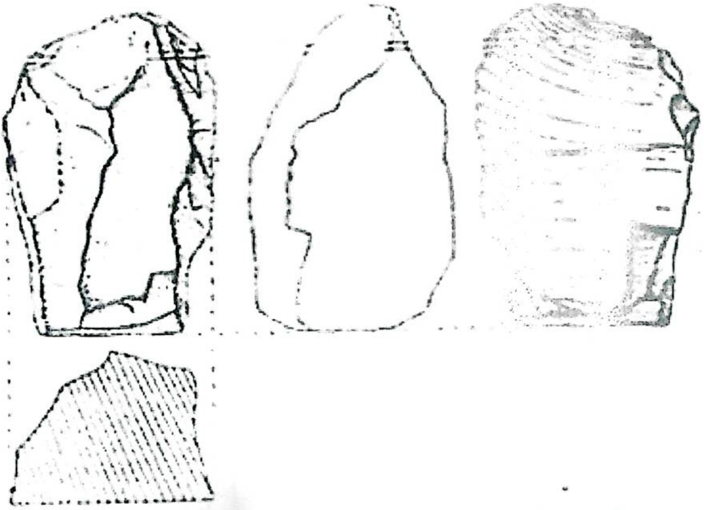

FIG. 9. Core, greyish, fine-grained quartzite, from the same place and in the same context as the borers of Figs. 7 and 8.

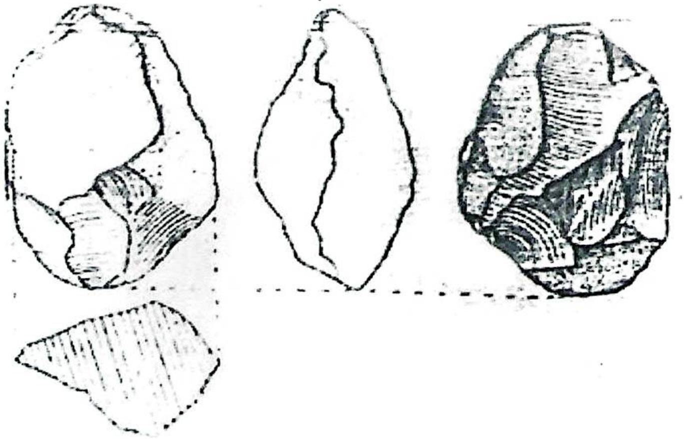

FIG. 10. Handaxe-cum-side-chopper, dark-grey quartzite, from the loose gravel on the right bank of the Sind River at Nunar.

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

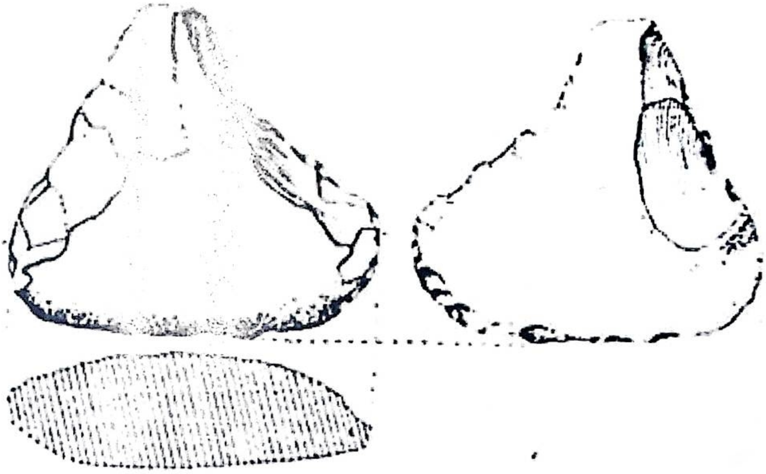

FIG. 11. Scraper, white quartzite, from exposed glacio-fluvial deposit on the right bank of the Sind River at Prang.

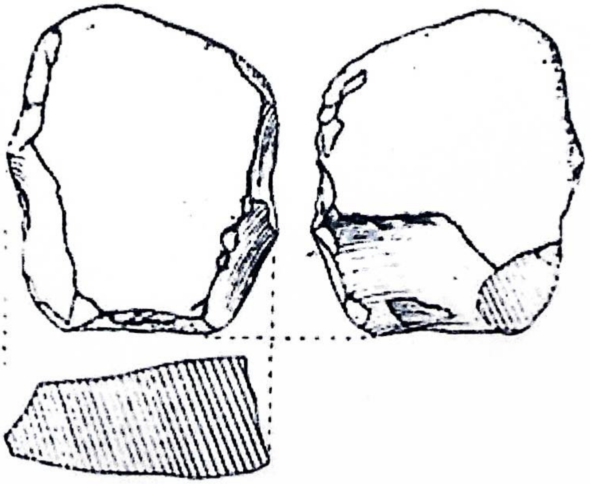

FIG. 12. Chopper, whitish quartzite, from the same place and the same context as the scraper in Fig. 11.

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

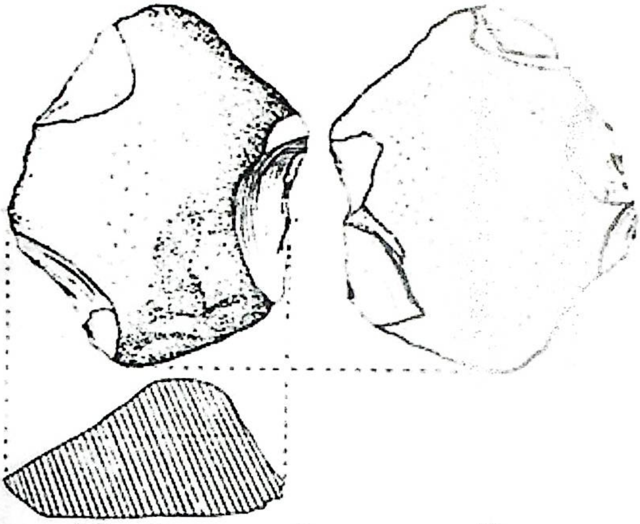

FIG. 13. Scraper-chopper, olive-green quartzite, from the morainic deposit of the Second Glacial on the left bank of the Sind River at Sonmarg.

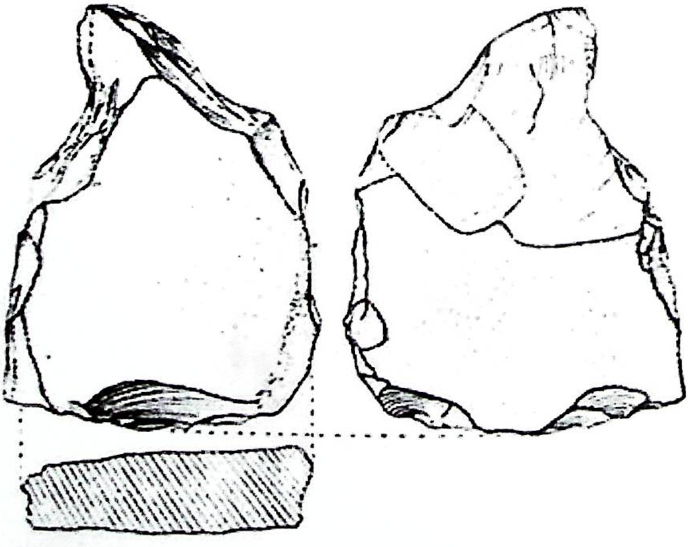

FIG. 14. Borer, grey schist, found on the mound overlooking the right bank of the West Liddar at Pahlgam.

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

TABLE I

VALUES OF THE EDGE AND OF THE DIHEDRON OF THE DUFOUR CAVE BURINS
(SERIES A)

	Number[a]	Shape of the Edge		Length of the Edge[b] (in millimeters)					
		Linear	Broken or Curved	Min.	Max.	Average	Min.	Max.	Average
Axis burins	11	6	5	2	19	11	40	66	44
Angled and warped burins	37	33	4	1	13	7	48	88	70
Flat-surfaced burins	15	12	3	4	15	13	56	86	73
Angled flat-surfaced burins	6	—	6	11	18	14	68	71	70
Keeled burins	1	—	1	—	—	15	—	—	72

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

مطابق اس زمانے کی دو اور دریافتیں ہیں۔ ورٹیسس زولس Ver Tesszoloss کے مقام پر چھوٹے چھوٹے پتھروں سے بنائے گئے اوزار۔ یہ جگہ ہنگری میں بڈ پسٹ سے پچاس کلومیٹر کی دوری پر ہے۔ (کریٹ زوے Kretzoi اور ویرٹیس Vertes: ۱۹۶۵ء)۔ دوسری دریافت حیوانات لبونہ کی ہے، جو اُن فلیکس سے ملے ہیں جس کا تعلق اُس ابتدائی دورِ یخ سے ہے جس میں انسان کے ظاہر ہونے کا عمل شروع ہوا تھا۔ یہ پراگ چیکوسلواکیہ میں پرزلتک کے مقام سے ملے ہیں بلکہ انسانی ڈاڑھ اور دانت کے شکستہ ٹکڑے بھی پائے گئے ہیں۔ (فیج فار: ۱۹۶۹ء)۔

۲۔ 14.5x9.5x6.5 سینٹی میٹر جسامت والی دستی کلہاڑی (شکل: ۴) یہ ناشپاتی کی شکل کا کیچڑ، گاد اور دیگر معدنیات سے بنا صوان پتھر کا ایک کھردرا ٹکڑا ہے۔ گومڑی جیسا یہ ٹکڑا معمولی طور گھِسا پٹا ہے اور زرد رنگت والا لگتا ہے۔ اس کی پوری سطح پر تھوڑے گہرے مگر آسانی سے ٹوٹنے والے سیڑھی کے زینے جیسے بنے ہوئے ہیں جو ذرا بھونڈے لگتے ہیں۔ بہر حال تکنیکی طور پر یہ دستی کلہاڑی Abbevillian ہے۔ فی الوقت یہ کلہاڑی پہلگام میں متحجرہ ارکم اور بھوری مٹی کے ارکمہ کے مقام اتصال پر پائی گئی۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ کلہاڑی چکنی مٹی سے اوزار بنائے جانے والے ابتدائی دور سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اس کا اس دور سے تعلق نہیں ہے جس میں گلیشیر وں کے تہہ نشین مادوں کے جمانے کے عمل میں مصروف تھے اور اس عمل سے بڑھے پتھروں کے ارا کم Conglomerate وجود میں آئے تھے۔

یہ کلہاڑی Interglacial دور سے تعلق رکھنے والی ان چھلکے دار شکستہ کلہاڑیوں جیسی نہیں ہے جو پیٹرسن اور ڈریمونڈ کو گاریلیا، بلوال، چک سنگھو اور سطح مرتفع پتوار میں ملی تھیں۔ پس تہہ نشینی کے عمل سے بننے والے پتھروں کے ارا کم کے حساب سے اور ٹیکنولوجی کے نظریئے کے مطابق یہ ایشیا کی سب سے ابتدائی دستی کلہاڑی ہے۔

دو مختلف ارکموں سے، جو ایک دوسرے سے پتھر کے آٹھ فٹ ارکمہ نے الگ کئے تھے، کھردری دستی کلہاڑی اور بھاری ٹکڑے ایک ہی جگہ پر دریافت ہوگئے۔ یہاں اہم سوال پیدا ہوتے ہیں۔ کیا ہم دونوں (دستی کلہاڑی اور بھاری ٹکڑے) کو دو مختلف تمدنوں کے نمائندے کے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

بنائے ہوئے اوزار مان لیں۔(دو مختلف کلچروں Soan اور Biface، کا وجود، جسکو پنجاب میں ڈی ٹیرا اور پیٹرسن نے بنیاد بنایا تھا کیونکہ انہوں نے اس قسم کے اوزار وہاں مختلف جگہوں پر دریافت کئے تھے لیکن انہیں ایک ہی جگہ پر ایک ساتھ اوزار نہیں ملے تھے)۔ان سب سوالات کے جوابات مل جائیں گے جب ایسے مزید اوزار پہلگام اور کشمیر کے دوسرے شہروں میں دریافت کئے گئے ہوں۔

۳۔ایک سپاٹ ٹکڑے پر 6.6x4.9x19 سینٹی میٹر جسامت کا کھرچنے اور چھیلنے کا اوزار، جس کے کنارے خمیدہ ہیں:(شکل:۵)۔گاڑھی مٹی، کیچڑ، گاد اور کئی معدنی موادوں سے بنے ہوئے اِس مسطح ٹکڑے کا رنگ زیتونی سبز ہے۔تصادم کی وجہ سے اس کے نچلی طرف کا گنبد نما حصہ، جس کے دو گہرے دھبے اور موٹی پشت موجود ہے، شاید ہٹا دیا گیا ہے۔اوپری کشادہ سطح پر لہر کی طرح کا ایک کنارہ بھی ہے۔یہ ٹکڑا پہلگام میں دریائے لدر کے مشرقی کنارے سے گلی سڑک کی بنیاد کے ایک حصے میں موجود بھوری چکنی مٹی والے ارکمہ سے نکالا گیا۔مانا جاتا ہے کہ دوسرے Interglacial دور سے تعلق رکھتا ہے۔

۴۔9.5x7.2x4.7 سینٹی میٹر جسامت کا سپاٹ طرفین والا کھرچنے اور چھیلنے کا سبز زیتونی رنگ کا مستطیل نما اوزار۔(شکل:۶)۔اس کی ہموار نچلی سطح اور قدرے ڈھلوانی اوپری سطح اور قدرے ڈھلوانی اوپری سطح ایک نقطۂ تقاطع پر ایک کُھردرا بھاری سرا بناتی ہیں۔ایک قدرے کم لمبائی والے طرف اور پشت پر ایک گہرا دھبہ ہے۔غالبًا اس اوزار کو ہاتھوں میں پکڑنے کے لئے دستہ بنانے کی غرض سے اس کا یہ بہت گہرا Flake Scare بنایا گیا ہوگا۔ دوسرے کنارے پر بھی دو چھوٹے دھبے ہیں۔یہ اوزار موسمی تغیرات سے گِھس کر قدرے گول شکل اختیار کر گیا ہے۔اس کا کنارہ اور اس کی سطحیں ہموار اور چمکیلی ہیں۔پہلگام سے تین میل کی دوری پر متحجرہ ارکم اور بھوری چکنی مٹی کے ارکم کے مقام اِتصال پر جو سرکٹ روڈ کے بننے سے نمایاں ہوا تھا، یہ ٹکڑا دریائے لِدر کے شمال کی طرف ایک ڈھلوان چٹان پر پایا گیا۔یہ دوسرے Interglacial دور کا مانا جاتا ہے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

۵۔ 6x5.5x2.1 سینٹی میٹر جسامت والا کئی معدنی مادوں سے بنا سفید سپاٹ برمہ۔(شکل:۷)۔اس کے دونوں طرف گہرے پرت اٹھائے جانے سے بنایا ہوا باہر کی طرف نکلا ہوا ایک موٹا گول مول نقطہ ہے۔ یہ اوزار جزیرہ نما ہندوستان کے وسطی Paleolithic دور سے منسوب، ایک چٹان کے اوپری سرے سے لِدر دریا کے بائیں کنارے گنیش پور میں، بس اڑے کے عین بالمقابل پایا گیا۔ یہ چٹان تیسرے دَورِ یخ کے دوران بنی معلوم ہوتی ہے۔

۶۔ 9.4x7.7x4.1 سینٹی میٹر والی جسامت کا یہ برمہ متذکرہ نمبر ۵ برمے کی طرح عمدہ نہیں ہے۔(شکل:۸)۔ یہ اوزار مختلف معدنی مادوں سے بنے زیتونی سبز رنگ کے ٹکڑے سے بنا ہے اور پہلگام میں ٹھیک اسی جگہ دریافت ہوا، جہاں اوزار نمبر ۵ مِلا تھا۔

۷۔ 9.7x5.4x5.1 سینٹی میٹر کی جسامت کا مستطیل نما کھردرا اوزار(شکل:۹)۔ یہ اسی مواد سے بنا ہے جس سے متذکرہ بالا اوزار نمبر ۵ اور ۶ بنے ہیں لیکن مقابلتاً عمدہ اور تازہ لگتا ہے۔

۸۔سفید پرتوں والے ایک تکونی پتھر پر 11.2x8.3x3.1 سینٹی میٹر کی جسامت کا دو کناروں والا کھرچنے اور چھیلنے والا اوزار(شکل:۱۱)، جو قدرے گول ہے۔اندرونی طرف ہموار سنگین سطح ہے۔اس میں سے دو اُتھلی مگر بڑی پرتیں الگ کی گئی ہیں تا کہ اس سے اوپری سطح کے لئے لہروں والا کنارا بنایا جا سکے۔ دوسرا کنارا نچلی سطح پر ضرب لگا لگا کر بڑی لیکن کم چوڑی پرت الگ کر کے اوپر کی طرف تقریباً زاویۂ قائمہ بنا کر بنایا گیا ہے۔ یہ کنارا لکڑی پھاڑنے یا حیوانوں کا چمڑہ ٹکڑوں میں کے لئے استعمال کیا جاتا ہوگا۔ یہ کنارا اوزار کے دستے کا کام بھی دیتا ہوگا۔اس اوزار کو نمایاں مواد سے، جو دوسرے دورِ یخ کے ساتھ منسوب کیا جا سکتا ہے، میں سے پرنگ میں دریائے سندھ کے دائیں کنارے سے حاصل کیا گیا۔ پرنگ کا عرض البلد شمال کی طرف 17 34 اور طول البلد 53 74 مشرق کی طرف۔

۱۰۔ 8.4x7.3x3 سینٹی میٹر کی جسامت کا سفید پرت دار پتھر سے بنا چھیلنے اور کھرچنے والا مجرب اوزار۔(شکل:۱۲) اس کے ایک لمبے طرف سے دو بڑی پرتیں اٹھائی گئی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہیں اور نچلی سطح کو پلیٹ فارم کے طور استعمال کیا گیا ہے۔ مناسب دستیاب دستہ بنانے کے لئے شاید مقابل والے طرف سے بھی پرتیں اٹھائی گئی ہیں۔ یہ اوزار بھی اسی حالت میں اور اسی جگہ مِلا ہے جس حالت میں اور جس جگہ پر اوزار نمبر ۹ دریافت ہوا۔

۱۱۔ 8.4x7.3x3 سینٹی میٹر کی جسامت کا کلہاڑا معہ کھرچنے چھیلنے والا اوزار جو بیضوی شکل کے زیتونی سبز رنگ والے بڑے نیم پتھر پر بنا ہے، سونہ مرگ کے مقام پر (عرض بلد 18 شمال اور طولِ بلد 18 75 مشرق) دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر دریافت ہوا ہے۔ اس کے بائیں سرے کو ایک بڑے پرت کے اٹھانے لگے ہوئے دھبے نے محو کر دیا ہے۔ نیچے بائیں طرف ہلکے دھبے اس بڑے دھبے کے مقابل ہیں۔ جس مواد کے ٹیلے سے یہ اوزار برآمد ہوا، وہ دوسرے دورِ یخ کے گلیشیروں کا تہہ نیشن مواد ہے۔ (شکل: ۱۳)

۱۲۔ 16.6x10.5x3.3 جسامت والا بھاری برمہ جو افتراق انگیز بھورے سِل پر بنا ہوا ہے (شکل: ۱۴)۔ اس سِل کے تنگ سرے میں تہیں اُٹھا کر چونچ جیسا خمیدہ حصہ بنایا گیا ہے اور یہ ایک لائق اور کارگزار نوکیلا اوزار بن گیا ہے۔ یہ اوزار پہلگام میں دریائے لِدر کے مغربی کنارے پر اس ٹیلے سے ۱۹۶۹ء میں دریافت ہوا تھا۔ اس ٹیلے پر دسویں صدی عیسوی کا ایک مندر بھی ہے۔ گنیش پور پہلگام میں ۱۹۷۰ء میں ایسے ہی برمے والے اوزار پائے گئے تھے۔ متذکرہ بالا اوزار نمبر ۵ اور ۶۔ (بشکریہ: کرنٹ انتھروپولوجی: اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۷۱ء۔ یونیورسٹی آف شکاگو پریس)

حوالہ جات:

۱۔ ڈی ٹیرا، ایچ اور ٹیٹی پیٹرسن: ۱۹۳۹ء۔ سٹڈیز آن دِ آیس ایج اِن اِنڈیا اینڈ ایسوسیئیٹڈ کلچرس۔ کارنیجک انسٹی چیوٹ آف واشنگٹن: پبلکیشن نمبر: ۴۹۹

۲۔ فیج فار، اولڈرِچ، ۱۹۶۹ء۔ ہیؤمن رِمینز فرام ارلی پلسٹوسِن ان چیکوسلواکیہ۔ کرنٹ انتھروپولوجی: ۱۰ ۱۹۷۰۔۷۳

۳۔ گرنلنٹن، جوہن، ال: ۱۹۲۸ء۔ دِ فورمر گلیسیشن آف دِ ایسٹ لِدر ویلی: میموریس آف

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

جیولاجیکل سروے آف انڈیا: ۹۹ پارٹ: ۲۔

۴۔ کرٹورزی، ایم اینڈ ے جے۔ ورٹیس: ۱۹۶۵ء۔ اپر بہرِیَن (انٹر مائینڈل) پبلک انڈسٹری، آرکیپشن سائنٹ ہنگری۔ کرنٹ انتھروپولوجی: ۶: ۸۷۔ ۱۹۷۴

۵۔ اوکلے، کینتھ، پی: ۱۹۶۴ء۔ فریم ورکس فارڈیٹنگ فوسل مین۔ شکاگو۔

۶۔ پوٹر اینڈ سٹفین سی: ۱۹۷۰ء۔ کواٹرنری گلیشیل ریکارڈ اِن سوات کوہستان، ویسٹ پاکستان۔ جیالوجیکل سوسائٹی آف امریکہ، بلیٹن: ۸۱

۷۔ سنکالیا، ایچ، ڈی: ۱۹۶۵ء۔ پلیو لتھک، نیولِتھک اینڈ کوپراتج ان دِویدک اتج۔ ایڈِ ٹڈ با۔ آر۔ سی موجمدار فورتھ امپریشن، بمبئی۔ بھارتیہ وِدیابھون۔

............●●●............

شیرازہ اُردو ''عبدالاحد آزاد نمبر''

روایت سے بغاوت کرنے والے عبدالاحد آزاد ایک بہت بڑے شاعر تذکرہ نگار اور ادبی مورّخ تھے۔ ان کی تصنیف ''کشمیری زبان اور شاعری'' اپنے موضوع پر ایک منفرد کارنامہ ہے، جس سے اُن کی بالغ نظرِ اور محققانہ ذہن کا پتہ چلتا ہے۔ عبدالاحد آزاد کے کارناموں کا احاطہ کرنے کے لئے شیرازہ کا خصوصی شمارہ عرصہ پہلے منظرِ عام پر آچکا ہے۔

اس پتے پر منگوائیں:

☆...... کتاب گھر، سرینگر/ جموں/ لیہہ/ لداخ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

● ...... پروفیسر فدا محمد حسنین

● ...... مترجم: محمد اشرف ٹاک

آرکائیوز اور دیگر اہم ماخذ

مارچ ۱۸۴۶ء میں ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے بیعنامہ امرتسر کی رُو سے دریائے سندھ سے دریائے راوی تک کے تمام علاقے، پہاڑ اور دیگر منسلکہ اراضی کو جموں کے مہاراجہ گلاب سنگھ کے حوالے کیا جس سے ریاست جموں و کشمیر کا Dominon وجود میں آیا۔ اس طرح جموں، کشمیر، لداخ اور تبتِ خورد کو مہاراجہ گلاب سنگھ کے نام کر دیا گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ریاست میں مختلف صیغہ جات قائم کئے گئے اور وہاں سے حاصل ہونے والے ریکارڈ کو محفوظ رکھنے کے لئے محافظ خانے قائم کئے گئے۔ اِس وقت جموں، سرینگر اور لیہہ میں تین بڑے محافظ خانے قائم ہیں۔

جموں میں ریاستی آرکائیوز کے محافظ خانے میں وزیر اعظم اور اُن کے میر منشی (سیکریٹری) جس کو دفتر دیوانی اور صدر دفتر کہتے تھے، کا ریکارڈ محفوظ ہے۔ اِس میں مہاراجہ کے ذاتی ریکارڈ کے علاوہ فوج کا ریکارڈ بھی شامل ہے۔ یہ محافظ خانہ ۱۸۷۲ء میں قائم کیا گیا تھا۔ مجموعی طور اِس محافظ خانے میں درج دستاویزات محفوظ ہیں:۔

۱۔ تُرکی، تبتی، چینی، ڈوگری، اردو اور دیگر زبانوں میں ذاتی دستاویزات:

۲۔ ۱۸۲۴ء سے ۱۸۹۲ء تک کی فارسی دستاویزات۔

۳۔ ۱۸۴۷ء سے ۱۹۲۷ء تک فارسی کُتب نویسی کے رجسٹر۔

۴۔ ۱۸۶۸ء سے ۱۹۲۴ء تک کی قدیم انگریزی دستاویزات۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

۵۔ ۱۸۸۵ء سے ۱۹۲۴ء تک مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی ذاتی دستاویزات۔

۶۔ ۱۸۸۵ء سے ۱۹۲۴ء تک سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کا انگریزی ریکارڈ۔

۷۔ ۱۸۸۹ء سے ۱۹۲۴ء تک اردو زبان میں مختلف موضوعات پر دستاویزات۔

۸۔ ۱۸۸۹ء سے ۱۹۶۵ء تک انگریزی زبان میں سیکرٹریٹ ریکارڈ۔

۹۔ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۴۳ء تک کونسل کی کارروائی کا ریکارڈ۔

۱۰۔ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۴۳ء تک کا ملٹری ریکارڈ۔

۱۱۔ ۱۹۲۶ء سے ۱۹۴۳ء تک ہز ہائی نیس مہاراجہ کے احکامات۔

۱۲۔ ۱۹۴۳ء سے ۱۹۶۵ء تک کونسل اور کابینہ کے فیصلے۔

۱۳۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۵ء تک کا مختلف محکموں کا محکمہ جاتی ریکارڈ

سرینگر میں صوبہ جاتی ریکارڈ کے تحفظ کے لئے ۱۹۵۶ء میں سٹیٹ آرکائیوز کا محافظ خانہ قائم کیا گیا۔اِس محافظ خانے میں جو خاص دستیاویزات محفوظ ہیں اُن کی تفصیل یوں ہے:۔

۱۔ ۱۹۲۴ء سے ۱۹۴۷ء تک گورنر آف کشمیر کی انگریزی اور اردو میں دستیاب دستاویز۔

۲۔ سیکرٹریٹ اور دیگر محکموں کا ریکارڈ۔

۳۔ جموں کشمیر کا آئین اور اس سے جُڑی دستاویزات۔

۴۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۳ء تک مختلف سیاسی لیڈروں کی خط و کتابت۔

۵۔ ریاست جموں و کشمیر کے نقشہ جات۔

۶۔ انگریزی، اردو، فارسی اور کشمیری میں ریجنل ریکارڈ سروے کی دستاویزات۔

۷۔ سی آئی ڈی رپورٹس۔

لیہہ کے سرکاری محافظ خانے میں سرحدی علاقہ جات کی ایڈمنسٹریشن، لینڈ ریونیو، وسط اشیاء کے ساتھ تجارتی روابط، تبت اور اس سے ملحقہ علاقہ جات میں مختلف تنظیموں کی سرگرمیوں سے متعلق دستاویزات شامل ہیں۔اِس محافظ خانے میں موراوین مشن کی سرگرمیوں اور برٹش جوائنٹ کمشنر کی مختلف سرگرمیوں کے بارے میں بھی ریکارڈ دستیاب ہے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

جموں ، سرینگر اور لیہہ کے سرکاری محافظ خانوں تک رسائی حاصل کرنے کے لیے ڈائریکٹر آرکائیوز، حکومت جموں و کشمیر سے تحریری اجازت نامہ ضروری ہے۔ اِن سرکاری محافظ خانوں کے علاوہ دیگر ریکارڈ آفس بھی ہیں جن میں محافظ خانہ محکمۂ مال، محافظ خانہ عدلیہ اور محافظ خانہ بندوبست شامل ہیں۔ اِن محافظ خانوں میں اِن محکموں کا قدیم اور جدید ریکارڈ محفوظ ہے۔

مخطوطات

ریاستِ جموں و کشمیر میں قدیم مخطوطات کا قابلِ قدر ذخیرہ موجود ہے۔ ذاتی کتب خانوں کے ساتھ ساتھ یہ مخطوطات درجِ ذیل مقامات پر محفوظ ہیں:۔

۱۔ اورینٹل مینوسکرپٹ لائبریری آف ریسرچ ڈیپارٹمنٹ۔ جو فی الوقت کشمیر یونیورسٹی میں ہے۔

۲۔ کلچرل اکیڈیمی لائبریری، لال منڈی سرینگر۔

۳۔ آرکائیوز ریفرنس لائبریری، اولڈ سیکرٹریٹ سرینگر۔

۴۔ آرکائیوز ریفرنس لائبریری، اولڈ سیکرٹریٹ، جموں

۵۔ ایس۔پی۔ایس لائبریری۔لال منڈی سرینگر۔

۶۔ رگھوناتھ پاٹھ شالہ لائبریری۔جموں۔

۷۔ بدھسٹ سکول آف فلاسفی۔لیہہ لداخ۔

۸۔ جامعہ مدینۃ العلوم۔حضرت بل سری نگر۔

۹۔ باب العلوم۔بڈگام سرینگر۔

۱۰۔ منظور دایک اورینٹل مینوسکرپٹ لائبریری۔نشاط۔سرینگر۔

۱۱۔ ایس۔پی۔ایس میوزیم سرینگر۔

۱۲۔ سینٹرل ایشین میوزیم۔یونیورسٹی آف کشمیر سرینگر۔

۱۳۔ اقبال لائبریری۔یونیورسٹی آف کشمیر۔

۱۴۔ ڈائریکٹوریٹ آف لائبریریز۔کرن نگر سرینگر۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

مطبوعہ کتب

مطبوعہ مواد کے دو زُمرے ہیں (الف) سرکاری (ب) نجی۔ سرکاری زمرے میں بعض یوں ہیں:۔

۱۔ ایڈمنسٹریشن رپورٹس (۱۸۷۲ء تا ۱۹۹۹ء)

۲۔ جموں اینڈ کشمیر گزٹس (۱۸۸۹ء تا ۱۹۹۹ء)

۳۔ پنجاب گزٹ (۱۹۲۵ء تا ۱۹۳۴ء)

۴۔ انڈیا گزٹ (۱۹۲۵ء تا ۱۹۵۵ء)

۵۔ جموں اینڈ کشمیر بجٹ (۱۸۹۳ء تا ۱۹۶۵ء)

۶۔ جے اینڈ کے پرجا پریشدر پورٹس (۱۹۳۴ء تا ۱۹۴۶ء)

۷۔ دستور ساز اسمبلی کی رپورٹ

۸۔ جموں اینڈ کشمیر لجسلیٹیو اسمبلی رپورٹ (۱۹۵۵ء تا ۱۹۹۹ء)

۹۔ جے اینڈ کے سِول اینڈ ملٹری لسٹ (۱۸۹۳ء تا ۱۹۴۷ء)

۱۰۔ جے اینڈ کے سول لسٹ (۱۹۵۴ء تا ۱۹۹۹ء)

۱۱۔ رسائل، جرائد اور پمفلٹ

۱۲۔ رپورٹ اور میمورنڈم

۱۳۔ گورنمنٹ پریس سرینگر/جموں کی مطبوعات

اس کے علاوہ مطبوعہ کتابیں تمام لائبریریوں، سٹیٹ آرکائیوز اور مختلف اِداروں کی لائبریریوں میں دستیاب ہیں۔

نیشنل آرکائیوز آف انڈیا

نیشنل آکارئیوز آف انڈیا، نئی دہلی میں کشمیر سے متعلق درج ذیل غیر مطبوع مواد دستیاب ہے:۔

۱۔ خارجی معاملات سے متعلق خفیہ دستاویزات۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

۲۔ خارجی محکمے کی کارروائی کا ریکارڈ۔

۳۔ بیرونی خط و کتابت کا ریکارڈ۔

۴۔ پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ کی کارروائی۔

۵۔ گورنر جنرل کی خط و کتابت۔

۶۔ محکمۂ داخلہ کی کارروائی۔

۷۔ پولٹیکل اور محکمہ داخلہ کی خفیہ دستاویز

۸۔ خفیہ خط و کتابت۔

۹۔ پرجا پریشد کی دستاویزات، یاداشتیں، شذرات اور کارروائی پرمبنی ریکارڈ۔

اِن دستاویزات تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ڈائریکٹر نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، دہلی کو درخواست دی جاسکتی ہے۔

انڈیا آفس لائبریری، لندن

جموں و کشمیر سے متعلق بہت ہی اہم دستاویزات انڈیا آفس لائبریری میں دستیاب ہیں۔اِن دستاویزات کا تعلق درج ذیل موضوعات کے ساتھ ہے:۔

۱۔ سیاسی اور خفیہ یاداشتیں۔

۲۔ سیاسی اور خفیہ خط و کتاب۔

۳۔ سیاسی اور محکمۂ داخلہ کی خفیہ دستاویزات۔

۴۔ مہاراجہ کے ساتھ برٹش حکومت کی خط و کتابت۔

ان دستاویزات تک رسائی ہندوستان کی تسلیم شدہ یونیورسٹیوں کے سکالر اور سرکاری اجازت نامہ حاصل کرنے والے اشخاص کر سکتے ہیں۔

لندن آرکائیوز

کشمیر کے متعلق اہم دستاویزات لندن کے برٹش ریکارڈ آفس میں محفوظ ہیں جن کی تفصیل یوں ہے:۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

۱۔ انڈیا سٹیٹ پیپرس:۔ یہ خفیہ فائلیں ہندوستان میں برطانوی حکومت اور مختلف ریاستوں کے مابین تعلقات کا خلاصہ کرتی ہیں جن میں جموں وکشمیر شامل ہے۔

۲۔ ۱۸۸۰ء سے ۱۹۰۲ء تک انتہائی خفیہ دستاویزات جن میں برطانوی مفادات کے تحفظ اور علاقے میں مختلف انگریز جاسوسوں کی سرگرمیاں شامل ہیں۔

۳۔ خارجی محکمے کی کارروائی۔ (۱۸۴۶ء تا ۱۹۲۴ء) اِن فائلوں میں ریاست میں تعینات انگریز آفیسروں کی خفیہ رپورٹیں شامل ہیں۔

اخبارات اور رسائل

یہ اخبارات اور رسائل کشمیر میں مختلف سیاسی، فوجی، ثقافتی اور انتظامی معاملات کی جانکاری فراہم کرتے ہیں۔ یہ نادر ونایاب خزانہ درج ذیل مقامات پر محفوظ رکھا گیا ہے:۔

۱۔ انڈیا آفس لائبریری۔لندن

۲۔ نیشنل لائبریری۔کولکتہ

۳۔ سٹیٹ آرکائیوز۔جموں

۴۔ ریاستی محکمہ اطلاعات

۵۔ اقبال لائبریری۔سرینگر

اِن اخبارات اور رسائل میں انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کی ابتداء میں مختلف مقامات سے شائع شدہ اخبارت اور جرائد مثلاً بہار کشمیر لاہور، اخبارِ کشمیر الہ آباد، خیر خواہِ کشمیر راولپنڈی، اخبارِ عام لاہور، پیسہ اخبار، کشمیر درپن، کشمیری پنڈت، ہمدرد درپن، ہمدردِ ہندی، رنبیر جموں، حقیقت سرینگر، ہمدرد سرینگر وغیرہ شامل ہیں۔اِن میں سے بیشتر اخبارات ۱۸۸۱ء سے ۱۹۴۷ء تک شائع ہوتے تھے۔

............●●●............

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

● ...... مصنف : سی۔ ٹنڈیل بسکو

● ...... تلخیص وترجمہ : غلام نبی خیال

" سفرنامۂ لداخ "

یہ ۱۸۹۶ء کے موسمِ گرما کی بات ہے کہ مجھے ڈاکٹر ارنیسٹ نیو کی ہمراہی میں لداخ جانے کا اتفاق ہوا جسے چھوٹا تبت بھی کہتے ہیں۔ سرینگر سے لیہہ تک، جو اُس ملک کی راجدھانی ہے، ۲۴۴ میل کا فاصلہ ہے۔ یہ فاصلہ عام طور پر پیدل سفر میں بارہ دِن میں طے ہوجاتا ہے جب ایک دِن میں بیس میل کا سفر طے کیا جائے جس رفتار سے باربردار قلی یا ٹٹو چل سکتے ہیں۔ کئی جگہوں پر تو یہ سفر بلندیوں پر واقع گزرگاہوں سے ہوتے ہوئے کرنا پڑتا ہے۔

میں اگرچہ ڈاکٹر نیو کے ساتھ نہیں ہوسکا البتہ لداخ کے کمشنر کیپٹن شیو ینیکس ٹرینچ نے ازراہ عنایت مجھے اپنے ساتھ لیا۔ وہ میرے روانہ ہونے سے چار دن پہلے ہی چل پڑے تھے لہٰذا مجھے اسے پانے کیلئے انتہائی تیز رفتار سے چلنا پڑا۔ میں نے اس طرح پہلے ساڑھے چار مرحلے تقریباً تیس گھنٹوں میں طے کئے۔ جبکہ میں سرینگر سے شکارے میں نصف شب کو روانہ ہوا۔ اسماعیل اور اس کے ساتھی ساری رات آنچار جھیل کو پار کرتے رہے جہاں سے وہ دریائے سندھ کے راستے گاندربل پہنچے جو ہمارا پہلا پڑاؤ تھا۔

جب میں نے اگلی صبح کو ساڑھے چھ بجے آنکھیں کھولیں تو میں نے اپنی پہلی سواری کو مجھے تاکتے ہوئے دیکھا جو غالباً مجھ سے کہہ رہی تھی کہ جلدی کرو۔ ناشتہ کرنے کے بعد میں اس پر سوار ہُوا۔ یہ ایک خوبصورت گھوڑی تھی جو مِس نیومیم نے مجھے عاریتاً دی تھی۔ ہمارا مشینری عملہ بے حد خوش تھا اور غالباً گھوڑی کو بھی اس کا احساس ہوا تھا اسی لئے وہ ایک تیز گام ہرن کی طرح آگے بڑھ رہی تھی۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہمارا راستہ ہمیں اوپر کی طرف وادئ سندھ میں لے گیا جہاں ہماری دوسری جانب دریا گرجتے ہوئے بہہ رہا تھا۔ یہ موسمِ گرما کے ابتدائی ایام تھے اور جنگلی گلاب برجستہ کھلے ہوئے تھے۔ اسی طرح ہر سمت موسمِ بہار کے پنج برگہ لالے، گلِ نافہ، گلِ میمون، گلِ زعفرانی اور ایسے ہی کئی اور پھولوں کی برجستگی پورے جوبن پر تھی۔

ہم تیز رفتار سے چل رہے تھے اور قبل اس کے کہ وہ اپنے بلوں میں جا چھپتے ہمارے راستے میں سانپ آ گئے۔ دوپہر کے قریب میں اپنے ٹٹو کے ساتھ چلا اور میرے ہرن کا سائیس ایک بہت بڑے اخروٹ کے درخت تلے میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے سواری بدلی اور سائیس اپنے ٹٹو کو لے گیا۔ میں اب اُس راہ پر گامزن تھا جو چٹانوں سے پُر تھی اور وادی رفتہ رفتہ تنگ ہوتی جا رہی تھی۔

کوئی پانچ بجے کے قریب میں نے اپنے سائیس اور تیسرے ٹٹو کو انتظار کرتے ہوئے دیکھا، جو مجھے آٹھ میل دور سونہ مرگ میں اس خیمے تک لے گیا جو مجھ سے پہلے ہی وہاں پہنچایا گیا تھا۔ سونہ مرگ ہری گھاس اور پھولوں کا ایک حسین قطعہ ہے جو دس ہزار فٹ کی اونچائی پر اٹھارہ ہزار بلند چوٹیوں میں گھرا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ہی تین گلیشئر دائیں طرف ان وادیوں کے دہانے پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

سونہ مرگ کے معنی ہیں سونے کی چراگاہ۔ یہ ایک وقت سرینگر کا پہاڑی مقام تھا۔ یہاں کے باشندے بتائیں گے کہ اس جگہ بہت سارے سانپ موجود ہیں۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جن وادیوں پر ہرموکھ پہاڑ کی نظر نہیں پڑتی وہیں پر ان سانپوں کی کثرت ہے۔

اگلے دِن اتوار تھا اور میں نے آرام کرنا چاہا۔ میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں اپنا سفر نصف شب کے بعد جاری رکھوں گا۔ لہٰذا میرا خیمہ تیاری کے لئے باندھا گیا تھا۔ میں نے ڈاک خانے کے برآمدے میں سونے کی کوشش کی لیکن کیڑے مکوڑوں نے مجھے باہر بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ یہ اس وسطِ ایشیائی راستے پر ٹڈی دل کی طرح نازل ہوتے ہیں۔ انہوں نے ہمیں سونہ مرگ کے ڈاک خانے میں بھی ستایا اور جب ہم روپہلی چاندی رات میں چل پڑے تو میرا نوکر

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

جوایک سست رفتار مسلمان تھا، مجھے کشمیر کے پرانے بادشاہوں کے قصے سنا سنا کر وقت کاٹنے لگا۔ پھر ہم نو میل کا سفر طے کر چکے تھے اور پو پھٹنے پر ہم بال تل پہنچے تھے جوزوجیلا درے کے دامن میں واقع ہے۔ یہ ایک بلند درّہ نہیں ہے کیونکہ اس کی اونچائی صرف ساڑھے گیارہ ہزار فٹ ہے۔ البتہ یہ ایک خطرناک راستہ ہے کیونکہ سڑک اونچائی کی سمت میں جاتی ہے اور سخت برف اور یخ بستہ ڈھلوانوں پر چلنا نہایت دشوار ہے۔ اس راستے پر کارواں والے کئی ٹٹوؤں کو کھو بیٹھے ہیں۔ میرا بھی ایک ٹٹو پھسل کر نیچے گر گیا لیکن اسے بہر حال بچایا گیا اور میرے سامان کو بھی کم سے کم نقصان پہنچا۔ میں واقعی اس کے لئے اپنے لالچی نوکر کا ممنون ہوں۔

درّے کی چوٹی پر پانی کے ذخیرے کے پاس برف کی چادر میلوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ ایک یخ بستہ سمندر کی طرح تھی جہاں برف چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں میں بٹی ہوئی تھی جن سے لہریں اٹھ رہی تھیں۔ لہٰذا ان پر چلنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اگر گرمی کے موسم میں اتنی برف ہو تو ڈاک رسانوں کی مشکلات کا اندازہ ہوسکتا ہے اور پھر اس شخص کی خستہ حالی واضح ہے جو سردیوں میں یہ کام انجام دے۔

یہ کہانی مجھے ایک موراوین مشینری نے بتائی جو لداخ کی راجدھانی لیہہ جارہا تھا تاکہ وہ بمبئی میں اپنی دلہن سے بھی مل سکے۔ وہ موسمِ بہار کی آمد کے ساتھ ہی اس سفر پر نکلا جو درّوں کو پار کرنے کے لئے سب سے سخت ترین موسم ہے۔ جب وہ زوجیلا درّے کے قریب پہنچا تو اسے ایک ہوائی طوفان نے آگھیر لیا۔ اسے جلد ہی پتہ چلا کہ وہ اپنا راستہ کھو بیٹھا ہے کیونکہ تازہ برف باری نے ڈاک رسانوں کا سارا راستہ بند کیا ہوا تھا۔ یہ زبردست سردی کا موسم تھا اور وہ آنکھوں کو اندھا کرنے والی برف میں اپنا راستہ نہیں دیکھ سکا۔ برف کے گالوں کے تھپیڑے اس کے چہرے پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے۔ کچھ دیر تک راہ تلاش کرنے میں ناکام ہونے کے بعد اس نے جدوجہد کرنا چھوڑ دیا۔ چونکہ رات قریب آرہی تھی، اسے اب زندہ رہنے کی کوئی صورت نظر نہیں آئی۔ اسے خیال آیا کہ اب تو کوئی دعا ہی اسے بچا سکتی ہے اور وہ زور زور سے خدا سے زندگی کی خیرات مانگنے لگا۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اس نے اپنی مناجات ختم ہی کی تھی کہ اسے ایک انسانی صورت سی نظر آئی جس کے بارے میں اس نے خیال کیا کہ یہ کوئی ڈاک رساں ہی ہوسکتا ہے۔ وہ کسی حد تک شکرانہ خداوندی کے ساتھ اس صورت کے پیچھے ہولیا لیکن وہ اچانک اوجھل ہوگئی۔ وہ پھر وہیں چلا گیا جہاں اس نے یہ صورت دیکھی تھی۔ یہاں اسے برف میں ایک بڑا سوراخ دکھائی دیا۔ وہ اس میں اُتر گیا جہاں اس نے برف کی ایک پناہ گاہ دیکھی جو غالباً ڈاک رسانوں نے اپنی حفاظت کے لئے بنائی تھی۔ اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ پناہ گاہ خالی تھی اور وہاں پر کوئی نہیں تھا۔ اسے احساس ہوا کہ اس کی دعاؤں کا غیر متوقع طور پر مثبت جواب دیا گیا ہے اور اس کی زندگی آئندہ خدمات کے لئے بچائی گئی ہے۔

میں جب جون کے مہینے میں اس درّے کو پار کر رہا تھا، مجھے میلوں تک پھیلی ہوئی برف کو روند کر چلنا پڑا۔ مجھے اس وقت خوشی محسوس ہوئی جب میری نظروں کے سامنے چٹانیں اور گھاس دکھائی دیں۔ میں کوئی ساڑھے تین بجے تک چلتا رہا۔ مجھے زبردست تھکاوٹ محسوس ہو رہی تھی اور نیند بھی مجھ پر غالب آرہی تھی۔ کیونکہ میں اس سفر پر گزشتہ شب کو بارہ بجے روانہ ہوا تھا۔ میں اپنے بوجھ بردار ٹٹوؤں سے آگے نکل چکا تھا۔

میں ستانے کے لئے سڑک کے ایک کنارے لیٹ گیا۔ مجھے کچھ پتہ نہیں تھا کہ میرا نوکر مجھے کچھ گھنٹے بعد گھور رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ سورج پہاڑوں کے پیچھے ڈوب چکا تھا اور اب ٹٹوؤں اور سامان کے ساتھ کوچ کرنے کا وقت آچکا تھا۔ مٹیان کے مقام پر تعمیر کردہ پتھر کے چھوٹے مکان قریب ہی تھے۔ مجھے اس بات سے اطمینان ہوا کہ اب کھانے اور آرام کرنے کی سہولیت حاصل ہوسکتی ہے۔

اس سے پہلے زبردست بارش ہوئی تھی کیونکہ جب ہم اس آرام گاہ میں داخل ہوئے تو ہم نے اسے پانی میں ڈوبا ہوا پایا۔ یہ اس لئے بھی ہوا تھا کہ اس مکان کی بنیاد سڑک کی سطح سے نیچے تھی۔ بہرحال میرے پلنگ کے پایوں تک پانی نہیں پہنچ سکا تھا، میں اس میں بھیگا نہیں اور میں نے اپنے آپ کو ٹٹوؤں سے بھی محفوظ رکھا۔ کتنا اچھا ہوتا اگر وسطِ ایشیا کو جانے والی اس

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

سڑک پر اسی طرح کی آرام گاہیں بنائی جاتیں تاکہ راہ گیر اِن میں دورانِ سفر پناہ لے سکتے۔ غالباً میں مبالغہ سے کام لے رہا ہوں کیونکہ میں نے سنا ہے کہ اب اس شاہراہ پر جگہ جگہ ایسی آرام گاہیں تعمیر کی گئی ہیں۔ مٹیان سے دراس کی پہاڑی وادی کی جانب ایک حرارت بخش سفر تھا۔ یہاں جو پتلے سے درخت مجھے یاد ہیں وہ پنسل کی جسامت کے دیودار تھے۔ مٹیان سے آگے کی طرف راستے میں چونے کے خزانے نظر آتے ہیں۔ زور زور سے بہتا ہوا دریا گویا ہر شخص کو دعوتِ نظارہ دے رہا تھا۔ میں اپنے ہم سفروں سے چند میل آگے نکل چکا تھا اور میرے پاس نہانے کے لئے کافی وقت تھا۔ پھر بھی یہ نہانا کوئی آسان عمل نہیں تھا کیونکہ پتھریلے فرش پر نوکیلے کنارے سے اس طرح کا کام میں نے کبھی نہیں کیا تھا۔

میں نے ابھی پانی میں جسمانی راحت کا وقت گزارا بھی نہیں تھا کہ مجھے اپنے قریب ہی دو کالی آنکھیں گھورتی نظر آئیں۔ وہ لمبے سیاہ بالوں والے لوگ تھے۔ میں فوراً پانی سے باہر نکل آیا کیونکہ مجھے خدشہ تھا کہ وہ میرے کپڑے چرائیں گے۔ اگر ایسا ہوتا تو میں اس بے برگ و گیاہ ویرانے میں بغیر کپڑوں کے کیا کرتا؟ جہاں سورج کی تیز کرنیں میرے ننگے بدن میں چھید کر رہی تھیں وہاں کوئی ایسا درخت بھی موجود نہیں تھا جس کے پتوں سے میں اپنا تن ڈھانپ لیتا۔ لہٰذا میں نے گیلے بدن پر ہی جلدی جلدی کپڑے پہنے اور میں ان کالی آنکھوں کو دیکھتا رہا اور میرا ہاتھ اس کوہ پیما چھڑی پر جما رہا جس کے ایک سرے پر لوہے کی نوک لگی ہوتی ہے۔ مجھے یہ بھی خیال کہ جب تک میں اپنے جوتوں کے تسمے مضبوطی سے نہ باندھوں مجھے اس سے نبرد آزما نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ چٹانیں بہت تکلیف دہ تھیں۔ یہ دو خوفناک چہرے والے غالباً مجھے اس لئے گھور رہے تھے تاکہ وہ میری مدد کریں اور ان کے دل میں مجھے لوٹنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں نے لداخ میں سنا تھا کہ یہاں کے لوگ بہت ایماندار ہیں اور یہاں کوئی بھی شخص اپنے مال و متاع کو چرائے جانے کے خوف سے بے خطر ہو کر اسے کسی بھی جگہ رکھ کر کہیں بھی جا سکتا ہے۔

نہانے کے بعد اگلی صبح کھانے کی طلب ہوئی۔ میری بھوک زوروں پر تھی کیونکہ میں نے ناشتہ کئی گھنٹے پہلے کیا تھا۔ میری ملاقات لمبی داڑھی والے دو افراد سے ہوئی جن کے پاس کئی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کی بڑی بڑی روٹیاں تھیں۔ میں نے ان میں سے ایک روٹی خریدی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ انہیں کب سینکا گیا تھا کیونکہ یہ پتھر کی طرح سخت اور بے مزہ تھیں۔ بہر حال میں نے انہیں ایک نالے میں کچھ دیر تک ڈبوئے رکھا جب ہی میں انہیں کسی حد تک حلق سے نیچے اتار سکا۔

بعد میں میں نے چند گاؤں والوں کے ساتھ دوستی کرلی اور وہ بھی خیر سگالی کے اس عمل میں میرے لئے ڈھیر سارا دودھ لے کر آئے۔ میں اُس وقت بے حد پیاسا تھا اور میں نے یہ سارا دودھ غٹا غٹ پی لیا۔ میں ان مہربانوں کے ساتھ تب تک بیٹھا رہا جب تک کہ مجھے اپنا کاروان قریب آتا ہوا دکھائی نہیں دیا۔ اس کے آنے پر ہم نے سفر جاری رکھا اور ہم ایک وسیع اور سرسبز خطۂ زمین پر پہنچ گئے جسے ہوا نے گویا جھاڑو پھیر کر صاف کیا ہو۔ یہاں ہمیں پتھر اور مٹی کے چند مکان بنے ہوئے نظر آئے۔ اس جگہ کو دراس کہتے ہیں۔

یہاں میں نے ایک برطانوی افسر کو پہاڑی بکروں کا شکار کرنے کے بعد واپس ہندوستان جانے کے سلسلے میں ایک خیمے میں مقیم دیکھا۔ میرا خیمہ بھی اسی جگہ نصب کیا گیا۔ میں نے چائے پی لی جس سے مجھے بشاشت نصیب ہوئی کیونکہ میں اس بے برگ و گیاہ وادی میں اترائی پر چلتے چلتے نقاہت محسوس کر رہا تھا۔ دریں اثنا ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا جس سے خوف زدہ ہو کر میں نے خیمے کے ایک کھمبے کے ساتھ اپنے آپ کو چپکایا تا کہیں خیمہ زمین بوس نہ ہو جائے۔ میرا نوکر بھی خیمے کے کھمبے پوری طاقت سے زمین میں زور زور سے دباتا رہا۔ اسی دوران میں نے چیخیں سنیں اور دیکھا کہ برطانوی افسر کا سامان خیمے سے چھیتڑوں کی شکل میں باہر کی جانب اڑ رہا ہے۔ تیز ہوا تھم گئی اور پھر ایک بار ہر طرف سکون اور امن کا ماحول ہو گیا۔ اب صرف دراس کے آوارہ کتوں کے بھونکنے کی کرخت آوازیں ہی کانوں کے پردے پھاڑ رہی تھیں۔

اگلے روز ہم کرگل میں کمشنر کے کیمپ میں پہنچ گئے اور وہاں ناشتہ کیا۔ اُس کی جماعت میں ساڑھے چھ فٹ قد والا دیو قامت مسٹر پیچ، اس کی بیوی اور مسز ڈرّاہ جس کا شوہر ایک نامور کھلاڑی ہے۔ لیہہ میں اس کا انتظار کر رہا تھا، جیک فیلپس اور پی، ایچ چرچ جو پانگ گانگ کی دس میل لمبی جھیل کی طویل مہم پر تھے اور چانگ چینمو شامل تھے۔ ان لوگوں نے میرا والہانہ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

استقبال کیا اور میری بھوک کا خیال رکھتے ہوئے ناشتہ پیش کیا۔

کرگل پوریگ نامی ضلع کا صدر مقام ہے اور یہاں شیعہ مسلمان رہتے ہیں۔ کرنل وارڈ نے ان کے مردوں کی تدفین کے حوالے سے ایک عجیب رسم بیان کی ہے کہ یہ لوگ اپنی میتوں کی قبر پر ایک سوراخ بناتے ہیں جس پر مستری ایک صندوق بناتا ہے جس میں ایک چھوٹا سا دروازہ اور ایک کھڑکی رکھی جاتی ہے۔ اس سوراخ کے راستے میت پر آٹا ڈالا جاتا ہے۔ یہ عمل وقفے وقفے سے تین ماہ تک جاری رہتا ہے اور اس کے بعد یہ سوراخ بند کئے جاتے ہیں۔

اُس صبح صوبے کے گورنر نے ہمیں بُلایا۔ وہ ایک کوتاہ قد کشمیری برہمن تھا لیکن اپنی چھاتی کے نچلے حصے کی جسامت سے لگتا تھا کہ وہ اپنے آپ کی خوب دیکھ بال کرتا ہے۔ کپتان ٹرینچ نے اس سے کہا کہ وہ اناج کے حساب کتاب کے کاغذات دکھائے کیونکہ وہاں اس موسم خزاں میں غلے کی قلت پیدا ہوئی تھی۔ اسے ہدایت ملی تھی کہ وہ ہنگامی صورتحال کے پیشِ نظر اناج کے بڑے ذخیرے محفوظ رکھے۔ اس غرض کے لئے پہاڑی پر قدیم قلعے کو منتخب کیا گیا تھا۔ حساب کتاب کے کاغذات پیش کئے گئے اور انہیں دیکھ کر کپتان ٹرینچ نے دیکھا کہ ہدایات کو ایمانداری کے ساتھ عمل میں لایا گیا ہے اور قلعہ گورنر کی چھاتی کے نچلے حصے کی طرح اناج سے بھرا ہوا تھا۔ کپتان ٹرینچ خوش ہوا۔ اس نے گورنر سے کہا کہ اس نے اتنا سارا غلہ کس طرح اس گودام میں محفوظ رکھا تھا اور یہ بھی کہا کہ وہ اسی دن بعد دوپہر تین بجے قلعے کا معائینہ کرے گا۔

ڈھائی بجے گورنر اپنے ہمرائیوں کے ساتھ دوبارہ ہمارے کیمپ میں پہنچا۔ اس نے کمشنر صاحب اور اس کی جماعت کو اُس کے گھر پر چائے پینے کی دعوت دی لیکن اس روز سخت گرمی تھی اور خاص کر خواتین کے لئے کوئی ساڑھے چار بجے کا وقت موزون رہتا۔ کپتان ٹرینچ نے دعوت قبول کر لی لیکن یہ خیال ظاہر کیا کہ وہ بہر صورت پہلے قلعے کا معائینہ کریں گے اور اس کے بعد چائے کی نشست ہوگی۔ ہم سب پہاڑی پر سے قلعے کے پاس پہنچے۔ جونہی ہم وہاں پہنچے تو گورنر نے کپتان ٹرینچ سے پھر کہا کہ وہ پہلے اس کے گھر پہنچیں اور اس کے بعد ہی قلعے کا معائینہ کیا جاسکتا ہے۔ گورنر کی رائے میں گرمی اتنی زیادہ نہیں تھی اور شام کو سخت سردی ہوگی۔ کپتان

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ٹرینچ انکار نہیں کرسکا اور ہم سب گورنر کے گھر کی جانب چل پڑے۔

جب ہم بہت بڑے دروازے سے چار پہلو میں داخل ہو گئے تو کپتان ٹرینچ نے گورنر سے پوچھا کہ ذخیرہ کرنے کے گودام کہاں پر ہیں؟ گورنر نے ایک ایک مخصوص دروازے کی طرف اشارہ کیا جہاں اس نے چپراسی سے چابیاں لانے کو کہا۔ یہ چپراسی دیر تک غائب رہا، لہٰذا گورنر نے پھر کپتان ٹرینچ سے کہا کہ دریں اثناء اس کے گھر میں چائے پی جائے۔ تب تک چپراسی چابیاں بھی لے کر آئے گا مگر کپتان ٹرینچ اپنی بات پر اڑا رہا کہ وہ پہلے گوداموں ہی کو دیکھے گا۔ اس نے گورنر سے کہا کہ وہ چپراسی کو فوراً لانے کا انتظام کرے۔ ایک اور شخص کو چپراسی کو لانے کی خاطر بھیجا گیا آخر کار چپراسی ہانپتا ہوا واپس آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں چابیوں کا ایک بڑا گچھا تھا جس سے اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ وہ ہر چابی کو آزماتا رہا لیکن کوئی بھی چابی قفل کے سوراخ میں گھس نہیں سکی۔ گورنر نے پھر چائے کی بات چھیڑ دی اور اپنے چپراسی کی بیوقوفی پر معافی کا خواستگار ہوا۔ گورنر نے یہ بھی بیان کیا کہ اصل چابی لانے دوسرا شخص گیا ہے۔ ٹرینچ نے ہدایت دی کہ اس شخص کے پیچھے بھی ایک اور شخص کو بھیجا جائے۔ گورنر نے کہا کہ ایسا ہی ہوگا لیکن اصل چابی لانے میں دیر ہوگی لہٰذا بہتر یہی ہوگا کہ فی الحال چائے نوش کی جائے۔ اب کپتان کا پیمانۂ صبر لبریز ہونے لگا تھا۔ اس نے کہا: ''اب چابیوں کی ضرورت نہیں۔ ہم اس دروازے کو اس بھاری کھمبے سے توڑ ڈالیں گے۔'' جو ہیں پر دیوار کے ساتھ کھڑا تھا۔ گورنر نے ایسا نہ کرنے کی منت کی اور وعدہ کیا کہ وہ ایک اور شخص کو دوڑتا ہوا چابی کے لئے بھیج دے گا۔

حیرت کی بات ہے کہ یہ شخص دھونکنی کی طرح سانسیں لیتا ہوا اور کھانستا ہوا ایک طویل فاصلہ طے کرنے کے بعد بہت جلد واپس آ گیا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک اور قسم کی چابیوں کا گچھا تھا۔ ان چابیوں کو بھی استعمال میں لایا گیا مگر قفل نے کھلنے سے پھر انکار کیا۔ گورنر نے اس بلاوجہ تاخیر پر اظہارِ افسوس کیا۔ وہ چائے کی پیش کش دوہرانے والا ہی تھا کہ لوہے کے دمدمے کو کام میں لایا۔

کپتان ٹرینچ گودام سے باہر آیا اور گورنر سے خشم آگیں لہجے میں پوچھنے لگا: ''آپ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

مجھے اس خالی گودام میں کیوں لائے؟ میں تو اناج سے بھرے ہوئے گودام دیکھنا چاہتا ہوں۔"
گورنر معافی کا خواستگار رہا اور اس نے قسم کھائی کہ نوکروں نے اسے بیوقوف بنایا ہے۔ پھر اس نے اپنے اہل کاروں کو وہ گودام کھولنے کی ہدایت دی جن میں غلہ بھرا تھا۔ ان نوکروں کی ٹانگیں تذبذب میں تھرتھرانے لگیں۔ وہ سوچنے لگے کہ کیا وہ اُس حکم کی تعمیل کریں گے جو گورنر نے کپتان کی آمد سے پہلے دیا تھا یا اُس ہدایت پر عمل کریں جو اب انہیں دی گئی ہے؟

چابیوں کے اس اضطراب میں پھر وقت کا زیاں ہوا اور کپتان نے اس سارے معاملے کو اُس وقت ختم کر دیا جب وہ لوہے کے دمدمے کی طرف بڑھا اور مجھ سے کہا کہ میں اس کی مدد کروں۔

دروازہ کھل گیا لیکن ہم نے اس گودام کو بھی سراسر خالی پایا۔ بالآخر یہ کھیل اس وقت تمام ہوا جب اس کا مرکزی کردار یعنی گورنر کپتان کے پاؤں پڑ کر اور دونوں ہاتھ جوڑ کر اس سے رحم کرنے کو کہا۔ کپتان ٹرینچ نے اس سے کہا کہ وہ گھر چلا جائے اور وہ اسے اگلے دن عوامی دربار میں ملے گا۔ لہٰذا گورنر کے ساتھ ہماری چائے منسوخ ہوئی اور ہم اس واقعے کے بارے میں سوچتے ہوئے واپس کیمپ میں پہنچ گئے۔ کپتان ٹرینچ نے اس بدمعاش کو رنگے ہاتھوں پکڑا تھا لیکن اب سوال یہ تھا کہ وہاں فاقہ کشی میں مبتلا لوگوں تک ایک خالی گودام سے کس طرح خوراک پہنچائی جائے؟

اگلا دن ایک شاندار دِن تھا۔ کئی اہلِ کار ہر طرف سے ٹٹوؤں پر سوار ہو کر آئے جن میں سے چند ایک سو میل کی مسافت طے کر کے آئے تھے۔ ان میں چوکیدار، چکدار، نمبردار، ذیل دار، تحصیل دار، تھانے دار اور نہ جانے کون کون راجے اور وزیر شامل تھے۔ وہ ایسے اعلیٰ کپڑوں میں ملبوس تھے کہ ان کا نظارہ آنکھوں کو بہت اچھا لگتا تھا۔ یہ سبھی نہایت خوش تھے کیونکہ انہوں نے سُن لیا تھا کہ صاحب نے کس طرح ایک برہمن گورنر کو پکڑ لیا تھا۔ البتہ کچھ تو غم زدہ اور پریشان تھے کیونکہ گورنر کی اس ذلت آمیز لوٹ مار میں وہ بھی اس کے شریکِ کار رہے تھے۔ اگرچہ انہیں بھی اس ڈاکہ زنی کا پتہ چل چکا تھا مگر انہوں نے اس پر سے پردہ اٹھانے کی جرأت

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

نہیں کی تھی کیونکہ گورنر ایک زبردست شخص تھا، وہ ایک اعلیٰ خاندان کا فرد تھا اور اسے دربار کی خوشنودی حاصل تھی۔

کپتان ٹرینچ نے اپنا اگلا قدم مشتہر کردیا کہ اس بدمعاش کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ پھر اسے اس بلند تر جگہ پر حیوانوں کے لئے پکائی گئی غذا کھلائی گئی کہ اس کے چہرے کا رنگ کالا پڑ گیا۔ میں نے آج تک ایسی سزا کا ذکر تک نہیں سنا تھا۔ ہم یہ عجیب نظارہ بہتے دریا کے پاس ایک باغ میں بیٹھ کر دیکھتے رہے جس کے چاروں طرف خاموش پہاڑ اس عدالتی فیصلے کے چشم دید گواہ تھے۔

کپتان ٹرینچ اس تگ و دو کے بعد تھک چکا تھا لیکن وہ ایک زندہ دل شخص تھا اور ہر وقت بلند خیالی اور مزاحیہ اندازِ کلام کا جیتا جاگتا ثبوت تھا۔ اس نے دن میں ایک غیر دلچسپ کام غیر متوقع طور پر انجام دیا تھا اور اسے اس پر واقعی فخر ہونا چاہیئے تھا۔

وہ رات گورنر کے لئے نہایت دل آزار رہی ہوگی۔

ایک دلچسپ بات یہ ہوئی کہ دریا کے کنارے ہمیں زور کی آندھی نے جگایا۔ ہم فوراً بستروں سے باہر نکل آئے اور اپنے سامان کو بچانے میں لگ گئے۔ میں نے دیکھا کہ میں بستر پر لیٹا ہوں اور میرا خیمہ سارے کا سارا مجھ پر آن گرا ہے۔ یہ خیمہ مجھ پر اسی طرح براجمان رہا جب تک کہ آندھی رکی نہیں تھی۔ مجھے اس طرح اپنی شکست دیکھ کر اپنے آپ پر غصہ آ گیا لیکن اس سلسلے کا ایک دلچسپ پہلو بھی ہے۔

اگلے روز ہم نے لیہہ کی طرف سفر جاری رکھا۔ یہ سفر بہت طویل اور موسم کی گرمی کا شکار تھا کیونکہ راستے میں کہیں کوئی چھاؤں نہیں تھی۔ پہاڑوں پر سے روشنی اور حدت کا عکس ہمارے لئے تکلیف دہ بن گیا تھا۔ ہم میں سے ایک شخص کی آنکھوں پر کالا چشمہ لگا تھا جس سے وہ قدرے مطمئن تھا۔ ہم ہر صبح ساڑھے چار بجے نکل کر دس بجے تک چلتے رہتے اور کوئی چھاؤں دیکھنے کے بعد وہاں شام تک قیام کرتے۔ پھر رات کی ٹھنڈ میں سفر جاری رکھتے۔

وسطِ ایشیا اور چین سے دو کارواں آرہے تھے جنہیں دیکھ کر ہم میں ایک عجیب سی دلچسپی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

پیدا ہوئی۔ وہ سُر اگایوں پر بوجھ لادے ہوئے تھے اور چند ایک نے تو اپنا سامان بھیڑوں پر لاد رکھا تھا۔ یہ وہی بھیڑیں تھیں جن کی دُم کافی موٹی اور کشادہ ہوتی ہے۔ بھیڑوں سے سامان اٹھوانا ایک عملی اقدام ہے کیونکہ جب ان پر لدی ہوئی خوراک کھائی جاتی ہے تو ان کی کوئی ضرورت نہیں رہتی اور انہیں ذبح کر کے کھایا جاتا ہے اور موٹی دم کا گوشت سب سے زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ ان کاروانوں میں سے چند ایک تو گھر پہنچنے سے پہلے تین سال تک سفر میں رہے تھے۔ ان میں سے اکثر عازم مکہ شریف گئے تھے اور پھر سبز دستاروں پر یہ عبارت جلی حروف میں لکھوا کر لوٹ رہے تھے کہ: ''میں ایک زائر ہوں جس نے حج کا فریضہ ادا کیا ہے۔''

پہلی بودھ خانقاہ ہم نے ملبے کی جگہ پر دیکھی جو ایک بلند مقام پر ایک چٹان کے سرے پر کوئی پانچ سو فٹ کی اونچائی پر واقع تھی۔ اس خانقاہ تک پہنچنے سے پہلے گوتم بدھ کا ایک بہت بڑا بُت ہے جسے ایک چٹان سے تراشا گیا ہے اور جو تیس فٹ اونچا ہے۔ ہمارے واپسی کے سفر میں ڈاکٹر نیو اور میں اس جگہ اس وقت پہنچے جب وہاں ایک مخصوص رسم ادا کی جا رہی تھی۔

اس بُت کے سامنے ایک کھمبے کو ایستادہ کیا گیا تھا جسے رنگین کپڑوں کے چھیتڑوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ پھر تیس بچوں کا ایک گروہ نمودار ہوا جو رنگین اور چمکدار کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ان کے سروں پر پھولوں کے تاج تھے۔ وہ اس کھمبے کے اردگرد ناچتے گاتے رہے۔ پھر سفید کپڑوں میں ملبوس ایک لاما آ گیا جو کسی عیسائی راہب کا جیسے لباس زیب تن کئے تھا اور اس کے سر پر احمقوں کی سی سرخ ٹوپی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں کشمیری کانگڑی تھی جس میں انگارے دہک رہے تھے اور ان کے ساتھ بھنگ یا افیون کی نشہ آور ملاوٹ تھی۔ وہ اس کانگڑی سے دھویں کو زور زور سے ناک کے اندر کھینچتا رہا جس کی بنا پر وہ جوش میں آ گیا۔ اس نے اپنے دائیں ہاتھ میں ایک مخروطی تلوار تھامی تھی جسے وہ ایک خطرناک انداز میں ہوا میں لہراتا رہا۔ پھر وہ بھی کھمبے کے اردگرد ناچنے لگا اور بچے بھی اس کے ساتھ رقص کرنے لگے۔ یہ لاما زور زور سے چلاتا اور اپنے جسم کو پوری رفتار سے لہراتا رہا۔ اس دوران اس کی تلوار بھی لہراتی اور ہر طرف گھومتی رہی۔

ایک شخص نے جو میری جان پہچان کا تھا اور اپنے آپ کو نیک بندہ کہتا تھا، میرے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ساتھ کھڑا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ لاما الہامی کتابوں کا ورد کر رہا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ افیون کے نشے میں چُور تھا اور مشکل سے اپنے پاؤں پر کھڑا رہ سکتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ جلد ہی زمین کی مٹی چاٹ لے گا مگر ہم یہ سارا تماشہ دیکھنے سے پہلے ہی وہاں سے چلے گئے۔

ملبے پہنچنے سے کچھ دیر پہلے ہم نے باشان کے بیلوں جیسی آوازیں سنی تھیں۔ یہ آوازیں عام چیخ و پکار سے بالکل مختلف تھیں۔ اسی طرح ایک اور طرف سے بھی ڈھول بجنے کا شور سنا جس کے ساتھ جھنڈے بھی لہراتے ہوئے دیکھے گئے۔ اب ہم بودھ خانقاہ کے بینڈ کو دیکھ رہے تھے۔ لاما اپنے بہترین کپڑوں میں ملبوس تھے جن میں ان کے سروں پر بندھی ہوئی پگڑی نما ٹوپی نہایت خوبصورت تھی۔ اس کی اوپر کو اٹھی ہوئی نوکیں ہیلمٹ جیسی ٹوپی کا نظارہ پیش کر رہی تھی۔ یہ ڈھول کوئی سات یا آٹھ فٹ لمبے تھے اور ان کی آواز سے سارا ماحول دہل رہا تھا۔ پھر خانقاہ کا راہب اعلیٰ آیا جس کے ساتھ لاماؤں کی ایک فوج اور ملبے کی مشہور شخصیات بھی تھیں۔ یہ سبھی کمشنر صاحب کے استقبال کے لئے آئے تھے۔ وہ اپنے ساتھ کھانے سے بھرے برتن اور اپنے گھروں میں بنائی ہوئی وہ شراب بڑی صراحیوں میں بھر کے لائے تھے جسے مقامی زبان میں چھنگ کہتے ہیں۔

ملبے میں ادیس بادشاہ کا ایک کتبہ دیکھا جا سکتا ہے جس کی رُو سے جاندار حیات کی قربانی کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اس حکم نامے پر بہرحال عمل نہیں کیا گیا اور بودھ مت کے آغاز سے قبل قربان گاہوں میں بکریوں کی قربانی کا چلن جاری رہا۔ اس عمل میں زندہ حیوان کا دِل نکالا جاتا تھا۔ ١

بعد دوپہر ہمیں پولو کے کھیل سے محظوظ کیا گیا۔ یہاں ہر بڑے گاؤں میں پولو گراؤنڈ موجود ہے جس کی پوری دیکھ بال کی جاتی ہے اور پانی کی متواتر بہم رسانی سے اسے سرسبز و شاداب رکھا جاتا ہے۔ یہ کھیل جن عوامل کے لحاظ سے مغربی پولو سے مختلف ہے، وہ کچھ یوں ہیں:

---

١ : یہ دمدمہ عام طور پر لوہے کا بنا ہوتا ہے جس سے کسی بھی سخت سے سخت دیوار میں سوراخ کیا جا سکتا ہے۔ انگریزی میں اسے Battering-Ram کہتے ہیں کیونکہ اس کی شکل مینڈھے کے سر سے ملتی ہے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اوّل: میدان میں آر پار دونوں طرف پتھروں کی تین فٹ اونچی دیواریں بنائی جاتی ہیں جن کے ساتھ بال ٹکرا کر واپس آجاتی ہے۔ ان دیواروں کے ساتھ کسی نافرمان ٹٹو کو بھی وہاں پر بکھرے ہوئے پتھروں سے باندھا جاتا ہے جس سے اسے زبردست جسمانی اذیّت پہنچتی ہے۔

دوم: یہاں سبھی کھلاڑی ایک ساتھ اور ایک ہی طرف سے میدان میں کود پڑتے ہیں۔ کھیل کا ناظم، قبل اس کے کہ یہ زمین پر آجائے، بال کو اپنی چھڑی کی پوری قوت سے ہوا میں پھینک دیتا ہے۔ بال سارے میدان کا احاطہ کر کے اگلے گول کے کھمبوں تک جاتی ہے جن کی نشان دہی دو پتھروں سے کی گئی ہوتی ہے۔ لیکن تب تک گول کو تسلیم نہیں کیا جاتا جب تک کوئی بھی کھلاڑی گھوڑے سے اتر کر اس بال کو گول پوسٹ کے اندر نہیں پھینکتا۔ جب گول ہوتا ہے تو بینڈ باجے والے ترنگ میں آکر بجانا شروع کرتے ہیں۔ اس موسیقی کی ادائیگی میں ڈھولوں کا بھی بڑا حصہ ہوتا ہے۔ یہ پولو کھلاڑی انتہائی لاپروائی سے کھیلتے ہیں۔ میں نے بچشمِ خود کھلاڑیوں اور ٹٹوؤں کا خون بہتے دیکھا ہے جو دوڑ میں ایک دوسرے سے ٹکرا کر لہولہان ہو جاتے ہیں۔ کبھی کبھی تماشائی بھی دیوار کے زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے زخمی ہو جاتے ہیں۔ یہ اس علاقے میں بہت قدیم اور عزت دار کھیل مانا جاتا ہے۔

بودھ خانقاہوں اور لاماوؤں کی اس سرزمین پر قدم رکھتے ہی جو جذبات باہر سے آئے ہوئے شخص پر حاوی ہوتے ہیں انہیں وضاحت سے بیان کرنا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ ایسا لگتا ہے کہ وہ ایک دوسری دنیا میں پہنچ چکا ہے جو انسانی تصور اور خواب و خیال سے معمور ہے۔ وہ اپنے بدن کی چٹکی لینا چاہتا ہے تاکہ اسے یہ احساس ہو کہ کیا وہ واقعی جاگ رہا ہے یا کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا ہے۔

سڑک پر انسان کو ایک سو سے تین سو لمبے دَروں میں سے گزرنا پڑتا ہے جو آٹھ فٹ لمبے اور آٹھ فٹ چوڑے ہوتے ہیں۔ ان کی چھتیں تراشے ہوئے پتھروں کی بنی ہوتی ہیں۔ ان پر جگہ جگہ یہ الفاظ کندہ کیئے گئے دکھائی دیتے ہیں: ''اوم مانے پدماہوں'' ان کے معنی مجھے اس

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

طرح بتائے گئے:۔ ''میرے خدا! میری روح پانی میں ایک زیور کی طرح ہو جو کنول کے پتے کے لبوں پر اس طرح رہتا ہے گویا یہ جھیل میں گرنے ہی والا ہے اور یہ پانی کے سمندر میں کھو جائے گا۔'' جس کے معنی نروان میں گم ہونا ہے۔

یہاں لاما یہ نیک کام کرتے ہیں اور اس کے عوض انہیں لوگ پیسے دیتے ہیں جو یہ پتھر دیواروں پر نصب کرتے ہیں۔ وہ سفر کرنے والے بھی عزت کماتے ہیں جو دیوار کے بائیں طرف چلتے ہیں لیکن ان پر لعنت بھیجی جاتی ہے جو غلط سمت میں چلتے ہیں۔ یہاں پولیس والوں کی ضرورت نہیں جو ٹریفک والوں سے کہیں کہ بائیں طرف چلو۔ ہر سیاح خود ہی ایسا کر کے قابلیت کا نام کماتا ہے۔ پھر سڑک پر سیاح مسلسل طور پر چورٹان کے سنگی پگوڑوں کو دیکھتا ہے جن پر سفید چونے سے لپائی کی گئی ہوتی ہے۔ یہ پگوڑے کھیتوں میں اور پہاڑی اطراف میں بھی دکھائی دیتے ہیں۔ یہ تیس سے چالیس فٹ اونچے ہوتے ہیں۔ یہ اندر سے کھوکھلے ہوتے ہیں اور ان میں کسی بھی شخص کو مٹی کے بنے ہوئے لاما ملتے ہیں جو اصل میں مردہ لاماوؤں کی خاک سے بنے ہوتے ہیں۔ ان پر دل نشین نقوش بنے ہوتے ہیں جن میں بدھ کی صورت خاص طور پر ہر پگوڑے میں موجود ہوتی ہے۔

مکانوں کی چھتوں اور درختوں پر رنگین چیتھڑوں کے بنے جھنڈے لہراتے نظر آتے ہیں اُن پر بھی یہی دعا لکھی ہوتی ہے۔ جب یہ پرچم ہوا میں لہراتے ہیں تو ان پر لکھی دعا اوپر چڑھ کر جھنڈے والے کی دعائے خیر کا باعث بن جاتی ہے۔

ہم نے دیہات سے گزرتے ہوئے چھتوں پر کاغذ کی بنی ہوئی ملز (Wind Mills) دیکھیں جو گھروں کے اندر خیر و برکت کا سبب مانی جاتی ہیں۔ ان پر بھی کئی بار ''اوم مانے پدما ہوں'' کی دعا درج کی گئی ہے۔ چند مکانوں کی دیواروں کے ساتھ ساتھ اور خانقاہوں میں گول گول شکل کی ایسی چیزیں ہوتی ہیں جنہیں یہاں آنے والے ہاتھوں سے گھما گھما کر ثواب کما لیتے ہیں۔ کئی دیہات میں عبادت کے ایسے ہی گول پہیئے پانی سے گھومتے ہوئے دیکھے جو خود بخود دن رات دعا کرتے رہتے ہیں۔ آخیر پر آپ کی ملاقات مرد اور عورتوں دونوں سے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہوگی جو سڑک پر دھات کے بنے ان پہیوں کو اٹھاتے ہوئے چلتے نظر آتے ہیں۔ انہیں وہ کہنی کو موڑ کر کلائی پر اٹھاتے ہیں۔ ان خوبصورت عبادتی پہیوں کو چاندی کے نقش و نگار سے سنوارا جاتا ہے۔

یہاں کے لوگ رنگین تصاویر والے کپڑوں کا لباس پہنتے ہیں۔ مرد اور عورتیں عام طور پر ایک لمبا سا اونی چوغہ پہنتے ہیں جو بالعموم سرخ رنگ کا ہوتا ہے۔ کبھی اس کا رنگ سبز یا کوئی دوسرا ہوتا ہے۔ مردوں کے پاس ایک لوہے کا بٹوہ جیسا ہوتا ہے جس میں وہ قسم قسم کے چاقو، ایک لمبا قلم دان اور روشنائی، تین لہروں والا چابک جس کا دستہ ہمیشہ دھات اور روغن سے سجا ہوتا ہے، چائے کے لئے ایک پیالہ، دلیا اور آٹے کا ایک تھیلا شامل ہیں جسے دورانِ سفر خوراک کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ان کا کھانا ہر وقت سادہ ہی ہوتا ہے۔ وہ اپنے پیالے کو ٹھنڈے پانی سے بھر لیتے ہیں، اس میں آٹا ڈالتے ہیں، اسے اپنی شہادت کی انگلی سے ہلاتے ہیں اور پھر جب یہ آبی روغن سا ہو جاتا ہے تو اسے پیا جاتا ہے۔ ایسے خوراک سے کسی کی بھوک نہیں مٹ سکتی بلکہ اس سے ان کا نظامِ ہاضمہ ہر وقت خراب رہتا ہے۔ ان میں سے اکثر اپنے ایزار بند کے ساتھ ایک نشان رکھتے ہیں جو سونے یا چاندی سے بنی ہوئی بدھ کی تصویر ہوتی ہے۔

تبت کے بودھ ایک مذہبی رسم میں روٹی اور دیودار کا استعمال کرتے ہیں۔ کہا جاتا کہ یہ رسم نیستوریائی عیسائیوں کے ہاتھوں چین سے آئی ہے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ سینٹ تھامس نے چین میں عیسائیت کو متعارف کیا۔ یہاں ہر بودھ کے لئے اس کا اپنا لاما ہوتا ہے جسے وہ نذرانے بھی دیتا ہے۔ ان کے سر کو کپڑے کی ایک ٹوپی ڈھانپتی ہے جس کے رنگ ان کے لباس سے الگ ہوتے ہیں لیکن میں اسے پوری طرح بیان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میں نے آج تک ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی ہے۔ یہ رنگین اور بدزیب بھی ہے۔ یہ جسمانی ملبوسات بعینہ منگول خدوخال کے عین مطابق ہیں۔ اس میں کمر پر لٹکا ہوا بالوں کا لمبا گچھا بھی ہوتا ہے۔ عورتیں زیادہ تر مردوں ہی کی طرح کا پوشاک پہنتی ہیں۔ صرف ان کا سروں کا لباس مختلف دکھائی دیتا ہے۔ وہ ایک فراک پہنتی ہیں جو سرخ کپڑے کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے اور جس کی چوڑائی چھ سے آٹھ انچ ہوتی ہے۔ یہ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

پیشانی سے لٹک کر کمر سے ہوتا ہوا اس کی نچلے طرف تک پہنچتا ہے۔ اسے قیمتی پتھروں سے آراستہ کیا جاتا ہے جن میں کھردرے قسم کے نقرئی زیورات بھی شامل ہوتے ہیں۔ یہ رسم جس کی رو سے ان کی روسیاں کی دولت ان کے سروں پر لدی ہوتی ہے، اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ کس قدر ایماندار ہیں۔ پھر چہرے کے دونوں طرف کپڑے کے ایک ٹکڑے پر استرخوان کے دو حصے سلے ہوتے ہیں جو بہ وقتِ ضرورت صحیح طرف سے کالے پروں کی شکل میں تقریباً چھ انچ باہر نکلتے ہیں۔

اس خطے میں عورتیں پردے میں نہیں رہتیں۔ ان کے ساتھ مساویانہ سلوک کیا جاتا ہے۔ یہ بات خوش آئند ہے کہ وہ نہ تو شرمیلی ہیں اور نہ ہی بہادر۔ وہ ہمیشہ اپنے مردوں کی طرح مسکراتی رہتی ہیں۔

جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے کہ جب کوئی لداخ میں داخل ہوتا ہے تو گویا وہ ایک خواب دیکھتا ہے کیونکہ یہ ملک اور یہاں کے لوگ ہر لحاظ سے مختلف ہیں۔ یہاں کے عوام اور عمارات ہی نہیں بلکہ اردگرد کی پہاڑیاں بھی الگ تھلگ نظر آتی ہیں۔ یہ لاماؤں کا رواج ہے کہ وہ اپنی خانقاہوں کو پہاڑیوں کی چوٹیوں پر تعمیر کرتے ہیں۔ کبھی کبھی خانقاہ سے پہاڑی چوٹی کو اور چوٹی کو خانقاہ سے الگ کرنا مشکل دکھائی دیتا ہے۔ پہاڑیاں اور کھائیاں جن پر درخت یا گھاس کا ایک تنکا بھی نہیں اُگتا خوبصورت رنگوں میں نہا جاتی ہیں اور روشنی اور سائے بھی اسی طرح واضح ہو جاتے ہیں جس طرح ہم نے انہیں نہیں دیکھا ہے۔

چلیئے اب ہم ایک بودھ خانقاہ کو دیکھ لیں۔ جونہی ہم لامایارو کے قریب پہنچے ہمیں وہاں پُرشور اور گرد و غبار کا سامنا کرنا پڑا۔ خانقاہ کا باجا گویا کسی جنگی مہم پر نکلا تھا۔ اس نے زور زور سے آلاتِ موسیقی بجا بجا کر ہمارا خیر مقدم کیا۔ پھر خانقاہ کے اہل کاروں کے ہجوم اور دیہات کی

فٹ نوٹ:۱ : دیکھیئے: ڈاکٹر ای۔ ایف۔ نیو کی کتاب **Beyound the Pir panja**

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

سرکردہ شخصیات نے ہر طرف گرد کے انبار اڑائے۔ خانقاہ ہمیں ایک اعلیٰ مرتبے کے لامانے دکھائی۔ ہم پتھروں کے زینے سے ٹائلیں بچھی ہوئی خانقاہ کی طرف اوپر چڑھ گئے جو حسبِ معمول چوٹی کے اوپر واقع تھی لیکن اسے اس طرح تعمیر کیا گیا تھا کہ چٹان کا سرا دیکھنے میں نہیں آسکتا تھا۔ زینے کے اطراف میں دیواروں سے مناجاتی پہیئے لگے تھے جو روایتی انداز میں گھومنے کے لئے رکھے گئے تھے۔ ہم نے انہیں صحیح طریقے سے دائیں سے بائیں گھمایا۔ مجھے لگتا ہے کہ ہم نے یہ کام اچھے طریقے سے کیا کیونکہ ہمارا سفر ہمارے لئے مفید ثابت ہوا۔ یہ جگہ بہت سی دلچسپی کی چیزوں سے بھری پڑی تھی اور اب یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ کونسی چیز دیکھی جائے۔ اس عبادت گھر میں ایسی ایسی مصنوعات تھیں جو میں نے پہلے نہیں دیکھی تھیں۔ یہ عمارت ایک وسیع ہال کی طرح تھی جس کی چھت کو لکڑی کے ستونوں نے سہارا دیا گیا تھا۔ اردگرد ایک غلام گردش سے کئی اقسام کے پھر پھرے لٹک رہے تھے جن پر خاص طور پر چینی اژدہے کی تصاویر بنی ہوئی تھیں۔ اس ہال کے ایک طرف مجسموں کی ایک قطار تھی جو قدِ آدم گوتم بدھ اور مقدس لاماؤں کی شبیہیں دکھاتی تھیں۔ ان میں سے ہر مجسمے کے سامنے ایک میز یا ذبح خانہ رکھا گیا تھا جس کے نقوش عجیب کاریگری کے نمونے تھے۔ ان پر تیز لال، سبز، زرد اور طلائی رنگوں سے گل کاری اور اژدہوں اور پاکیزہ نشانات کی تصویر کشی کی گئی تھی۔

میزوں پر دھات کے پیالے اور صراحیاں تھیں اور ہر میز پر مقدس پانی کا ایک برتن رکھا گیا تھا جس کے ساتھ مٹی کا دیا جل رہا تھا۔ یہاں چھنگ کے پیالے اور دورجی نام کی نقرئی گھنٹی رکھی گئی تھی جو لاما عبادت کے دوران استعمال کرتے ہیں۔ مزید برآں انسانی کھوپڑی سے بنا ہوا ایک چھوٹا سا ڈھول، ایسی ہی کھوپڑیوں سے بنی صُراحیاں اور انسان کی ران کی ہڈی بھی دیکھی گئی جو ڈھول بجانے کے کام آتی تھی۔

خانقاہ کے بیچوں بیچ بینچوں کی قطار ہے جو مجسموں کے ساتھ لگی ہے اور جہاں لاما اپنی مقدس کتابیں پڑھتے وقت ذبح خانے کی طرف جھکتے ہیں۔ بائیں طرف تانبے کے برتن ہیں جن میں چھنگ نام کی شراب بھری ہے۔ اس کی مے خوری سے لاما اس وقت راحت محسوس کرتے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہیں جب وہ مقدس کتابوں کا مسلسل مطالعہ کرتے ہوئے تھک جاتے ہیں۔ بائیں طرف بہت سی درازیں ہیں جن میں یہ کتابیں رکھی گئی ہیں۔ یہ مخطوطات اطلس کے لمبے ٹکڑوں پر تحریر کئے گئے ہیں۔

اس خانقاہ میں پانچ ایسی الگ تھلگ جگہیں ہیں جنہیں برابر صاف رکھا جاتا ہے۔ جب کسی مشہور ہستی کی موت ہو جائے تو لاماوؤں کو مقدس کتابوں سے عبارات پڑھنے کے لئے پیسے دیئے جاتے ہیں۔ وہ الگ الگ کتابوں سے مخصوص صفحات منتخب کر کے اونچی آواز میں پاٹھ کرتے ہیں۔ ان کے متن الگ الگ ہوتے ہیں۔ ان کی آوازیں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ کیا اس پڑھنے کے ساتھ بلند آواز کا بھی کوئی فائدہ ہے جو ہزاروں الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے ظاہری طور پر ایک میکانکی طریقے سے مغفرت کی دعائیں پڑھنے کا گُر سیکھ لیا ہے۔ جب لداخ میں بجلی آئے گی اور دعا کے پہیے موٹروں سے چلائیں گے تو اس سے اس عمل کی افادیت بڑھے گی اور نروان ہر ایک کی قسمت میں شامل ہوگا۔ اس جگہ کی صفائی ضروری لگتی تھی۔ اس کے اندر چراغ کے تیل اور جلتی چربی کی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ لاماؤں کے سرخ لباس تیل سے کالے پڑے ہوتے ہیں۔ خوش قسمتی سے ان کے سر منڈھے ہوئے تھے۔ وہ کئی کئی بھائی تھے اور ہمیشہ ہنسنے ہنسانے اور لطیفے سنانے پر آمادہ نظر آتے تھے۔ وہ قدیم مغرب میں لاماؤں کی تصویروں کے ہم شکل دکھائی دیتے تھے۔ یہاں الگ مکانوں میں خواتین لامائیں رہتی ہیں جن میں سے اکثر مردوں کی شکل وصورت کی ہیں اور انہیں عورت کی حیثیت میں پہچاننا مشکل ہوتا ہے۔ خاص کر اگر وہاں پر کوئی انجانا شخص ایسا کرنے کی کوشش کرے جس کی مثال مندرجہ ذیل واقعے سے دی جاسکتی ہے۔

کچھ دِن بعد میں ڈاکٹر نیو کے ساتھ لیہہ میں تھا۔ وہ ہسپتال میں مریضوں کے علاج معالجے میں مصروف تھا۔ میں باہر اُن بیماروں کے ساتھ ہنسی مذاق کرتا رہا جو اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ان میں سے اکثر مضطرب اور خوف زدہ تھے۔ میں نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جو بہت ہی غم زدہ دکھائی دے رہا تھا۔ میرے خیال میں وہ ایک لاما تھا اور

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کسی حد تک بے اطمینانی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ میں نے اس کی پسلیوں میں انگلیاں ڈالیں اور اس سے کہا کہ وہ خوش رہے۔ اسی وقت مجھے پیچھے سے یہ بلند آواز سنائی دی: ''ارے ذرا خیال کرو کہ تم کیا کر رہے ہو کیونکہ یہ ایک خاتون لاما ہے''۔ میں نے ایک انگریز کی طرح معافی مانگ لی مگر اس کا اس عورت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ کیونکہ وہ بدستور منہ لٹکائے بیٹھی رہی۔

ہم شان وشوکت سے صدر مقام لیہہ پہنچ گئے جس کی آبادی سرما میں تین ہزار نفوس اور گرمیوں میں چھ ہزار افراد ہوتی ہے جب مشرق ومغرب سے سبھی تاجر یہاں وارد ہوتے ہیں۔ یہ شہر بہت ہی محظوظ کرنے والا اور دل چسپ تھا۔ خانقاہوں اور قصبوں کے بینڈ باجے، دعوتیں اور پولو کے میچ ایک دوسرے کے بعد ہی واقع ہوتے تھے لیکن لیہہ میں جو استقبالیہ کمشنر صاحب کو دیا گیا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ لیہہ سے سات میل دور وادئ سندھ میں، جو ایک وسیع ریتیلا میدان ہے، ہماری آؤ بھگت مقامی لوک فن کاروں نے کی جو قسم قسم کے رنگا رنگ اور روایتی لباس پہنے ہوئے تھے۔ ان میں سے کچھ اشخاص چینی ریشم کے کپڑوں میں ملبوس تھے جن کے سروں پر نیلی اور سنہری ٹوپیاں ایک الگ ہی نظارہ پیش کر رہی تھیں۔ ان میں مختلف عہدوں کے لداخی اہلکار بھی تھے جن میں ایک قبول صورت مسلمان جوائنٹ کمشنر بھی تھا۔ ہاتھی کی جسامت کا اس کا بابوٹٹو پر ایک بندر کی طرح تھا۔ وہ اتنے موٹے جسم کا مالک اور کوتاہ قد تھا کہ اس کی کہنیاں اور پھولا ہوا پیٹ ایک دوسرے کے ساتھ گویا جڑے ہوئے تھے۔ البتہ جس شخص نے میری ساری توجہ اپنی طرف مبذول کی وہ کیتھولک گرجے کا پادری تھا۔ اس کی شکل ان سارے پادریوں سے ملتی جلتی تھی جو حکایتاً عدم سے واپس آگئے تھے۔ وہ ایک لمبا چوغہ پہنے ہوئے تھا جو ٹٹو کی پیٹھ سے پیچھے کی طرف نیچے لٹک کر زمین کو چھو رہا تھا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی پادریوں کی ٹوپی اس کے سر کو تکلیف دے رہی تھی۔ اگر میں کسی خچر پر سوار ہوتا تو میں ایسی ٹوپی کا انتخاب کسی صورت میں نہیں کرتا۔ ایسا لگتا تھا کہ اس کا مرتبہ اسے اپنی بے اطمینانی کا برملا اظہار کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ بہرحال اس پادری کے سوا ہر ایک صبح کی اس گل گشت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ ہم سبھی ایک منظم صورت میں صدر مقام کی طرف چل پڑے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

لیہہ کو آپ کئی میل کی دوری سے بھی دیکھ سکتے ہیں کیونکہ یہ پہاڑی چٹانوں پر تعمیر کیا گیا ہے جس پر خانقاہیں اور محل نمایاں طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ لیہہ سطحِ سمندر سے گیارہ ہزار سات سو فٹ کی بلندی پر واقع ہے لہٰذا یہاں کی آب وہوا سے مانوس ہونے کی خاطر کچھ وقت لگتا ہے۔

جب ہم مرکزی اندرون سے اہم شاہراہ پر پہنچے تو دیکھا کہ اس کے دونوں طرف ہز ہائی نیس کی فوج قطاروں میں ایستادہ ہے اور اس کے پیچھے شہریوں کا ایک ہجوم کھڑا ہے۔ خانقاہ کا باجا ایک عمارت کی چھت پر پوری شدومد سے گونج رہا تھا اور اس کی موسیقی مدھر لگتی تھی۔ اس مرکزی کاروباری سڑک پر سفیدے کے درخت قطار اندر قطار کھڑے ہیں جن سے گرما کے موسم میں آرام دہ ٹھنڈ نصیب ہوتی ہے۔

یہاں کا پولو گراونڈ وسیع وعریض ہے۔ یہاں کھلاڑی سڑک پر ادھر سے اُدھر گھومتے نظر آتے ہیں جو اپنی بالیں بار بار دکانوں پر دے مارتے ہیں۔ خوش قسمتی سے لیہہ کی دکانوں میں شیشے نہیں لگے ہیں ورنہ سڑکوں پر کھیلا جانے والا یہ پولو بہت مہنگا ثابت ہوتا۔

کپتان ٹرینچ کو بالآخر ریذیڈنسی پر بحفاظت لے جایا گیا جو ایک خوبصورت باغ میں دومنزلہ سنگی عمارت تھی۔ لیہہ میں چونکہ درختوں کا مرضی سے انتخاب نہیں ہوسکتا اور میں نے یہاں صرف سفیدے اور بید کے درخت ہی دیکھے ہیں لیکن لداخ کے نچلے خطے میں خوبانی، سیب اور آڑو کے درخت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

کمشنر کے ترجیحی فرائض میں اُن تاجروں کے مفادات کا خیال کرنا ہے جو مرکزی کارواں کی شاہراہ سے ہندوستان سے وسطِ ایشیا، یارقند، ترکستان اور چین جاتے ہیں۔

میں موراوی مشینریوں کے پاس گیا جنہوں نے ازراہِ عنایت ڈاکٹر ای۔ ایف۔ نیوکو اور مجھے اپنے ہاں قیام کرنے کی دعوت دی تھی۔ وہ یہاں کئی سال سے ایک قابلِ ستائش اور فائدہ مند کام سرانجام دے رہے ہیں۔ وہ ہسپتالوں اور سکولوں اور لوگوں کے گھروں میں بھی جاتے ہیں۔ اب ان کے پاس کوئی تیس عیسائیوں کی جماعت موجود ہے۔ ان میں سے چند سال تک

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

میرے رابطے میں رہنے والے ایک مشینری کی کہانی دلچسپ ہے۔

نوبرا میں ایک خانقاہ کا لاما قریب المرگ تھا۔ اس نے جان پہچان کے ایک مشینری کو بلاوا بھیجا۔ نوبرا وادی کھر دنگ درّے کی دوسری طرف لیہہ سے کوئی پچاس میل کی دوری پر ہے جو سترہ ہزار چار سو فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ مشینری فوراً وہاں چلا گیا اور اس نے اُسے مرنے سے پہلے دیکھا۔ لاما نے اس سے کہا کہ اس نے مشینریوں کی تعلیمات کے ذریعہ اس آسمانی حقیقت کو سنا تھا کہ حضرت عیسیٰ ہی اُس کا نجات دہندہ ہے۔ البتہ اس نے اس حقیقت کا برملا اظہار دوسروں کے ہاتھوں ستائے جانے کے خوف سے نہیں کیا تھا۔ اگرچہ وہ خود ایسا کرنے میں ناکام ہی رہا لیکن وہ اپنے بیٹے کو مشینریوں کے حوالے کر کے اسے ایک عیسائی کی طرح پرورش کروانے کا خواہش مند ہے۔ اس لاما کی موت اس طرح ہوئی جیسے شبنم کا کوئی قطرہ کنول کے پتے سے گر پڑے۔ ہمیں امید ہے کہ اس کے بیٹے کو لیہہ میں مشن پر لے لیں گے جہاں وہ تیرہ سال تک رہے گا اور پھر اسے سری نگر میں مشن سکول میں داخل کیا جائے گا۔ ایسا ہی ہوا۔ مشینریوں نے اسے چند تبتّی دوستوں کی تحویل میں دیا جو تجارت کے لئے جا رہے تھے۔ اس لڑکے کا عیسائی نام جوزف رکھا گیا۔ مجھے یاد ہے کہ کس طرح اس ننھے لداخی کا سکول میں خیر مقدم کیا گیا۔ وہ یہاں تبتّی لباس میں پہنچا۔ وہ عجیب سا لگ رہا تھا کیونکہ میں نے صرف چند ہی تبتیوں کو دیکھا تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ وہ اپنے قومی لباس پر کتنا اِترا رہا تھا جسے وہ سکول میں ہر وقت پہنتا رہا۔

دوسری طرف جوزف کو دیگر برہمن طلباء کے ساتھ ملنے جلنے میں کافی دقت کا سامنا کرنا پڑا جو اس کے عجیب وغریب کپڑوں کو دیکھ کر ہنستے رہے اور اس کا مذاق اُڑاتے رہے۔ وہ اس کے عیسائی ہونے پر بھی اسے ستاتے رہے۔

جوزف نے کبھی اپنے عذاب رسانوں کو کوئی اہمیت نہیں دی اور نہ اس نے ان کی باتوں کا کوئی جواب دیا، نہ ہی اس نے کسی بھی طرح ان کا خوف محسوس کیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ برہمن لڑکے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کرتے تھے۔ میں اس طالبِ علم کو پسند کرتا

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہوں جو اپنے معاملات خود سنبھالے اور کسی دوسرے کی حمایت کا محتاج نہ بن جائے۔ لہٰذا میں نے بھی اسے اچھی تربیت دینے کی ٹھان لی۔ وہ جلد ہی ایک بہتر شاگرد ثابت ہوا جس کے دل میں، میں نے کوئی وسواس یا ڈر کبھی نہیں دیکھا۔ پھر ایسا ہوا کہ ایک مختصر سے وقت میں ہر ایک اس کی عزت کرنے لگا۔ جس پر اس کا مذہب یا پوشاک بھی اثر انداز نہیں ہوسکا۔ سکول چھوڑنے سے پہلے وہ سب سے زیادہ محترم لڑکا بن چکا تھا۔ اب وہ اپنے ملک واپس جانے کی تیاری کر رہا تھا میں نے اس پوچھا کہ وہ کون سا پیشہ اختیار کرے گا کیونکہ لداخی باشندے بہت کم پڑھے لکھے تھے اور حکومت کے سبھی عہدوں پر یا تو کشمیری برہمنوں کا قبضہ تھا یا وہ ہندوستانیوں کے پاس تھے۔ میرے خیال میں بہتر ہوگا اگر چند لداخی بھی سرکاری نوکریوں میں شامل ہوجائیں۔ میں نے اس سے کہا کہ اگر وہ بھی ایسا کرے تو ایک وقت اسے اقتدار اور رسوخ حاصل ہوگا جسے وہ نیک کارکردگی کے لئے کام میں لائے گا۔ اُس نے جواباً کہا: ''مجھے اقتدار یا دولت نہیں چاہیئے جو میں چاہتا ہوں وہ بس اتنا ہے کہ میں اپنے لوگوں کو عیسیٰ کی تعلیمات سے بہرہ ور کروں۔ میں ایک مشینری بننے کو ہی ترجیح دوں گا''۔

وہ واپس لیہہ چل گیا اور وقت گزرنے کے ساتھ وہاں مشن سکول کا ہیڈ ماسٹر بن گیا۔ اس عہدے پر وہ کئی سال تک رہا۔ وہ اپنے ملک کے لوگوں کو عیسیٰ کی تعلیم دے رہا ہے جس میں اس کی تقریر اور عمل دونوں شامل ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ اس کی تعلیم نے اسے ایک بابو بننے کی ترغیب نہیں دی۔ اس کے برعکس وہ ایک شریف النفس محنتی شخص بن گیا۔ میں نے کئی بار اسے سرا گائے کا جوڑا ہانکتے ہوئے اپنی پیٹھ پر ایک ٹوکرے میں کھاد اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ اس کی تعلیم نے اسے انسانیت سے دور نہیں کیا جیسا کہ کئی لوگوں کے ساتھ ہوا ہے۔

مجھے یاد آ گیا کہ خانقاہ میں دم توڑتے ہوئے لاما نے اپنے ملک کی خاطر کیا کیا اگرچہ کئی اور لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتا کہ اپنے بچوں کو کس طرح راہِ راست پر ڈالنا چاہیئے۔

لیہہ میں مشن کو چند عمدہ قسم کے مشینریوں کی خدمات کا اعزاز حاصل ہوا ہے۔ ان کی تنخواہ اگرچہ بہت ہی کم ہے اور ابھی کل تک وہ گھر جانے کے لئے زادِ راہ بھی نہیں رکھتے تھے اور

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

بعد میں اپنے کام پر ہی وفات پا گئے لیکن مجھے خوشی ہے کہ آئے دن ایک دانشمندانہ اور انسان نواز پالیسی کے پیشِ نظر اگر بزرگ مشنیریوں کی عمر دراز ہو تو نئے اور نا تجربہ کار جانشینوں سے کسی حد تک نپٹنا نہیں پڑے گا۔ اس کے لئے انہیں وقت وقت پر لمبے آرام کی سہولیت دی جانی چاہیئے۔ سرینگر اور لیہہ میں مشنیری کئی لحاظ سے ایک دوسرے کے مددگار بنتے۔ دورانِ جنگ ڈاکٹر اور مس ہیبر سری نگر مشن ہسپتال میں امداد دینے لے گئے جب وہاں اس کی ضرورت تھی اور وہ تعریف و تحسین کے مستحق کہلائے۔

قصبے کے باہر ریت کے ویرانے میں ایک چھوٹا سا نخلستان جو عیسائیوں کا قبرستان ہے جس میں دیگر مقدس باقیات کے علاوہ ایک ممتاز مشنیری مس ایرینی پیٹر بھی شامل ہے جس نے صرف تین سال کے بہت ہی مختصر دورانیہ میں خواتین اور بچوں کو سرینگر میں روزی کمانے کے ہنر سکھائے۔ وہ چھٹیوں کے لئے لداخ آئی لیکن وہاں پہنچتے ہی ٹائی فائڈ کے بخار سے اس کا انتقال ہوا جس کی لاگ اسے سرینگر میں لگی تھی۔ مسز ایشلے کارس ولسن نے اپنی سوانح لکھی جو ایک قابلِ مطالعہ کتاب ہے جو اعلیٰ خدمت میں گزاری ہوئی اس کی زندگی کا حال بیان کرتی ہے۔

میں نے کھر ڈُنگ درّے کے بارے میں بہت کچھ سُنا تھا جو لیہہ سے چند میل کے فاصلے پر سترہ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ اس پر اکثر و بیشتر بوجھ ڈھونے والے حیوانوں کی ہلاکتیں ہوتی ہیں۔ یہاں ہوا اس قدر گھٹی ہوئی ہے کہ ٹٹو اور گدھے والے ان کی ناک کو چیر کر اسے پھیلاتے ہیں تا کہ ان کے نتھنوں میں زیادہ سے زیادہ ہوا گھس جائے۔ اس درّے پر تاجر زیادہ تر سُرا گائے ہی کو استعمال میں لاتے ہیں جن پر وہ اپنے آپ کو پہاڑی بیماری سے بچانے کے لئے سوار ہوتے ہیں۔

سورج بہت گرم تھا کہ میں نے رات ہی کو سفر جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ میں اپنے ٹٹو پر شام کے آٹھ بجے روانہ ہوا کیونکہ سُرا گائے بہت سست رفتار ثابت ہو سکتی تھی۔ میرے ساتھ لداخ کا ایک ٹٹو سوار پہاڑی رہنما بھی تھا۔ بارہ بجے کا وقت تھا کہ میرا یہ رہنما غائب ہو گیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کس سمت میں گیا اور گہرے اندھیرے میں اسے ڈھونڈنا میرے لئے ناممکن تھا۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

مجھے راستہ بھی نہیں دکھائی دیتا تھا، لہٰذا میں ٹٹو سے اتر گیا تا کہ میرے پاؤں زمین کے ساتھ رہیں۔ ٹٹو بھی ہلنے کے موڑ میں نہیں تھا۔ میں نے اسے ایک چٹان کے ساتھ باندھ لیا اور خود کوئی نشان پانے کی غرض سے چل پڑا۔ مجھے ایسا لگا کہ میں پہاڑی کی چوٹی پر اس کے نوکیلے سرے پر پہنچا ہوں۔ مجھے بہر حال محسوس ہوا کہ میں بیک وقت بیس سے زیادہ قدم نہیں چل سکتا۔ اس کے ساتھ ہی اذیت ناک سر درد نے مجھے پریشان کیا۔ یہ ایک ایسا احساس تھا کہ جیسے میرے سر میں خون کی رگیں جل اٹھیں گی۔ کچھ دیر تک بے معنی آوارہ گردی کے بعد مجھے لگا کہ میں ایک چوٹی کے دہانے پر ہوں، چاند نکلا۔ یہ رات کے ایک بجے کا وقت تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ میں گلیشیر کے دامن پر کھڑا ہوں جو یخ کا ایک ستر فٹ اونچا پہاڑ جیسا تھا جس کے بارے میں تصور کیا جا سکتا تھا کہ وہ کبھی بھی ٹوٹ کر ایک آفت بن سکتا ہے۔ یہ نظارہ بے حد پُرکشش تھا اور میں اس کی وجہ سے کچھ دیر تک اپنا سر درد بھول چکا تھا۔

میں نے چاہا تھا کہ میں اس درّے کے پاس بیٹھ کر سورج کو چڑھتے دیکھوں لیکن میری قوت جواب دی چکی تھی اور اب میں ہر حال میں پہاڑ سے نیچے اترنا چاہتا تھا تا کہ میں اطمینان سے سانس لے سکوں۔ میں اس چٹان پر اتر گیا جہاں میں نے اپنے خچر کو باندھا تھا۔ پھر مجھے ایسا لگا کہ میں اپنی قوت واپس حاصل کر رہا ہوں۔ جب میں لیہہ پہنچا تو میں نے اپنے رہنما کے بارے میں دریافت کیا لیکن مجھے کچھ بھی پتہ نہیں چلا کہ وہ کہاں غائب ہو گیا اور میں یہ نہیں جان سکا کہ اس نے کیوں مجھے چکمہ دیا؟

لیہہ سے کوئی بیس میل دور ہیمس کے نام سے ایک بہت بڑی اور اہم خانقاہ ہے جہاں ہر بیس سال کے بعد ایک بہت بڑا مذہبی جشن منایا جاتا ہے۔ لہٰذا ڈاکٹر نیو اور میں نے ٹٹو کرایہ پر لئے اور ہیمس جانے والے زائرین کے قافلے سے جا ملے۔

یہ ایک دلچسپ اور فرحت بخش نظارہ تھا کہ ہر طبقے کے لوگ پیدل یا گھوڑوں پر سوار ہو کر اس دور دراز خانقاہ کی طرف جا رہے ہیں۔ کئی ٹٹوؤں پر تو دو دو شخص سوار تھے جن میں مرد آگے اور اس کی بیوی پیچھے بیٹھی تھی۔ لداخ میں چونکہ ایک عورت ایک سے زیادہ شوہر رکھتی ہے لہٰذا

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

بیوی مالک اور آقا ہوتی ہے۔اس لئے اندازہ کیا جاتا ہے کہ بیوی آگے بیٹھی ہوگی اور ایک یا ایک سے زیادہ شوہر اس کے پیچھے بیٹھے ہوں گے۔ہم نے بھی ایک گھوڑے پر تین سواروں کو دیکھا۔ان میں دو خواتین تھیں، ایک بوڑھی عورت اور ایک خوبصورت دوشیزہ جس کے ہونٹ گلاب کی پنکھڑیوں جیسے تھے۔جب ہم ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے ہمیں اشارہ کیا اور مسکرائیں۔ہم نے سوچا کہ وہ بہت ہی ماڈرن قسم کی عورتیں ہوں گی پھر ہمیں خیال آیا کہ وہ چند روز پہلے ہماری میزبان تھیں جب ایک بندۂ خدا تبتی، اس کی بیوی اور بیٹی نے چائے پر ہمیں دعوت دی تھی۔البتہ ہم انہیں نہیں پہچان سکے کیونکہ یہاں ایک رسم یہ ہے کہ معزز خاندانوں کی خواتین اپنے چہروں پر کیچڑ کی لپائی کر کے انہیں چھپاتی ہیں لیکن ایک مذہبی سفر کے دوران اپنے چہروں کو اس طرح بگاڑ نہیں لیتیں۔

ہیمس پہنچنے میں ہمیں دو دن لگ گئے۔یہ خانقاہ پہاڑ کے ایک طرف ایک تنگ وادی میں واقع ہے۔اس کو بہت اونچائی پر تعمیر کیا گیا ہے جس کی وجہ مجھے یہ بتائی گئی کہ جب سکھوں نے اس ملک پر حملہ کیا تو اسے لوٹے جانے سے بچانے کی خاطر اس کی عمارت اس بلندی پر بنائی گئی۔اس کے اندر بہت ہی نایاب خزینے ہیں جن میں چینی ملبوسات اور جواہرات کی وافر تعداد شامل ہے۔

اس سلسلے میں جشن ایک کھلے میدان میں منعقد ہوا۔جہاں سے یہ خانقاہ ایک عالیشان محل کی مانند دکھائی دے رہی تھی۔اس میں تین سو لاما ہیں جو زرد چغے پہنتے ہیں اور سرخ لباس پہننے والوں سے افضل مانے جاتے ہیں۔یہ جشن سارا دن اور اگلے دن دوپہر تک جاری رہتا ہے۔اس میں کوئی وقفہ نہیں ہوتا جس سے یہ بے حد تکان دہ ہوتا ہے۔اس تماشے کا مقصد لوگوں کو اس طاقت سے آگاہ کرنا ہے جو لاماؤں کو بعد از مرگ نصیب ہوتی ہے۔اس میں جہنم کا سارا ایذا رساں عمل پیش کیا جاتا ہے اور دیکھنے والوں پر باور کیا جاتا ہے کہ اس عذاب سے صرف لاماؤں کے تقدس سے ہی نجات حاصل ہو سکتی ہے۔اس ڈرامے میں ایک بھی لفظ بولا نہیں جاتا، صرف اسے دکھایا جاتا ہے۔اس جشن کو خانقاہ کے باجے سے ترنم میں رکھا جاتا ہے۔باجا بجانے والوں کو ایک اور شخص ہدایات دیتا رہتا ہے جس کے سامنے ایک بہت بڑی کتاب ہوتی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہے۔ بڑے کمرے کے بیچوں بیچ آگ جلائی جاتی ہے۔اس میں لاما داخل ہوتے ہیں جن کے منہ پر حیوانوں کے چہروں والے خوف ناک مکھوٹے لگے ہوتے ہیں۔ان حیوانوں میں کتے، چیتے، اژدہے وغیرہ ہوتے ہیں۔وہ اپنے ہاتھوں میں سہ طرفہ کانٹے چبھوتے ہیں تاکہ وہ اپنے شکار پر جسمانی عذاب نازل کریں۔یہ نظارے پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔پھر خانقاہ کے مرکزی دروازے سے لاماوؤں کی ایک جماعت نمودار ہوتی ہے۔وہ بھی رنگین چینی ریشمی کپڑے پہنے ہوئے اور بڑے بڑے مکھوٹے لگائے ہوتے ہیں۔وہ اس آگ کے گرد ناچتے رہتے ہیں جس میں اپنے بازوؤں سے شعلوں کی طرف عجیب اشارے کرتے ہیں۔پہلے وہ گویا تکلیف کے عالم میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہیں۔یہ عمل اس قدر بھاری بھرکم لگتا ہے کہ اس سے انسانی اعصاب پر گہرا اثر پڑتا ہے۔اس دوران باجا دہشت ناک انداز سے دھیمی رفتار کے ساتھ بجتا رہتا ہے۔پھر موسیقی دھیرے دھیرے تیز سے تیز تر ہو جاتی ہے جب تک کہ یہ مقدس لامارقصندہ درویشوں کے گرد دائرے کی طرح ناچتے ہیں۔ باجے والے بھی جیسے شہنائیوں کی چیخ پکار، ڈھولوں کی پُرشور تھاپ اور دوسرے آلاتِ موسیقی سے وجد میں آجاتے ہیں۔پھر یکا یک سارے ماحول پر قبرستان کی سی خاموشی چھا جاتی ہے اور ہر ایک کو اس دھما چوکڑی سے سکون ملتا ہے۔ہم سب اس راحت کے لئے خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔پھر یہ ناچ شروع سے آخر تک دوبارہ ناچا جاتا ہے جس میں ہر تین سیکنڈ کے بعد ایک قدم اٹھایا جاتا ہے۔اب یہ رقاص لاما تھک کر چور ہوئے ہیں اور ایک ایک کر کے خانقاہ کے اسی دروازے سے واپس کھسکتے ہیں جہاں سے وہ اپنے کرتب سکھانے نکلے تھے۔اس کے فوراً بعد لاماوؤں کی ایک اور جماعت مختلف اور زیادہ بڑے مکھوٹے پہنے سامنے آجاتی ہے۔ان میں سے کئی ایک کے چہرے بھیانک لگتے ہیں۔وہ بھی باجے کے سہارے ناچ گانے کا مظاہرہ کرتے ہیں۔اس طرح ایک جماعت دوسری کے بعد پورے دن اور اگلے دن کی دوپہر تک وقتاً فوقتاً آتی رہتی ہے۔آگ ابھی تک جلی ہے اور شیطان اسے اپنی مرضی سے جلانے کا مظاہرہ کرتے ہیں۔پھر اس کے بعد مقدس لاماوؤں کی آمد ہوتی ہے جو اپنے ساتھ پاکیزہ پانی لاتے ہیں جس سے وہ شعلوں کو بجھا دیتے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہیں۔ پھر شیطان ایک ایک کر کے شور وغل مچاتے ہوئے منظر سے نکل جاتے ہیں۔ اصل میں یہ شور وغل زوردار آندھی کی وجہ سے سنائی دیتا ہے جس کے بعد شیطان، مکھوٹے، نوکیلے کانٹے، سب کچھ نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں جو اصل میں خانقاہ میں ہی داخل ہو چکے ہوتے ہیں۔ حاضرین کے لئے ایک خاص دعائیہ مجلس کا انعقاد کرنا تھا۔ ایک کھلے احاطے میں جو خانقاہ کے برآمدے کے سامنے تھا، ایک مذبح تھا جسے روایتی زیورات، چراغوں، صاف پانی، جامِ مئے اور کھانے کی قابوں سے سجایا گیا تھا۔ پجاری ایک مخصوص لباس پہن کر داخل ہوا۔ اس نے بھیڑ کی طرف پیٹھ کر لی اور ذبح خانے کی طرف منہ پھیر کر ورد کرنے لگا۔

دریں اثنا ایک مسخرہ اپنے ہاتھ میں رنگین غبارہ لے کر آیا جسے اس نے پجاری کے سر پر دے مارا اور خود ایک ستون کے پیچھے چھپ گیا۔ وہ دوبارہ نمودار ہوا اور پجاری کو دھتکارا اور اس پر ایک اور ضرب رسید کر لی۔ پجاری نے اس کا ذرہ بھر بھی خیال نہیں کیا کیونکہ وہ اپنے عبادتی عمل میں پوری طرح محو تھا۔ پھر پجاری نے مزید طمانچے کھانے کے بعد پلٹ کر دیکھا کہ یہ کہاں سے آتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے اس نے غلط سمت میں نظریں دوڑائیں اور مسخرے نے پھر اُسے پکڑ لیا۔ ہمیں مشکل سے یقین آ رہا تھا کہ ہم بودھوں کی ایک سنجیدہ مذہبی رسم کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ لوگ اس تماشے سے محظوظ ہو کر زور زور سے قہقہے لگا رہے تھے۔

مجھے اس تماشے کا آخری عمل سمجھ میں نہیں آسکا۔ میرا قیاس ہے کہ پجاری بھی جب اپنی مذہبی عبادتوں میں گم ہوتے ہیں تو وہ بھی شیطان صفت قوتوں سے مداخلت کو رد نہیں کرتے۔ بہرحال یہ ایک دلچسپ منظر تھا اور حیرانی کی بات یہ ہے کہ جو لوگ میلوں کا سفر طے کر کے یہاں آئے تھے وہ کس حد تک ان حرکتوں پر یقین کرتے ہوں گے؟ میرا خیال ہے کہ وہ شیطانوں پر زیادہ یقین رکھتے تھے اور ان کے مزاج فطری طور پر مزاح پسند تھے۔ خانقاہ کے سربراہ نے مجھ سے کہا کہ لاما پورے ایک سال تک اس جشن کی تربیت حاصل کرتے تھے، اسی لئے انہیں صحیح انداز میں عبادتی کارکردگی انجام نہ دینے کیلئے طمانچے برداشت کرنے پڑتے تھے۔ اب ایک موٹی چھڑی لائی گئی جسے پیتل کے لپیٹے سے اور بھاری بنایا گیا تھا۔ مجھے ان

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

لاماؤں سے ہمدردی پیدا ہوئی جو اپنی مذہبی کارکردگی میں پورے نہیں اترے تھے۔ ان کے جسموں پر چربی کی ایسی تہہ بھی نہیں کہ وہ اپنی ہڈیاں اس چھڑی کی مار سے محفوظ رکھ سکیں۔

خانقاہ کے کتوں نے ہمیں اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ لیکن وہ زنجیروں میں بندھے تھے۔ ہمیں بتایا گیا کہ ان کتوں کو قبروں کے آس پاس رکھا جاتا ہے تاکہ مردوں کی ہڈیاں چبا سکیں۔ ان میں سے چند ایک تو وحشی درندے تھے۔ میرے ایک دوست پر جب ان درندوں نے حملہ کیا تو اس کے پہلوان ہونے کے باوجود اسے بستر میں دو دن گزارنے پڑے۔ میں خود ایسی صورتِ حال سے بال بال بچا۔ میں ایک دن بغیر بلائے ایک خانقاہ دیکھنے گیا۔ جب میں وہاں کی ایک تنگ گلی سے گزر رہا تھا تو ایک کتے کو گہری نیند میں دیکھا۔ میں نے اپنی نادانی میں سوچا کہ اگر ہلکے ہلکے قدم اٹھاؤں گا تو شاید اس کے پاس سے گزر سکوں۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔ یہ خفتہ کتا اصل میں جاگ رہا تھا۔ وہ زنجیروں میں بھی بندھا نہیں تھا اور دم زدن میں مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ خوش قسمتی سے میرے ہاتھ میں ایک عصا تھا جسے میں نے اس کے منہ میں ٹھونس دیا۔ چونکہ یہ راستہ نہایت تنگ تھا، میں اپنے اس ہتھیار کو اسے ڈرانے کے لئے گھما بھی نہیں سکتا تھا۔ میں ایک بُت کی طرح ساکن و جامد ہوکر کھڑا رہا اور دھیرے دھیرے پیچھے کی طرف مُڑنے لگا۔ کتا بھی ایک ایک انچ چل کے میری طرف آرہا تھا۔ اس طرح میں آخر کار وہاں سے کسی جسمانی چوٹ کے بغیر نکل آیا۔

اب ہمیں لیہہ اور اس کے بعد سرینگر کی طرف کوچ کرنا تھا۔ ہم نے ہیمس پر پادریوں اور پجاریوں کو الوداع کہا جو تبت کی سطحِ مرتفع سے یہ نظارے دیکھنے آئے تھے۔ ہم دوسرے دن لیہہ پہنچے جہاں اپنے مہربان دوستوں کمشنر اور مشینریوں سے رخصت لی اور مغرب کی سمت سفر پر روانہ ہوئے۔ ان جگہوں پر ہم نے ہر وقت اپنے خیمے گاڑھ کر انہی میں رات کو سونے کو ترجیح دی ورنہ ڈاک بنگلوں میں ہمیں کیڑوں مکوڑوں اور ٹڈیوں کے حملے کا شکار ہونا پڑتا۔ ایک موقعے پر ایک نوجوان افسر نے ہمیں کھانے کی دعوت دی۔ نیو نے دیکھا کہ افسر کے پاس ایک ایسی پلیٹ بھی تھی جو نیو ہی کی تھی اور وہ اس نے پہچان لی تھی۔ دراصل ایک مرتبہ یہ افسر نیو کے گھر میں مہمان تھا اور اس کے ساتھ اُس کا نوکر بھی تھا۔ اس نوکر نے اپنے افسر کی خوشنودی کے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

لئے نیو کی میز سے ایک پلیٹ چرا کر اسے دی تھی اور اب وہی پلیٹ میز پر جلوہ نما تھی۔ نوکر عام طور پر ایسی حرکتوں کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔ میرا ایک نوکر جو اس چال سے واقف ہے، مجھ سے ہر بار کہتا ہے کہ میں اپنے دوستوں کو یاد دلاؤں کہ جب بھی نوکر اُن کے گھروں سے باہر جائیں تو وہ سارے چمچے اور چھری کانٹے وغیرہ گن کر وہاں سے چلیں۔

ایک دوسرا رواج بھی مجھے دلچسپ لگا:

میں نے ایک قلی کو سڑک پر دیکھا جس کا منہ زمین پر تھا جس سے دھواں نکل رہا تھا۔ جب میں نے اس حرکت کی وجہ پوچھی تو مجھے بتایا گیا کہ وہ گھر سے اپنا حقہ لانا بھول گیا تھا۔ چونکہ وہ تمباکو کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا لہٰذا اس نے زمین میں ایک چھوٹی سرنگ کھود کر اس میں دو سوراخ کئے تھے۔ ایک سوراخ کے اوپر اس نے تمباکو اور چند انگارے رکھے تھے اور دوسری طرف وہ کش لگا کر تمباکو نوشی کر رہا تھا۔ تعجب ہے کہ کس طرح ایک شخص سیکھتا اور زندہ رہتا ہے۔

ملبے سے گزر کر ہم نے کاروان کی سڑک چھوڑ دی تا کہ ہم سورو کے راستے نُن کُن کے نیچے سے وارڈون نالے پر پہنچ سکیں۔

ہم شیر گل خانقاہ سے گزرے جسے ایک چٹان میں بنایا گیا ہے۔ اس کی کھڑکیاں چٹانوں میں سے نکلی ہوئی ہیں۔ اس میں اندر جانے اور باہر آنے کے راستے بھی عجیب ہیں۔ رسی سے باندھی گئی ایک ٹوکری میں آنے والے شخص کو بٹھا کر اسے انتہائی نفاست سے اوپر کھینچا جاتا ہے تا کہ بن بلائے لوگوں کو اندر آنے نہ دیا جائے۔ ہم نے جب سورو دریا کو پہلی بار دیکھا تو یہ نظارہ قابلِ دید تھا۔ اس نے مجھے جنت کی وہ تصویریں یاد دلائیں جو میں نے بچوں کی تصویری کتابوں میں دیکھی تھیں۔ ہم ایک چوٹی سے سورو کو دیکھ رہے تھے جہاں اس میں وسعت پیدا ہوئی تھی اور یہاں چھوٹے چھوٹے جزیروں میں بید کے درخت قطار اندر قطار اُگے تھے۔ پیچھے اور اوپر دیو قامت چوٹیاں بلند ہوتی ہوئیں بیچ میں ایک وادی کو گود لئے ہوئے تھیں۔

جب ہم پُل پر پہنچے تو دیکھا کہ یہ ہمارے ٹٹوؤں کے لئے بہت کمزور تھا۔ دریا کو بھی پار نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ اس کی رفتار طوفانی تھی اور وہ گھن گرج والی موجیں مارتا تھا۔ ٹٹو اسے پار

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے۔ اب کیا کریں؟ ٹٹوؤں کے مالکوں نے جلد ہی اس معمے کو حل کیا۔ انہوں نے ٹٹوؤں سے بوجھ اتار کر انہیں دریا پار کروانے کا قصد کیا۔ انہوں نے ٹٹوؤں کی گردنوں میں ایک رسی باندھی۔ ٹٹوؤں کو پانی میں گھسیٹا گیا اور ٹٹو والوں نے پل پر چلتے ہوئے رسی کو زور سے اوپر کی طرف کھینچ کر رکھا تا کہ ٹٹوؤں کے سر پانی کی سطح سے اوپر رہیں۔ اس طرح ہمارا ذہنی تناؤ کم ہو گیا۔ ہمارے سبھی ٹٹو بحفاظت پار پہنچے لیکن ایک ٹٹو والے کو پل پر اپنا توازن برقرار رکھنے کے لئے بہت مزاحمت کرنا پڑی۔

سورو کا گاؤں نُن کُن چوٹیوں کے نیچے واقع ہے جو سطحِ سمندر سے ساڑھے تیئس ہزار فٹ اونچی ہیں۔ یہی وہ چوٹیاں ہیں جو سرینگر سے دکھائی دیتی ہیں اور یہ سفید اہرامِ مصر کی شکل رکھتی ہیں۔ ہم جہاں سورو دریا کے پاس کھڑے تھے وہ ایک شاندار نظارہ تھا اور اس کے دیو ہیکل گلیشیئر سورج کی روشنی سے جگمگا رہے تھے۔

سورو سے نکلنے کے بعد ہم نے مارموت جانوروں کی ایک بہت بڑی تعداد کو دیکھا جو خرگوشوں کی طرح اپنے جھنڈوں میں رہتے ہیں۔ وہ گاجر کے رنگ کے ہوتے ہیں اور ان کا قد چھوٹی لومڑی جتنا ہوتا ہے۔ وہ اپنے گاؤں کی حفاظت کیلئے سپاہیوں کا کام کرتے ہیں، جب وہ ایک چٹان پر بیٹھ کر دیہاتیوں کے دشمن پر نظر رکھتے ہیں۔ اگر انہیں کوئی پرایا آدمی نظر آجائے تو وہ زور زور سے سیٹی بجاتے ہیں اور پھر اپنے بلوں میں گھس جاتے ہیں۔ یہ ایک پُرکشش جانور ہے۔ انہیں جنگلی لہسن پسند ہے جو اس خطے میں بکثرت پیدا ہوتا ہے۔

ہم دونالہ درّے سے وارڈون وادی میں داخل ہوئے اور ہمیں ایک گلیشئر پر سات میل تک چلنا پڑا۔ جب ہم یہاں اونچائیوں سے نیچے چھلانگ لگاتے تھے تو ہمارے خون میں حرارت کی لہر دوڑتی لیکن ہمیں اس یخ بستہ برفانی تودے پر پھسلنے سے بچنے کی خاطر جتن کرنے پڑتے۔ ہمارا ایک قلی ایک ایسی ہی گہرائی میں گر گیا مگر اس کی پیٹھ پر جو بوجھ تھا وہ یخ کی سلوں میں اٹک گیا اور وہ بال بال بچ گیا۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے سبھی ساتھی کیمپ تک سلامت پہنچ چکے ہیں۔ اپنے خیموں کے لئے ہمیں کسی محفوظ جگہ کو تلاش کرنا تھا کیونکہ ہم اُس جگہ سے گزرے تھے جہاں جنرل ای۔ ایم۔ ایس خیمہ زن تھا۔ رات کو ایک بھاری پتّی نے اسے اور اس کے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

سارے نوکروں کو موت کی نیند سلا دیا۔

وارڈن ایک تنگ وادی ہے جو بہت ترچھی اور عمودی چٹانوں سے بھری ہے لہٰذا برفانی تودے اور پسّیاں بار بار گرتی ہیں اور ہر ایک کو چاروں پہر اپنی آنکھ کھلی رکھنا پڑتی ہے۔

ہمارے سفر کے دوران ڈاکٹر نیو نے اچھا خاصا طبی کام سرانجام دیا۔ وہ چائے کے بعد بیماروں کو دیکھتا اور یہ کام صبح بھی جاری رہتا۔ کچھ بیمار ایک کیمپ سے دوسرے کیمپ تک ہمارے ساتھ ساتھ آجاتے جب انہیں متواتر علاج کی ضرورت رہتی۔ اس سفر میں ڈاکٹر نیو نے موتیا بند کے بیالیس اوپریشن کیے۔ ہمیں ان لوگوں کی شادمانی دیکھ کر خود بھی خوشی ہوتی جن کی بینائی بحال ہو چکی تھی۔ اوپریشن کے بعد، جو صرف چند لمحوں میں کیا گیا تھا، ڈاکٹر نیو بیمار کے ہاتھ پکڑ کر اس سے کہتا کہ وہ اپنے ہاتھوں کی انگلیاں گن لے۔ جب کسی بیمار نے انگلیوں کی صحیح تعداد بتائی تو ڈاکٹر کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر یہ مسکراہٹ قہقہوں میں تبدیل ہو گئی۔ جب بیمار کو پتہ چلا کہ یہ کوئی خواب یا جادو نہیں تھا ایک حقیقت تھی تو آنکھوں پر پٹی باندھی گئی اور بیمار سے تاکیداً کہا گیا کہ وہ دو ہفتوں تک اسے نہ کھولے۔ موتیا بند کا اوپریشن ایک صاف ستھرا اور جراحی کا حیران کن عمل ہے۔ اس شخص پر واقعی رشک آتا ہے جو صرف چند لمحوں میں دوسروں کو بینائی بخشے۔ اسے کسی حد تک ایک کرشمہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہ اُس معالج کی طرح کا کارنامہ ہے جس نے گلیلی میں سبھی بیماروں کا علاج کیا تھا۔ [1]

وارڈن سے ہم درّے پر چڑھ گئے اور پھر صنوبر کے درختوں کے جنگل سے گزر کر وادیٔ کشمیر میں داخل ہو گئے۔ اس دوران ہم نے گھاس سے بھری پیاری مرگیں اور جگمگاتی ندیاں دیکھیں جب تک کہ ہم اسلام آباد میں دریا تک نہیں پہنچے۔

اب ہمیں کتنا اچھا لگ رہا تھا کہ ہم کشتی میں ٹانگیں ہلائے بغیر سفر جاری رکھیں گے۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں نے اس سفر کا اتنا لطف کس طرح لیا؟ اب میں رفتہ رفتہ اڑتالیس میل دور سرینگر میں اپنے گھر پہنچ رہا تھا۔

............●●●............

---

[1]: گلیلی شمالی اسرائیل کے ایک قدیم صوبہ کا نام ہے جہاں حضرت عیسیٰ نے اپنی زندگی کے کم از کم تیس سال گزارے۔ یہیں پر انہوں نے اندھوں کا علاج کر کے ان کی بینائی بحال کی۔ یہاں پر اسی معالج کی طرف اشارہ ہے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

● ...... غلام نبی آتش

کشمیر کے روایتی لوک رقص۔ چند باقیات

کشمیر میں رقص و موسیقی کی قدیم ترین روایات کی صحت اور اعتبار سے متعلق شہادتیں نہ صرف تواریخی، نیم تواریخی، مذہبی، نیم مذہبی، اساطیری اور نیم اساطیری تذکروں میں ملتی ہیں بلکہ لوگوں کے ذہنوں میں بھی محفوظ ہیں۔ تواریخ کے ابتدائی ادوار سے ہی ان فنون کو شاہی سرپرستی نصیب ہوئی۔ راجاؤں کی سرپرستی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ یہ فنون بودھ وہاروں اور مندروں میں بھی اپنی جگہ بنا گئے۔ کئی راجاؤں نے مشہور ماہرینِ فن خوبصورت رقاصاؤں کے ساتھ شادی کر کے اُن کی اور اُن کے فن کی عظمت و عزت پر مہرِ تصدیق ثبت کر لی۔ رقص و موسیقی کو نہ فقط دھارمک عمل جان کر پروان چڑھایا گیا بلکہ کئی اقوام نے عبادات میں بھی شامل کر لیا۔ کشمیر میں طرح طرح کے تہواروں کے مواقع پر رقص و موسیقی کا اہتمام کیا جاتا رہا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر چیز میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں بلکہ پرانے آثار پر نئی عمارات استادہ کر لی جاتی ہیں اور نئی عمارات کے خدوخال بدل دئے جاتے ہیں۔ تذکرات نے اگرچہ اُن چند حکمرانوں کے نام محفوظ کر لئے ہیں جو رقص و موسیقی کے رسیا اور سرپرست رہے ہیں اور مشہور رقاصاؤں کا اِکا دُکا ذکر بھی کیا ہے لیکن رقص کی روپ ریکھاؤں کی پوری تفصیلات نہیں دی ہیں۔ مندروں، بودھ خانقاہوں اور شاہی درباروں میں سِکہ بٹھانے کے بعد رقاصاؤں کے فن و ہنر نے عوامی سطح پر پذیرائی حاصل کی۔ عجب نہیں وقت اور تواریخ کی بھول بھلیوں میں اس فن کے اصل خدوخال گم ہو گئے ہوں اور طرح طرح کے نئے روپ دھار کر اس نے اپنے آپ کو زندہ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

رکھا ہو۔ آج جبکہ روئے زمین پر دور دراز علاقوں میں رہنے والی اقوام نشر و اشاعت اور اطلاع و پیام رسانی کی جدید ترین برق رفتار سہولیات نے ایک دوسرے کے بالکل قریب کر دی ہیں تو اُن کا ایک دوسرے کی تہذیب و تمدن سے اثر پذیر ہونا ناگزیر ہو گیا ہے۔ دُنیا Global Village بن گئی ہے۔ یہی وجہ کہ مغرب کے ''ڈسکو'' اور ''پوپ'' رقصوں کا چلن مشرقی دنیا میں بھی ہو گیا اور کشمیر میں بھی یہ رقص اپنے لئے جگہ بنانے کے عمل میں غیر محسوس طور پر مصروف ہیں۔ شاہی سرپرستی سے محروم اور بہت حد تک دھارمِک جگہوں سے بے دخل ہو کر رقص کے کئی روپ اور طرز رفتہ رفتہ فوک لور کی جزیات میں شامل ہوتے گئے۔ کشمیر فوک لور میں اب ان رقصوں کے چند باقیات موجود ہیں، جو گزرے وقتوں میں عروج پر رہ چکے ہیں۔

دمالی

اندازہ ہے کہ ''دمالی'' لفظ کی جڑیں فارسی لفظ ''دم'' میں پیوست ہیں۔ ''دم'' سے مراد ہے ''سانس''۔ دمالی رقص کرتے وقت اداکاروں کا سانس پھول جاتا ہے اور وہ کبھی کبھی بے ہوش ہو کر گر جاتے ہیں۔ ''دم'' لفظ کی جہتیں کئی کشمیری صوفی شاعری میں ملتی ہیں۔ اصطلاح میں دمالی ایک ایسا رقص اور کھیل ہے، جس میں اداکار ذرا سانس روک کر ایک دوسرے کے پیچھے پیچھے، دائرہ بنا کر پوری قوت کے ساتھ زمین پر پاؤں مار مار کر، کمالِ سنجیدگی کے ساتھ ڈھولوں کی گھمبیر آواز پر چلتے ہیں۔ ''دمالی'' کو ''دنبالی'' بھی کہتے ہیں۔ اِس نام کا ماخذ بھی فارسی لفظ ''دنبال'' ہے، جس کا مطلب ہے ''پیچھے''۔ اس کھیل و رقص میں چونکہ اداکار ایک دوسرے کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں، اسی لئے اس کا نام ''دنبالی'' ہو گیا ہوگا۔ بقول اوتار کرشن رازدان:

> ''دمالی رقص'' کوہِ ہمالیہ کے مضافاتی علاقہ جات، مشرقی بنگال اور نیفا کے سرحدی علاقوں میں رہنے والوں میں بھی مقبول ہے۔ وہاں اس کا نام دمالی (دمالی) کے بجائے ''دامیل'' ہے۔ [1]

فاضل مقالہ نگار کے خیال میں یہ رقص آریوں کے وارد کشمیر ہونے کے زمانے میں ہی شروع ہو چکا تھا جبکہ انہوں نے ناگوں اور پشاچوں کو بزور بازو یہاں سے بھگا دیا تھا یا اپنا مطیع

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

بنالیا تھا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ رقص ناگ اور پشاج لوگوں نے وہاں پہنچا دیا ہوگا۔ شفیع محمد میر نے ایک مقالہ ''صوفیانہ موسیقی اور کشمیری رقص'' میں لکھا ہے کہ :۔

''قلندررانہ رقص ''دھمالی'' آج تک کشمیر میں جاری ہے۔ ممکن ہے کہ صوفیانہ موسیقی کی چودہ ماتراؤں کی تال ''دھمال'' (امیرِ خسرو کی ایجاد کردہ تال) میں یہ قلندرانہ رقص ہُوا ہو'' ۲

دمالی کھیلنے والے اداکاروں کو ''دما لہِ مُتّ یا دنبالہِ مُتّ'' کہتے ہیں اور ''دمالہِ فقیر'' بھی۔
''دما لہِ مُتّ'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو کیف و سرمستی سے سرشار ہو کر حد سے زیادہ جذبۂ سپردگی کے ساتھ دمالی کھیلتے ہیں۔ بعض اوقات اُن کو کسی اور بات کا ہوش نہیں رہتا۔ ''مُتّ'' کے معنی ہیں ''دیوانے، مست، عاشق''۔ دمالی دیوانہ وار کھیلی جاتی ہے۔ اسی لئے ان اداکارواں کو ''دما لہِ مُتّ'' کہا جاتا ہے۔ دمالی کھیلنے والے پیشہ ور اداکار موسمِ بہار اور موسمِ خزاں میں دیہاتیوں کے آنگنوں اور کھیت کھلیانوں میں گھوم گھام کر دمالی کھیلتے ہیں اور کچھ آذوقہ حاصل کرتے ہیں، اسی لئے ان کا نام ''دمالہِ فقیر'' یعنی دمالی کھیلنے والے فقیر پڑ گیا۔ کشمیر میں دمالی کھیلنے والے اداکاروں کا تعلق لوک تھیٹر کے فنکاروں کے قبیلے سے ہے جن کو عرفِ عام میں ''بانڈ'' کہا جاتا ہے، ان کے علاوہ کچھ قبیلوں کے اِکاڈُکا لوگ، اسلاف کی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے (جس کو کشمیر میں ''لگ'' کہتے ہیں) عقیدتاً کبھی کبھی کسی ولی یا ریشی کی زیارت گاہ پر ہونے والی دمالی میں حصہ لیتے ہیں۔ کشمیر کے مشہور بانڈ فنکار، روایتی پاتھروں (لوک ڈرامے) کے ترتیب کار، لوک تھیٹر کے تجدید کار اور ڈراما نگار محمد سبحان بھگت نے دمالی کے بارے میں لکھا ہے:۔

''دمالی کھیلتے وقت ڈھولوں پر جو تالیں بجائی جاتی ہیں، اُن کے نام ہیں: سواُری، رؤش، چرکہ اور ڈفلہ۔ لیکن ''سواُری'' نام کی جو تال سُرنے (سُرنائی) بجانے والے فنکار بجاتے ہیں، وہ ذرا مختلف ہوتی ہے۔ دمالی میں بجائی جانے والی تال جس کو ''سواُری'' کہتے ہیں، یہ ہے:

دِن تکہ، دِن تکہ، دن تکہ، دِن تکہ، دِن تکہ، دن تکہ، دِن تکہ، دِن تکہ، دِن تکہ۔
ڈھولوں پر اس وقت تک یہی تال بجائی جاتی ہے جب تک ''دمالہ مُتّ'' یکجا ہو کر

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

دائرے میں استادہ ہوجاتے ہیں تو ڈھول بجانے والے لے اور تال بدل دیتے ہیں۔ اسی تال کو ''روش'' کہا جاتا ہے۔اسی دُھن پر دائرے میں لے اور تال پر قدم اُٹھاتے ہوئے اداکار رقص شروع کر دیتے ہیں۔اُن کا امیر ''دمالہِ موت'' دُعا مانگنے لگتا ہے۔دوسرے اداکار اور تماشہ بین ہاتھ دراز کر کے زور زور سے آمین کہتے جاتے ہیں۔روش تال یوں ہے:

دِن تکہِ، دِن تکہِ، دن تکہِ، دِن تکہِ، دِن تکہِ، دن تکہِ، دِن تکہِ، دِن تکہِ، دِن تکہِ۔

دُعا مانگنے اور آمین کہنے کا عمل پورا ہونے تک ''روش'' تال بجتی رہتی ہے اور اِس عمل کو ''چرکہِ دمالی'' کہتے ہیں۔اس کے بعد ڈھولوں پر ''سہ تال'' بجائی جاتی اور دمالی جاری رہتی ہے۔پھر ''ڈفلہ'' نام کی تال کے بجائے جانے کی باری آتی ہے۔اِس تال پر کھیلی جانے والی دمالی کو ''ڈفلہِ دمالی'' کہا جاتا ہے۔اس دمالی میں یہ ''ڈفلہِ تال'' بجتی رہتی ہے:

دِن دِن دِنا دن تکہِ، دِن دِن دِنا دن تکہِ، دِن دِن دِنا دن تکہِ، دَ دَ دَ دِن تکہِ، دَ دَ دَ دِن تکہِ، دَ دَ دَ دَ تکہِ دن، دِن دِن دِنا دِن تکہِ۔

ڈفلہ دمالی نہایت مُشکل عمل ہے۔اس عمل کے دوران ایک ہی اداکار ایک وقت بقدرِ ظرف وصبر سانس روک کر دمالی کھیلنے لگتا ہے۔اس کو دمالی کا نکتۂ عروج سمجھنا چاہیئے۔اس کے بعد کچھ اداکار ''گنکہِ بازی'' کے کرتب دِکھاتے ہیں۔''گنکہِ بازی'' کے اختتام پر پھر'' سوا رُک'' نام کی دُھن بجائی جاتی ہے۔دُعا مانگی جاتی ہے اور آمین کرائی جاتی ہے۔[۳]

بہار کی آمد کے ساتھ ہی کشمیر میں مذہبی تہواروں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ایسا نہیں ہے کہ زمستان کے دوران بزرگانِؒ دین اور اولیائے کاملینؒ کے ایام ہائے ولادت و وفات پر تقاریب کا اہتمام نہیں کیا جاتا بلکہ یہ بات ضرور ہے کہ سردیوں میں آمد و رفت اور عبور و مرور میں قدرے رُکاوٹیں پیش آتی ہیں۔بہار شروع ہوتے ہی گاؤں گاؤں، قریہ قریہ میلے اور عرالیس شروع ہوجاتے ہیں۔ان کی دھارمک اہمیت تو ہے ہی لیکن مدتوں سے ان کی سماجی اہمیت اور افادیت بھی چلی آرہی ہے۔یہ عقیدتی تقاریب عوام کے تفنُنِ طبع کے لئے ایک طویل سلسلۂ جشن کا کام بھی دیتی رہتی ہیں۔چرارِ شریف میں علمدارِ کشمیر حضرت شیخ نورالدینؒ ریشی کا عُرس ہو،

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

عیش مقام کا ''پھروؤ'' (عرس حضرتِ زین الدین ریشیؒ) ہو، میلۂ بجبہاڑہ (عرس حضرت بابا نصیب الدینؒ غازی) یا عُرسِ حضرت جانبازؒ ولی، کشمیری ان میں جوق در جوق شریک ہوتے رہتے ہیں۔آج بھی ریشیوں اور اولیاء اللہ کے کئی مزارات اور زیارت گاہوں کے آس پاس عرایس کے دوران اسلاف کی روایات پر عمل کر کے دمالی ناچ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔تاہم مجموعی طور پر دمالی ناچ کے مواقع کم ہو گئے ہیں اور اس کی ترقی اور ترویج کے امکانات مخدوش نظر آتے ہیں۔لوک تھیٹر سے وابستہ اداکاروں کے بچے اب اِس ناچ کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔

ماضی قریب کی بات ہے کہ کشمیر کے مشہور علمی، ادبی اور تواریخی اہمیت کے قصبہ بجبہاڑہ میں حضرت بابا نصیب الدینؒ غازی کے عُرس کے موقع پر ''مائہِ مہراز'' دیکھنے کو ملتا تھا۔یہ میلہ آج بھی منایا جاتا ہے جس میں ہزاروں لوگ شامل ہوتے ہیں۔مضافات سے کئی روز تک لوگ جوق در جوق آتے جاتے رہتے ہیں۔''مائہِ مہراز'' یعنی میلے میں سج دھج کر گھوڑے پر سوار ''علامتی دُلہا'' جس کی روایت پرانے زمانے سے چلی آرہی تھی، حضرت شیخ نورالدین ریشی کی جائے ولادت کیموہ کولگام (حالانکہ کچھ محققین ''کھی'' گاؤں کو حضرت شیخ نورالدین ریشیؒ کی جائے ولادت مانتے ہیں) سے لایا جاتا تھا۔عقیدت منداس کے آگے پیچھے دائیں بائیں چل کر بجبہاڑہ پہنچ جاتے تھے۔جب ''مائہِ مہراز'' بجبہاڑہ میں داخل ہو جاتا ہے تو اطراف واکناف میں ڈھول بجنے لگتے تھے۔ڈھول بجانے والے اور دمالی کھیلنے والے زیارت گاہِ حضرت بابا نصیب الدینؒ غازی کے صحن میں جمع ہو کر رات گئے تک دمالی کھیلتے رہتے تھے۔''مائہِ مہراز'' سجانے اور اُسے کیموہ سے بجبہاڑہ تک پہنچانے کا رواج کب کا ختم ہو چکا ہے مگر ایک زمانے میں اس کو خاص اہمیت دی جاتی تھی۔عورتیں اس ''علامتی دُلہے'' کی تعریفیں روایتی ونہِ وُن گا کر کرتی تھیں۔میلہ حضرت نصیب الدینؒ غازی میں شرکت کرنے کے لئے جو خواتین مضافات سے آتی تھیں وہ حضرت بابا نصیب الدینؒ کی روحانی عظمت اور اپنی عقیدت کا اظہار ان روایتی گیتوں کے ذریعے کرتی تھیں، جو وہ بجبہاڑہ کی طرف گامزن ہونے کے دوران مختلف ٹولیوں میں بٹ کر گایا کرتی تھیں۔یہ چیزیں اب لوک ادب کا حصہ ہیں ۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

مائکہِ مہراز ولرِ پکہِ ہویو اُلہِ تے بادام چھکہِ ہویو

(اے مائکہِ مہراز، ہم آپ کے ساتھ ساتھ چل کر الائچی اور بادام نچھاور کریں گے)

مائکہِ مہراز ووت بابہ نصیؒ بُن یے لالوسون ونہِ وُن یے بوز

(مائکہِ مہراز، بابا نصیب الدینؒ کی درگاہ میں پہنچ گیا، اے پیارے، ہمارے گیت سُن)

بابا نُصیؒ بس سونہِ سُند تالو پیرِ دِتم آلواورکہ یمہِ لولو

(حضرت بابا نصیب الدین غازی کی درگاہ کی چھت سونے کی ہے، اے میرے پیرو مُرشد مجھے اپنے پاس بُلا لیجئے)

حضرت بابا نصیب الدینؒ غازی کی پوری زندگی تبلیغِ اسلام میں گزری۔ جہاد بالقلم، جہاد بالتبلیغ، جہاد بالنفس اور جہاد بالسان ان کی زندگی کے اہم ترین عنوانات ہیں۔ آپ ۱۳ محرم الحرام ۱۰۴۷ھ مطابق ۱۶۳۸ء کو انتقال فرما گئے۔ بقولِ پروفیسر غلام محمد شاد:-

"ان کی وفات کے موقعے پر خلفاء اور مریدین نے باہمی مشاورت کر کے ۱۳ محرم الحرام کو ہر سال اپنے مرشد کا عُرس منانے کا فیصلہ کیا اور ڈھول کی آواز کے ساتھ لوگوں کو عرس کے انعقاد کی اطلاع بہم پہنچانا طے پایا، جو مرورِ ایام کے ساتھ سوداگروں، میوہ فروشوں اور خوردہ فروشوں کے معاشی فائدے اور روزگار کے وسیلے کے علاوہ سماجی تفریح کی وجوہات کی بنا پر "دمالی یا دنبالی" کی شکل اختیار کر گیا۔"

محمد مقبول مقبلؔ، جو بجبہاڑہ کے رہنے والے تھے، نے اپنے کتابچہ "ابوالفقراء" میں لکھا ہے:

"آج کل اُن کی (حضرت بابا نصیب الدینؒ غازی) برسی جو عام طور پر ان کے یومِ وصال پر منائی جاتی ہے، کے موقعہ پر دمبالی کی جاتی ہے۔ جب ابوالفقراء کسی گاؤں یا قصبہ میں تبلیغ کے لئے جاتے تھے تو وہاں پہلے پہل ڈھول پیٹا جاتا تھا تا کہ لوگ جمع ہو جائیں۔ دمالی (دمبالی) میں جو کرتب دکھائے جاتے تھے اُن کی اصلیت یہ ہے کہ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

حضرت موصوف اپنے خلفاء کو جنگ کی تربیت دیتے تھے اور اُن کی روحانی نشو ونما کے ساتھ ساتھ ان کی جسمانی نشو ونما کی طرف بھی توجہ دیتے تھے"۔۵

ہکٹ :

ہکٹ لڑکیوں کا ایک کھیل ہے۔اس میں نوجوان لڑکیوں کے علاوہ چھوٹی بچیاں بھی دلچسپی لیتی ہیں۔عام طور پر دولڑکیاں آمنے سامنے اِستادہ رہ کرایک دوسرے کے ساتھ ہاتھ اور پاؤں ملا لیتی ہیں۔دونوں ایک دوسری کے ہاتھوں کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیتی ہیں۔جسموں کو ذرا پیچھے کی اور آویزان ڈال کر تیز رفتاری کے ساتھ دائرے کی صورت گھومتی رہتی ہیں۔اس عمل کے دوران چھوٹے چھوٹے شعر، مصرعے یا نیم مصرعے بھی پاؤں کی رفتار اور گردش اور سانسوں کے رفتار کے مطابق گاتی ہیں۔بعض اوقات اس مخصوص رقص کی رفتار اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ دونوں لڑکیاں گویا ایک ہی وجود رکھتی ہوں۔کبھی کبھی رقص اور سانس کی تیز رفتار کی وجہ سے لڑکیاں زمین پر گر جاتی ہیں۔کبھی کبھار دو سے زیادہ لڑکیاں بھی ایک ساتھ ہکٹ کھیلتی ہیں۔اس رقص کی تکنیک اور اہمیت کے بارے میں شفیع محمد میر رقم طراز ہیں:

"ہکٹ حالانکہ اپنا الگ مقام رکھتا ہے۔یہ اصل میں کم عمر لڑکیوں کا کھیل ہے جس میں دولڑکیاں، خاص لوک گیت "ہکچہ ہُتھ" گا کر ولمبت لے کے مطابق جھومتی ہیں۔گانا ختم ہوتے ہی لڑکیاں جلدی سے ایک دوسرے کی طرف مُنہ کئے دایاں ہاتھ بایاں ہاتھ سے اور بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ سے پکڑ کر پنجاب کے کِکلی (Kikilli) رقص کی طرح پیروں کے پنجوں کو مرکز بناتے ہوئے اور پاؤں کو کھِسکاتے ہوئے چکر لگانا شروع کرتی ہیں۔اس بیچ وہ گانے کی آخری لائن کو دہراتے ہوئے لے اور گتہ کو یکدم سے چوگن لے میں لے جا کر ناچتی ہیں۔حتیٰ کہ کبھی کبھی چکرانے کی وجہ سے کئی لڑکیاں گرنے لگتی ہیں"۔۶

چند "ہکچہ ہُتھ"

(۱) اِکتا، ہکتا

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

بأے اَنم ڈوٗنی کاہ
بانہ کُٹھِ ہوہ کیا
ہشہِ زاٗم دِمہ کیا

(اِکتا ہکتا، میرا بھائی میرے لئے گیارہ اخروٹ لے آیا مگر یہ کافی نہیں ہیں۔ باورچی خانے میں کتنے اُبالوں، ساس اور نند کو کتنے دے سکوں!)

(۲) ہکٹ کرو　　ترٕ کِٹ منوداں کھار
رٔنو کتے　　وازِ وان
کھیمو کتے　　منڈلے
اِڈ نیرو　　گندنے
رِنڈِ پھوٗ پھوٗ　　رِنڈِ پھُو پھُو

(آؤ ہکٹ کھیلیں، بڑھیا قسم کی ایک خروار شالی کوٹ لیں، مگر پکائیں کہاں؟ وازوان میں (جہاں شادی بیاہ کی تقریبات کے لئے آشپاز گوشت سے طرح طرح کی نعمتیں پکا کر تیار کرتا ہے)۔ کہاں بیٹھ کر کھائیں؟ باورچی خانے میں۔ کھا کر ہکٹ کھیلنے میں مزہ آئے گا)

(۳) سورمہِ بٔرتھ سرٕنجن چھٔے　　لوتہٕ لو
سون بٔرتھ گنجن چھٔے　　لوتہٕ لو
مأنزِ کٔرتھ ہنجن چھٔے　　لوتہٕ لو

(واہ واہ! میرے لئے سرمہ دانیاں سُرمہ سے بھری پڑی ہیں۔ سونا خزانوں میں بھرا پڑا ہے۔ میری انگلیوں میں مہندی لگی ہوئی ہے، واہ واہ!)

روٗد :

روٗد عورتوں کے ساتھ مخصوص ایک روایتی کھیل ہے۔ کچھ لوگ اسے روٗد بھی کہتے ہیں اور روٗف بھی۔ شہری علاقوں میں روف زیادہ مستعمل ہے۔ ''روٗد'' لفظ کو کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ ''رٔون'' لفظ ''روٗد'' کی بنیاد ہے۔ ''رٔون'' کے معنی خوشی سے جھوم اُٹھنا۔ اس کھیل

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کے دوران جو لوک گیت گائے جاتے ہیں، ان کو 'رُوڈ بائتھ' کہا جاتا ہے، بعض اوقات ''روڈ'' بھی۔ یہ کھیل کھیلتے وقت بھی یہی نام دہرایا جاتا ہے۔

روڈیے مالا روڈیے ولے وینسی کروے روڈیے
(رقص ہے میری جان رقص، آسہیلی ہم رقص کریں)

ایسے موقعوں پر روہ یئے یا روف یئے نہیں دہرایا جاتا ہے۔ محمد یوسف ٹینگ کے تازہ انکشاف کے مطابق یہ نہ روڈ ہے نہ روہ اور نہ ہی روف بلکہ یہ ''زوب'' (۷) ہے۔ بعض محققوں کو روڈ کو رقص کہنے میں عیاں وجوہات کی بنا پر تامل ہے لیکن عام طور پر اسے رقص کہا جاتا ہے۔ اغلب ہے کہ یہ کسی قدیم رقص کی باقیات میں سے ہو۔

اصطلاح میں روڈ ایک آہستہ آہستہ کئے جانے والے رقص کا نام ہے، جس کے دوران عورتیں ذرا اونچی مگر لمبی آواز میں لوک گیت گاتی ہیں۔ ان گیتوں کے لئے موسیقی کے آلات کی ضرورت نہیں رہتی تھی۔ کسی زمانے میں مرد اور عورتیں ایک ساتھ اس رقص میں شامل رہتے تھے۔ روڈ کھلے میدانوں، آنگنوں اور خالی کھیت کھلیانوں میں کیا جاتا تھا۔ عورتیں دو قطاروں میں ایستادہ رہتی تھیں اور اپنے دونوں بازو پھیلا کر اپنے دائیں یا بائیں والی لڑکی یا عورت کی کمر میں ڈال دیتی تھیں۔ کبھی کبھی اپنے بازو ایک دوسرے کے کاندھوں پر رکھ لیتی تھیں۔ دونوں قطاریں آمنے سامنے رہتیں ہیں یا کبھی کبھی نیم دائروں کی صورت میں روبرو ہو جاتیں ہیں۔ ایک قطار میں شامل عورتیں کوئی گیت شروع کرتیں ہیں، جسے دوسری قطار کی عورتیں اسی انداز میں دہراتی جاتی ہیں۔ عورتیں لَے کے مطابق ایک ساتھ اپنا دایاں پاؤں آگے کرتی ہیں اور بائیں پیر کو صرف ہلکی سی جنبش دے کر جلدی سے اپنی جگہ پر لاتی ہیں۔ تب دائیں پاؤں کو پھر لہرا کر پیچھے لے جا کر واپس آگے لاتی ہیں اور بائیں پیر کو پہلی جیسی حرکت دیتی ہیں۔

روف (روڈ) کی بنیادی حرکات کو مدِ نظر رکھ رقص کی حرکات میں تجربے کے طور پر کچھ اضافے کئے گئے، جنہیں کچھ طبقوں میں کافی سراہا گیا۔ یہ فن بڑی تیزی کے ساتھ شہرت کے زینے چڑھتا ہوا بیرونِ ریاست پھر بیرونِ ملک اپنے کامیاب مظاہروں کی بدولت کافی شہرت

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

پا گیا مگر اب یہ فن بھی عید اور دیگر تہواروں کے موقعوں پر ہمیں آنگن آنگن کی بجائے صرف ٹیلی ویژن پر ہی دیکھنے کو ملتا‘‘ (۸)

حقیقت یہ ہے کہ اگر سرکاری و نیم سرکاری تمدنی ادارے اور غیر سرکاری تمدنی انجمنیں کبھی کبھی روٗد و رقص کا اہتمام نہ کرواتیں، ریڈیو اور ٹیلی ویژن اس کو اپنے پروگراموں میں شامل نہ کرتے، تو یہ رقص اور کھیل داستانِ پارینہ بن چُکا ہوتا۔ دِل بہلانے کے جدید ترین وسیلوں کی بہتات، ریڈیو، ٹیلی ویژن حتیٰ کہ ٹیلی کمیونکیشن جیسے ذرائع اور کم فرصتی نے اس فن میں صنفِ نازک کی دِلچسپی ختم کردی۔ وہ زمانہ گیا جب عورتیں پُرسکون چاندنی راتوں کے دوران مذہبی تہواروں کے موقعوں پر عقیدتی گیت گا گا کر خاموشی کو چیرنے والی سُریلی آواز سے مسحور کُن ماحول پیدا کرتی تھیں اور آنگن آنگن قطار در قطار عورتیں روٗہ کرتی اور گیت گایا کرتی تھیں۔ آج سے پنتالیس سال پہلے علی محمد لون نے روف (روٗد) کے بارے میں لکھا تھا:

’’روف ماہِ رمضان کی شاموں اور عید کے دونوں تہواروں پر گایا جاتا ہے۔ کبھی کبھار کچھ ایسا ماحول بندھ جاتا ہے کہ ایک ہی محلے میں عورتوں کی کئی ٹولیاں ایک ساتھ روف گاتی ہیں اور ہر طرف گیتوں کی گونج پیدا ہوتی ہے۔ سارا گرد و پیش ایک عجیب و غریب کیفیت کا حامل ہو جاتا ہے۔ ایسے ماحول میں جب کبھی دِل کا غم بڑھ جاتا ہے اور کبھی انسان کی اپنی آرزوئیں اور تمنائیں اُسے زندگی کی تلخیوں کا احساس کرانے کے باوجود یہ بھی یاد دلاتی ہیں کہ زندگی خود محبت ہے اور محبت زندگی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ روف کشمیر کا لوک رقص ہے، لیکن میرے خیال میں یہ غلط ہے۔ عورتیں جب دو دھڑوں میں بٹ کر روف گاتی ہیں تو وہ ایک دوسری کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر ٹانگوں کو ایک خاص (Rythem) پر جُھلاتی ہیں۔ گانے کی لے سے اس کا بعض اوقات کوئی سروکار بھی نہیں ہوتا۔ اِس ذرا سی حرکت کے لئے اسے رقص کا سزاوار کہنا محلِ نظر ہے۔ روف کے گیتوں کے موضوع میں خاص تنوع اور رنگا رنگی پائی جاتی ہے۔ زیادہ تر موضوع عورت کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ عورت کی زندگی میں جو خاص مرحلے اور مقام آتے ہیں، اُن میں اُس کا بچپن، میکہ، سسرال، محبت، نفرت، جینا مرنا اور کئی دوسری چیزیں

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

آتی ہیں۔ ہمارا روف ان سبھی مرحلوں کا احاطہ کرتا ہے۔ کشمیری عورت کبھی قہقہے لگاتی ہے اور خوشی میں کلولیں کرتی ہے کبھی آنسو بہاتی اور کبھی اپنی دُکھ بھری زندگی کا ماتم کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ سسرال میں ساس، سُسر اور نند بھاوجوں کے ہاتھوں تنگ آئی ہوئی عورتیں ان گیتوں میں اپنے خیالات پیش کرتی ہیں" (۹)

روف گیتوں میں سادگی اور جذبے کی بے ساختگی موجود ہوتی ہے۔

(۱) عید آیہ رسہِ رسہِ — عید گاہ وسہِ وے، عید گاہ وسہِ وے
یُمہِ لتہِ نبیؐ صاُب — تمی لتہِ وسہِ وے، تمی لتہِ وسہِ وے
درۄدِ پران — واپس کھسہِ وے، واپس کھسہِ وے
یُمہِ لتہِ دستگیرؒ صاُب — تمہِ لتہِ وسہِ وے، تمہِ لتہِ وسہِ وے
درۄدِ پران — واپس کھسہِ وے، واپس کھسہِ وے

(سکھیو! عید آئی ہے، چلو عید گاہ چلیں۔ جس جانب نبیؐ صاحب کا دربار ہے اُسی جانب سے چلیں اور درود خوانی کرتی ہوئی واپس آئیں۔ جس جانب دستگیرؒ صاحب کا دربار ہے اُسی جانب سے چلیں، سکھیو، چلو عید گاہ چلیں)

(۲) درۄدِ رحمت ژورن یارن، ژورن یارن
نبیؐ صاُب پاُدِ کوٗر پروردگارن، پروردگارن
ژھنڈ ے نوٗر پیٛو نبہِ چٕن تارن نبہِ چٕن تارن
نبہِ چٕن تارن عمہِ سپارن، عمہِ سپارن

(محمدؐ رسول اللہ کے چاروں یاروں (خلفائے راشدینؓ) پر درود و رحمت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی محترم کو پیدا کیا۔ ان ہی کے نور سے آسمانوں میں تارے روشن ہو گئے، پارۂ عم میں بھی انہی کا نور ہے۔ خلفائے راشدین پر درود و رحمت ہو)

(۳) شبِ قدر تے شبِ معراج — آو مُلکس گاش
نبیؐ صاُبس تالہِ پیٹھ تاج — آو مُلکس گاش

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

تاج لُا گھ کوٗ رُن معراج آو مُلکس گاش

(شبِ قدر اور شبِ معراج سے سارا عالم منوّر ہو گیا۔ ہمارے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر پر تاج رکھ کر معراج کو گئے۔ سارا عالم منور ہو گیا)

(۴) زوٗن کھوٗ مے لوٗ پیٚہ مے ببرے
وسہِ زوٗنی بے کستن خبرے
بأے وا جتین بأے واتان خبرے
لیس نہ آسان سہ پچھنے نیران نظرے
بیہ وا جتین بب پچھِ واتان خبرے
لیس نہ آسان سہ پچھنے نیران نظرے
وسہِ زوٗنی بے کستن خبرے

(ریحان کے پودے پر شبنم گری۔ او چاند! آ بے کسوں کی خیر خبر پوچھ۔ جن کے بھائی ہوتے ہیں وہ ان کی خبر لینے آتے ہیں اور جس کا باپ زندہ ہوتا ہے وہ اُس کی خیریت پوچھنے آتا ہے۔ جس کا بھائی نہ ہو، باپ نہ ہو، وہ دور دور تک راستے تکا کرتی ہے، او چاند! آ، بے کسوں کی خیر خبر پوچھ!)

رنگولی رقص :

کشمیری پنڈت شادی بیاہ کی مختلف تقریبوں کے دوران طرح طرح کی دھارمِک رسموں کا پالن کرتے آئے ہیں۔ ان میں ایک رسم کو "وِیوگ تراوُن" کہتے ہیں۔ ویوگ زمین پر مختلف رنگوں سے ایک دائرے کی شکل میں بنایا جاتا ہے۔ مختلف دھارمِک رسمیں ادا کرنے کے لئے دُلہے یا دُلہن کو اسی ویوٗگ کے اندر بٹھایا جاتا ہے۔ عورتیں ونہ وُن (شادی بیاہ کے موقعے پر گائے جانے والے لوک گیت) کے بعد "ویگو وَژن" گایا کرتی ہیں۔ ویگو وَژن" سے مراد ہے "رنگولی کے گیت"۔ عورتیں گیت گاتی ہوئی ویوٗگ کے گرد چکر کاٹتی رہتی ہیں۔ موتی لال ساقی اِس بارے میں رقمطراز ہیں:

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

"رنگولی کے گیت بھی شادی بیاہ کی تقریب کا حصہ ہیں مگر یہ گیت صرف کشمیری پنڈتوں تک ہی محدود ہیں۔ یہ گیت دُلہا کے سُسرال روانہ ہونے کے تھوڑی دیر بعد رشتے ناطے کی عورتیں وواہ منڈل کے ارد گرد رہ کر ناچ ناچ کر گاتی ہیں۔ رشتے دار عورتیں باری باری وِواہ منڈل کے گرد ناچتی ہیں اور ایک کے بعد ایک گیت کو الاپتی جاتی ہیں۔ رنگولی کے گیت دراصل رقص کے گیت ہیں۔ ان میں ایک خاص قسم کا زیر و بم اور آہنگ موجود ہوتا ہے۔ ہمارے یہاں شادی بیاہ کی تقریب پر رقص کرنے کی روایت موجود تھی جو دھیرے دھیرے اب صرف وواہ منڈل کے گرد چکر لگانے تک محدود ہو کر رہ گئی" ۱۰

(۱) شُولہٖ دِوُن گنڈ موکھتہٖ ہار — لولہٖ یِزمن بأیی یے
دیو مالکی، راز یِزمن بأیے — تاج تارُ کھز ووےِ
تاج لأ گتھ ہوُ ردروےِ — لولہٖ یِزمن بأیی یے

(او جمانی جی، چمکدار موتیوں کی مالا گلے میں پہن لے۔ اری، دیوکی رانی جمانی، تو نے سب سے بہترین ستارے کو جنم دیا ہے، وہ سر پر تاج رکھ کر سسرال کی طرف چل دیا)۔

(۲) ہُمہٖ وۆتھم تہٖ وِیگہٖ کھوٗتُم — طوطہٖ وۆتھم یارِ بل
مامہٖ لالن کوچھِ ہیوٗتُم — طوطہٖ وۆتھم یارِ بل
رنگہٖ یندرس طوسہٖ کوٗتُم — طوطہٖ وۆتھم یارِ بل

(ہُم (دھارمِک رسم) کے بعد میرا لاڈلا ویوگ پر تشریف لے گیا اور وہاں سے پنگھٹ کی طرف چلا گیا۔ ماموں جان نے گود میں بٹھایا۔ میں نے رنگین چرخے پر شاہ توس کات لیا۔ میرا لاڈلا پنگھت کی طرف چلا)

(۳) پوشِری شمعس کوٗ رُم گتھاہ — رتھاہ وندے ملنیو
مے چھم ببہٖ لالنہٖ ستھاہ — رتھاہ وندے ملنیو

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

مے چھم ہُٲے لالنۍ ستھاہ　　　　رتھاہ وندے مالنیو

(میں نے پروانے کی طرح تجھ شمع کے اردگرد چکر لگائے۔ اے میکے، تجھ پہ واری جاؤں۔ اپنے باپ اور بھائی پر خاص بھروسہ ہے، اُن کی اُمید سے تقویت ملتی ہے۔ اے میکے، تجھ پہ واری جاؤں)۔

بچہ نغمہ :

کشمیری زبان کی اس ترکیب میں ''بچہ'' سے مراد ہے ''رقاص'' اور ''نغمہ'' سے ''رقص''۔ اُردو لغت میں نغمہ کے یہ معنی ہیں:

(نغ مَہ۔ ع۔ مذکر) راگ۔ گیت۔ ترانہ۔ سُریلی آواز۔ ترنم [11]

لیکن کشمیری زبان میں نغمہ، مجلسِ موسیقی، رقص اور نخرے کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ چھکری کشمیریوں کی محبوب و مقبول لوک موسیقی ہے۔ اسی چھکری کی لے پر شادی بیاہ کی تقریبوں کے دوران کوئی خوش اندام اور خوش آواز لڑکا یا نوجوان کتھک طرز پر رقص کرتے کرتے مختلف کرتب دِکھاتا ہے اور طرح طرح کے نخرے کرتا ہے۔ کشمیری میں ''کوٹ'' لڑکے کو کہتے ہیں، اسی لئے اس رقاص کو ''بچہ کوٹ'' کہا جاتا ہے۔ اُس کا لباس جاذبِ نظر ہوتا ہے۔ وہ پاؤں میں گنگھرو باندھ کر، سر پر زری دار زنانہ ٹوپی پہن کر اور شانوں پر نازک مگر منقش ڈوپٹہ رکھ کر مختلف جسمانی حرکتوں کے ذریعے اشعار کی وضاحت کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ گانے اُس کی پیشوائی میں گائے جاتے ہیں۔ اُس کے اس رقص کو ''بچہ نغمہ'' کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کشمیر میں ''حافظ نغمہ'' یعنی حافظاؤں کی رقص و موسیقی کے خاتمے کے بعد ''بچہ نغمہ'' نے قبولِ عام حاصل کیا تھا۔ حافظاؤں اور اُن کے فن کے اختتام کے بعد ''بچہ نغمہ'' لوک رقص میں شامل ہوگیا۔ ''بچہ نغمہ'' کے بارے میں شفیع محمد میر رقمطراز ہیں:

> ''حافظہ نغمہ'' کے ساتھ ساتھ جو رقص وجود میں آگیا، اُسے بچہ نغمہ کہتے ہیں۔ افغانستان کی طرز پر اس رقص کو لڑکے ہی پیش کرتے ہیں اور اس کا مقصد محض عام لوگوں کی تفریح تھا۔ یہ رقص ابھی بھی شادی بیاہ کی محفلوں میں

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

دیکھا جاسکتا ہے۔ چھوٹے لڑکوں کو کم عمری ہی میں گانے کے ساتھ ساتھ رقص کی تربیت دی جاتی ہے۔ تربیت حاصل کرنے کے بعد یہی لڑکے ''بچہ کوٹ'' کہلاتے ہیں۔ رقص کے دوران ایک ایسا لباس زیب تن کیا جاتا ہے جو بہت حد تک کتھک کے ''انگ رکھا'' کی شکل کا ہوتا ہے اور اسے پیشوازہ کہتے ہیں۔ اوپر کا حصہ تنگ بلاؤز اور نچلا حصہ سکرٹ کی طرح کافی پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ فنکار اپنے کندھوں کے اوپر ایک ڈوپٹہ کچھ اس طرح سے ڈالتا ہے کہ ایک حصہ کندھے پر اور دوسرا حصہ دوسرے بازو پر رہتا ہے، جسے وہ رقص کے بیچ کبھی سر پر اور کبھی ہاتھوں میں گھماتا ہے۔ پاؤں میں گنگھرو بھی باندھتے ہیں۔ رقص کے شروع میں پہلے سازوں کے ہلکے دھیمے سُروں کے ساتھ رقاص سلامی پیش کرتا ہے۔ اس بیچ موسیقی کی دُھن بدلتی ہے اور ''بچہ'' (رقاص) پہلے وِلمبت، پھر مدھیہ اور آخر پر درت لے میں (Footwork) یا گنگھرو بندھے پاؤں کے مختلف انداز پیش کر کے اپنی فنی مہارت کا مظاہرہ کرتا ہے اور ناظرین سے داد حاصل کرتا ہے۔ کبھی کبھی رقاص بیٹھے بیٹھے عورتوں کی گھریلو زندگی مثلاً بالوں میں کنگھی کرنے، سُرمہ لگانے، چرخہ کاتنے، آٹا گوندھنے اور روٹی بنانے کی نقل بھاؤ کے ذریعے اتارتا ہے۔ اِس دوران سازوں پر کوئی مقبول دُھن بجتی ہے'' ۱۲

''بانڈ پاتھر'' کشمیر کا فوک تھیٹر ہے۔ پاتھر سے مراد ہے'' کھلے میدانوں میں بنا سٹیج کھیلے جانے والا روایتی ڈراما'' ہے اور یہ ڈراما کھیلنے والے فنکاروں کو ''بانڈ'' کہا جاتا ہے ''بانڈ پاتھر'' رقص کے بغیر ہو نہیں سکتا بلکہ پاتھر کو رقص سے ہی شروع کیا جاتا ہے۔ فنکار مختلف قسم کے رقص ادا کرتے ہیں مثلاً انفرادی رقص، مجمع کی صورت میں رقص، چھوٹے چھوٹے دائروں میں رقص، بڑے بڑے دائروں میں رقص۔ مختلف رقصوں کے دوران لے اور تال بھی مختلف ہوتی ہے۔

..................☆☆☆..................

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

حوالہ جات اور فٹ نوٹ:

ا۔سون ادب ۱۹۷۷ء، کلچرل اکاڈمی۔مقالہ:سون نۄن تہ گنڈن۔مقالہ نگار:اوتار کرشن رازدان ص:۲۲۷

۲۔شیرازہ صوفیانہ موسیقی اور کشمیر ۱۹۹۷ء۔کلچرل اکاڈمی۔مقالہ:صوفیانہ موسیقی اور کشمیری رقص۔مقالہ نگار:شفیع محمد میر۔ص:۲۶۰۔

۳۔بانڈ جشن ۱۹۸۸ء۔محمد سبحان بھگت۔ص:۶۰۔۶۱ (کشمیری سے ترجمہ)

۴۔اولیائے کشمیر، کلچرل اکاڈمی۔مقالہ:حضرت بابا نصیب الدینؒ غازی:مقالہ نگار:پروفیسر غلام محمد شاد۔ ص:۵۱۴

۵۔ابوالفقراء۔مُرتّب:مرحوم محمد مقبول مقبلؔ۔

۶۔شیرازہ صوفیانہ موسیقی اور کشمیر ۱۹۹۷ء۔کلچرل اکاڈمی۔مقالہ:صوفیانہ موسیقی اور کشمیری رقص۔مقالہ نگار: شفیع محمد میر۔ص:۲۶۹۔

۷۔سرمایہ تہ سام، غلام نبی آتش، ۲۰۱۲ء۔سرنامہ از محمد یوسف ٹینگ۔ص:۱۷۔اقتباس:"کشمیر کے لوگ عورتوں کے مقامی رقص کو غلط العام بنا کر "روف" کہتے ہیں، دراصل یہ "زوب" ہے۔"زوب" اُس دائرے کو کہتے ہیں جو کسی خوبصورت لڑکی کے رخساروں پر ہنسی یا تبسم کے وقت ظاہر ہوتا ہے۔اس کا انگریزی نام ڈِمپل (Dimple) ہے۔" (کشمیری سے ترجمہ)

۸۔شیرازہ صوفیانہ موسیقی اور کشمیر ۱۹۹۷ء۔کلچرل اکاڈمی۔مقالہ:صوفیانہ موسیقی اور کشمیری رقص۔مقالہ نگار:شفیع محمد میر۔

۹۔ہمارا ادب، لوک ادب نمبر ۷۷۔۱۹۷۶ء۔مقالہ:کشمیر لوک شاعری، ایک جائزہ، مقالہ نگار:علی محمد لون۔یہ مقالہ مرحوم علی محمد لون کے اُس کشمیری مقالے کا ترجمہ ہے جو اُنہوں نے ۱۹۶۶ء میں کشمیری لوک گیتوں کے پہلے مجموعے کے لئے بطورِ سرنامہ تحریر کیا تھا۔بعد میں شیرازہ کے ثقافت نمبر میں بھی چھپا تھا۔ص:۲۹

۱۰۔ہمارا ادب، لوک ادب نمبر، ۹۷۔۱۹۹۶ء مقالہ:شادی بیاہ کے گیت۔مقالہ نگار موتی لال ساقی۔ص:۶۳۔کلچرل اکاڈمی

۱۱۔فیروز اللغات۔مولف:مولوی فیروز الدین۔جدید ایڈیشن ۲۰۰۸ء ص:۱۳۶۷ فرید بک ڈیپو نئی دِلی۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

۱۲۔شیرازہ صوفیانہ موسیقی اور کشمیر۔۱۹۹۷ء کلچرل اکاڈمی۔مقالہ: صوفیانہ موسیقی اور کشمیری رقص۔مقالہ نگار: شفیع محمد میر۔ص: ۶۷۔۲۶۶

☆اظہارِ تشکر: راقم نے شفیع محمد میر صاحب کے مقالہ ''صوفیانہ موسیقی اور کشمیری رقص'' کا بھرپور استفادہ کیا، اس لئے اُن کا بے حد شکر گزار ہوں۔لوک گیتوں کی مثالیں کشمیری لوک گیتوں کے مجموعوں سے منتخب کی ہیں جو کلچرل اکاڈمی نے شائع کئے ہیں۔اُن کے مُرتبین اور دیگر ادیبوں، جن کے حوالے اس مضمون میں درج ہوئے ہیں، کا بھی شُکر گزار ہوں اور کلچرل اکاڈمی کا بھی۔(آتش)

شیرازہ اُردو ''صوفیانہ موسیقی اور کشمیر نمبر''

اِس خصوصی اشاعت میں صوفیانہ موسیقی کی ابتداء، اس کا تدریجی سفر، اساتذہ کے کوائف، صوفیانہ موسیقی میں گایا جانے والا عارفانہ کلام، اس سے بجائے جانے والے ساز، سرکردہ کے ساتھ انٹرویو، نادر ونایاب تصاویر، نوٹیشن اور دیگر اہم دستاویزات شامل ہیں۔
اس پتے پر منگوائیں:
☆......کتاب گھر، سرینگر/ جموں/ لیہہ/ لداخ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

● ...... ڈاکٹر گلزار احمد راتھر

کشمیر کے خدوخال۔ فوک لور کے آئینے میں

فوک لور ہمیشہ سے ہی ایک مخصوص جغرافیائی، سماجی اور سیاسی ماحول میں جنم پاتا ہے اور پھر عوامی تہذیب وثقافت کا ترجمان مانا جاتا ہے۔ چنانچہ مختلف علاقہ جات میں مختلف جغرافیائی حالات ہوتے ہیں، اس لئے کسی بھی قوم کے فوک لور میں اس قوم کے جغرافیائی خدوخال ایک قدرتی عمل ہے۔ وادیٔ کشمیر کو بھی قدرت نے ایک مخصوص جغرافیائی ماحول عطا کیا ہے۔ اس کی سرحدیں جہاں پاکستان، چین اور افغانستان سے ملتی ہیں وہیں ان ممالک سے کشمیر کا قدیم زمانے سے تجارتی رابطہ رہا ہے۔ اونچے اونچے پہاڑوں سے گھری ہونے کی وجہ سے یہاں کے جغرافیائی حالات بھی باقی ماندہ ممالک سے یکسر مختلف ہیں اور ان ہی پہاڑوں، چوٹیوں اور جنگلوں کی بدولت کشمیر پورے ایشیا کا ایک دفاعی مرکز بنا ہوا ہے جو کبھی بیرونی حملوں سے متاثر نہ ہوا۔ چاہے وہ محمود غزنوی کا کشمیر پر حملہ ہو یا زولچو کا اس وادی کو تاراج کرنے کا منصوبہ۔ فوک لور یہاں کی اونچی اونچی چوٹیوں اور پہاڑیوں کے آگے ہمیشہ سے ہی اپنا دامن پھیلائے رہا ہے۔ چاہے وہ ''پہلی کور'' جیسی نظم ہو یہاں کا روایتی ''ونہٕ وُن'' ہو یا ''رؤف'' ہو۔

پہلی کوری قزاق تیری مالیٔن چون رایہ نیرے لو
بالن کھسہٕ وُن گیوٗرما آوٕ ے نئۆر کمی گونڈنے پھُو لونچے لو

ون کھوٗ ایس دون گلابن زن گیایس مالیٔن

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

نیک نیک رُۄ دپیٚو وپاٹھوٗ اٗلی بالس لالہٕ آوٕ ہوور سالس از
کھریو نظر گرٕ بانہٕ ہاٗج بالس ینو دوٚدِ پیالس گرا ے لگیو
ہمالیہ پربتس گرتھ اَٹے کوٗر چھکھ دھشن راز دانی

کشمیر کی وادی ہر رنگ میں ایک اچھوتا احساس جگاتی ہے۔کوئی بھی موسم ہو یہ وادی اسی رنگ میں رنگ جاتی ہے اور دیکھنے والے محوِ حیرت بن جاتے ہیں۔جاڑے کا موسم ہو یا موسمِ بہار، یہ وادی ہر صورت میں اپنا جمال اور جلال قائم رکھتی ہے۔جاڑے کے موسم میں اگر چہ یہاں کے حکمراں وادی چھوڑ کر جموں کی طرف کوچ کر جاتے ہیں اور یہاں کے لوگوں کو قدرت کے رحم وکرم پر چھوڑ جاتے ہیں پھر بھی یہاں کے لوگ سختیوں اور آزمائشوں کے ان ایام میں قدرت کی کاریگری کو دیکھ کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔جب پہلی برف باری ہوتی ہے تو ہر عمر کے لوگ، بچے، بوڑھے اس سے لطف لیتے ہیں۔کہیں ایک دوسرے پر برف پھینکنے کی جنگ چھڑ جاتی ہے تو کہیں برف کے پتلے بنائے جاتے ہیں۔چھوٹے چھوٹے بچے خدا کی کاریگری کو دیکھ کر اپنی پسند کے گیت گاتے ہیں۔

ہُڑ کھوٚت دوسہٕ پیٹھ، تتہٕ پیٚو وۄسہ
خدا صابا لاگس بڑٕ بڑٕ تھوٚسہ

ماگھ اور پھاگن مہینے میں وادیٔ کشمیر برف سے ڈھکی رہتی ہے اور عبور و مرور کا سلسلہ بڑی حد تک متاثر رہتا ہے۔یہاں کا پسماندہ طبقہ تلاشِ روزگار میں باہر کی ریاستوں کی اور جاتا ہے اور شاید اسی وجہ سے یہاں کے لوک ادب میں لاہور، کلکتہ، بمبئی اور پنجاب جیسی جگہوں کا ذکر ملتا ہے۔

لاہور ،کلکتہ نارِ سوز ناوے
بمبیہِ ہنٛز صابن ملہِ ناوے

سال چھےٚ جمس تے ہٮٚیہِ اُودھم پورس
رۄول پنٛجہِ تے لاہورس

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کشمیر کے لوگ سردی کی شدت سے بچنے کے لئے پہلے ہی سے تیار رہتے ہیں۔ کانگڑی کے کاریگر مختلف رنگ اور ڈیزائن کی کانگڑیاں بازاروں اور ریڑھیوں پر مہیا رکھتے ہیں کیونکہ کانگڑی سردی سے بچنے اور گرم رکھنے کا یہاں کا روایتی طریقہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ گرم ملبوسات کا استعمال بھی یہاں کے لوگوں کی ایک خاص ضرورت ہے جس میں 'پھیرن' کی ایک خاص اہمیت ہے۔ 'پھیرن' یہاں بود و باش کرنے والوں کی پہلی ضرورت ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کانگڑی اور پھیرن کے استعمال سے جہاں آدمی کو گرمی کی صورت میں راحت ملتی ہے ورنہ دیکھا جائے تو یہ دونوں چیزیں دیتی ہیں اور کانگڑی تو خاص طور پر کبھی کبھار نقصان کا موجب بھی بن جاتی ہے۔ اس کے مسلسل استعمال سے ایک خاص قسم کی جلد کی بیماری لگ جاتی ہے جس کا ذکر فوک لور میں بھی مل جاتا ہے۔

پوہ آو توہ برو کانگر بن
ماگ آو دراگ وۆتھو کانگر بن

سردیوں کے ایام میں یہاں معمول کی اشیائے خوردنی میں بھی بدلاؤ آجاتا ہے۔ اس موسم میں یہاں کے لوگ اکثر گرم گرم چاول کے ساتھ سوکھی سبزیوں کا استعمال کرتے ہیں جن میں سکھائے ہوئے کدو، بینگن، ٹماٹر، ساگ، پالک، اچار اور دالیں وغیرہ کثرت سے استعمال کی جاتی ہیں۔

سردیوں کے بعد جب بہار کی آمد ہوتی ہے تو یہاں کے لوگ خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ ان کے چہروں پر ایک عجیب اور دلکش نکھار آجاتا ہے۔ کیونکہ بہار کا موسم رنگوں کا ہوتا ہے۔ مغل باغات کی شان میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔ ملکی اور غیر ملکی سیاح سب کچھ چھوڑ کر کشمیر کا رخ کرتے ہیں۔ ندیاں اور جھرنے سرور میں آکر نغمہ زن ہوجاتے ہیں۔ ہر طرف مختلف النوع پھول نظر آتے ہیں جن میں گلاب، کنول، ارغوان اور گلالہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اس پر بلبلوں کی چہچہاہٹ ایک دلکش ماحول بنا دیتی ہے۔ شاہین، ابابیل، طوطا، کبوتر اور بہت سارے پرندے وادی کا رخ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ زمین پر مخملیں سبزہ اُگ آتا ہے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اور درختوں کی کونپلیں نکل آتی ہیں۔

ٹنگہ پھُلیا کیا پچھے جان ہرُ د والان درِۂ سان
بوزِ باغوان مارِ پان پوشن بہار آو یئرِ ولو
تاہ ہے کرِتھ تھاوس جامن آوے بہار گُل بادامن

وادیٔ کشمیر جھیلوں اور چشموں سے بھری پڑی ہے، ان جھیلوں اور چشموں میں ولر جھیل، ڈل جھیل، آنچار سر، مانسبل، ننُدن سر، ہوکرسر، کاُج ناگ، گنگہ ناگ، کونسر ناگ، ویری ناگ، کوکر ناگ خاص طور پر یہاں کے حسن کو دوبالا کرتے ہیں۔ ان چشموں اور جھیلوں میں مختلف قسم کی سبزیاں اُگتی ہیں۔ سبزیوں کی اقسام میں بُم، سول، ببر، گانٹہ ہند، کھورو، ندرو، منگول، چاش وغیرہ خاص طور قابلِ ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ آبی پرندوں کا بھی ان جھیلوں اور چشموں میں گزر بسر ہوتی ہے جیسے آسمانی ہنس، ژاکو، ژانکٹر، ژنہِ ہاگر، قمری، ککو، شاہین وغیرہ۔ علاوہ ازیں ان جھیلوں میں مچھلیوں کی بڑی تعداد پائی جاتی ہے اور ایک خاص قسم کی گھاس جو چٹائی بنانے کے کام آتی ہے ان ہی چشموں اور جھیلوں کی دین ہے۔

وُلر جھیل ایشیا کی سب سے بڑی جھیل ہے۔ اس جھیل کی مچھلیاں پورے کشمیر میں مشہور ہیں۔ سرخ منہ والی یہ سیاہ مائل مچھلیاں بڑی مزے دار ہوتی ہیں۔ سنگھاڑے وُلر کی خاص پیداوار ہوتی ہے اور ولر کے آس پاس رہنے والے لوگوں کی روزی روٹی ان ہی سنگھاڑوں کے کاروبار پر منحصر ہے۔

ڈل جھیل کا تو پوری دُنیا میں ڈنکا بجتا ہے۔ اسے دیکھنے کے لئے دور دراز ممالک سے سیاح آتے ہیں۔ چاندنی راتوں میں شکارے میں ڈل جھیل کی سیر بڑی ہی فرحت بخش اور دلفریب ہوتی ہے۔ پہلے زمانے میں ڈل جھیل کا پانی سرما کے موسم میں جم جاتا تھا تو سارا شہر دیکھنے کے لئے اُمڈ پڑتا تھا۔ ڈل میں اُگنے والا ندرو شہر و دیہات میں اپنے ذائقے کے لئے مشہور ہے۔ اس سبزی سے جو پھول کھلتا ہے وہ کمل کہلاتا ہے۔ یہ جھیل مختلف قسم کے آبی کھیلوں کا مرکز ہے۔ ایک زمانے میں یہ سب جھیلیں پھیلی پھیلی اور کشادہ ہوا کرتی تھی مگر اب لوگوں کی عدم توجہی اور غفلت

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کی وجہ سے یہ جھیلیں دن بہ دن سوکھتی اور سکڑتی جارہی ہیں۔جھیل بچاؤ مہم اگر متحرک نہ ہو تو وہ دن دور نہیں جب صفحہ ہستی سے ان کا ناپید ہونا یقینی ہے۔ان جھیلوں اور چشموں کا ہمارے لوک ادب میں واضح اِشارہ ملتا ہے۔

بُلبلن اول وۄر رکلو گنزرس تے　　　　گلو گنہِ رس تے
یارمۍ ووتھے ڈل سأرس تے　　　　ڈل سأرس تے

ڈلو شُربو گوھو ڈل　　　　مأرس تہِ ماجہِ کروژھل
ڈل سأرس ناوِتروے　　　　باغِ نشاط وچھنے

ہمارے دریا ہماری تہذیب کی پہچان ہیں۔ان کے ساتھ ساتھ آنے جانے کے رستے بھی موجود ہیں۔پرانے زمانے میں دریا آمد و رفت کا ایک اہم ذریعہ ہوا کرتے تھے۔جہلم کشمیر کا ایک بڑا ہی خوبصورت دریا ہے جسے وتستا بھی کہتے ہیں، روایت ہے کہ ایک زمانے میں اس دریا کا جنم دن بھی منانے کا رواج تھا جو بادوں کے مہینے میں منایا جاتا تھا۔اس دِن جلتے ہوئے چراغ دریا کی روانی کے ساتھ بہائے جاتے تھے۔فوک لور میں اس بات کا عندیہ بخوبی ملتا ہے۔

وبتھہِ ہند یاؤن ہارتے شراون
کورِ ہند یاؤن بب تے موج

ہار کہِ ہنزِ وبنہِ باغچ مینتھی یے
وبتھ یے ناوِ ہے پراران چھے

یہاں کے جنگلوں میں مختلف قسم کے درخت مثلاً دیودار، کیل، بدلو اور وہ بیل بوٹے بھی پائے جاتے ہیں جو طرح طرح کی ادویات بنانے میں استعمال میں لائے جاتے ہیں۔یہاں کے چنار کی لوک ادب میں ایک خاص جگہ دیکھنے کو ملتی ہے۔یہ تناور درخت دنیا کے کچھ ہی ممالک میں پایا جاتا ہے۔یہ کشمیر کا سب سے بڑا درخت ہے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

لالا وتھروے شالہٕ مأر بوئنن تل
ناوٕ سائلس گوژہ وے پھیرنہٕ ڈل

باغ ووتھروم مےٚ چانہٕ ہمسوسہ
ووتھرے توسہٕ بوئنن تل

کشمیر میں پانی کی فراوانی ہے، جگہ جگہ ندیاں اور نالے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ہر جگہ عبور و مرور کے لئے پُل تعمیر کئے گئے ہیں۔ شہر سرینگر میں دریائے جہلم کے اوپر بنائے گئے کئی پلوں کے نام تو آج بھی مشہور ہیں جن میں نوا کدل، عالی کدل، زینہ کدل، کنہ کدل، صفا کدل، فتح کدل اور امیرا کدل زبان زدِ عام ہیں۔ اسی طرح وادی کے کئی دیہات پلوں کے نام سے ہی جانے جاتے ہیں مثال کے طور پر کھنہ بل، گوری کدل، سنگم، زریارہ کدل، سربل کدل، اوکر کدل وغیرہ وغیرہ۔ یہاں کے لوک ادب میں ان پلوں کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔

کدلہٕ توٚ رمہراژٕ آبس گوٚو گورٕ گور
اسہٕ دوٚپ رنگہٕ بلبل ما آو

امیرا کدلس سونہٕ دروازے — ہِگلہ آو دِلہٕ ہُند مہرازے
کدلس ترٛی زبم وارے وارے — لتہٕ چھے لٔالہٕ ہُند یارے بل

کسی بھی مُلک کی پیداوار پر جغرافیائی صورتِ حال کا خاصا اثر رہتا ہے۔ وادیٔ کشمیر کی مخصوص جغرافیائی خدوخال ہونے کی وجہ سے یہاں کی فصلوں پر بھی اس کا اثر دیکھنے کو ملتا ہے۔ چنانچہ یہاں دھان، گندم، زعفران اور مکی کی اچھی خاصی کاشت ہوتی ہے۔ البتہ دھان کی کاشت وادی کے اکثر علاقہ جات میں کثرت سے کی جاتی ہے۔ اس لئے چاول کا استعمال یہاں کے لوگ بطور خاص کرتے ہیں۔

کشمیر میں میوہ بھی خاصی تعداد میں اُگتا ہے اور میوہ یہاں کی خاص صنعت ہے۔ یہاں

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کے میوہ جات اپنی خاص خوبیوں کی وجہ سے دنیا بھر کی منڈیوں میں منفرد پہچان رکھتے ہیں اور دوسری جگہوں پر اُگنے والے میوہ سے کہیں زیادہ پسند کئے جاتے ہیں۔

میوہ صنعت کی بدولت کشمیر کی مالی اور اقتصادی حالت روز بروز بہتر ہوتی جارہی ہے۔یہ صنعت یہاں کے لاکھوں لوگوں کا ذریعۂ معاش ہے۔کشمیر میں اُگنے والے میوے جن میں بادام، ناشپاتی، خوبانی، آلو بخارا، انگور، اخروٹ، انار وغیرہ کے مقابلے میں سیب یہاں زیادہ اگتے ہیں۔وادی میں سیب کی سب سے زیادہ پیداوار سوپور کے قصبے میں ہوتی ہے۔شاید اسی لئے اس قصبے کو Apple Town ''ایپل ٹاون'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ہمارے لوک ادب میں میوؤں کا اظہار بار بار ملتا ہے۔

دمہٕ یوِ دِلاسہٕ گنڈیوِ وِلاسہٕ
پأرتھو گلاسہٕ کُلو نے تل

سانہٕ جایہ پُتر کنز ڈونی کُلو باغ چھے — اتھ اندرناگ چھے شولہٕ ماران
لگنس ییتھ یوچھہ مانگ یوِ — باغوان اوے دَچھہِ پچی ہیتھ

وادیٔ کشمیر کی مخصوص آب وہوا کی وجہ سے یہاں مختلف قسم کے پھولوں کی بھی پیداوار ہوتی ہے۔مغل بادشاہوں نے اپنے دورِ حکومت میں یہاں پھولوں کے بہت سے باغات بنائے یا بنوائے ہیں جو آج تک اپنی شان وشوکت قائم رکھے ہوئے ہیں۔ان باغات کو دنیا بھر کے سیلانی ہر سال دیکھنے اور لطف اندوز ہونے کو واردِ کشمیر ہوتے ہیں۔یہ باغات دل و دماغ کو نہ صرف راحت پہنچاتے ہیں بلکہ آنکھوں کو بھی خیرہ کرتے ہیں۔شہر و دیہات کے لوگ بھی اپنا جی بہلانے کے لئے ان باغات کی سیر کو جاتے ہیں۔اس کے علاوہ لوگ بادام واری بھی جاتے ہیں اور بادام کے شگوفوں کا لطف لیتے ہیں۔ان باغات کے علاوہ یہاں کے صحت افزا مقامات بھی ساری دنیا میں مشہور ہیں، جہاں سال بھر ملکی اور غیر ملکی سیلانیوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ان مقامات میں گلمرگ، سونہ مرگ، پہلگام، کوکرناگ، ویری ناگ اور اچھہ ول جیسی جگہیں قابلِ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ذکر ہیں۔مقامی لوگ ان مقامات کو گرمی کی شدت سے بچنے کے لئے اور کچھ پل کی راحت حاصل کرنے گرمیوں کے موسم میں ضرور جاتے ہیں۔یہ مقامات اور باغات لوک ادب کا خاص حصہ ہیں۔

نیٖک نیٖک رٗوٗد پیٚو بادم وارے
لالہٕ دراو موٹر کارے کبتھ

پہلگام وٚنے لۄ گیو گوشو
افسر ناتھس دِیاجان

مس ہے چھی شیرن بادم باغس
دٲر تراو وَیے ویر ناگس کُن

میلے اور عرس بھی کشمیری کلچر کے آئینہ دار ہیں۔کشمیر میں مذہبی تقریبات مثلاً عید، معراج العالم، رکھشا بندھن، کرسمس، بیساکھی وغیرہ اور سرکاری میلے مثلاً پندرہ اگست (یوم آزادی) اور یوم جمہوریہ خاص طور پر منائے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ یہاں عقیدتی، رسمی اور موسمی میلے اور سادات وغیرہ کے عرس منانے کا بھی رواج ہے جن میں بطورِ خاص حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ، ان کے ساتھ آئے ہوئے سادات اور ان کے بعد آئے ہوئے اولیاء اللہ اور صوفی بزرگ شامل ہیں۔حضرت شیخ نورالدین ولی جنہوں نے کشمیر میں ریشی تحریک کو پروان چڑھایا، جیسے سادات کا عرس بھی نہایت عقیدت اور احترام کے منانے کا بہت پہلے سے رواج ہے۔ ہمارے فوک لور میں ان بزرگوں کا ذکر بار بار آیا ہے۔

ژارچہ ژاہٕ بربسوار
لاہٕ وِنسیِ یے تورٕ گوھو

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

آغس کرکٔ زبم دوٗرِ سلامے
ڈٔپِ زبس چون چھس غولامے

زأنہٕ شاہ صأبنہٕ ہتہٕ لنجہ ۂُنے
کتھ لنجہٕ بیوٹھے شاہِ سلطان

امیر صأبس رٹو دامانے
عمرِ سوٚمب منگو زبس احسانے

سأدے صابو ژونگ تھوتارس
مُرید وأتی دیدارس

کشمیر کے گھنے اور بھرے پورے جنگلات، یہاں کے چشمے، یہاں کی جھیلیں، ندی نالے، جھرنے سبزہ زار اور میدان یہاں کے جغرافیائی خدوخال میں چار چاند لگاتے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ پانی کی فراوانی اور بہت زیادہ بارشیں ہونے کی وجہ سے کہیں کہیں سیلاب کا خطرہ بھی منڈلاتا رہتا ہے اور یہ چیزیں لوک ادب میں بھی اپنا مقام پاتی ہیں ع

کارکوٚرنے ذاتَ پاکن وارِ تھأوِی توکن
یتھ کٔشیرے مار کأتیاہ کٔری سہلابن

یہ ما اُس خوشیے پروردگار
سہلاب سنگ گوٚو زوراوار

کشمیر اپنی دست کاریوں کی وجہ سے بھی پوری دنیا میں جانی جاتی ہے۔اس خطۂ ارض کا

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ایک ایسا جغرافیائی ماحول ہے جو کسی اور جگہ موجود نہیں ۔ دستکاریاں یہاں کی روزمرہ زندگی کا ایک لازمی جز ہیں بلکہ یہاں کی بیشتر آبادی کا ذریعہ معاش بھی ہے۔چنانچہ یہاں کی گبہ سازی، نمدہ سازی، پنجرہ کاری، گُل ماری، شالبافی، قالین بافی، پیپر ماشی، خوش نویسی چند ایسی دست کاریاں ہیں جو دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ان کا ذکر لوک ادب میں بخوبی پایا جاتا ہے۔

گبہ قائینس کرٕ تو واشے
مائنہِ ہند کرٕ تو تلاشے

موکرآرِ کأم اُر ہو اژِیو
ہأر ہوکھیٖنے یو ڈاے میکران

کران چھس فیتہٕ کأم گندان چھس آرے
نظر چھم ۔ تُھنزیے داریے کن

...........●●●............

کلچرل اکیڈیمی کی مطبوعات خریدنے
کے لئے تشریف لائیں
کتاب گھر
مولانا آزاد روڈ، سرینگر کشمیر
کنال روڈ، جموں
فورٹ روڈ، لیہہ لداخ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

● ...... ڈاکٹر آفاق عزیز

"ڈار" لفظ کی وجہِ تسمیہ اور تاریخ

واضح رہے کہ "ڈار" ذات اور نسب کے متعلق آج تک کوئی تحقیقی کام باضابطہ طور نہیں نہیں ہوا ہے۔ اس لئے اس موضوع پر قلم اٹھانا خاصا مُشکل ہے۔ پھر بھی دُنیا کی معروف زبانوں جن میں عبرانی ۱، انگریزی ۲، لاطینی ۳، یونانی ۴ اور آسٹرک ۵ زبانیں قابلِ ذکر ہیں ۶، میں سے کسی ایک کی بھی لغت دیکھیں تو "ڈار" لفظ مختلف معنی کے ساتھ موجود ہے۔ مثلاً عبرانی زبان میں "ڈار" لفظ موتی اور "لعل و جواہرات کی ماں" کے معنی میں استعمال ہوتا آیا ہے۔ عبرانی بولنے والے یہودی اپنے بچوں خاص کر لڑکوں کا نام "ڈار" رکھ کر فخر محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح انگریزی بولنے والے یعنی انگریز بھی اپنے نام کے ساتھ "ڈار" لفظ جوڑ دیتے ہیں۔ مثلاً

۱: عبرانی، سامی لسانی خاندان کی اہم زبان ہے جس کے ابتدائی نقوش ایک ہزار سال ق م سے ملتے ہیں۔ عبرانی زبان بولنے والوں کی تعداد اِس وقت تقریباً سات ملین ہے۔ یہ اسرائیل کی سرکاری زبان ہے۔ ۲: انگریزی آریائی زبانوں کی ایک شاخ ہے جو ہند یورپی لسانی خاندان کے نام سے مشہور ہے۔ خاص طور سے برطانیہ میں بولی جانے والی یہ زبان کچھ تفاوتوں کے ساتھ کئی یورپی ملکوں میں بھی رائج ہے۔ ۳: لاطینی زبان ہند یورپی خاندان سے تعلق رکھتی ہے جو روم میں بولی جاتی ہے۔ ۴: یونان میں بولی جانی والی زبان کو یونانی کہتے ہیں۔ ۵: آسٹرک درجنوں زبانوں پر مشتمل ایک لسانی نہ کہ نسلی خاندان ہے جو پیٹر شمت اور گریرسن کے بقول دو حصوں میں منقسم ہے۔ آسٹرو ایشیک اور آسٹرونیشن۔ موخر الذکر خاندان کی زبانیں انڈونیشیا، مدوگاسکر اور سپیفک جزائر میں بولی جاتی ہیں۔ اس خاندان میں تقریباً ۲۵۰ زبانیں ہیں جبکہ اوّل الذکر خاندان کی چار بڑی شاخیں ہیں جس میں کھاسی، منڈاری (منڈاری زبانیں قدیم زمانے میں کول نام سے مشہور تھیں)، مون، کھمر، نکوباری اور ملا کا قابل ذکر ہیں۔ منڈاری کھاسی اور نکوباری ہندوستان میں بولی جاتی ہیں۔ ہندوستان میں اس وقت آسٹرک زبانیں بولنے والوں کی تعداد ۶۰۵ ملین ہیں۔ ۶۔ آسٹریلیائی زبان میں "ڈار" کو "ابھی" کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے ہندی میں جانوروں کے جُھنڈ کو "ڈار" کہتے ہیں۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

1. Henry Dar, Texas 1

2. John. E. Dar Californica. 2

لاطینی زبان میں ''ڈار'' ...... ''موتی'' جبکہ یونانی میں گوہر افشانی، موتی کی طرح چمکنا اور ذہانت'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے 3۔ جہاں تک آسٹرک لسانی خاندانی کا تعلق ہے اس کی کئی زبانیں زیادہ ہی توجہ طلب ہیں۔ کیونکہ یہ زبانیں زمانہ قدیم میں بشمول کشمیر برصغیر کے بیشتر علاقوں میں بولی جاتی تھیں 4۔ اس لسانی خاندان کی چند خاصیتیں کشمیری زبان میں آج بھی نمایاں ہیں 5۔ جس میں ترتیب لفظ کی مماثلت 6 کے علاوہ آسٹرک بُنیاد کے سینکڑوں الفاظ بھی قابلِ ذکر ہیں۔ جیسے

	آسٹرک لفظ	کشمیری	اردو
۱	وانتگان	وانگن	بینگن
۲	تندولا	تومُل	چاول
۳	الابو	ال	کدو
۴	وادنیا	داٗن	انار

1 . www.Ancestry.com

2. www.Ancestry.com

3. Free encyclopedia.com

4. R.C.Jain, 1970, Ethnology of Ancient Bharta, Varanasi, pp.21, 36-46

5. Dr. Afaq Aziz, Ancient Kashmir An Anthropo Linguistic Analysis, Unpublished Research Project, Submitted in CCAS, Unversity of Kashmir, Srinagar in 2000 AD, P.44

6. Ibid.55

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

	آسٹرک لفظ	کشمیری	اردو
۱	ماگھانہ	گہنہ	گہنے
۲	کاکا	کاک	بڑا بھائی
۳	گدرا	گئڈر	بچہ
۴	کالہ	کوٗل	گونگا
۵	لِوہ	لِوٗن	لُونی
۶	کانجی 1	کائنز	....

آسٹرک لسانی خاندان کی کھاسی زبان میں ''ڈار'' لفظ عارضی جھونپڑے کے لئے استعمال ہوتا ہے جبکہ اسی خاندان کی منڈاری 2 زبان میں ڈار کیاری یا کھیت کے معنی میں مستعمل ہے 3۔ کشمیری زبان میں 'ڈار' نشیبی اراضی کو کہتے ہیں جس میں مکّی اور گندم جیسی فصلیں اُ گائی جاتی ہیں 4 اس پس منظر میں دیکھا جائے تو یہ رائے درست معلوم ہوتی ہے کہ منڈاری اور کشمیری زبان کے درمیان واقعی کبھی گہری '' قرابت داری رہی ہو جس کی وضاحت اس اقتباس سے بخوبی ہوتی ہے:

1 یہ سبھی الفاظ آسٹرک لسانی خاندان کی منڈاری اور کھاسی لغات کے علاوہ راقم کی '' قدیم کشمیر...... ایک عمرانی لسانی مطالعہ'' نامی غیر مطبوعہ تحقیقی مقالے سے لئے گئے ہیں۔

2 منڈاری وسطی اور شمالی ہند کی زبان ہے۔ ہند کے قدیم باشندے ناگ، آسٹرک زبانیں بولتے تھے۔خیال کیا جاتا ہے کہ کشمیر میں آسٹرک خاندان کی کوئی شاخ قدیم ایام میں مروج تھی جس کا علاقائی نام تا ایندم پردہ خفا میں ہے۔ کشمیری زبان میں ایسی کئی لسانی وضاحتیں موجود ہیں جن کا رشتہ آسٹرک خاص کر کھاسی، منڈاری، سنہالی، مونگ، تھے اور کھمر زبان کی لفظیات، صرف ونحو، صفیات اور فصل وغیرہ سے ملتا جلتا ہے۔

3. Bhusan Bhaduri, 1929, A Mundari-English Dictionary, Culutta,p.37

4 کاشرڈکشنری، جلد، سوم، ص۔ ۳۰۸

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

" The conclusion of these linguistic interpretations and comparative study of the Austric and Kashmiri languages, proved that the Nagas of Kashmir were the descendants of the Australoids and their offshoots who were the speakers of the Austric language'. 1

اگر یہ بات درست مان کر چلیں کہ کشمیر کے قدیم باشندے ناگ، آسٹرک لسانی خاندان کی کوئی زبان بولتے تھے تو پھر آسٹرک زبانوں کو کشمیری زبان کا ایک قدیم اور اہم ماخذ قرار دینے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیئے۔

اس بحث سے قطع نظر جب راقم نے قدیم تحریروں سے ڈار لفظ کی وجہ تسمیہ جاننے کی کوشش کی تو کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوسکا۔ مگر دورِ جدید کی تحقیقی آراء کو جب زیر بحث لایا گیا تو متضاد نکتے سامنے آگئے۔ اول یہ کہ ڈار ہندو دور کے اختتام سے خطاب کے طور استعمال کیا جانے لگا تھا جو گاؤں کے سب سے طاقتور آدمی، جنگجو سردار یا جاگیردار کے لئے مخصوص تھا2۔ دوم یہ کہ بعض محققین نے اس موضوع کے حوالہ سے چند سطور اس طرح درج کی ہیں جن سے واضح اشارہ ملتا ہے کہ ڈار کوئی خطاب نہیں بلکہ ایک قبیلے کی ذات (کشمیری کرام) تھی۔ چنانچہ ڈی این دھر رقمطراز ہے:

" In fact all the vassal Chiefs were given land and Jagir. Well Known families who were bestowed this favour were Magryes, Rains, Bhatts, Dars and Chaks". 3

1. Dr. Afaq Aziz, p.44 2. Prof. Saligram Bhatt, 2009, Kashmiri Scholars Contribution to knowledge and world peace, New Delhi, p.134 3. D.N.Dhar, 1989, Socio.Economic History of Kashmir peasantry, Srinagar,p.19x

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اسی طرح شیام لال دھر کی عبارت سے بھی یہی کچھ اخذ ہوتا ہے کہ ڈار کوئی خطاب نہیں بلکہ ایک قبیلے کا نام تھا[1]۔ اِدھر تاریخِ حسن اور گلشن کشمیر کے علاوہ والٹر لارنس [2] اور منشی محمد الدین فوق نے بھی ڈار کو خطاب کے بجائے کشمیر کی قدیم جنگجو قوم قرار دیا ہے۔ [3]

جہاں تک ڈار کے ارتقائی سفر کا تعلق ہے، منشی محمد الدین فوق لکھتے ہیں کہ اصل میں یہ...... ڈامر سے ڈانگر بن گیا ہے۔ ڈانگر سے اب ڈار عرفِ عام ہے''[4]۔ اسی طرح ڈاکٹر کرشنا موہن [5] اور وجے ولی کی تحریروں سے بھی یہی اِشارے واضح طور ملتے ہیں۔ وجے ولی رقمطراز ہیں:

''ذاتوں پر قلم اُٹھاتے ہی ڈار کی طرف ذہن جاتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ڈار اصل میں ڈامر نام کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے کشمیر کا راج پاٹ چلانے اور یہاں کی سیاست میں کلیدی رول ادا کیا ہے''۔[6]

ایسے ہی خیالات کا اظہار پریم ناتھ بزاز بھی کر چکے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''ڈار وادیٔ کشمیر کے قدیمی باشندوں کے ایک فرقے کی ذات ہے جن کو صدیوں قبل ڈار کہا کرتے تھے اور جس کا کلہن پنڈت، جونراج، شری ور اور پراجیہ بھٹ نے اپنی اپنی کتابوں میں کئی جگہ ذکر کیا ہے''[7]

جہاں تک ڈامر کے بجائے ڈانگر سے ڈار بننے کا تعلق ہے۔ کسی بھی صورت میں تحقیقی اور تنقیدی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا ہے۔ اس دعویٰ کے پس پردہ وہی زبانی روایت کارفرما نظر آتی ہے جس کی رُو سے بعض لوگ یہ تاثر دیتے آئے ہیں کہ ڈار ڈانگر قبیلے کے لوگ ہیں۔ لیکن اس کی کوئی

۱: کون جانے تیرا سو بھا، ۲۰۰۰ء ترتیب کار۔ شیام لال دھر اور ستیش دھر، الکا صاحبہ ٹرسٹ، جموں، ص، ۱۷

2 W.R.Lawarence,1967, The Valley of Kashmir, Srinagar,p.306

۳: منشی محمد الدین فوق، ۱۹۸۸ء، تاریخ اقوام کشمیر، سرینگر، ص، ۵۷۰ ۴: مذکورہ، ص، ۱۵۴

24. Dr. Krishna Mohan, The Damaras of Kashmir, Kashmir Bi-annual, P.N.Pushp(ed.) ,1960, vol.I, No.I , Srinagar p-35.

۵: وجے ولی، کشمیرِ ہنر کرامہ، ناگراد، نمبر، ۹، ۲۰۰۰ء، ناگراد ادبی سنگم جموں، ص ۲۷

۶: پریم ناتھ بزاز، ۱۹۵۲ء، شاعرِ انسانیت، دہلی، ص۔ ۱۸

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

تاریخی شہادت تادمِ تحریر بہم نہیں ہو سکی ہے۔ پھر بھی ڈاروں کو کیونکر ڈانگر یا بعض اوقات ڈنگرا[۱] کہا گیا یا کہا جاتا ہے، ڈھونڈ نکالنا مشکل ہے۔ تاہم تاریخ کا عمیق مطالعہ کرنے سے یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ڈاروں کو ڈانگر یا ڈنگر[۲] کہنے کے پیچھے کئی وجوہ تھے۔ اوّل یہ کہ ڈار اور اُن کے اسلاف (ڈار) بہت بڑے زمیندار، جاگیردار اور جنگجو تھے جن کا حکومت سازی میں کلیدی رول رہا ہے جو اُن کے دشمنوں، موقعہ پرستوں اور نوکر شاہی کو بالکل پسند نہیں تھا[۳]۔ ڈامر لوگ اپنے اس سیاسی، اقتصادی اور سماجی رتبہ کی وجہ سے دوسروں کے محسور ہو گئے تھے۔ دشمنی کی ایک خاص وجہ مذہبی تعصب قوم پرستی اور چھوت چھات بھی تھی[۴]۔

نسلی رشتے کی بات کریں تو ڈامروں کو غیر آریا ٹھہرا گیا ہے۔ ڈاکٹر کرشنا موہن لکھتے ہیں:

> " We have not been able to ascertain to which cast these Damaras belonged, but this much is sure that they were not Brahmanas.' 5

اگر ڈامر غیر آریا نہ ہوتے تو ان کی تباہی کے لئے برہمن فاقہ نہ رکھتے[۳۲]۔ اسی طرح اگر ڈامر مذہب کی بات کریں تو تاریخ کو کھنگالنے سے اس بارے میں کوئی اشارہ نہیں ملتا ہے۔ تاہم اِن کے اسلاف یعنی اڈمبرا کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ بدھ مت کے پیرو کار تھے۔ نول وِیوگی لکھتے ہیں:

> " It is evident from the engravement of symbols of Buddhims on the coins of Audumbaras that they were followers of Buddhist Faith in early periods. 6

---

۱ ڈانگر بھارت کا ایک قدیم فرقہ ہے جو بنیادی طور چوپائے تھے۔ ڈانگر کا اصلی معنی دولتی ہے۔

۲ ڈنگر پنجابی زبان کا لفظ ہے جو بے معنی باتوں اور حیوان کے طور استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے معنی غیر مہذیب بھی ہے۔ ڈنگر اُس گاؤ فارم کو کہتے ہیں جہاں بھینس، بیل، گائے اور گدھے پالے جاتے ہیں۔

۳ ڈامر اتحاد و اتفاق کی تعریفیں ہر کسی قلمکار بشمول کرشن موہن (P.30-40) نے کی ہیں۔ موہن کے بقول کلہن کی خاموشی سے پتہ چلتا ہے کہ ڈامروں کا آپسی اتحاد روزِ اوّل سے ہی قائم تھا جس میں کبھی کوئی دراڑ پڑنے کی کوئی اطلاع نہیں ہے۔ اس اتحاد کی وجہ سے دشمنوں کی نیندیں حرام ہو چکی تھیں۔ اس لئے وہ ڈامر کو بدنام کرنے کے درپے تھے۔

4. Dr. Krishna Mohan.The Damaras of Kashmir, Kashmir Biannaual,P.N.Pushp(ed.),1960, Vol. I. No.I, Srinagar, P.40e.31. Ibid, P.35

5. Rajatrangni, VII, 1229, VIII, 658. Dr.Krishna Mohan, P.40e

6. Dr. Naval Viyogi , 2010, History of the Late Harappans and shilpakara Movement, Vol.I, Delhi, P.257

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ڈامروں کے خلاف آریائی برہمنوں کی منافرت، اُن کی ضرر رسانی کے لئے فاقہ کشی اور نول وِیوگی کے سطور بالا سے یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے کہ ڈار نہ تو آریائی تھے اور نہ ہی برہمن مذہب کے پیروکار بلکہ وہ اپنے اسلاف کے مذہب پر ہی قائم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ برہمنوں خاص کر پروہتوں اور ڈامروں کے بیچ مذہبی تعصب کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

دیکھا جائے تو ملک کشمیر قوم پرستی اور مذہبی چھوت چھات کی وباء سے پاک رہا ہے۔ البتہ حکمران طبقہ اور مذہبی طبقوں کی آپسی چپقلش کے اشارے ضرور ملتے ہیں۔ا جس کے پھیلاؤ میں نہ صرف آریا قوم نے کلیدی کردار ادا کیا بلکہ اس میں اُن غیر مقامی لوگوں کا بھی بہت زیادہ رول رہا ہے جو وقتاً فوقتاً غیر ملکوں سے کشمیر میں داخل ہوتے رہے ہیں۔ وی این درابو کے الفاظ ہیں:

" The caste system to have been gradually evolved with the immigration of people of various castes into Kashmir from Gandhara and the plains of India." 2

ا: کشمیر کی قدیم لوک کہانی ''ہی مال ناگرائے'' جو صدرالدین وفائی نے فارسی میں لکھی ہے، کے صفحہ ۱۵۴ پر چھوت چھات کا اشارہ اُس وقت ملتا ہے جب راجہ بلدیو کی شہزادی 'ہی مال' ناگ قوم کے شہزادے ناگرائے پر فریفتہ ہوئی۔ باتوں باتوں میں جب 'ہی مال' ناگرائے سے اُسکی ذات جاننا چاہی تو ہی مال اُس کے جواب سے مطمئن نہ ہو کر شک میں مبتلا ہو گئی کہ ناگرائے واتل ذات سے تعلق رکھتا ہے تو تنازعہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ جس کے باعث وہ ایک دوسرے سے جُدا ہوئے۔

2. V.N.Drabu,1986, Kashmir Polity, New Delhi, P.38 Evolution of Kashmiri Sociology

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اقتصادی، سیاسی اور مذہبی نابرابری کا یہ سلسلہ چودھویں صدی میں اسلام واردِ کشمیر ہونے کے بعد جاری رہا اور اُنہی لوگوں کے ہاتھوں اِس برائی کی آبیاری ہوتی رہی جو ہندو دور میں مذہب، تعلیم اور رسومات وغیرہ کے ساتھ وابستہ تھے۔ مُشرف بہ اسلام ہونے کے باوجود اُن کے سماجی رُتبے اور رویّے میں کوئی تبدیلی نہ آئی ا۔ ممکن ہے کہ ڈاروں کو ڈانگر یا ڈنگر جیسی کھجیاں نکالنے میں یہی لوگ پیش پیش رہے ہوں گے۔ اس ماحول کو تقویت دینے میں اُن غیر ملکیوں کا بھی ہاتھ رہا ہوگا جو تیرہویں صدی عیسوی سے لے کر افغان دور کے اختتام تک وقفہ وقفہ سے واردِ کشمیر ہوتے رہے۔ جس کا برملا اظہار راجہ نذر بونیاری نے بالواسطہ طور دبے لفظوں میں یوں کیا ہے:

"......دین کے جاننے والے لوگوں نے اپنے لئے اونچی اونچی کُرسیاں محفوظ کرلیں اور بات پھر وہیں پہنچی یعنی برہمن، کھشتری، ویش اور شودر تک۔ "برہمن ازم" نے قبول اسلام کے بعد "ملاازم" کی اصطلاح اپنائی۔ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے......۲"

مسلم وکی پیڈیا کے مطابق ڈاروں کی بدنامی کا ایک سبب کمینے اور نیچ ذات کے وہ لوگ بھی ہیں جو اپنی اصلی ذات چھوڑ کر ڈار بن گئے۔ یہ صورتحال اصلی ڈاروں کے لئے لمحہ فکریہ سے کم نہیں۔

بہرحال مورّخین اور سماجی ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ ڈار بنیادی طور، ڈامر سے نکلا لفظ ہے مگر اصل سوال یہ ہے کہ یہ لفظ کیسے وجود میں آیا۔ صحیح معنوں میں دیکھا جائے تو یہ معاملہ تاریخ اور سماجیات کے بجائے لسانیات کے دائرے میں آتا ہے۔ جہاں ایسے کئی لسانی اصول موجود ہیں جو نہ صرف نئے اور پرانے الفاظ کے رشتے کھنگالنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ بلکہ نئے الفاظ کی ارتقائی ساخت ڈھونڈ نکالنے میں بھی معاونت کرتے ہیں۔ تاریخی لسانیات

1. M.K. Kaw, 2004, Kashmir and its people: Studies in Evolution of Kashmiri Sociology, New Delhi, PP. 182-184

۲ راجہ نذر بونیاری، مسلمانی اس زمرے سے باہر کیوں، روزنامہ کشمیر اعظمیٰ، ۱۵/مارچ ۲۰۰۷ء، سرینگر

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کے ایک ایسے ہی فارمولا کے مطابق قدیم لفظیات سے غیر سابقہ حرفی لاحقے گرانے سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ کون سا جدید لفظ کس قدیم لفظ سے مشتق ہے۔ اس تاریخی اصول کے چلتے جو غیر سابقہ حرفی لاحقے قدیم لفظیات سے گر آئے ہیں، اُن میں ک (K)، ج (J)، ٹ (t) اور م (m) وغیرہ بھی شامل ہیں۔[1] جن سے مندرجہ ذیل نئے الفاظ وجود میں آئے ہیں:

قدیم لفظ		غیر سابقہ حرفی لاحقے حذف ہونا	جدید لفظ
کوشکی	(Kausiki)	کے (K)	کوشی (Kausi)
بھوجپالہ	(Bhajapala)	جے (J)	بھوپال (Bhopal)
کماری	(Kumari)	ایم (m)	کواری (Kuari)
آرامنگرہ	(Armanagara)	ایم (m)	آرانگرہ (Arangra)

مذکورہ لفظوں سے بیچ کا ج (J.g)، ک (K) اور م (m) اچھر گرآنا ثابت کرتا ہے کہ ڈامر (Damar) سے "میم" حذف ہونے کے ساتھ ہی ڈار لفظ وجود میں آیا ہوگا۔ البتہ اچھروں کا یہ تغیر کب شروع ہوا تھا، ابھی تک واضح نہیں ہے۔ بعض زبان دانوں نے حروف کا تغیر یا گرآنا اپ بھرنش [2] دور سے جوڑ دیا ہے جو اگر چہ چھٹی صدی عیسوی کے آس پاس متعین ہوا ہے[3]، پر گیارویں صدی عیسوی تک ارتقاء میں رہنے سے لفظوں کے تغیر میں حد سے زیادہ تبدیلی آچکی تھی۔ جس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ چار پانچ سو سال تک ارتقاء میں رہنے کے بعد ڈامر سے ایک نیا لفظ ڈار معرض وجود میں آیا ہوگا۔

---

1. Nundo Lal Dey, 1984, The Geographical Dictionary of Ancient and Mediaeval India, Delhi - PP.IX,X

۲ اپ بھرنش کے معنی بھرشٹ یا مسخ شدہ۔ بطور زبان اس لفظ کا استعمال بھامہ کے "کاویالنکار" اور چنڈ کے "پراکرت لکشنم" میں چھٹی صدی عیسوی میں ملتا ہے۔ اپ بھرنشی الفاظ پہلی بار بھرت کے "ناٹیہ شاستر" (۳۰۰ء) میں ملتے ہیں۔ اس کے بعد کالی داس کے "وکرم اروشی" میں نظر آتے ہیں لیکن اپ بھرنش نے بول چال میں پراکرت کی جگہ ۵۰۰ء کے قریب ہی حاصل کی ہوگی۔ چھٹی صدی بلکہ ساتویں صدی سے اس کا استعمال شاعری میں ہونے لگا جو تقریباً پندرہویں صدی تک جاری رہا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ بول چال میں یہ دسویں گیارہویں صدی تک باقی رہی، جس کے بعد جدید زبانیں ابھرنے لگیں۔ ماخوذ از عام لسانیات از گیان چند جین)

۳: پروفیسر گیان چند جین، ۱۹۸۵ء، عام لسانیات، نئی دہلی، ص۔ ۸۵۳

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ایک اور رائے کے مطابق ڈار، دھرا سے نکلا ہوا لفظ ہے جس میں معنوی یکسانیت تو ہے، مگر ڈار کو دھرا کا مشتق ٹھہرانا تحقیقی اعتبار سے درست نہیں۔ ہاں، اتنا تو ضرور ہے کہ سنسکرت زبان کے بیشتر لفظوں کا آغاز الف اور ھ کشمیری زبان میں عمومی طور گر آیا ہے جس کی وجہ سے سنسکرت لفظ دھرا، کشمیری میں دھر یا دَر بن گیا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ اچھروں کی اس قطع و برید سے جہاں لفظوں کی اصلی ساخت اور شناخت مسخ ہوگئی وہیں اس اشتقاقِ عمل سے لفظوں کا اصلی خاندان طاق نسیاں کی نذر ہوا اور اس تغیر عمل کی ایک نمایاں مثال ڈار اور اس کے ہم شکل الفاظ ہیں۔

بات یہی ختم نہیں ہوتی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ''ڈار'' لفظ سے جو کام لینا مقصود تھا، بعض زبانوں میں دار سے لیا جاتا ہے جو ڈار کا مترادف ٹھہرایا گیا ہے۔ ایسی زبانوں میں ترکی، پنجابی، عربی[۱] اور فارسی[۲] بھی شامل ہیں۔ محمد حسین آزاد رقمطراز ہیں:

''ڈ'' اچھر کو خاکِ فارس اور خاکِ عرب راس نہیں آئی ہے۔ اس لئے وہ ''ڈ'' کا کام ''د'' سے لیتے ہیں''[۳]

عربی اور فارسی زبان کا یہ 'دار' لفظ یا تو کشمیری ڈار سے 'دار' کی صورت اختیار کر چکا ہے یا پھر کشمیری زبان نے اس لفظ کو اپنا لیا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً کاردار، تحویلدار، ذیلدار، صوبیدار، دعویدار، جاگیردار اور وڑھ دار وغیرہ وغیرہ

اس سلسلے میں ایک اور دلیل یہ پیش کی جارہی ہے کہ سکندر بت شکن نے جب کشمیریوں کو بالعموم اور ڈاروں کو بالخصوص اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور کیا تو اُس وقت جو لوگ راہ فرار اختیار کر کے بنگال میں سکونت پذیر ہوئے اِن میں ڈاروں کی تعداد بہت زیادہ تھی جو پچاس سال تک جلاوطن رہنے کے بعد دورِ بڈشاہی میں وطن واپس آ گئے۔ محمد الدین فوق لکھتے ہیں۔

۱؎ عربی میں ڈار کے بدلے دار استعمال ہوتا ہے جس کے معنی جگہ، محلہ، مکان اور گھر ہیں۔

۲؎ فارسی میں ڈار کے مقابلے میں دار لفظ موجود ہے جو پھانسی، سولی، چھت کی لکڑی، حصہ دار، قبضے میں ہونا، مالک اور شریک کے معنی استعمال ہوتا ہے۔

۳؎ محمد حسین آزاد، ۱۹۸۶ء، سخن دانِ فارس، نئی دہلی، ص، ۶۸۰

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

"...... جو لوگ پہلے وقتوں میں مُلک چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ بعض کو تو "سلطان" نے خود واپس بُلا لیا اور بعض خود بخود اُس کے جور و احسان کا شہرہ سُن کر وطنِ مالوف کو لوٹ آئے......"[1]

بنگال سے جو (کشمیری) ڈار واپس وطن آئے وہ اب اپنے آپ کو دار، در اور دھر کہنے لگے تھے تاکہ اسلام قبول کرنے اور نہ کرنے والوں میں تمیز کیا جا سکے[2] تاہم کشمیری پنڈتوں کی جانب سے لکھی گئی بعض کتابوں میں دھر کے بجائے ڈار ہی استعمال ہوا ہے۔ آنند رام پہلوان رقم طراز ہیں:

" Meanwhile, Pandit Kailas Dar and Babu Ram Dar left Kashmir and went to see Abdali who had then came to Lahore." 3

یہ تینوں یعنی دار، در اور دھر[4] بطور ذات کشمیریوں میں آج بھی مرّوج ہیں۔ اگر گہرائی سے تحقیقی مطالعہ کیا جائے تو ممکن ہے کہ کارُوار، امبار دار اور فوطے دار جیسی ذاتوں کا رشتہ بھی ڈاروں سے جُڑ سکتا ہے۔ علاوہ ازیں دار، در اور دھر بعض بستی ناموں کا سابقہ یا لاحقہ بھی ہے۔ جس میں داموودار، دارم دار، چک مہانند جودھر، چک گووِیند جودھر، میمندر، اشمندر وغیرہ شامل ہیں۔ البتہ یہ جاننا باقی ہے کہ بستیوں کے یہ نام ڈار سے دار میں تبدیل ہو گئے ہیں یا ان پر عربی فارسی دار اثر انداز ہوا ہے۔

---

1. محمد الدین فوق ۲۰۰۱ء، مکمل تاریخِ کشمیر، ص ۳۵۲

2. Prof. Saligram Bhat, P.134

3. Anand Ram Pahalhlan, History of Kashmir, Cited in Jia Lal Kilm's Book History of Kashmir, 1955, Srinagar, p.16

4. متحدہ پنجاب میں سکھوں اور مسلمانوں میں در اور دھر مشترکہ ذات ہے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ڈامروں کا زادو بوم

ڈارا اگر ڈامر سے نکلا ہوا لفظ ہے تو ڈامر لفظ کی اپنی تاریخ کیا ہے۔ قدیم تحریروں کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ڈامر کا تذکرہ سب سے پہلے چھٹی صدی عیسوی کے نجومی، جیوگرافر، حساب دان، ماہر سماجیات وانسانیات شری ورامہر [۱] نے اپنی مشہور کتاب برہتھ سمیتھا [۲] میں ایک ملک کے طور کیا ہے۔ پنڈت کلہن نے ڈامر لفظ کا ذکر اوّلاً چوتھی ترنگ کے شلوک تین سو اڑتالیس میں کیا ہے [۳] اور ساتھ ہی راجہ للتا دتیہ (۷۰۰ء) کا وہ فرمان بھی درج کیا ہے جس میں اُنہوں نے گاؤں والوں کے پاس ضرورت سے زیادہ زمین رکھنے پر پابندی عائد کی تھی۔ [۴] اُن کے بقول اگر گاؤں میں رہنے والوں کے پاس گزارہ سے زیادہ زمین رہی تو وہ سال بھر میں بڑے خطرناک ڈامر بن کر اس قدر طاقتور بن جائیں گے کہ راجہ تک کی نافرمانی کریں گے۔ [۵] راجہ کی یہ پیشن گوئی درست ثابت ہوئی۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ پنڈت کلہن آگے چل کر اِن ڈامروں کو فسادی، لُٹیرے اور نیچ ذات کے لوگ قرار دیتا ہے۔ [۶] اسی طرح ابھینو گپت (۹۳۵ء) کی اہم تصنیف "تنترلوکا" پر بحث کرتے ہوئے مشہور سُکالر جیارتھ ڈامر لفظ کو شیو تنتر (مستک فارمولا)

۱۔ ورامہر ۴۹۹ء میں مالوہ کے مشہور شہر اوجین میں پیدا ہوئے اور ۵۸۷ء میں وفات پا گئے۔ وہ راجہ مالوہ بکر مادتیہ کے درباری نجومی تھے۔

۲۔ برہتھ سمیتما میں دیئے گئے میروکا، نستاراجیہ، پسوپالہ، ررا، کسیرا، ابھوساروا، دامرا، تانگانا، ترنسارا، کلوتا، برہمپورا اور دانی جیسی جگہوں اور قبائل کے نام قابل ذکر ہیں۔ اس کتاب میں بادل، بارش، فنِ تعمیر، فصل، عطر وغیرہ جیسے موضوع کے علاوہ قدیم ہند کی جغرافیہ کا بھی ذکر ہے۔ کتاب کا گیارہواں باب کورکھشیتر اور کشمیر کے راجوں سے متعلق ہے۔ برہتھ سمیتھا کے علاوہ ورامہر نے "برہتھ جاتکا"، "یوکا یاترا"، "پنچا سیدھانتکا" اور "پرسناولا بھا" جیسی کتابیں بھی لکھی ہیں۔

3. Kalhana's Rajatarangini, 1979, M.A. Stein(Tr.), Delhi, P.154

۴۔ ڈی این دھر کے بقول للتادتیہ نے گاؤں والوں کے پاس زیادہ بیل رکھنے پر پابندی عاید کی تھی جبکہ وی این درابو نے للتادتیہ کے فرمان کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ للتادتیہ اس بات کے قائل تھے کہ جب گاؤں والے کپڑے، اون، کمبل، زیورات، گھوڑے، مکان اور کھانا وغیرہ چیزیں حاصل کریں گے تو وہ باغی ہو جائیں گے۔ اس لئے ان کی ترقی پر قدغن لگانا ضروری تھا۔

5. Kalhana's Rajatrangini, p.154

۶۔ راج ترنگنی، ۱۹۹۳ء، ٹھاکر اچھر چند شاہپوریہ (مترجم)، جلد۔۲، ص ۹۷۔۹۱

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کے طور استعمال کرتا ہے جبکہ گیارہویں صدی عیسوی میں شمیندر ا[1] نے اپنی تصنیف ''لوک پرکاش'' میں ڈامر کو بطور قبیلہ پیش کیا ہے جس میں پرتاپ پور (موجودہ تاپر) کے طاقتور ڈامر سمرسنگھ (بمعنی شیر میدان) خاص طور سے قابل ذکر ہے [2] بعض لغت نویسوں اور راج ترنگنی کے ترجمہ کاروں جن میں ایم۔ اے۔ سٹائین، ایچ۔ ایچ۔ ولسن اور لیسن وغیرہ شامل ہیں، نے کلہن کے لفظوں کو ہی پھیر بدل کے ڈامروں کو ایک تند اور نا قابلِ مطیع قبیلہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح سینٹ پیٹرسبرگ ڈکشنری میں ڈامروں کو باغی اور مفسد قرار دیا گیا ہے۔[3]

کلہن نے ڈامروں کی تذلیل کیوں کی ہے اس کا جواب پروفیسر ایس۔ کے۔ کول یوں دیتے ہیں:

''کلہن کا زمانہ، جنگ، نمک حرامی اور بے وفائی کا تھا جس کے اثرات اُس کے من پر لازماً ثبت ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے اُس نے کشمیریوں کے چال وچلن کے متعلق غلط اور بیہودہ ریمارکس پاس کئے ہیں''[4]

جب بارہویں صدی عیسوی میں اونتی پورہ اور پدمان پور (موجودہ پانپور) میں راجہ کی فوج ڈامروں کے ہاتھوں زبردست شکست کھا کر بھاگ گئی[5] تو فاتح قبیلے کے ہاتھ آنے والے مال غنیمت کو کلہن نے لوٹ مار کا نام دے کر ڈامروں کو رسوا کیا۔ مگر جب ڈامروں کو چُن چُن کر قتل کیا گیا تو کلہن نے اُف تک نہ کی۔[6]

1: شمندر جسے کھیمندر بھی کہتے ہیں، نے راجہ اننت اور کلش (۱۰۱۱ء۔۱۰۸۰ء) کے زمانے میں مذہب، تاریخ اور ساجیات پر کئی کتابیں لکھیں۔ آپ ایک کہن مشق سنسکرت شاعر اور ڈرامانویس تھے۔ سنسکرت عروض اور صرف ونحو جاننے میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ کھیمندر نے ''دیش اوپدیش''، ''نرمامالا''، ''درپہ ولن'' اور ''سمے ماترِکا'' نامی کتابوں میں کشمیری سماج کا مفصل حال درج کیا ہے۔ 2: راج ترنگنی، ٹھاکر اچھر چند شاہپوریہ (مترجم)، جلد۔۲، ضمیمہ نوٹ۔۸، ص۔۹۹

3.St. Petersburg Wartherbuch, Vol.111,P.185 Rajatarangini,Vol.II,P.304

4: پروفیسر ایس کے کول، ۱۹۸۴ء، کشمیر ہندی تواریخ دان، سرینگر، ص۔۴۴ 5: راج ترنگنی، جلد۔۲، ص۔۲۰۰۔۲۱۴

6: راجہ ہرش (۱۰۸۹ء۔۱۱۰۱ء) سے جب ڈامروں نے ٹیکس میں کمی کرنے کا مطالبہ کیا تو اُس نے اپنے گورنر آنند کو حکم دیا کہ تمام ڈامروں کو فوراً قتل کر دیا جائے تاکہ اُنہیں متحد ہونے کا کوئی موقع نہ ملے۔ چنانچہ گورنر نے پرگنہ ہولدا کے ڈامروں پر اچانک حملہ بول دیا جس میں سینکڑوں ڈامر مارے گئے اور ہزاروں گھر بار چھوڑ کر بھاگ گے۔ کلہن نے ڈامروں کے اس قتل وغارت پر افسوس نہ کرتے ہوئے لکھا کہ ان لوگوں کو جانوروں کی طرح مارا گیا۔ البتہ ڈامروں کے اس قتل عام پر کے ایس سکینہ نے اپنی کتاب پولٹکل ہسٹری آف کشمیر'' کے صفحہ ۲۱۷ پر ہرش کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے اُسکو ناشائستہ اور نااہل راجہ قرار دیا ہے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

پروفیسر ایچ کرن نے ڈامروں کو نواب اور جاگیردار ٹھہرایا ہے۔[1] جس کی تائید میں ڈاکٹر کرشنا موہن کہتی ہیں کہ یہی ڈامر لفظ کی اصلی اور صحیح تشریح ہے [2]۔ بہرحال اس ساری بحث کے بعد یہ واضح ہوتا ہے کہ ڈامر، واقعی ایک طاقتور قبیلہ رہا ہے۔ جس کے پاس اپنے مضبوط قلعے[3] اور اپنی مسلح فوج ہوا کرتی تھی یہاں تک کہ وقت کا راجہ ڈامروں کی مدد کا محتاج رہتا تھا[4]

ڈامروں کو ناراض کرنا کسی بھی حاکم کے لئے خطرے سے خالی نہ ہوتا۔ معمولی باتوں پر انتقام لینا ان کا مشغلہ تھا۔ جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے، کہ ڈامر بڑے زمیندار اور جاگیردار تھے اور عیاش اور نااہل حکمرانوں کی کمزوریوں کا فائدہ اُٹھا کر اُنہوں نے وادیٔ کشمیر کی اور بھی زرخیز

1.Kalhana's Rajatrangini,Vol.II, P.304. 61.Dr. Krishna Mohan,P.2 3

۲۔ ڈامر سرداروں نے اپنے زیرِ اثر علاقوں میں کشادہ اور مضبوط قلعے تعمیر کئے تھے جن میں نہ صرف وہ خود بلکہ بوقت مجبوری پوری ڈامر آبادی محفوظ رہتی تھی۔ ڈامر قلعہ داروں میں پرگنہ لار کا دھنو اور گرگ چندر، علاقہ کمراز کا سنگرام راج اور جیک، دگدہ گھاٹ کا چندرا، وادیٔ کشن گنگا کا المکار کا کر سب سے زیادہ مشہور تھے۔ اس کے علاوہ پرگنہ ہمل (جہیل ولر کا شمالی علاقہ)، ہانگل (علاقہ سوناواری)، دیوسر (کولگام)، کھویہامہ (بانڈی پورہ)، ہولدا/کھدووی/کھرو (علاقہ ترال و پانپور)، دُنتس (علاقہ کمراز) وغیرہ علاقوں میں بھی ڈامر قلعے واقع تھے جن میں رہنے والے ڈامر اس قدر طاقتور تھے کہ بادشاہِ وقت بھی مرعوب ہوا کرتے تھے۔

۳۔ ڈامروں کی اکثریت دیہات میں رہتی تھی۔ زراعت اور تجارت پیشہ ہونے کی وجہ سے یہ زبردست محنتی تھے۔ شروع سے ہی مسلح رہتے تھے۔ رفتہ رفتہ ڈامر اس قدر بااثر ہوتے گئے کہ حکومتی معاملات میں اِن کا زبردست عمل دخل رہا۔ قریب ایک صدی تک (۱۰۰۳ء۔۱۰۸۹ء) کشمیر کی حکومتیں اِن کی مرضی سے بنتی بگڑتی رہیں۔ چکرا ورمن (۹۳۵ء) نے ڈامروں سے مدد طلب کی تو بہت سی مراعات کے عوض وہ راضی ہو گئے اور جب راجہ امداد حاصل کرنے کے بعد معاہدہ سے مکر گیا تو ڈامروں نے اس کا کام تمام کیا۔ شاہی خاندان پر اپنا اثر و رسوخ قائم کرنے کے لئے ڈامروں نے راجہ اننت دیوا اور کلش میں خوب لڑائی جھگڑے پیدا کئے۔ کلش نے بھی ڈامروں میں پھوٹ ڈالنے کی کافی کوشش کی لیکن اتحاد کا مظاہرہ کر کے اُنہوں نے کلش کو پسپا کر دیا۔ پرگنہ لار کے گرگ چندر ڈامر کا قلعہ "بادشاہ گر" بن گیا۔ جہاں بادشاہوں کی قضا و قدر کا فیصلہ لیا جاتا تھا۔ راجہ ہرش نے ڈامر قبائل کو رام کرنے کا قصد کیا مگر جوابی یلغ میں نہ صرف وہ خود کام آیا بلکہ اُن کے راج کمار اوچل اور سسل بھی مارے گئے۔ اس لڑائی کا ذکر کرتے ہوئے پنڈ کاہن نے جذباتی ہو کر ڈامروں کے لئے ویسو (نیچ ذات) اور لیٹرے جیسے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

زمینوں پر قبضہ کرنیا۔ ڈامروں کا یہ رتبہ اور دبدبہ کم وبیش وسطی دور میں بھی جاری تھا۔ کرنل تکو رقمطراز ہیں:

" From 1280-1320 AD the feudal land-owning class, the Damars, had either ruled themselves or had a big factor as part of the ruling class "2

چودھویں صدی عیسوی کے آغاز میں جب ایک غیر کشمیری رینچن نے ایک دوسرے غیر کشمیری شاہمیر کی مدد سے ملک کشمیر کی حکومت پر قبضہ کیا تو انہوں نے ایک نئی حکمت عملی کے تحت خفیہ طور ڈامروں، جواب ڈار کہلانے لگے تھے، کا اثر ورسوخ کم کرنے کے لئے ماگرے، رینا، بھٹ اور چک قبائل کو بڑی بڑی جاگیریں عطا کر کے اپنا ہم نوا بنالیا۳۔ ڈاکٹر کے۔ این۔ پنڈتا کے مطابق شاہمیر نے اقتدار پر قبضہ کرنے سے پہلے ہی ڈاروں کی حمایت حاصل کی تھی۔ بقول اُن کے اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو شاہمیر کے لئے تخت کشمیر چھین لینا آسان نہ ہوتا ۴۔ شاہمیر کی اس حکمت عملی سے ڈاروں کا سماجی رتبہ کم نہ ہوا۔ البتہ حکومتی معاملات میں اُن کا رول یقیناً محدود ہو گیا۔ مگر وقتاً فوقتاً وہ اپنی موجودگی کا احساس دلاتے رہے۔۵

1.D.N.Dhar , 1989, Sociao-Economic History of Kashmir Peasantry, Srinagar,p.6

2.TeJ Tikoo, 2012, Kashmir: Its Aborigines, Their Exodus, New Delhi, PP.35-75

3. D.N. Dhar, P.19

4. K.N. Pandita, 2008, Mediaeval Kashmir Historiography.wikipeadia.

۵ ستیش دھر کے بقول ڈاروں کا ایک شخص میرو پنڈت ڈار سکندر شاہ کا فوجی کمانڈر تھا جبکہ رجنیش دھر اُس کو مغل فوج کا سربراہ ٹھہراتا ہے۔ ''کشمیر پیڈیا'' اور جان رچرڈس (مغل سلطنت، ۱۹۵۵ء لندن) کا کہنا ہے کہ مغل دور میں ڈاروں نے سیاسی اور سماجی خدمات کی وجہ سے زبردست نام کمایا۔ اسی طرح ڈاروں کو افغانی دور میں ذی عزت گردانا جاتا تھا۔ بیربل ڈار اُس زمانے کے اہم کشمیری قائد تھے جنہوں نے افغانوں کے خلاف محاذ جنگ کھولا تھا۔ یہ بات وثوق سے کہی جاتی ہے کہ ڈاروں کا دبدبہ کسی حد تک ۱۹۳۱ء تک برابر جاری وساری تھا۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ڈامروں کے متعلق یہ بھی کہا گیا کہ اُن کی بستیاں شمالی کشمیر سے باہر اور کسی جگہ موجود نہیں مگر یہ غلط ثابت ہوا۔سچ تو یہ ہے کہ ڈامروں سے متعلق شواہد جموں وکشمیر کی سرحدوں سے باہر بھی ملتے ہیں ۱

ڈامروں سے متعلق ایک اور سوال جو ذہن میں اُبھرتا ہے وہ یہ کہ اُن کا آبائی وطن کہاں تھا۔ایچ۔اے۔روز، جے ہچسن اور ڈاکٹر نول وِیوگی جیسے ماہرین اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ ڈامر اُیڈمبرا ۲ یا اُڈمبرا سے ماخوذ ہے 3

اُڈمبرایا اُیڈمبرا کون تھے

اُڈمبرایا اُیڈمبرا ایک قدیم قبیلے کا نام ہے جس کا اوّلین تذکرہ رگ وید میں ملتا ہے۔4 اسی طرح ''مارکنڈیا''، وایو اور برہمندا'' پرانوں'' میں بھی اس قبیلے کا مفصل حال درج ہے 5 اُڈمبرا قبیلے کا تذکرہ پانِنی نے اپنی گنپتھا نامی کتاب میں بھی کیا ہے جو پانچویں صدی قبل مسیح میں لکھی گئی تھی 6 ایک مشہور محقق پرمانند گپتا کے مطابق ڈامر اور اُڈمبرا قبائل کے آپسی قریبی رشتے زمانہ قدیم سے رہے ہیں 7

---

۱ کشمیر کے علاوہ ڈامروں کی موجودگی کا پتہ بلوچستان کی قدیم آزاد ریاست قلات کی شال (کوئٹہ) وادی سے بھی ملتا ہے۔افغانستان میں وہ زمانہ قدیم سے رہے ہیں جہاں ہنری والٹر بِلیے کے بقول کل آبادی کا ۱۷فیصد آج بھی ڈامروں پر مشتمل ہے۔براعظم افریقہ کے ملک نیمبیا میں ڈامر قوم کی ۹ فیصد آبادی رہائش پذیر ہے۔کئی اسکالروں کے بقول یہ ڈامر افریقی جنگجو بانتو قبیلے کے لوگ تھے اور کئی اُنہیں جنوب مغربی افریقہ کے حبشی گردانتے ہیں جن کی مادری زبان ''ناما'' ہے۔اسی طرح ڈامر لفظ کی موجودگی مغربی ایشیاء اور مصر سے بھی ملتی ہے۔افریقہ میں ڈامر ایک گاؤں جبکہ نیمبیا میں ایک شہر کا نام ہے۔پاکستانی مقبوضہ کشمیر میں بھی ڈامر نام کا ایک قصبہ آباد ہے جو سرینگر سے ۱۹۳ اور جموں سے ۱۸۳ کلومیٹر دور ہے۔

۲ اُیڈمبرا ایک درخت کا نام ہے جو پٹھانکوٹ اور کانگرہ کے بیچ والے علاقے میں پایا جاتا تھا۔جو اُڈمبرا قبیلے کا مرکز رہ چکا ہے۔اس درخت کی شکل اُڈمبرا سکوں پر بھی ملتی ہے۔ایم۔کے۔شرن کا خیال ہے کہ اس قبیلے نے اُڈمبرا درخت کی نسبت سے ہی اپنا نام پایا۔اور یہ کوئی حیرانگی کی بات نہیں، اس لئے کہ زمانہ قدیم سے ہی ملکوں اور قبیلوں کے نام درختوں، سبزیوں، وغیرہ سے منسوب ہوتے چلے آتے ہیں۔

3. H.A. Rose, 1990, Glossary of the Tribes and castes of punjab and NWFP.Vol.II, PP.237-257. Dr. Naval Viyogi, Vol.I, PP. 255, 257, 263

4. M.K. Sharan, 1972, Tribal coins: A stddy, Delhi,P.120

5. Parmanand Gupta, 1989, Geography from Ancient Indian coins and seals, New Delhi,P.142.

6. Ibid, P.19 . 7. Ibid, P.20 2.

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اس موضوع پر جتنے بھی ماخذ آج تک سامنے آچکے ہیں، وہ سب اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ اُڈمبرا موجودہ پنجاب کے رہنے والے تھے 1 جس میں گورداسپور، ہوشیار پور، جوالہ مکھی، پٹھانکوٹ اور ہماچل پردیش کے مغربی علاقے خاص طور قابل ذکر ہیں۔ کانگرہ شہر کچھ عرصہ کے لئے اُڈمبرا قبیلے کا مرکز بھی رہ چکا ہے 2 دوسری صدی قبل مسیح میں یونانیوں سے آزادی حاصل کرنے کے بعد اُڈمبرا قبیلے نے اپنی خود مختار حکومت قائم کی اور اپنے نام کے سکے جاری کئے تھے 3 جن کے نمونے محکمہ آثارِ قدیمہ کو پٹھانکوٹ اور جوالا مکھی علاقوں سے دریافت ہوئے تھے 4 اس کے علاوہ وادی چناب اور پیر پنچال کے دامن کوہ میں بھی اُڈمبروں کی بستیاں پائی جاتی تھیں۔ ایس بی چودھری مہابھارت اور بُدھ پرانوں کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس قبیلے کی بستیاں مگدھ سے لے کر کشمیر تک پھیلی ہوئی تھیں 5 آر۔ کے۔ کوشک کے بقول اُڈمبرا اپنے زمانے کے جانے مانے بیوپاری تھے جن کا بیشتر کاروبار وسط ایشیاء سے تھا 6 ان کے سماجی رشتوں کے بارے میں ہچسن اور ووجل متفق ہیں کہ ''اُڈمبرا یا اُیڈمبرا'' ڈامرا یا ڈم بُنیادی طور بنجارا یا لوانا قبیلے کی شاخیں تھیں 7

1. Dr. Naval Viyogi, Vol.I, p.231. 2. Ibid. P.231.

3. Parmanand Gupta, P.19

4. Sudhakar Chattopadhyaya, 1973, Racial Affinites of early North Indian Tribes, New Delhi P.31

5. S.B.Chaudhuri, 1955, Ethnic Settelements in Ancient India.Delhi, p.57

6. R.K. Kaushal, 1988, Himachal Pradesh,Sociao-Economic, Geographical and Historical Survey, Delhi,P.17

7. J.Hutchison and Vogel, 1999, History of the Punjab Hill states, Vol.I, Delhi, p.17-

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

نول ویوگی کا کہنا ہے کہ بنجارا قبیلہ زمانہ قدیم سے تاجر پیشہ تھا اجو اشیائے ضروریہ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے تھے 2 ویوگی مزید لکھتے ہیں کہ "کشمیری ڈامر بھی اصل میں بنجارا طبقہ سے ہی تعلق رکھتے تھے"۔ 3

ڈامرا، اُیڈمبرا یا اُڈمبرا "ڈم" بنجارا یا لوانا کے آپسی نسلی، مذہبی اور لسانی رشتے کیا ہیں، کے سلسلے میں کوئی خاص تفصیلات دستیاب نہیں۔ البتہ کچھ ایسے اشارے ضرور ملتے ہیں جو حقائق سے پردہ اٹھانے میں مددگار ثابت ہوسکتے ہیں۔ مثلاً ڈی این مجمدار نے بُلڈ گروپ سیمپلنگ کی بنیاد پر "ڈم" قبیلے کو دراوڑ نسلی خاندان سے منسوب کیا ہے۔ 4 وہی نول وِیوگی اُڈمبرا "ڈم" اور لُوانا قبائل کو لسانی اعتبار سے دراوڑ خاندان کے لوگ قرار دیتا ہے۔ 5 وہ یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ اُڈمبرا، دراوڑ اور ناگ قوم کا دوغلا (Hybrid) طبقہ تھا۔ 6 کے۔ پی۔ جیسوال نے اُڈمبرا کو ناگ قوم سے وابستہ قرار دیا ہے 7 اسی طرح ایم کے شرن اُیڈمبرا قبیلے کے سِکّوں پر سانپ کی شکل موجود ہونے کی بِنا پر اُن کا ناگوں کے ساتھ رشتہ جوڑتے ہیں 8۔

---

1 بنجارا قبیلے کے لوگ آندھرا پردیش، بہار، مدھیہ پردیش، ہماچل پردیش، گجرات، تامل ناڑو، مہاراشٹر، کرناٹک، اُڑیسہ اور مغربی بنگال میں رہتے تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ قبائل ملک روم کے آدی واسی تھے جو ڈھائی ہزار سال پہلے افغانستان کے دشوار گزار پہاڑوں کے اوپر سے برصغیر میں داخل ہوئے تھے۔

2.Dr.Naval Viyogi and prof. M. Anawar Ansari, 2010, History of the Later Harappans and Shilpakara Movement, Part.I,Delhi,P.14, 3 Ibid, P.14

4. D.N.Mujumdar, 1961, Races and Culture of India, Delhi.P.11

5. Dr. Naval Viyogi, Vol.I, P.233

6. Ibid, P. 237

7. K.P. Jayaswal, 1933, History of India, Lahore, P.33

8. M.K.Sharan, 1972, Tribal Coins: A Study, Delhi, P.254

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اِن آراء کو مدنظر رکھ کر بعض باتوں کی (تحقیقی اعتبار سے) وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ایک تو یہ کہ ''ڈم'' قبیلے کے بُلڈ گروپ سیمپلنگ کی بنیاد پر اور ہم نام طبقوں خاص کر ڈامرا، اُڈمبرا یا اُیڈمبرا کو ایک ٹھہرانا سائنسی اعتبار سے درست نہیں ہے۔اسی طرح دو الگ الگ نسلی طبقوں کو یکساں پیشے کی بنیاد پر ایک ہی قوم تسلیم کرنا صریحاً غلط ہے۔اس لئے ڈامرا، اُڈمبرا یا اُیڈمبرا کو ڈُم سے جوڑنا بھی قطعاً ممکن نہیں۔تاہم مذہبی، تجارتی، سماجی اور لسانی ثقافت کی یکرنگی دُنیا کے کسی بھی قوم میں ممکن ہے جسے کئی نسلی گروپوں کے ایک ہونے کا صد فیصد گمان تو ہوتا ہے، لیکن علمِ عمرانیات کے مطابق اِن کے خصائل میں تفاوت کا عنصر خارج از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔پھر بھی اپ بھرنش، ساختیات اور لفظی روٹ تھیوری کا سہارا لیتے ہوئے اِن آراء میں کافی وزن ہے کہ ڈُم، ڈامرا، اُڈمبرا یا اُیڈمبرا ایک ہی لسانی خاندان کے الفاظ ہیں جس سے ان لفظوں کا آپسی لسانی رشتہ ثابت ہوتا ہے جس کی کئی وجوہات ہیں، جن کی وضاحت یہاں ممکن نہیں ہے۔اسی طرح اگر حبشی، ناگ، دراوڑ اور آریا قوموں کے قدیم سماجی، سیاسی، مذہبی اور تجارتی رشتوں کے چلتے اُیڈمبرا کو دراوڑ اور ناگ قوم کا دوغلا (Hybrid) ٹھہرایا جائے تو کوئی شُبہ نہیں۔ کیونکہ مذکورہ بالا رشتوں کے ہوتے میل داری (Hybrid) نہ تب ناممکن تھی اور نہ ہی آج۔تاہم محققوں نے کچھ ایسا تحقیقی وتنقیدی مواد فراہم کیا ہے جس سے ان آراء کو تقویت ملتی ہے کہ اُیڈمبرا دراوڑ نہیں بلکہ آسٹرک تھے۔چنانچہ سِلوین لوی، جین پرزیلوں سکی اور جولز بلوچ رقمطراز ہیں:

''اس بات کو قبول کرنا چاہیئے کہ اُیڈمبرا، اُڈمبرا اور کڈمبرا جیسے نام شمالی ہند کی آسٹرو ایشیٹک زبان اور لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں'' 1

سِلوین لوی وغیرہ کے نظریہ کو تسلیم کیا جائے تو یہ اُیڈمبرا قبیلے کی اولاد خاص کر ڈامروں اور ڈاروں پر بھی صادق آتی ہے۔کے۔پی۔جیسوال اور ایم۔کے۔شرن دونوں کا دعویٰ ٹھوس شواہد پر مبنی ہے۔موخرالذکر بجا طور پر کہتے ہیں کہ اُیڈمبرا سِکّوں پر سانپ کی تصویر موجود ہونے سے ثابت

1. Sylvain Levi, 1929, Pre-Aryan and Pre-Dravidian in India, Calcutta, PP.150-160

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہوتا ہے کہ وہ (اُیڈمبرا) سانپ کو مقدس جان کر پوجتے تھے۔ پس ثابت ہوا کہ اُیڈمبرا ایک غیر آریائی قوم تھی جو ناگوں سے نسبت رکھتی تھی۔ وِیوگی اس رائے کو مزید تقویت بخشتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اُیڈمبرا تا کشکا ناناگوں کی ایک شاخ تھی 1 کشمیر میں پائی جاتی تھی ۲۔

اب یہ بات بالکل صاف ہوگئی ہے کہ اُیڈمبرا کا رشتہ کشمیر کے قدیم باشندوں یعنی ناگوں سے جاملتا ہے اور بلاشبہ اور ڈار کا تعلق بھی اُنہی سے رہا ہے۔

"ڈار" اور کشمیری زبان

کشمیری زبان کا بغور جائزہ لیا جائے تو ایسے کئی مرکب الفاظ سامنے آتے ہیں جن کے ابتدائی لاحقوں سے ڈاروں کی معاشی صورتحال سامنے آتی ہے۔ مثلاً مکایہ ڈار (مکی والی زمین)، پیزِ ڈار (پیز ایک قسم کی گھاس کو کہتے ہیں جو دلدلی زمین میں اُگتی ہے جس سے مقامی لوگ چٹایاں بناتے ہیں) اور "بب سُند ڈار" (دادا کی زمین) وغیرہ۔ اِن لفظیات کو ٹوپونامی ۳ اور علم اللّسان کی ساختیاتی ترازو میں تولا جائے تو یہ دو الگ الگ خاندانوں کے الفاظ معلوم ہوتے ہیں یعنی عامیانہ (Generic) اور خاصہ (Specific) ۴ جس سے یہ بات طے ہوتی ہے کہ بستی ناموں میں "ڈار" لفظ کو عامیانہ حیثیت حاصل ہے۔ کہنے کا مطلب یہ کہ بستی ناموں کے ساتھ ڈار لفظ جُڑا

1. Dr. Naval Viyogi, Prof. M. Anawar Ansari, P.258

۲ مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے نیل مت پُران، راج ترنگنی اور "ناگ ذات" پر لکھا ہوا راقم کا مضمون بھی۔

۳ ٹوپونامی ایک ایسا علمی شعبہ ہے جس میں جگہوں کے نام زیر مطالعہ رہتے ہیں۔ جے جے اِگلی کا کہنا ہے کہ جگہوں کے ناموں کا مطالعہ کرنے سے اسلاف کے رسم ورواج، مذہب اور زندگی کے حالات سامنے آتے ہیں۔ اس شعبہ کی بڑی خاصیت یہ ہے کہ یہ تاریخ کی گمشدہ کڑیوں کو کھنگال کر جوڑ دیتا ہے۔

۴ عامیانہ الفاظ وہ ہیں جو ایک یا ایک سے زیادہ زبانوں میں یکساں معنی میں مرّوج ہوں۔ مثلاً شب خون، شب بیدار، اور شب روز۔ ان لفظوں میں شب، عامیانہ جبکہ خوں، بیدار اور روز خاصہ کے دائرے میں آتا ہے۔ خاصہ لفظ کسی بھی جگہ کے نام میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے جو بستی کے ناموں میں پہلے وجود میں آیا ہے۔ جس سے ثابت ہے کہ ڈار بہت پرانا لفظ ہے۔ اسی طرح اگر مندرجہ بالا لفظوں کو عامیانہ اور خاصہ کی روشنی میں دیکھا جائے تو ڈار اول الذّکر اور مکایہ، کونگ اور بب موخر الذکر خاندان کے الفاظ دکھائی دیتے ہیں۔ معنیاتی لحاظ سے ان مرکب لفظوں کا مطلب وہ زمین ہے جس میں مکی، زعفران اور پیز بڑے پیمانے پر کاشت کی جاتی ہے۔ بہ الفاظ دیگر اس کے معنی وہ بڑے زمیندار ہیں جن کے یہاں مکی، زعفران اور پیز والی زمین بہت موجود ہو۔ اسی طرح ان لفظیات کو مکی، زعفران اور پیز کا ٹھیکدار، دادا کی زمیں، تاجر اور سوداگر کے طور بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہونا ثابت کرتا ہے کہ ڈار واقعی ایک قدیم ذات ہو سکتی ہے کیونکہ:

" Where History is silent, place names speak." 1

آباد اور غیر آباد "ڈار" بستی ناموں میں گوگل ڈار، ٹنگہ ڈار، کلی ڈار، ژِدڈار، بنگہ ڈار، ماہ ڈار، ژیرِ گجُ ڈار وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ اسی طرح محلّہ اور کریوہ ناموں کے ساتھ بھی ڈار لفظ جڑا ہوا ہے جس میں ڈار محل، ڈار کول، ڈار وڈر یا ڈر بال ۲ قابل ذکر ہیں ڈار لفظ کشمیر سے باہر کی بعض بستیوں کے ناموں میں بھی پایا جاتا ہے۔ ۳

موجودہ زمانے کی بات کریں تو ڈار ذات کے لوگ گریز اور ٹنگہ ڈار کے علاوہ کشمیر وادی کے نشیب وفراز میں پائے جاتے ہیں جس کا مفصل تذکرہ کرنا طوالت کا باعث بن سکتا ہے۔ پھر بھی قارئین کی دلچسپی کو ملحوظ نظر رکھ کر کچھ باتوں کا تذکرہ کرنا ضروری ہے۔ اوّل یہ کہ شہر و دیہات اور قصبوں میں جا کر بعض ذمہ دار لوگوں سے بات کرنے کے بعد راقم اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ کشمیر کی بیشتر بستیاں ایسی ہیں جہاں تیس سے اُسی فیصدی ڈار رہتے ہیں۔ مثلاً

---

1. Ramaswami Aiyar L.V,1929-30, " Dravidian Place Names in the plateau of Persia," QJMS, VolXX, P.171

۲ ترال تحصیل میں ڈار نام کا ایک گاؤں ہے جو ایک پہاڑ کے دامن میں واقع ہے جسے "ڈار بال" کہتے ہیں موجودہ ترال یا قدیم ہولدا میں یہ بات عام ہے کہ "ڈار بال کی ڈائین جیسی ہو۔"

۳ "ڈار داجو" ملک چاڑ کی زبان، "ڈار فر" سوڈان کا صوبہ، "ڈار سلا داجو" سوڈان کی ایک بولی جبکہ "ڈار حامد" ایک پوپ آرٹسٹ ہے۔ امریکہ میں ڈار نو آباد لوگوں کی ایک تنظیم ہے جو عورتوں کے لئے کام کرتی ہے۔ یہ وہ نو آباد لوگ ہیں جنہوں نے تعلیم، رضا کارانہ کام اور تحفظِ تاریخ کے لئے کام کیا ہے۔ یہ تنظیم ۱۸۹۰ء میں چار عورتوں نے قائم کی تھی۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

نام محلّہ/گاؤں	ڈاروں کی آبادی	نام محلّہ/گاؤں	ڈاروں کی آبادی
گوشہ بگ پٹن	60%	دودرہامہ گاندربل	47%
گاڈورہ گاندربل	70%	فتح پورہ گاندربل	60%
شالہ بگ گاندربل	67%	آرہامہ گاندربل	39%
دَدہ محلّہ شالیمار	51%	تیل بل شالیمار	36%
گگربل وکوتر خان سرینگر	59%	آنچار وگردونواح سرینگر	43%
ڈوروشاہ آباد	36%	حیدر پورہ سرینگر	48%
چاڈورہ	61%	گلنترہ چاڈورہ	77%
ڈونی وارہ چاڈورہ	44%	بادی پورہ چاڈورہ	43%
چرارِشریف	31%	بارسو پلوامہ	81%
لدھو پانپور	32%	تجن پلوامہ	80%
سانبورہ پلوامہ	35%	دربگام پلوامہ	55%
چراونی چاڈورہ	75%	باغات کنی پورہ چاڈورہ	45%
برزلہ سرینگر	60%	نوبگ چاڈورہ	60%

اسی طرح اور بھی ہزاروں بستیاں ہیں جہاں ڈار کثرت سے پائے جاتے ہیں ۱۔جموں

---

۱ اطلاع کے مطابق ان بستیوں میں بیس سے پچاسی فیصدی آبادی ڈاروں پر مشتمل ہے۔کچھ نام بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں جس میں آبی کار پورہ سرینگر، تھید، زنی مر، رعناواری، نگین، حبک، رام باغ، راجباغ، امداکدل، دھنہ ہامہ، گاسو، کوکر بازار، حضرت بل، نوہٹہ، بمنہ، پارم پورہ، اومپورہ، وڑون، سوئیبگ، ماگام، سنور، سمر بگ، کانہامہ، کلی ڈار، پہرو، وڑی پورہ، پانزن، رانگر، زوہامہ، بوگام، برزلہ، وانہ بل، سوپور، ویری ناگ، ووترس اور کپوارہ وبانڈی پورہ کے سینکڑوں دیہات بھی شامل ہیں۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کے کشتواڑ، بھدرواہ، ڈوڈہ، بانہال، رام بن، پونچھ، راجوری اور لداخ کے کرگل خط میں ڈاروں کی خاصی تعداد موجود ہے جو زمانہ قدیم کی طرح آج بھی بڑے بڑے زمیندار ہیں۔

ریاست جموں و کشمیر سے باہر (ہندوستان میں) ڈاروں کی آبادی دہلی ۱۔ لدھیانہ، امرتسر، جالندھر، لکھنو، گجرات، میزورم، ناگالینڈ، ہریانہ اور حیدرآباد میں رہ رہی ہے ۲۔ پاکستان میں راولپنڈی، اسلام آباد، لاہور، کراچی اور پاکستانی کشمیر کے میرپور، کوٹلی، لیپا وادی کے نشیب وفراز میں ڈار کافی تعداد میں موجود ہیں جو مختلف ادوار میں جموں و کشمیر کے بعض علاقوں سے ہجرت کر گئے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آج کل ڈار لوگ یورپ میں بھی نظر آتے ہیں اور فخر سے ڈار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مثلاً امریکہ میں مقیم مظہر ڈار کہتے ہیں کہ اُن کے اسلاف کشمیر سے ہجرت کر کے لاہور پہنچے تھے جہاں آج ہزاروں کی تعداد میں ڈار ذات کے لوگ رہتے ہیں 3 شجاعت مرتضیٰ ڈار کا کہنا ہے کہ اُن کے جدواجداد ۱۸۶۵ء میں ارض کشمیر چھوڑ کر راولپنڈی میں آبسے تھے 4 برطانیہ کے جیمز ہال کا کہنا ہے کہ اُس کی اصلی ذات ڈار ہے (لیکن زندگی بھر ہال نام سے ہی مشہور رہا)۔ اُس کے (بقول) باپ کا نام یوسف ڈار ہے جو رشید اڈار کا بیٹا تھا۔ اُن کے دادا بنیادی طور کشمیری ہیں جو ۱۹۴۷ء میں کراچی میں رہنے لگے تھے 5 کشمیر

۱۔ دہلی میں آج بھی ڈاروں کے نقوش پائے جاتے ہیں۔ سُنیل دھر کے بقول سیتارام بازار، سیتارام ڈار سے منسوب ہے جو دہلی کا پہلا کوتوال تھا۔ جس کے آباؤ اجداد کشمیر سے تعلق رکھتے تھے (کشمیر پیڈیا: این آن لائن اینسائیکلو پیڈیا اباوٹ کشمیر)۔

۲۔ جب بھی کشمیر میں حالات خراب ہوئے تو بعض لوگ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے جن میں ڈاروں کی اچھی خاصی تعداد بھی شامل رہی ہے۔ یہ لوگ جہاں بھی جاتے، اپنا کاروبار شروع کرتے۔ بنگال، گجرات، جموں، کولکتہ، ہماچل پردیش اور دلی میں ڈاروں کی کثرت پائی جاتی ہے۔ ہماچل کی تحصیل بیجناتھ کے گاؤں اُمیتھر امیں ڈاروں کی خاصی آبادی ہے۔

3. Ancestry.com-Dar-Surnames , 4. Shujatmurtaza @ yahoo.com U.K.

5. Message Board.Surnames-Dar Ancestry.Com

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

سے ہجرت کرنے والے ڈار ذات کے لوگ یورپ (امریکہ اور برطانیہ) کے علاوہ بنگلہ دیش کے کئی علاقوں میں بھی سکونت پذیر ہیں اور بڑے بڑے عہدوں پر کام کرتے آئے ہیں۔[1]

ڈاروں کی نامور شخصیات

کشمیر کے ڈاروں میں بہت سے نامور لوگ گزرے ہیں جو اپنے کارناموں کی بدولت تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ وسطی دور میں سنگرام ڈار، سیف ڈار، بہرام ڈار، عثمان ڈار، ولی ڈار، علی ڈار، کیلاش ڈار اور بیربل ڈار جیسے ذی عزت سیاست دان، منتظم اور فوجی ماہروں کا ذکر ملتا ہے۔ بڈشاہ کے دورِ حکومت میں سنگرام ڈار سیاسی اور سماجی معاملات میں کافی اہم اور مؤثر رول ادا کرتے رہے۔ موضع چرار شریف کے ایک بڑے زمیندار ہونے کے ساتھ ساتھ اُن کی خدا دوستی بھی بے مثال رہی ہے۔ یہی وہ خوش قسمت شخص تھا جس کے ہاں کشمیر کے مشہور ولی اور صوفی شاعر نُندہ ریشیؒ نے اپنی زندگی کے آخری ایام گزارے۔ عبدالاحد آزاد کے بقول سنگرام ڈار کے پاس ''دچھ ہار''[2] نام سے مشہور ایک باغ تھا جو نندہ ریشیؒ کی آخری آرام گاہ بن گیا ہے[3] سنگرام ڈار نندہ ریشی کے چہیتے طالب بھی تھے۔ ڈاروں میں ایک اور باصلاحیت شخص سیف ڈار تھا جس نے شاہمیری خاندان کے فتح شاہ (دورِ حکومت ۱۵۴۶ بکرمی) کے دشمنوں کا قلع قمع کیا اور (بہ اتفاق رائے) فتح شاہ کو تختِ کشمیر پر بٹھایا[4] سویہ بگ بڈگام میں بہرام ڈار جیسا انسان دوست اور خدا ترس بھی ہو گزرا ہے جس نے سید محمد بیہقی کے ۳ فرزندوں کو اپنے گھر میں پناہ دے کر قتل ہونے سے بچایا[5] عثمان ڈار، ولی ڈار اور علی ڈار میدانِ کارزار کے غازی تھے۔

---

۱ ''کشمیر پیڈیا'' پرایوی شیخ دھر کی فراہم کردہ اطلاع کے مطابق بنگلہ دیش کے موموسنگ ضلع میں ڈار ذات کے کئی خاندان عرصہ دراز سے بود و باش کرتے آئے ہیں جو گزشتہ زمانے میں تجارت کی غرض سے کشمیر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

۲ عبدالاحد آزاد، ۱۹۹۳ء کشمیری زبان اور شاعری، مرتب: محمد یوسف ٹینگ، جلد سوم، کلچرل اکیڈیمی سرینگر، ص، ۲۰۷

۳ مذکورہ، ص، ۲۰۷

۴ تاریخ حسن، ۱۹۵۷ء، جلد۔ اوّل، سرینگر، ۱۹۶

۵ مذکورہ، ص، ۲۰۰۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اُنہوں نے ہمیشہ سیف ڈار اور بہرام ڈار کی جنگی مہموں کا ساتھ دیا۔ کیلاش ڈار افغان دور میں مالیہ جمع کرنے کا اہم عہدہ دار تھا۔ وقت کے حکمرانوں نے اُسے بڑی جاگیریں عطا کر کے عزت بخشی[1]۔ اسی طرح بیربل ڈار اور اس کا بیٹا راجہ کاک ڈار افغان اور سکھ دور میں اعلیٰ سرکاری عہدوں پر تعینات تھے[2]۔

ڈانگر پورہ (نائل، اننت ناگ) کے عبدالاحد ڈار عرف احد ڈارِ نائلِ (بسا اوقات بقول لارنس احد جو نائلِ، ص،۳۰) ڈوگرہ دور کے مشہور ذیلدار تھے۔ غلام نبی آتش کے بقول ڈانگر پورہ میں ۱۰۰ فیصد ڈار رہتے تھے جو سچ مچ ''ذیلداروں کا محلّہ تھا۔'' کہا جاتا ہے کہ عبدالاحد ڈار ذیلدار نہیں بلکہ اپنی دائرہ ذیلداری کا خود مختار بادشاہ تھا[3]۔ عبدالاحد ڈار کے بعد اُس کا بیٹا عبدالغنی ڈار ذیلدار بن گیا جو مہاراجہ ہری سنگھ کی معزولی تک اپنے فرائض انجام دیتا رہا۔

سیاسی شخصیات میں وونپر (اومپورہ) بڈگام کے ڈار برادارن یعنی غلام حسن ڈار، اسداللہ ڈار اور غلام محمد ڈار نے بیسوی صدی کے وسط میں کشمیر چھوڑ دو تحریک کے لئے کام کیا اور شیخ محمد عبداللہ کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔ غلام حسن ڈار بخشی غلام محمد اور غلام محمد صادق کے دور

---

1. قوی امکان ہے کہ یہ جاگیر باغات کنی پورہ (چاڑودہ) کے متصل کلی ڈار نامی گاؤں میں واقع تھی۔ کلی ڈار لفظ کا لسانی اور کشمیر کی بستی ناموں کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ کلی ڈار...... کیلاش ڈار کی بگڑی صورت ہو سکتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کشمیری سماج میں رسول کو لسہ، غلام کو گلہ، عزیز کو عوز، امکار کو ووم کہنا ایک عام اور قدیم روایت ہے۔ اسی لئے بھی ممکن ہے کہ کیلاش کو کلشی، پھر کلی کہا گیا ہو۔

2. D.N.Dhar, 1989, Socio-Economic History of Kashmir peasantry, Srinagar,p.62

3. ۱۹۴۷ء میں جاگیردارانہ نظام کے خاتمے کے باوجود عبدالغنی کے بیٹے سیف الدین کو ذیلدار مقرر کیا گیا۔ جاگیرداری کا زمانہ ختم ہوا تو سیف الدین ڈار پہلے نیشنل کانفرنس اور پھر ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۷۲ء میں بجبہاڑہ سے اسمبلی کے لئے ممبر چُنے گئے۔ ایک عرصہ تک آپ اننت ناگ کوآپریٹو بینک کے چیئرمین بھی رہے۔ اُن کی اولاد میں مشتاق احمد ڈار بطور چیف انجینئر (آر اینڈ بی) سبکدوش ہوئے۔ نائل ڈانگر پورہ کے ہی عبدالعزیز ڈار نامی شخص کا بیٹا خواجہ نورالدین ڈار (ضلع صدر نیشنل کانفرنس) وزیر اعظم بخشی غلام محمد کا دستِ راست تھا۔ وہ عوام دوست شخص تھا۔ نورالدین ڈار کا بیٹا محمد ایوب ڈار ایک درویش تھا۔ جس کے مریدوں کی تعداد آج بھی سینکڑوں میں موجود ہے۔ ڈانگر پورہ میں غلام نبی ڈار عرائض نویس کے فرزند غلام محی الدین ڈار ایک ایماندار ہائی کورٹ جج تھے (یہ معلومات مشہور لوک ادب شناس جناب غلام نبی آتش نے ۲۴ر مارچ ۲۰۱۴ء کو راقم کے نام ایک مکتوب میں قلم بند کئے۔)

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

میں بڈگام کے ممبر اسمبلی بھی رہے ہیں۔۱اسی طرح قصبہ یار (ضلع پلوامہ) کے تاریخی گاؤں دربگام میں محمد اکبر ڈار ڈوگرہ دور سے معروف ذیلدار تھے جو پلوامہ، اننت ناگ اور گاندربل سے پرجا سبھا کے لئے منتخب ہوئے تھے۲بادی پورہ (تحصیل چاڑورہ) کے غلام احمد ڈار۳ چمڑہ صاف کرنے کے بہت بڑے بیوپاری تھے۔ بقول عبدالاحد ڈار گلشن ''ڈار'' کا کاروبار نہ صرف ہندوستان کے اہم شہروں میں پھیلا تھا بلکہ ملک سے باہر بھی''۴ ۲۰۱۰ء میں ڈوروشاہ آباد کے مشتاق احمد ڈار نے اخروٹ توڑنے کی ایک مشین بنائی۔ جس کی افادیت کو دیکھ کر مرکزی سرکار کی طرف سے اُنکو انعام دیا گیا۔5

ڈاروں میں ایک اچھی خاصی تعداد اُدباء اور شعراء کی بھی رہی ہے جن کی ادبی کاوشوں کی بدولت کشمیر کے سیاسی، سماجی حتیٰ کہ مذہبی پہلوؤں پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ ان میں خاص طور سے تندہ ڈار (۱۸۳۰ء۔۱۸۷۷ء کاٹھی ہول، بیروہ)، لسی ڈار (۱۹۱۰ء۔۱۸۰۷ء، مانسو، مانسبل)، رحمان ڈار (۱۹۵۹ء۔۱۸۹۷ء، چھتہ بل سرینگر)، خضر ڈار ۶ (۱۹۵۴ء۔۱۸۸۵ء، تجن،

۱ ڈار برادران کے متعلق یہ اطلاع کشمیری زبان کے مشہور و معروف شاعر و محقق جناب شاہد بڈگامی نے ۱۱ر مارچ ۲۰۱۴ء راقم الحروف کو فراہم کی۔

۲ پکھر پورہ کے ایک لیکچرار ڈاکٹر فاروق بخاری کے مطابق محمد اکبر ڈار نے پانپور اور شوپیاں کی جامع مسجد کے علاوہ سید بلخی کا آستان (واقع در پکھر پورہ) بھی تعمیر کیا ہے۔ جب ۱۹۸۰ء میں مرزا محمد افضل بیگ نے انقلابی نیشنل کانفرنس کی بنیاد ڈالی تو محمد اکبر ڈار کے بھتیجے محمد ابراہیم ڈار اس نئی تنظیم کے جنرل سیکرٹری بنے۔ (یہ اطلاع بخاری صاحب نے ۲۲ر اپریل ۲۰۱۴ء کو فراہم کی)۔

۳ عبدالاحد ڈار گلشن کا کہنا ہے کہ غلام احمد ڈار اصل میں ڈانگر قوم سے تعلق رکھتا تھا اور بعد میں ڈار ذات اختیار کی۔

۴ راقم کے نام عبدالاحد ڈار کے ارسال کردہ مکتوب بعنوان ''غلام احمد ڈار بادی پورہ'' بتاریخ ۲۱ مارچ ۲۰۱۴ء میں لکھا گیا ہے کہ موخر الذکر زبردست غریب پرور تھے اور ہندوستان کے کئی شہروں میں کئی مساجد اور مندر بھی تعمیر کئے۔

5. en. Wikipedial.org wiki/Doru__ shahabad

۶ ننگہ ہار تجن (پلوامہ) میں سکونت پذیر ہیڈ کانسٹیبل عبدالغفار ڈار کے مطابق اُن کا دادا خضر ڈار ایک عالم تھا۔ اُس کے آٹھ بیٹے تھے۔ بڑا بیٹا محمد اکبر ڈار شیر کشمیر زرعی یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی حیثیت سے ریٹائر ہوا۔ دوسرا بیٹا احسن ڈار ایس ایچ او کے عہدہ تک پہنچ گیا۔ موخر الذکر کا بیٹا عبدالغنی ڈار ڈی سی کے عہدہ سے سبکدوش ہوا جبکہ اُن کا بیٹا منظور احمد ڈار اس وقت ایس ایچ او کے عہدہ پر کام کر رہا ہے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

پلوامہ)، احمد ڈار (۱۸۵۵ء۔۱۹۲۶ء، حیدر پورہ، سرینگر)، عبدالستار ڈار رنجور (۱۹۱۷ء۔۱۹۹۰ء، کیگام، شوپیان)، درویش محمد ڈار (۔۱۹۴۸ء، ڈینگ، بٹل، گلاب گڑھ)، امیر ڈار[۱] (۱۸۷۱ء۔۱۹۳۵ء، صونڈ پورہ بچیارہ)، محمد الدین ڈار فوق[۲] (۱۸۷۷ء۔۱۹۴۵ء، سویہ بگ بڈگام)، عبدالاحد ڈار آزاد[۳] (۱۹۰۳ء۔۱۹۴۸ء، رانگر، چاڈورہ)، مامہ ڈار[۴] (اندرواری، ناید کدل سرینگر)، عبدالاحد ڈار گلشن[۵] (بادی پورہ، چاڈورہ)، محمد اکبر ڈار[۶] (حیدر پورہ، سرینگر) اور

۱۔ امر ڈار کا بیشتر کلام ضائع ہوا ہے۔ تاہم غلام نبی آتش کی انتھک کوششوں سے صرف ان کی ''لیتر'' نامی ''پڈ'' دستیاب ہوئی ہے۔

۲۔ محمد الدین ڈار فوق سویہ بگ بڈگام کے ڈار خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ یہاں سے یہ خاندان ہردوشیوہ سوپور منتقل ہوا۔ بعدازاں آپ نے لاہور جا کر سکونت اختیار کی اور ''پیسہ'' نام کا اخبار جاری کیا۔ مکمل تاریخِ کشمیر کے علاوہ آپ نے تاریخ بڈشاہی اور شباب کشمیر نام کی کتابیں بھی تحریر کی ہیں۔

۳۔ افغان دور میں رانگر کا ایک بہادر اور بارعب شخص محمد کاظم ڈار (عرف گاشہ بب) پٹھان حکومت کا ایک اہم اہلکار تھا جس کے دو بیٹے تھے محمد ہاشم ڈار اور محمد داؤد ڈار۔ ہاشم افغان فوج میں افسر تھا جو کشمیر پر سکھ حملے کے دوران مارا گیا۔ اپنے بیٹے کا بدلہ لینے کے لئے کاظم ڈار نے چالیس سپاہیوں کے ہمراہ فاتح سکھ فوج کو کریوہ حیات پورہ (چاڈورہ) میں شب خون مارا۔ کچھ سپاہیوں کو ہلاک کر کے کاظم ڈار بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوا۔ سکھ فوج چاڈورہ کے گردونواح کی بستیوں میں کاظم ڈار کی تلاش میں تھی۔ مگر کاظم ڈار اپنی (دوسری) بیوی اور ہاشم کے آٹھ سالہ بیٹے اشرف ڈار سمیت رانگر سے فرار ہونے میں کامیاب ہوا اور آخر کار اپنی جاگیر کیگام (شوپیان) میں جا بسا۔ سکھ حکومت کی مخالفت کی پاداش میں سکھوں نے رانگر میں اُس کا آبائی مکان نذرِ آتش کیا اور اُس کے بیٹے محمد داؤد ڈار کو قتل کر دیا۔ مقتول (داؤد ڈار) کے بیٹے حبہ ڈار کے دو بیٹے تھے۔ گاشہ ڈار اور احمد ڈار۔ گاشہ ڈار کے بیٹے محمد ڈار کا بیٹا سلطان ڈار تھا جس کے ہاں کشمیری زبان وادب کا انقلابی شاعر عبدالاحد ڈار آزاد پیدا ہوا جو صرف پینتالیس سال کی عمر میں فوت ہوا۔ کاظم ڈار کے بیٹے کے پوتے اشرف ڈار کی اولاد سے ہی کشمیری زبان کے نامور شاعر، سکالر اور نقاد عبدالستار رنجور بھی تھے (مزید تفاصیل کشمیری شیرازہ، جلد:۲۵، نمبر ۳۔۴ اور سید رسول پونپر کے عبدالستار رنجور پر لکھے مونوگراف، ۱۹۹۴ء میں دیکھے جاسکتے ہیں)

۴۔ مامہ ڈار یعنی غلام محمد ڈار کے دادا عبدالعزیز ڈار اعلیٰ پایہ کے قلندر تھے۔ مامہ ڈار نہ صرف شاعر ہے بلکہ ایک خدادوست بھی۔ اُن کا کلام گنج دریاو (۱۹۹۹ء) نامی کتاب میں چھپ چکا ہے۔

۵۔ عبدالاحد ڈار گلشن شاعری کے علاوہ افسانے بھی لکھتے ہیں۔ اُن کی ایک کتاب ''قدم قدم چھواولن'' چھپ چکی ہے۔ وہ ۲۰۱۳ء میں تحصیلدار کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ عبدالاحد ڈار کے جدِ اعلیٰ غلام رسول ڈار عرف لسی ڈار باشندہ قویل پلوامہ تقریباً ڈھائی سو سال پہلے بادی پورہ کے ڈاروں کے ہاں بطور خانہ داماد وارد ہوئے۔ شعر اور خاص کر داستان گوئی میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ لسی ڈار کی اولاد میں اس وقت غلام محی الدین ڈار، عبدالغنی ڈار اور محمد سلطان ڈار (عبدالاحد ڈار گلشن کے والد) بطور وارثان موجود ہیں۔

۶۔ محمد اکبر ڈار کے باپ کا نام اسد ڈار تھا۔ مرشد اوّل حیدر پورہ کے غلام محمد ڈار تھے۔ اس کے بعد چرار شریف کے مقبول بابا کی تربیت میں رہے اور آخر خانصاحب بڈگام کے غلام احمد شاہ کے مرید ہوئے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

غلام احمد ڈار عرف عمہ لالہ [۱] (سنہ ۱۹۳۷ء-سنہ ۲۰۱۴ء، برزلہ، باغات، سرینگر) وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

حاصلِ کلام یہ کہ ڈاروں کے متعلق زیر بحث مقالے میں مختلف ماخذوں کا سنجیدہ مطالعہ کرنے کے بعد جو حقائق سامنے آتے ہیں اُن کے مطابق ڈار کشمیری زبان کے علاوہ عبرانی، انگریزی، یونانی اور آسٹرک (منڈاری اور کھاسی) زبانوں میں زمانۂ قدیم سے ہی موجود رہا ہے۔عبرانی اور لاطینی میں ڈار موتی جبکہ یونانی میں ذہانت کے طور استعمال ہوتا ہے۔ کشمیری زبان میں ڈار اُن بڑے بڑے زمین کھاتوں، کھیتوں اور اِن کے مالکوں کو بھی کہا گیا ہے جن کی زمینوں میں زعفران، مکی، شالی اور ''پیو'' وغیرہ بڑے پیمانے پر کاشت کی جاتی ہے۔ڈار، دادا کی زمین، تاجر، سوداگر یا زعفران اور ''پیو'' کا ٹھیکدار، کے طور بھی استعمال ہوا ہے۔اسی طرح یہ لفظ جنگجو، نواب اور جاگیردار کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

ڈار...... ڈامر سے بنا لفظ ہے جس کا تذکرہ شمیندرا، کلہن، سٹائن، ولسن، لیسن اور کرشنا موہن وغیرہ نے وادیٔ کشمیر کے قدیم باشندوں کے طور کیا ہے۔ڈامر چھٹی صدع عیسوی سے کشمیر کی سیاست میں سرگرم رہے ہیں۔وہ ہمیشہ مسلح رہتے تھے اور بوقتِ مجبوری حکمرانوں کے خلاف صف آراء ہوتے تھے۔ڈاروں کا یہ دبدبہ کشمیر، چک، مغل، افغان، سکھ اور ڈوگرہ دور میں بھی جاری رہا۔گیارہویں صدی عیسوی کو ڈامروں کی صدی کہا جاسکتا ہے۔کیونکہ اُس زمانے میں یہ لوگ اس قدر طاقتور تھے کہ بادشاہوں کی قسمتوں کو سنوارنا یا بگاڑنا اِن کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ڈامر......اُیڈمبرا یا اُڈمبرا سے نکلا لفظ ہے جس کا تذکرہ پانچویں صدی قبل مسیح سے ملتا ہے۔ یہ قبیلہ موجودہ پنجاب کے گورداسپور، ہوشیارپور، جوالہ مکھی، پٹھانکوٹ، ہماچل پردیش کے مغربی علاقے اور جموں وکشمیر میں بود وباش کرتا تھا۔

---

[۱] عمہ لالہ کو فارسی وکشمیری زبان کے علم وادب کی اچھی خاصی واقفیت تھی۔صوفی ازم اور صوفی شاعری کے وہ زبردست دلدادہ تھے۔جلال الدین رومی، مولانا جامی، شیخ سعدی شیرازی، فرید الدین عطار، لل دید، نندہ ریشی، وہاب کھار، شمس فقیر، احمد بٹواری، صمد میر وغیرہ شعراء کے اشعار عمہ لالہ کے یہاں اکثر وبیشتر زیر بحث رہتے تھے۔راقم نے کئی بار اُن سے خود بھی ملاقات کی ہے۔اُنہوں نے کچھ نعوت بھی تخلیق ہیں۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

نسلی اعتبار سے اُیڈ مبرا غیر آریائی قوم ناگوں کی ایک ذیلی شاخ تا کشکا سے تعلق رکھتی تھی۔ تا کشکا ناگ کشمیر کا قدیم راجہ گزرا ہے۔ مذہبی اور لسانی اعتبار سے بھی اُید مبرا، ناگ قوم کی شاخ تھی۔ ڈاروں کے اسلاف یعنی ڈامر اور اُیڈ مبرا پہلے ناگ مت اور پھر بدھ مت کے ماننے والے تھے اور اب مسلمان ہیں۔ بلاشبہ اُیڈ مبرا کا رشتہ کشمیر کے قدیم باشندوں یعنی ناگوں سے جا ملتا ہے۔ اس لئے ڈامر اور ڈار کا تعلق بھی اِنہی ناگوں سے رہا ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ دار، درا ور دھر...... ڈار سے نکلے الفاظ ہیں جو ذات (Surname) کے علاوہ بستی ناموں کے طور بھی استعمال ہوئے ہیں۔ ڈار ذات کے لوگ ریاست جموں و کشمیر سے باہر پنجاب، دلی، ہماچل، گجرات، ہریانہ، اسلام آباد، راولپنڈی، کراچی، لاہور، امریکہ، برطانیہ اور بنگلہ دیش میں بھی آباد ہیں جو سب کشمیر سے ہجرت کر گئے ہیں۔

ڈاروں نے مختلف ادوار میں اہم سیاسی، سماجی اور ادبی شخصیات کو بھی جنم دیا ہے جن میں سنگرام ڈار، سیف ڈار، بہرام ڈار، کیلاش ڈار، بیربل ڈار، رحمان ڈار، احمد ڈار، عبدالاحد ڈار آزاد، عبدالستار ڈار رنجور وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

............●●●............

شیرازہ اردو "مغل اور کشمیر نمبر"

اس خصوصی نمبر میں مغلوں اور کشمیر کے مابین روابط، ثقافتی میل جول، علوم وفنون پر اثرات اور سیاسی محاذ آرائی کا احاطہ کرنے والے تحقیقی و تنقیدی مضامین شامل ہیں۔ اس خصوصی اشاعت میں مغلوں اور کشمیر کے مابین روابط پر نئے زاویۂ نگاہ سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس پتے پر منگوائیں:

☆...... کتاب گھر، مولانا آزاد روڈ، سرینگر

☆...... کتاب گھر، کنال روڈ، جموں توی

☆...... کتاب گھر، فورٹ روڈ، لیہہ لداخ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

● ......ڈاکٹر عبدالرشید خان

اردو ادب میں تذکرۂ کشمیر

خدائے بزرگ و برتر نے وادیٔ کشمیر کو کمال کے حسن و جمال سے اس قدر دلکش اور جاذبِ نظر بنایا ہے کہ دیکھنے والا متعجب ہونے کے ساتھ ساتھ سکونِ قلب اور اطمینان پاتا ہے۔ کشمیر کے خوبصورت پہاڑ، سرسبز گھنے جنگل، موسیقی پیدا کرنے والے آبشار، وسیع و عریض جھیل، رس دار میوے، پانی کے جھرنے، پھلواریاں، رنگ برنگے فلک بوس سفیدے اور سایہ دار چنار کے قد آور درخت اور برفیلی چادر سے ڈھکی چوٹیاں ہر دیکھنے والے کو مست و مدہوش کرتی ہیں۔

وادیٔ کشمیر کے حسن و جمال اور تہذیب و تمدن کا تذکرہ سن کر دنیا بھر کے سیاح یہاں آتے رہے ہیں۔ سیاحوں نے یہاں کی خوبصورتی اور دلکشی پر سینکڑوں کتابیں لکھی ہیں۔ بعض نے اپنے سفرناموں کو تذکرۂ کشمیر سے مزیّن کیا ہے بعض نے افسانے اور ناول ضبطِ تحریر میں لائے اور کچھ ادبا نے نظمیں لکھ کر کشمیر جنتِ بے نظیر کے مناظر بیان کئے ہیں۔ مغل حکمراں جہانگیر یہاں کے مناظرِ قدرت سے اس قدر متاثر تھے کہ انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اگر دنیا میں کوئی جگہ جنت کہلانے کی مستحق ہے تو وہ یہی وادی کشمیر ہے۔

ایران کے مشہور شاعر خواجہ حافظ شیرازیؒ نے اپنی شاعری کی اثر اندازی پر فخر کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کی شاعری لوگوں کو اس قدر متاثر کرتی ہے کہ سمرقند کے محبوب اور

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کشمیر کی حسینا ئیں کلامِ حافظ سن کر مصروف بہ رقص ہوتی ہے۔

بہ شعر حافظِ شیرازی گویندومی رقصند
سیاہ چشمانِ کشمیری و ترکانِ سمر قندی

فارسی کے شہرت یافتہ شاعر عُرفی شیرازی نے کشمیر کی آب و ہوا کی تاثیر سے متعلق اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ یہاں کی آب وہوا اس قدر صحت افزا ہے کہ بھنا ہوا پرندہ بھی حیاتِ نو پاسکتا ہے:

ہر سوختہ جانی کہ بہ کشمیر در آید
گر مرغِ کباب است بابال و پر آید

Sir Francis Young Husband نے کشمیر میں کچھ دیر قیام کرنے کے بعد یہاں کی خوبصورتی پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے وادیٔ کشمیر کو یونان سے زیادہ خوبصورت گردانا ہے۔ البیرونی نے کشمیریوں کے نفسیاتی پیچ وخم کا جائزہ لے کران کی عادات، اطوار اور خصائل پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ Sir Walter Lawrence نے کشمیر کی تہذیب وتمدن کے ساتھ ساتھ یہاں کی تاریخ و جغرافیہ سے متعلق اپنی رائے پیش کی ہے۔ Sir George Grierson نے کشمیری زبان کا رشتہ دارک گروہ کے ساتھ جوڑا ہے۔

دیگر قلمکاروں، دانشوروں اور مفکروں کی طرح اُردو ادیبوں نے بھی کشمیر کے حسن و جمال کا مختلف زاویوں سے ذکر کیا ہے۔ چوٹی کے شاعروں، ناول نگاروں، افسانہ نگاروں اور ڈراما نویسوں نے بے شمار ادب پاروں میں اس جنت بے نظیر کے ساتھ اپنی والہانہ محبت کا اظہار کیا ہے۔ شاعر مشرق علامہ اقبال کو کشمیری نژاد ہونے کے ناطے اپنے مادر وطن کو جنت بے نظیر کہلانے پر انتہائی فخر تھا اور خود کو اس جاں فزا باغ و جنت کا بلبل شمار کرنے پر مسرت کا اظہار کرتے تھے۔

کشمیر کا چمن جو مجھے دلپذیر ہے
اس باغ جانفزا کا یہ بلبل اسیر ہے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ورثے میں ہم کو آئی ہے آدم کی جائیداد
جو ہے وطن ہمارا وہ جنت نظیر ہے

اقبالؔ نے قومی یکجہتی کا پیغام عام کرتے وقت عالم انسانیت سے اپیل کی ہے کہ وہ لفظ کشمیر میں موجود حروف (ک ش م ی ر) کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر یکجہتی کا مظاہرہ کریں:

دُرِ مطلب ہے اخوت کے صدف میں پنہاں
مل کے دنیا میں رہو مثلِ حروفِ کشمیر

علامہ اقبالؔ کو وادی کشمیر کے ساتھ اس قدر گہری محبت اور لگاؤ تھا کہ انھوں نے پوری دنیا کو اس جنتِ بے نظیر کے پہاڑوں، سبزہ زاروں اور لالہ ہائے چمن کا مشاہدہ کرنے کے لئے یہاں آنے کی دعوت دی ہے۔

رخت بہ کاشمر کشا، کوہ و تل و دمن نگر
سبزہ جہاں جہاں بہ بین لالہ چمن چمن نگر

چنانچہ کشمیر کے لوگ مہمان نوازی کے سلسلے میں دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ یہ لوگ بلا امتیاز مذہب وملت، رنگ ونسل، فرقہ وعلاقہ اپنے مہمانوں کی خاطر تواضع کرنے میں دل کی عمیق گہرائیوں سے دلچسپی لیتے ہیں۔ اس حقیقت کا اعتراف ملکی اور غیر ملکی سیاحوں نے اپنے سفر ناموں میں کیا ہے۔

کشمیری نژاد شاعر پنڈت برج نرائن چکبستؔ نے اپنے ایک شعر میں کشمیریوں کی مہمان نوازی کی ستائش کرتے ہوئے یہاں کے ایک ایک ذرے کو مہمان نواز قرار دیا ہے۔ اُردو کی غزلیہ شاعری میں کشمیر کے موضوع پر غالباً اس سے بہتر شعر نہیں کہا گیا ہے:

ذرہ ذرہ ہے میرے کشمیر کا مہمان نواز
راہ میں پتھر کے ٹکڑوں نے دیا پانی مجھے

نازشؔ پرتاب گڑھی نے اپنی نظم، وادی کشمیر میں اس خطہ ارض کو ہندوستان کا تاج قرار دیا ہے:

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ورثے میں ہم کو آئی ہے آدم کی جائیداد
جو ہے وطن ہمارا وہ جنت نظیر ہے

اقبالؔ نے قومی یکجہتی کا پیغام عام کرتے وقت عالم انسانیت سے اپیل کی ہے کہ وہ لفظ کشمیر میں موجود حروف (ک ش م ی ر) کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر یکجہتی کا مظاہرہ کریں:

دُرِ مطلب ہے اخوت کے صدف میں پنہاں
مل کے دنیا میں رہو مثلِ حروفِ کشمیر

علامہ اقبالؔ کو وادی کشمیر کے ساتھ اس قدر گہری محبت اور لگاؤ تھا کہ انہوں نے پوری دنیا کو اس جنتِ بے نظیر کے پہاڑوں، سبزہ زاروں اور لالہ ہائے چمن کا مشاہدہ کرنے کے لئے یہاں آنے کی دعوت دی ہے۔

رخت بہ کاشمر کشا،کوہ و تل و دمن نگر
سبزہ جہاں جہاں بہ بین لالہ چمن چمن نگر

چنانچہ کشمیر کے لوگ مہمان نوازی کے سلسلے میں دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ یہ لوگ بلا امتیاز مذہب وملت، رنگ ونسل، فرقہ وعلاقہ اپنے مہمانوں کی خاطر تواضع کرنے میں دل کی عمیق گہرائیوں سے دلچسپی لیتے ہیں۔ اس حقیقت کا اعتراف ملکی اور غیر ملکی سیاحوں نے اپنے سفر ناموں میں کیا ہے۔

کشمیری نژاد شاعر پنڈت برج نرائن چکبستؔ نے اپنے ایک شعر میں کشمیریوں کی مہمان نوازی کی ستائش کرتے ہوئے یہاں کے ایک ایک ذرے کو مہمان نواز قرار دیا ہے۔ اُردو کی غزلیہ شاعری میں کشمیر کے موضوع پر غالباً اس سے بہتر شعر نہیں کہا گیا ہے:

ذرہ ذرہ ہے میرے کشمیر کا مہمان نواز
راہ میں پتھر کے ٹکڑوں نے دیا پانی مجھے

نازشؔ پرتاب گڑھی نے اپنی نظم، وادی کشمیر میں اس خطہ ارض کو ہندوستان کا تاج قرار دیا ہے:

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

سلام وادی کشمیر رشکِ خطۂ نور
ترا جوار حسین ہے جواں ترے جمہور
سلام تجھ پہ کہ میرے وطن کا تاج ہے تُو
سلام تجھ پہ کہ ہندوستان کی راج ہے تو

یحییٰ اعظمی نے بھی اپنی نظم ،جنتِ رنگ وبو، میں اسی طرح کے خیالات کا اِظہار کیا ہے:

اے مری خلدِ رنگ و بو، اے مری جنتِ وطن
یہ ترا آب و رنگ ہے باعثِ زینتِ وطن
تجھ سے ہے عزتِ وطن، تجھ سے ہے عظمتِ وطن
ہے ترے دم سے گلشنِ دیر میں شہرتِ وطن
تیری رگوں میں ہے رواں کس کی بہار کا لہو
کس کے چمن کا فیض ہے یہ تیرا حسنِ رنگ و بو

اُردو کے جدید شعراء بھی اپنی تخلیقات میں کشمیر کے حسن و جمال اور یہاں کی تہذیب وتمدن کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔آج کل کشمیر سے متعلق تخلیقات میں شعراء اُن محرکات کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں جو یہاں کے امن وامان کو درہم برہم کرنے کے لئے ذمے دار ہیں۔گزشتہ 25سال کی سیاسی افراتفری کا آج کی شاعری پر گہرا اثر ہے جواں سال شاعر پروفیسر طارق تمکین کے درج ذیل شعر پر کشمیر کے سیاسی حالات کا اثر عیاں ہے:

تمہارا حُسن گرچہ جلوۂ کشمیر جیسا ہے
ہمارا عشق بھی اب مسلۂ کشمیر جیسا ہے

اُردو اور ہندی کے شاعر آلوک شری واستو نے اپنی نظم 'کشمیر' میں کشمیر کی خوبصورتی اور یہاں کے دلفریب مناظر کو بیان کرنے کے بعد اُن حالات پر افسوس کا اظہار کیا ہے جو یہاں کے پُرسکون ماحول کو اُداسی اور مایوسی میں بدلنے کے لئے ذمے دار ہیں۔ وہ اس بات کے معترف ہیں کہ گزشتہ بیس سال کی ابتر حالت کے باوجود وادیِ کشمیر دھرتی پر جنت کا منظر پیش کر

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

رہی ہے۔

کشمیر

پہاڑوں کے جسموں پر برفوں کی چادر
چناروں کے پتوں پہ شبنم کے بستر
حسیں وادیوں میں مہکتی ہے کیسر
کہیں جھلملاتے ہیں جھیلوں کے زیور
ہے کشمیر دھرتی پہ جنت کا منظر

O

یہ جھیلوں کے سینے سے لپٹے شکارے
یہ وادی میں ہنستے ہوئے چاند تارے
یقینوں سے آگے حسیں یہ نظارے
فرشتے اُتر آئے جیسے زمیں پر
ہے کشمیر دھرتی پہ جنت کا منظر

O

مگر کچھ دنوں سے پریشان ہے یہ
سیاسی نگاہوں سے حیران ہے یہ
پہاڑوں میں رہنے لگی ہے اُداسی
چناروں کے پیڑوں میں ہے بدحواسی
نہ کیسر میں کیسر کی خوشبو رہی ہے
نہ جھیلوں میں رونق بچی ہے ذرا سی
مگر دل ابھی بھی یہی کہہ رہا ہے
ہے کشمیر دھرتی پہ جنت کا منظر

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اُردو افسانے کے بانی کار منشی پریم چند نے اپنے مختصر افسانے 'کشمیری سیب' میں سماج کے اندر پائی جانے والی بددیانتی اور بے ایمانی کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ کہانی کار پریم چند خود پنجابی میوہ فروشوں کے بازار میں تمام میوؤں کے مقابلے میں گلابی رنگ کے کشمیری سیب محض اس لئے پسند کرتے ہیں کہ وہ رس دار ہیں اوران میں وٹامن اور پروٹین پائے جاتے ہیں۔ مزید یہ کہ سیب کھانے والے کو ڈاکٹر کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔

''سیب کے وِشے میں تو یہ کہا جانے لگا ہے کہ ایک سیب روز کھایئے تو آپ کو ڈاکٹروں کی ضرورت نہ رہے گی۔ ڈاکٹر سے بچنے کے لئے نمکوڑی تک کھانے کو تیار ہو سکتے ہیں۔ ہم نے دوکاندار سے مول بھاؤ کیا اور آدھ سیر سیب مانگے۔ دُکاندار نے کہا 'بابو جی بڑے مزے دار سیب آئے ہیں، خاص کشمیر کے۔ آپ لے جائیں، کھا کر طبیعت خوش ہو جائے گی۔''

(کلیاتِ پریم چند، حصہ 14، ص 564، مرتبہ، مدن گوپال، قومی نسل برائے فروغ اُردو زبان نئی دہلی)

سیب تو دنیا کے مختلف علاقوں میں بھی پائے جاتے ہیں لیکن پریم چند سیب خریدنے کے لئے محض اس لئے تیار ہوتے ہیں کہ یہ خاص کشمیر کے ہیں۔ لیکن گھر پہنچ کر جب وہ سیب کھانے کو بیٹھتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ دُکاندار نے کشمیری سیب کے نام پر گلے سڑے سیب رکھ دیئے ہیں جو بالکل کھانے کے لائق نہیں تھے۔

کرشن چندر نے کشمیر کی رومان پرور فضا کے پسِ منظر میں ہی افسانہ لکھنا شروع کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کہانیوں میں جھیلوں، گھنے جنگلوں، سرسراتی ہواؤں، مہکتے پھولوں، لہلہاتے ہوئے مرغ زاروں، شمشاد وصنوبر، درختوں، چہکتے پرندوں، مہکتے باغوں، رقص کرتے ہوئے بادلوں، برف کی چادر اوڑھے پہاڑوں، زعفران زاروں، دھان کے کشادہ کھیتوں اور مختلف النوع میوؤں مثلاً اخروٹ، چری، ناشپاتی، سیب، بادام وغیرہ کا ذکر ملتا ہے۔ کرشن چندر نے کشمیر سے متعلق کہانیوں میں ان عوامل کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جو جنت بے نظیر کو جہنم زار بنانے کے لئے ذمے دار ہیں۔ انہوں نے یہاں کی خوبصورتی کے پردے میں موجود غربت، حسرت ویاس، اقتصادی تباہ حالی، سیاسی افراتفری، سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی من مانیاں،

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

زمینداروں اور سود خوروں کی سنگدلی کو بھی محسوس کیا ہے۔اس سلسلے میں 'جہلم سے پہلے اور جہلم کے بعد' کرشن چندر کی ایک مشہور کہانی ہے جس میں وہ لوگوں کے افلاس، غلامی اور کسمپرسی کے حالات پر دکھ کا اظہار کرتے ہیں۔ کشمیر سے متعلق ایک اور کہانی 'بالکونی' میں کرشن چندر نے یکجہتی، محبت، ہمدردی اور دوستی کو موضوع بنایا ہے۔جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے کہانی کے سارے واقعات کشمیر کے ایک مشہور و معروف صحت افزا مقام گلمرگ میں واقع تین منزلہ ہوٹل فردوس کی بالکونی پر رونما ہوتے ہیں جہاں مختلف شعبہ ہائے زندگی کے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگ شفق کا منظر دیکھنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔

> ''میں جس ہوٹل میں رہتا تھا اسے 'فردوس' کہتے تھے...... میرا کمرہ درمیانی ہوٹل کے غربی کونے پر تھا اور اس کی بالکونی میں سے گلمرگ کا گالف کورس، نیڈوز ہوٹل اور دیودار سے گھرے ہوئے بنگلے اور اس کے پرے کھلن مرگ کا اونچا میدان اور اس سے ہی پرے اُلہ پتھر کی اونچی چوٹی نظر آتی تھی۔گلمرگ کی شفق مجھے بہت پسند ہے اور یہاں سے تو شفق کا منظر بہت بھلا معلوم ہوتا تھا۔اس لئے بھی میں نے اس کمرے میں رہنا پسند کیا۔ بہت سے لوگ جو یوں ہی بے سوچے سمجھے کمرے کرائے پر لیتے تھے، بعد میں میری بالکونی کی طرف بہ اندازِ حسرت دیکھتے تھے اور اکثر مجھ سے اجازت طلب کر کے میری بالکونی میں غروبِ آفتاب کا نظارہ کرنے آیا کرتے۔''
>
> (کرشن چندر اور ان کے افسانے، مرتبہ ڈاکٹر اطہر پرویز ص ۲۱۶، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ)

افسانے کی دنیا میں تہلکہ مچانے والے کہانی کار سعادت حسن منٹو کشمیری نژاد ہونے پر فخر کرتے تھے۔ان کو کشمیر اور کشمیریت کے ساتھ والہانہ محبت تھی۔اگر چہ جوانمرگی نے منٹو کو کشمیر بچشم خود دیکھنے کا موقعہ فراہم نہ کیا لیکن ان کو یہاں کے حالات پر پوری نگاہ تھی۔ان کی بیشتر تخلیقات میں کشمیر کے سیاسی، سماجی، اقتصادی اور معاشی حالات کا ذکر ملتا ہے۔ کشمیر سے متعلق ان کی دو کہانیاں 'آخری سلوٹ' اور 'ٹیٹوال کا کتا' خاص اہمیت کی حامل ہیں۔منٹو نے اپنی کہانی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اُردو افسانے کے بانی کار منشی پریم چند نے اپنے مختصر افسانے 'کشمیری سیب' میں سماج کے اندر پائی جانے والی بد دیانتی اور بے ایمانی کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ کہانی کار پریم چند خود پنجابی میوہ فروشوں کے بازار میں تمام میووں کے مقابلے میں گلابی رنگ کے کشمیری سیب محض اس لئے پسند کرتے ہیں کہ وہ رس دار ہیں اور ان میں وٹامن اور پروٹین پائے جاتے ہیں۔ مزید یہ کہ سیب کھانے والے کو ڈاکٹر کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔

''سیب کے وِشے میں تو یہ کہا جانے لگا ہے کہ ایک سیب روز کھایئے تو آپ کو ڈاکٹروں کی ضرورت نہ رہے گی۔ ڈاکٹر سے بچنے کے لئے نمکوڑی تک کھانے کو تیار ہو سکتے ہیں۔ ہم نے دوکاندار سے مول بھاؤ کیا اور آدھ سیر سیب مانگے۔ دُکاندار نے کہا' بابو جی بڑے مزے دار سیب آئے ہیں، خاص کشمیر کے۔ آپ لے جائیں، کھا کر طبیعت خوش ہو جائے گی۔''

(کلیاتِ پریم چند، حصہ 14، ص 564، مرتبہ، مدن گوپال، قومی نسل برائے فروغ اُردو زبان نئی دہلی)

سیب تو دنیا کے مختلف علاقوں میں بھی پائے جاتے ہیں لیکن پریم چند سیب خریدنے کے لئے محض اس لئے تیار ہوتے ہیں کہ یہ خاص کشمیر کے ہیں۔ لیکن گھر پہنچ کر جب وہ سیب کھانے کو بیٹھتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ دُکاندار نے کشمیری سیب کے نام پر گلے سڑے سیب رکھ دیئے ہیں جو بالکل کھانے کے لائق نہیں تھے۔

کرشن چندر نے کشمیر کی رومان پرور فضا کے پسِ منظر میں ہی افسانہ لکھنا شروع کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کہانیوں میں جھیلوں، گھنے جنگلوں، سرسراتی ہواؤں، مہکتے پھولوں، لہلہاتے ہوئے مرغ زاروں، شمشاد و صنوبر، درختوں، چہکتے پرندوں، مہکتے باغوں، رقص کرتے ہوئے بادلوں، برف کی چادر اوڑھے پہاڑوں، زعفران زاروں، دھان کے کشادہ کھیتوں اور مختلف النوع میووں مثلاً اخروٹ، چری، ناشپاتی، سیب، بادام وغیرہ کا ذکر ملتا ہے۔ کرشن چندر نے کشمیر سے متعلق کہانیوں میں ان عوامل کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جو جنت بے نظیر کو جہنم زار بنانے کے لئے ذمے دار ہیں۔ انہوں نے یہاں کی خوبصورتی کے پردے میں موجود غربت، حسرت ویاس، اقتصادی تباہ حالی، سیاسی افراتفری، سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی من مانیاں،

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

زمینداروں اور سود خوروں کی سنگدلی کو بھی محسوس کیا ہے۔ اس سلسلے میں 'جھیل سے پہلے اور جھیل کے بعد' کرشن چندر کی ایک مشہور کہانی ہے جس میں وہ لوگوں کے افلاس، غلامی اور کسمپرسی کے حالات پر دکھ کا اظہار کرتے ہیں۔ کشمیر سے متعلق ایک اور کہانی 'بالکونی' میں کرشن چندر نے یکجہتی، محبت، ہمدردی اور دوستی کو موضوع بنایا ہے۔ جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے کہانی کے سارے واقعات کشمیر کے ایک مشہور و معروف صحت افزا مقام گلمرگ میں واقع تین منزلہ ہوٹل فردوس کی بالکونی پر رونما ہوتے ہیں جہاں مختلف شعبہ ہائے زندگی کے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگ شفق کا منظر دیکھنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔

''میں جس ہوٹل میں رہتا تھا اسے 'فردوس' کہتے تھے...... میرا کمرہ درمیانی ہوٹل کے غربی کونے پر تھا اور اس کی بالکونی میں سے گلمرگ کا گالف کورس، نیڈوز ہوٹل اور دیودار سے گھرے ہوئے بنگلے اور اس کے پرے کھلن مرگ کا اونچا میدان اور اس سے ہی پرے اُلہ پتھر کی اونچی چوٹی نظر آتی تھی۔ گلمرگ کی شفق مجھے بہت پسند ہے اور یہاں سے تو شفق کا منظر بہت بھلا معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے بھی میں نے اس کمرے میں رہنا پسند کیا۔ بہت سے لوگ جو یوں ہی بے سوچے سمجھے کمرے کرائے پر لیتے تھے، بعد میں میری بالکونی کی طرف بہ اندازِ حسرت دیکھتے تھے اور اکثر مجھ سے اجازت طلب کر کے میری بالکونی میں غروبِ آفتاب کا نظارہ کرنے آیا کرتے۔''

(کرشن چندر اور ان کے افسانے، مرتبہ ڈاکٹر اطہر پرویز ص ۲۱۶، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ)

افسانے کی دنیا میں تہلکہ مچانے والے کہانی کار سعادت حسن منٹو کشمیری نژاد ہونے پر فخر کرتے تھے۔ ان کو کشمیر اور کشمیریت کے ساتھ والہانہ محبت تھی۔ اگر چہ جوانمرگی نے منٹو کو کشمیر بچشم خود دیکھنے کا موقعہ فراہم نہ کیا لیکن ان کو یہاں کے حالات پر پوری نگاہ تھی۔ ان کی بیشتر تخلیقات میں کشمیر کے سیاسی، سماجی، اقتصادی اور معاشی حالات کا ذکر ملتا ہے۔ کشمیر سے متعلق ان کی دو کہانیاں 'آخری سلوٹ' اور 'ٹیٹوال کا کتا' خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ منٹو نے اپنی کہانی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

'بیگو' میں کشمیر کی خوشگوار آب و ہوا میں گرمیوں کے دن بسر کرنے کا اپنا ارادہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"میں لاہور سے گرمیاں گزارنے کے لئے کشمیر کی تیاری کر رہا ہوں۔ سوٹ سلوائے جارہے ہیں۔ بوٹ ڈبوں میں بند کئے جارہے ہیں۔ ہولڈال اور ٹرنک کپڑوں سے پُر کئے جارہے ہیں...... کشمیر کی حسین وادی کی ہونے والی سیر کے خیالات میں مگن، لاری پر سوار ہوتا ہوں۔"

(کلیات سعادت حسن منٹو، پہلی جلد، ص ۲۵۸، ترتیب پروفیسر شمس الحق عثمانی، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان نئی دہلی مارچ ۲۰۰۶)

پریم ناتھ پردیسی نے اپنی کہانیوں میں کشمیر کے ان حالات اور واقعات کا بخوبی ذکر کیا ہے جن کے وہ بذاتِ خود چشم دید گواہ تھے۔ ان کی کہانیوں میں کشمیریوں کے مسائل، ان کی خواہشات، دکھ درد اور کسمپرسی کی منظر کشی کی گئی ہے۔ 'جھنجھنا' میں پردیسی نے کشمیری پنڈتوں کے حالاتِ زندگی کو موضوع بنایا ہے۔ 'بجھتے چراغ' میں ان حالات کی نشاندہی کی گئی ہے جنہوں نے جنتِ کشمیر کو دوزخ میں تبدیل کیا ہے:

"ہم مسکین ضرور ہیں مگر دولت کون پیدا کرتا ہے۔ اناج کون اُگاتا ہے۔ ریشم اور پشمینہ کون بُنتا ہے۔ اس پر بھوکوں مریں، گالیاں کھائیں۔"

(پریم ناتھ پردیسی، عہد شخصی اور فنکار، ڈاکٹر برج پریمی ایمہ ص ۹۹)

حامدی کاشمیری کی کہانیوں میں کشمیر اور کشمیریت کے آثار جگہ جگہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ یہاں کے آبشار، فلک بوس پہاڑ، جھومتے ہوئے سفیدے، جنگل کے اونچے اونچے درخت وسیع و عریض جھیل، پُرکشش میوہ باغات، صبح صادق چہچہانے والے پرندے، پھولوں پر رقص کرنے والے بھنورے، بیرونِ ریاست اور خارجی ممالک سے آنے والے سیاحوں کی مستیاں اور شال بافی سے وابستہ بے شمار دلچسپ قصے کہانیاں ان افسانوں کی جان ہیں۔ ان کے افسانوں میں اگرچہ کرداروں کے نام فرضی ہیں لیکن جگہوں کے نام بالکل حقیقی ہیں مثلاً ڈل جھیل، نشاط،

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

شالیمار، ڈلگیٹ، گلمر گ، پہلگام وغیرہ۔

"حامدی نے کشمیر کی کہانیاں لکھی ہیں۔ یہاں کا ماحول ان کے افسانوں میں ہر جگہ موجود ہے۔ مقامی رنگ نے ان کے افسانوں میں جان ڈال دی ہے۔ جنہوں نے کشمیر دیکھا ہے وہ حامدی کے افسانوں کے کرداروں کو یہاں کے ماحول میں ضرور پہچان لیں گے۔"

(دیباچہ 'وادی کے پھول'، ص ۴، پروفیسر شکیل الرحمن)

حامدی کاشمیری کے چار افسانوی مجموعے: وادی کے پھول، برف میں آگ، سراب اور شہرِ افسوس کشمیری تہذیب ثقافت سے متعلق جانکاری دینے میں ممد ومعاون ثابت ہوسکتے ہیں۔

کرتار سنگھ دُگل کا ڈراما 'دِیا بجھ گیا' کشمیر کے سیاسی حالات سے متعلق ایک بہترین ادبی تخلیق ہے جس میں ایک کشمیری ماں اپنے اُس بیٹے کو قتل کروانے کا پروگرام ترتیب دیتی ہے جو دشمنوں کے ساتھ مل کر یہاں کے امن وسکون کے کھلیان میں آگ لگا کر ماحول کو درہم برہم کرنا چاہتا ہے۔

............●●●............

شیرازہ اُردو "محمد یاسین بیگ نمبر"

شیرازہ کا یہ خصوصی شمارہ ریاست کے معروف شاعر مرزا محمد یاسین بیگ کی شاعری اور شخصیت کے انوکھے اور فلک رنگ پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔

اس پتے پر منگوائیں:

☆...... کتاب گھر، سرینگر/ جموں/ لیہہ/ لداخ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

● ...... ایاز رسول نازکی

عالم معطر از قلم مُشکبارِ ماست۔۲

قلمی نُسخے کی دوسری جلد دستیاب ہوگئی۔اس جلد میں کل ملا کر ۴۳۳ اوراق ہیں اور پہلی جلد کی طرح اس میں بھی آغاز اور اختتام پر خالی اوراق موجود ہیں۔کاغذ کشمیری ہے اور جلد چمڑے کی ہے۔استعمال کیا گیا کاغذ دو تین اقسام کا ہے۔ہلکے مہین کاغذ کا بھی استعمال کیا گیا ہے۔کتاب کے آغاز میں سرخ روشنائی سے عنوان تحریر ہے:۔

منتخبہ حضرت مثنوی مولوی رومؔی بطریق سراپا
خروج کردہ ہستند۔

ہواللہ۔

اوراس کے ساتھ ہی اشعار شروع ہوجاتے ہیں۔

اے خدا از فضلِ تو حاجت روا
باتو یاد ہیچ کس بنود روا
گفت المعنی ہواللہ شیخِ دین
بحرِ معنیہاست ربُ العالمین
جملہ اطباق زمین و آسمان
ہمچو خاشاکِ درایں بحرِ رواں

مثنوی مولوی سے منتخب کئے گئے حمدیہ اشعار کی تعداد ۵۴ ہے۔ان کے بعد

اس مضمون کی پہلی قسط (جموں۔کشمیر۔لداخ،جلد ۶) شمارہ ۴۹ شمارہ ۳۔امیں شائع ہوچکی ہے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

''دربیانِ مناجات'' کے تحت 74 اشعار درج کیئے گئے ہیں۔

اے خدائے پاک وبے انبازو یار
دستگیر و جرم مارا درگذار

اگلے دفتر میں 155 اشعار نقل کیئے گئے ہیں مگر اس دفتر کا عنوان پڑھا نہیں جاتا۔

اگلا اندراج صاف صاف پڑھا جاتا ہے۔

''دربیانِ حقیقتِ صورتِ طاہر''

اس عنوان کے تحت 131 اشعار مثنوی مولوی سے نقل کیئے گئے ہیں اور جن کا تعلق صورت کے ساتھ ہے۔

صورت از بےصورتے آمد بروں
تارسد کانّا اِلله َراجعُون

''دربیانِ حقیقتِ جان'' 93 اشعار دیئے گئے ہیں۔

......جاں اندر مقامِ دیگر است
بادۂ جاں را قوامِ دیگر است

''دریابیانِ حقیقتِ دانشِ انسان گوید''۔

اس عنوان کے تحت 73 اشعار پیش کیے گئے ہیں۔

اگلا موضوع جس کے متعلق اشعار مثنوی مولوی معنوی سے چُنے گئے ہیں۔''دربیانِ ہوش'' ہے۔

محرمِ ایں ہوش جُز بے ہوش نیست
مرزباں را مُشتری چوں گوش نیست

'ہوش' کے زمرے میں کل 66 اشعار درج کیے گئے ہیں اور اس کے بعد ''دربیانِ کیفیتِ عشق'' کے تحت 35 اشعار لکھے گئے ہیں۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

شادباش اے عشقِ خوش سودائے ما
وے طبیبِ جملہ عِلت ہائے ما
اے دوایے نوت و ناموسِ ما
وے تو افلاطون و جالینوسِ ما
علّتِ عاشق ز علت ہا جداست
عشق اضطراب اسرار جداست
چوں قلم اندر نوشتن مے شتافت
چوں بعشق آمد قلم بر خود شگافت

ان ۳۵ اشعار کے علاوہ شاید مسوّدہ اور خاص طور پہ صفحہ مکمل کرنے کے بعد اور پانچ اشعار کا اضافہ حاشیے پر کیا گیا ہے۔ان پانچوں اشعار میں عشق، کے بدلے ''محبت'' لفظ کا استعمال ہوا ہے۔

از محبت خار ہا گل مے شود
در محبت سرکہ ہاسُل مے شود
از محبت سنگ روغن مے شود
بے محبت موم آہن مے شود

اگلے بیان میں ''دربیانِ ملاحت''۔۔۔اشعار نقل کیے گئے ہیں۔

درملاحت خود نظیرو خود نداشت
چہرہ اش تاباں تراز خورشید چاشت

اگلے 79 اشعار ''دربیانِ قدوقامت یعنی جسمِ طاہر'' کے زمرے میں درج کیے گئے ہیں۔

قامتِ تو برفراز آمد بساز
سایہ ات کوتہ دمے یکدم دراز
قدِ چوں سرو خراماں در چمن
خد ہمچوں یاسمین ونسترن

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

حیرت اندر حیرتست اے یارِ من
ایں نہ کارِ تست و نے ہم کارِ من

••••••●••••••

ایں جہانے کہنہ را تو جانِ نو
ازتنِ بے جان و دل افغان شنو
وقت آں آمد کہ من عریاں شوم
جسم بہ آرام سراسر جاں شوم

اس باب کے بعد اگلا موضوع ''دربیانِ اسمِ محارتیے'' ہے۔اس میں 33 اشعار کو جگہ دی گئی ہے۔کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

ہیچ نامے بے حقیقت دیدہٗ
یاز کاف و لام گُل گُل خندہٗ
گرزِ نام وحرف خواہے بگورے
پاک کُن خود رازِ خود بیں یکسرے

24 اشعار پر مشتمل ''دربیانِ نقش ونگارے ظاہرے'' اس شعر سے شروع ہوتا ہے۔

پیشِ اصل خویش چوں بیخویش شُد
رفت صورت جلوہٗ معنیش شُد
جلوہ کردہ عام و خاصاں را عروس
خلوت اندر شاہ باشد با عروس
بنگر اندر نقش واندر رنگِ اُو
بنگر اندر عزم و در آہنگ اُو
تابدانے کیں ہمہ نقش ونگار
جُملہ روپوشت و مکرو مستعار

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اگلے ۱۷ اشعار ''در بیانِ ناز'' اور پھر اگلے ۲۵ اشعار ''در بیانِ نیاز'' تحریر کیے گئے ہیں۔ مگر سارے انتخاب میں ایک بڑا حصہ دل کے حصے میں آیا ہے اور ''در بیانِ حقیقتِ دل'' کے عنوان کے تحت مثنوی مولوی معنوی سے ۶۴ اشعار چُنے گئے ہیں۔

آں جمالِ دل جمالِ باقی است
دو لبش از آبِ حیواں ساقی است
صاحبِ دل آئینہ شش رُو بود
حق درُو از شش جہت ناظر بود
آں دلے آور کہ قطبِ عالم است
جانِ جان وجان جانِ آدم است
نُور نُورِ چشم خود نُورِ دل است
نُورِ چشم از نُورِ دلہا حاصل است
نُور نُورِ نورِ دل نورِ خداست
گو کہ نورِ عقل وحس پاک وجداست
نُورِ دل را نُورِ حق تزئین بود
معنی نورٌ علٰی نُور ایں بود
آں صفائے آئینہ وصفِ دل است
صورتِ بے منتہا را قابل است

اگلے اشعار ''عقل'' کی حقیقت بیان کرنے میں پیش کیے گئے ہیں۔

ماچہ عالمہاست درسوادئے عقل
تاچہ نابہاست ایں دریائے عقل
بحرِ بے پایاں بود عقلِ بشر
بحرِ را خواص با یدائے پسر

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

باسیاست ہائے جاہل صبر کن
خوش مداز کن بعقل مَن لدُن

''فکر''، ''اندیشہ''، اور''خیال''، ان تین موضوعات سے متعلق مثنوی مواوی سے اشعار چُن چن کر درج کیے گئے ہیں ان کی تعداد بالترتیب 23، 29، اور 36 ہے۔

فکرِ آں باشد بکشاید رہے
راہ کہ ایں باشد کہ پیش آید شہے
پیش مے بینی کہ از اندیشہء
قائمست اندر جہاں ہر پیشہء
ہم زمین و بحر وہم مہر و فلک
زندہ ازوے ہمچو از دریا سمک
آں خیالائے کہ دارم اولیا ست
عکس مہ رویانِ بستانِ خداست
گرنباشد گندم محبوب نوش
چہ برا گندمِ نمائیے جو فروش
ہر کہ گوید جملہ حق است احمق است
ہر کہ گوید جملہ باطل اوشق است

اس کے بعد قلمی نسخہ ترتیب دینے والے صاحب نے مثنوی مولوی معنوی سے انسانی جسم اوراس سے وابستہ کیفیات سے متعلق اشعار تحریر کئے ہیں۔موضوعات اوران کے تحت درج کئے گئے اشعار کی تفصیل یوں ہے:۔

دربیانِ سر ...... 28 اشعار
دربیانِ موئے ...... 60 اشعار
دربیانِ دماغ ...... 9 اشعار

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

در بیانِ آواز......73اشعار

در بیانِ چہرہ......11اشعار

در بیانِ ابرو......12اشعار

در بیانِ چشم ونظر......76اشعار

در بیانِ مردم دید......9اشعار

در بیانِ عشوہ ومژگاں......14اشعار

در بیانِ صفتِ خال......11اشعار

فرمائید

در بیانِ گوش......43اشعار

در بیانِ زلف......18اشعار

در بیانِ عارضِ خوب......6اشعار

در بیانِ مزاج......8اشعار

فرمائید

در بیانِ مغز وپوست......27اشعار

در بیانِ بینی وبوئے......17اشعار

در بیانِ مشام......9اشعار

در بیانِ دہان......138اشعار

در بیانِ دندان......17اشعار

در بیانِ زبان......130اشعار

در بیانِ نطق گوید......25اشعار

در بیانِ لب......27اشعار

در بیانِ دمِ نفس......27اشعار

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

در بیانِ خندہ......28اشعار

در بیانِ تعریفِ ریش......25اشعار

در بیانِ تعریفِ خط گوید......4اشعار

در تعریف ذقن و زنخ......4اشعار

در تعریف ذکاؤ......5اشعار

در بیانِ آہ و غم......14اشعار

در بیانِ گریہ و زاری......22اشعار

در بیانِ بوسہ......15اشعار

در بیانِ نحذ اولذتِ آں...... 147اشعار

در بیانِ نفس......30اشعار

در بیانِ تعریف گلو......28اشعار

در بیان...........13اشعار

(عنوان پڑھا نہیں جاتا)

در بیانِ طوق...... 11اشعار

در بیانِ تعریفِ قضا...... 11اشعار

در بیان...........7اشعار

(نہیں پڑھا گیا)

در بیانِ حسب حال دست گوید...... 167اشعار

در بیانِ معنی الامبعین...... 7اشعار

در بیانِ پنجۂ راست......12اشعار

در تعریفِ ناخن......8اشعار

در بیانِ ناز......6اشعار

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

در بیانِ تعریف ساعد...... 7 اشعار

در بیانِ سینہ...... 19 اشعار

در بیانِ پستان ...... 7 اشعار

در بیانِ تعریفِ شکم...... 21 اشعار

در بیانِ تعریفِ پشت...... 17 اشعار

در بیانِ پہلوی گوید...... 13 اشعار

در بیانِ تعریفِ ناف...... 18 اشعار

در بیانِ تعریفِ کمر...... 10 اشعار

در بیانِ تعریفِ رگ گوید...... 27 اشعار

در بیانِ استخوان...... 7 اشعار

در بیانِ پوست...... 25 اشعار

در بیانِ خون...... 33 اشعار

در بیانِ بغل...... 10 اشعار

در بیانِ ران...... 2 اشعار

در بیانِ ذکر...... 11 اشعار

در بیانِ دُبر...... 10 اشعار

در تعریفِ فرج...... 26 اشعار

در بیانِ خانہء خصیہ...... 8 اشعار

در بیانِ زانو...... 12 اشعار

در بیانِ ساق...... 2 اشعار

در بیانِ پائے وگام؟...... 38 اشعار

در بیانِ قدم و........... 24 اشعار

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

دربیانِ وصل گوید...... 38 اشعار

دربیانِ عمر و مرگ...... 131 اشعار

............☆............

اور اس کے ساتھ ہی ''تمت۔تمام شد'' منتخب شعرے بطریقِ سراپا۔'' قلمی نسخے کی اس جلد کے دوسو اٹھائیس صفحات اس باب کی نذر ہو گئے ہیں۔اس باب کے اختتام پر جہاں تمت۔تمام شد۔'' منتخب شعرے بطریق سراپا'' سرخ روشنائی سے تحریر کیا گیا ہے، وہیں کاتب نے یہ تحریر مکمل کرنے کی تاریخ بھی صاف الفاظ میں تحریری کی ہے۔

غُرّہ رمضان ۱۲۷۸ھ

یہ بات اس موضوع پر شائع شدہ پہلے مضمون (جموں۔کشمیر۔لداخ، جلد ۶) میں بھی واضح کی گئی ہے کہ یہ تینوں جلدیں کسی ایک کاتب نے ضبطِ تحریر میں نہیں لائی ہیں بلکہ تینوں جلدوں کے تفصیلی معائنے سے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ اسے شروع کرنے والے صاحب کا اسمِ گرامی حبیب اللہ تھا اور انہوں نے ۱۲۰۰ھ ہجری میں اس کام کا بیڑا اٹھایا اور چودہ سال کی محنتِ شاقہ کے بعد ۱۲۱۴ھ ہجری میں اسے مکمل کرلیا۔اس کے بعد اور اصحاب آتے گئے اور اس بنیادی مواد میں اپنی اپنی استعداد کے مطابق اضافے کرتے گئے۔مثنوی مولوی معنوی سے جو انتخاب کیا گیا اور جو دوسری جلد کے آغاز میں شامل کیا گیا ہے، ظاہر ہے ۱۲۱۴ھ ہجری کے پچاس ساٹھ سال کے بعد تحریر کیا گیا ہے تینوں جلدوں کے معائنے سے یہ بات بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ جا بجا کاغذ اور کتابت دونوں میں فرق نمایاں ہے۔یہ بھی اسی امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ فارسی شعر کی یہ انتھولوجی ترتیب دینے میں کئی اصحاب نے اپنی اپنی کاوشیں استعمال میں لائیں۔حبیب اللہ صاحب کے علاوہ اور کتنے لوگ ہوں گے اور اُن کے اسمائے گرامی کیا ہوں گے، اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔

بہر حال دوسری جلد کا مطالعہ جاری رکھتے ہوئے مثنوی مولوی سے منتخب اشعار سے گزرتے آخری صفحے پر کاتب نے یہ مروّجہ دعا بھی تحریر کی۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

الٰہی ہر آں کس کہ ایں خط نوشت
عفو کر گناہے عطا کر بہشت

اگلے ایک سو چپن صفحات پر ''سراپائے ابیاتِ منتخب استاداں'' عنوان کے تحت موضوع کے اعتبار سے مستند اور معتبر شعرائے کرام کے اشعار درج کئے گئے ہیں۔ شروع ''تعریفِ مژگاں'' سے میر معصوم، جایا، امان اللہ، وحید، شریف، طالب، کلیم، سلیم، افسر، صائب مہدی عرب، توفیق، حبیب، منیر، ابن یمین، فیض دکنی، عرفی، اور میر نجات کے اشعار نقل کئے گئے ہیں۔ کئی شعرا کے ایک سے زیادہ شعر بھی شامل کئے گئے ہیں۔ کچھ اشعار جو باآسانی پڑھے جا سکتے ہیں، یہ ہیں۔

بجنبش مژدۂ چشمش کشودِ عقدۂ دل
برات خُرمئی مابشاخِ ایں آہوست
جویا

بمیرم از برائے آں خُمار آلودہ چشمانش
کہ پندرائے عصائے دست بیماریت مژگانش
وحید

پائے مژگانت زِگردِ سُرمہ می آید بہ سنگ
ایں سزائے آنکہ از چشمہ تورو گرداں نمود
جویا

چشم جادوئے تو در دلداری اہلِ نیاز
ہیچ کوتاہے نہ دارد عمر مژگانش دراز
شریف

بموگاں سُفتہ ام خاکِ درش اَما پشیمانم
مبادا در رہش افتادہ باشد خارِ مژگانم
طالب

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

چشمِ توز بیماری خود برسر ناز است
مژگانِ تو ہمچو شبِ بیمار دراز است
سلیم

تیزیٔ مژگانِ اوگفتم شود از خواب کم
خواب سنگیں شد فساں ایں دشنۂ خونریز را
صائبؔ

مژہ ہائے خوش دلآویز ست
کجہ ہائے دکانِ قصاب است
افسرؔ

پریزادیت مژگانت کہ از حشم
ترفتہ دربغل آہوئے مستے
افسرؔ

ہست مژگاں چشم دلبررا
سرمہ بہر سیاہیے لشکر
رفیعؔ

کل ملا کر اس ضمن میں 61 اشعار درج کئے گئے ہیں۔ اگلا موضوع ''سرمہ'' ہے ''در تعریف سرمہ''۔ اس میں کل 32 اشعار نقل کئے گئے ہیں اور شعرا میں، قبولؔ، غنیؔ، اثرؔ، استغنےؔ، صائبؔ، مخلصؔ، فطرتؔ، جامیؔ، اسیرؔ، کمالؔ، اصغرؔ، استادؔ، صائبؔ، منیرؔ، واقفؔ، حکیؔ، مُلا مقید، مہدی عرب، محمد توفیقؔ، ناصر علی اور زیب النساء مخفیؔ شاملِ انتخاب ہیں۔ کچھ اشعار یوں ہیں:۔

بچشم سرمہ با ایں خیر خواہی درنمی آید
کند ہرگاہ احسانے بمردم خودنما باشد
اثرؔ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

تا سرمہ داں سیاہی چشم تو دیدہ است
درچشمِ خویش میل زخجلت کشیدہ است
غنی

چشم ترا بسرمہ کشیدن چہ حاجت است
کوتاہ کن ایں بہانۂ دنبالہ دار را
صائب

شب سرمہ بازبان خموشی بیان نمود
روزم سیاہ کرد چشم سیاہ کسیت
فطرت

--- پُر شُد زِ سرمہ چشمانش
شُد رگِ سنگ سرمہ مژگانش
ملا مُقید (یا متصید؟)

دُر ابلق کسے کم دید موجود
مگر اشکِ بتان سرمہ آلود
زیب النساء مخفی

اگلا عنوان "غمزہ" ہے اور اس کے تحت 151 اشعار شامل کیئے گئے ہیں۔ شعرا میں ناصر علی، استاد، سلمان، خسرو، جامی، عارف، صائب، حبیب شاہ، فایز، ثنائی، ابن یمین، عرفی، حافظ، محتشم، ہلالی، قدسی، ساطع، حسن، نظیری، خسرو، واقف، رفیع طالب، مخلص اور توفیق شامل ہیں۔ کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:۔

چاک شد از غمزۂ پنہانِ اُو
ہمچو خُرما استخوانم زیرِ پوست
ناصر علی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

خدنگ غمزہ ات از دل اگر چہ میگذارد
لیک از دل سلماں بدر نخواہد شد
سلمانؔ

ہر لحظہ زِ نشینِ غمزۂ اُو
صدرحنہ بروزہ ونمازاست
خسروؔ

گفتم بگو بغمزۂ خود تا کشد مرا
ازروئی ناز گفت چہ حاجت بگفتن است
عارفؔ

زِشہیدِ غمزۂ اودہد ایں نشانہ عرفیؔ
کہ ہزار شمعِ حیرت بسر فرار دارد
عرفیؔ

زاں نیم غمزہ مرغِ دلم محتشم بجاست
کنجشک رابود حذر از شاہباز فرض
محتشمؔ

قتلِ جامیؔ راچہ حاجت زخمِ تیر
غمزۂ او راکفایت میکند
جامیؔ

کمانش زِ ابرو وتیرش زِ غمزہ
ہدف کردہ ایں دلِ بیچارہ امِ را
حبیب شاہ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

مارا بغمزہ کشت وقضارا بہانہ ساخت
خود سوئے ماندید وحیارا بہانہ ساخت
توفیق

''غمزہ'' کے بعد ''زلف'' کے موضوع کو لے کر استادانِ فن کے اشعار چُن چُن کر جمع کیے گئے ہیں اور ایک سُو آٹھ اشعار منتخب کئے گئے ہیں۔ان میں اشرف، توفیق کشمیری، مولوی خان فطرت، جویا، دارا شکوہ، ضیائی، خالص، ناصر علی، غنی، غزالی، صائب، ناظم پرویز، طوسی، خسرو، سلمان، جامی، خواجہ عابد، حافظ، کمال اصفہانی، مہدی عرب مشتاق، حضرت، سلطان، سیفی، ہلالی، استغنےٰ، ابو طالب وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

چند خوبصورت اشعار یہ ہیں۔

سنبل زِلفِ تو دل را رام نتوانست کرد
شاخِ نازک بود مرغ آرام نتوانست کرد
اشرف

دریادِ دُو زلفِ کشمیر نثرا دے
شُد تارسر ومارسر از گریہ دوچشم
توفیق کشمیری

سَر زلفِ اوزِ ہر چیں درِ غم کشود مارا
بنودن رُخ اوچہ قدر نمود مارا
مولوی خان فطرت

تا قیامت شکوۂ زلفِ تو دارم برزباں
درخور شب طول باید داد ایں افسانہ را
جویا

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

خاطرِ نقاش در تصویر حُسنش جمع بُود
چوں بزلفِ او رسید آخر پریشانی کشید
داراشکوہ

شد زلف رانصیب کہ بوسید پائے او
عمرِ دراز بہرِ چنیں کارہا خوش است
صائبؔ

اگر بزلفِ دراز تو دستِ مانہ رسد
گناہِ بخت پریشاں و دستِ کوتہ ماست
توفیق

اگلے پچیس اشعار ''تعریفِ شانہ'' کے لئے رقم کیے گئے ہیں۔شعرا ہیں سلمانؔ، مخلصؔ،صائبؔ،ساطعؔ،غنیؔ،اکرمؔ،اشرفؔ،خواجہ غنیؔ،مجرمؔ،واقفؔ،منیرؔ،اہلی شیرازیؔ،استادؔ۔

تارِزلفت را جدا مشاط گر از شانہ کرد
دستِ آں مشاط میدباید جدا از شانہ کرد
سلمانؔ

صبادے کہ بسودایے زلف اوبر خواست
مراز رشک بتن ہمچو شانہ مُو برخواست
غنیؔ

خطِ رخسارِ تُو جانا نہ مبارک باشد
سنبل زلفِ تراشانہ مبارک باشد
واقفؔ

اگلا موضوع 'بینی' ہے۔یہ شعر دیکھیے۔

نہ نیز یئے چوں بینیٔ اُو
اگرچہ ہر طرف بسیار بینی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اور ساتھ ہی کا یہ شعر بھی نقل کیا گیا ہے۔

نہ دیدم تا نرویے یار بینی
ندیدیم آنچناں خونخوار بینی

اور ملا توفیق کا یہ شعر 'بینی' کو کہاں سے کہاں لے جاتا ہے۔

شرفۂ کعبۂ امید بود بینی تو
ماہیِ چشمۂ خورشید بود بینی تو

پھر "تعریفِ دہن" میں عالم استاد، صائب، طوسی، سلطان، ساطع قاسم مشامی، جویا، سلمان، غنی وغیرہ شاعروں کے اشعارِ آبدار نقل کئے گئے ہیں۔

بگرفت زمن نقدِ دل وروئے نہاں کرد
یاراں بخدا ہیچ نہ نگویم دہنش را
شافی

بجز دہانتوام ہیچ آرزوئے نیست
والے حسود کہ ہیچم نمی شود حاصل
سلمان

مصوراں قلم از مُوکند تا نکشند
زیادہ از سرِ مُویے دہاں تنگ ترا
مخلص

اور ان ہی کا یہ نازک ترین شعر بھی دیکھئے:۔

زِسایہ مژۂ چشم موریست قلم
چو میکشد مصور دہان تنگ ترا

اور پھر یہ شعر:۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

دہانِ تنگ تُو میمست گویا
شلنج زلفِ تُو جیم است گویا
نظامی

مخلص کا ایک اور شعر سنئے:۔

ہیچ گفتم آں دہاں را یار شُد در پیچ وتاب
از غضب گفتا چہ گفتی باز گو گفتم کہ ہیچ

اگلا شعر یا تو کسی شاعر ''سکون'' کے نام رقم کیا گیا ہے یا پھر کوئی اور نام ہے جو صاف صاف پڑھا نہیں جاتا۔

اے دہانِ یار پیدا نیستے
نیستے گویا کہ گویا نیستے

''سلمان'' کا یہ خوبصورت شعر اپنی مثال آپ ہے:۔

خیالِ زلف ورُخش روز وشب رابر ماست
کجاست نقشِ دہافت کہ ہیچ پیدا نیست

اسی طرح اس موضوع کے تحت امان اللہ، میر نجات، ساطع، ''کاتبے'' اور اساتذہ کے اشعار درج کئے گئے ہیں۔اس موضوع کے اختتام پر محمد توفیق کے کئی خوبصورت اشعار نقل کیے گئے ہیں۔

ایں دہانست ترا اے رخِ صبحِ امید
یا دلِ ذرّہ شد چاک زِ تیغِ خورشید
توفیق

قلم --- براں صفحۂ رُو شُد چوروان
مانِد جائے اثرے نوکِ قلم گشت دہاں
توفیق

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

در تعریفِ ''ناز''، درجنوں اشعار تحریر کئے گئے ہیں اور ان میں جن شعرا کا کلام درج ہوا ہے اُن میں اساتذہ کے علاوہ کچھ نئے نام بھی ہیں۔ مثلاً، نصیبی، زکی ہمدانی، گویا، دانا، سیدی، وحدت، نجات، شوکت، حیدر، ہلالی سمنانی، محتشم، عالی، مجرم کشمیری اور کامل بیگ۔

گر مصوّر صورتِ آں دلستاں خواہد کشید
حیرتے دارم کہ نازش راچاں دارد کشید
سیّدی

بسکہ خود را ازمن آں آشوبِ دوراں میکشد
گرغبارِ راہ شوم از نازِ داماں میکشد
دانا

گر دل از عرض نیازم نمبرادے نر سید
ایں قدر شد کہ ترا بر سرِ ناز آوردم
زکی ہمدانی

تاکے بناز رفتن وگفتن کہ جاں بدہ
جاں میدہم بیا بتقاضا چہ احیہ تاج
ہلالی سمنانی

پنہاں نیو ز آہن پیکاں بہ سنگ بود
روز یکہ تیر نازِ توام استخواں گذشت
شوکت

روز یکہ گشت برہمہ عالم نماز فرض
شد ناز بر تو واجب ویرمن نیاز فرض
محتشم

یہ دفتر ناز مجرم کشمیری کے اس خوبصورت شعر پر مکمل ہو جاتا ہے۔:۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

بگذشت تیرِ نازِ تو شب از دلم بخواب
بیدار چوں شدم جگرم پارہ پارہ بود

تعریف ''نگاہ'' کے تحت اساتذہ کے علاوہ جن شاعروں کے اشعار درج کیے گئے ہیں ان میں وحید قمی، نافع، یکتا، حبیب شاہ، یوسف کشمیری، محتشم، توفیق، مجرم کشمیری، منیری، حضوری اور نجات کے نام شامل ہیں۔

مے خوردنِ تُو داغ کند آفتاب را
آئینہ رنگِ سُرمہ شود از نگاہ تُو
وحید قمی

آنقدر انداز از تیرِ نگاہ
بسکہ گلزار کرد ہمچوں بنجرہا
حبیب شاہ

چشمت فلکد نایزنگہ تاز شعت یار؟؟
(صاف صاف پڑھا نہیں گیا)
مژگاں زِسینہ تا جگرم رفتہ رفتہ رفت
یوسف کشمیری

چشم بخوں نشتہ تیرِ نگاہ کسیت
زنگم برخ شکستہ طرفِ کلاہ کسیت
توفیق

دیدم کہ یک نگاہ تو عمر دو بارہ بود
الیاس وخضر چیست مسیحا چہ کارہ بود
مجرم کشمیری

لگ بھگ اگلے چالیس اشعار در 'تعریفِ چشم' نقل کیے گئے ہیں اور اس دفتر کی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

شروعات میں حافظ شیرازی کے کئی اشعار درج ہوئے ہیں۔

شربتِ قندونبات ازلب یارم فرمود
نرگسِ اوکہ طبیبِ دلِ بیمار منست

ان کے علاوہ، توفیق، خسرو، صافی، عابد، سعدی، محمود، جامی، منیر، میر نجات، افسر
وغیرہ شعرکے اشعار شامل کئے گئے ہیں۔

ایداغ بردل از غم خال تو لالہ را
شرمندہ ساخت آہوئے چشمت غزالہ را
محمود

زِچشمت خان ودانِ من سیہ شُد
بزخمِ نازِ تو کارم تبہ شُد
منیر

فغان از چشم مست فتنہ خیزت
کہ کرداز یک نگہ مفتونم اے دوست
حریق

نرگس است ایں چشمہ یا بادام یا دام بلا
یا دورنگ مست یا جلاد خون ماست ایں
عابد

چشم فتاں ترا کلک قضا نقش خوب است
فتنۂ صبحِ قیامت بدل داغ نشت
چشم برنگ گل از دست برعشوہ فروش
رہزنِ صبرو بلاایے خرد وآفتِ ہوش
توفیق

اگلے صفحات پر قدوقامت، ابرو، درتعریفِ خواب، درتعریفِ لب، تبسّم، درتعریفِ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

وندان، خندہ، درتعریفِ ران، درتعریفِ رخسار، درتعریفِ خال، آئینہ، درتعریفِ گوش و در گوش اورزبان ولکنت درجنوں اشعاردرج کئے گئے ہیں۔نامی گرامی فارسی شاعروں کے علاوہ جوکم نامور شعرا ہیں اورجن کے خوبصورت اشعارتحریر کیے گئے ہیں ان کے چندنام اورنمونے کے چنداشعاردرج ذیل ہیں۔ان میں سے کئی نام ایسے ہیں جو ہماری شائع شدہ کتابوں میں درج نہیں ہیں۔

نام خدا قدت را گلدستہ می نوسیم
من آنچہ ے نوسیم جستہ بہ می نوسیم
نجیب اللہ خان

قیامت قامت وقامت قیامت
قیامت میکند آں قدو قامت
نجیب اللہ خان

شوم چوں کشتہ آں نخلِ قامت
فروزاں شمع بر خاکم قیامت
منیر

قدِ تو عمر درازست وسروگلشن ناز
بیاو سایہ فگن برسرم بعمر دراز
ہلالی

کہ ابرویش جوید بر سورۂ صاد
ویا مشکل معمایت استاد
سیف الدین دیدہ مری کشمیری

یہ اگلا خوبصورت شعر بھی شاید ان ہی حضرت کا ہے:۔

بارِ خمِ ابرو یتو ام پشت دو تا کرد
در شہر چو ماہِ نوام انگشت نما کرد

اور پھر یہ شعر اسی مضمون کو دوسرے ہی انداز میں اجاگر کرتا ہے:۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

در جہاں از ہوائے ابروئے او
چوں مہ نَو خمیدہ ام کہ مپرس
عابد

خمِ ابروئے ترا دیدہ کشیدیم شراب
ماہِ نَو بررخِ پیمانہ مبارک باشد
اسیر

درنمازِ عشق پیشِ قبلۂ اہلِ نیاز
سورۂ نون خواندم ابرو یتُوام آمد بیاد
کمالؔ

باقبلۂ ابرویتو دل خوے گرفتہ
دل سُو یتو چوں قبلہ نماشد چہ بجا شد
شیدائے برہمن

شدم روشن سَواد بیتِ ابرویش لقینم شد
نہ ابرو بلکہ محراب دعائے مستجاب است ایں
تحسین

چومژگاں دست بر داریم چوں بنیم ابرویش
کہ وقتِ ماہ نو دیدن بود سُنّت دعا کردن
سیادت

بارہا سنجیدام باعارضت خورشید و ماہ
رتبۂ دیگر بود نامِ خدا حُسن ترا
جویا

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

بیادِ زلفِ کج وچشم سرمہ سا اینجا
نگاہ کرم.............یا اینجا ۔ (کچھ الفاظ واضح نہیں)
نُورجان بیگم

درگلشنے کہ خواب کُند آں بہارِ حُسن
بادِ صبا ببرگِ گلشن یاد میکُند
شوکت

گُل گرفتارِ نقشِ بالینش
صبح دل چاک خوابِ شیر سینش
شوکت

زِخوابِ نازبکشا نرگسِ مستانہ خودرا
کہ امشب باتو گویم ماہ من افسانہ خودرا
کمالؔ

آخر قدح زِلعل لبش کامیاب شُد
اے میکشاں دعائے قدح مستجاب شُد
مُلامُقید بلجنیؔ

لب بر لب جام من سودیم ودنیا سودیم
اکنوں بلب ساقی سائیم وبیاسائیم
نبی شاہؔ

یا قوت را مناسبتے نیست بالبش
یعنی کہ بانبات راچہ نسبت جمال را
جویاؔ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

لب چوں غنچہ تو اے گل خود رونقے
پیشِ من وانشُد آں غنچۂ لب چہ علاج
میرزا محمد

مدہٗ جامِ مئے گلگونم بدستم
کہ مستِ آں لبِ میگونم اے دوست
رفیق

بامشکِ خطا کاتب منع از خطِ یاقوت
جوش برلب لعل تو نوشتہ است کہ یاقوت
مخلص کاشی

تبسم خانزادہٗ آں لب کم گوست می دانم
ملاحت از نمک پروردہ ہائے اوست می دانم
نجات

از تبسمِ لبِ آں غنچہ دہن گویا شُد
داغِ گلِ چشم تو روشن کہ نمک داں وا شُد
جلال الدین اسیر

رشتہ گوہرِ دنداں زِلبت درتقریر
بنماید چو خط نقرہ لعلے تحریر
توفیق

گفتم کہ میبرم دہنت چوبہ بینم
خندید وبمن گفت بمیری ونہ بینی
طوسی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

زاں دین خندہ محیاں ساختہ دنداں چوسیم
چو بیاضے کہ سپیدی کند از چشمۂ میم
توفیق

شدہ از خوردن بانش زباں لعل
لبش لعل ودہن سوراخ آں لعل
غنی

خواہم از مصحفِ رُخش خوانم
از سرِ صدق سورۂ اخلاص
طوسی

چاں خورشید گویم روے اورا
کہ مصحف را غلط خواندان گناہست
سلیم

غیر رویتو پیوستہ دو ابرُو دارد
در کجا سورۂ یوسف بدو بسم اللہ است
رفیع

تابِ رُو یتو شمع انجمن است
گلرو یتو زینتِ چمن است
محمود

روے یا راست بدخشانے و خاش ختنے
ساعدو ساق خطائے لب لعلش یمنے
وحید

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

رُخش را باگل و گلشن چہ نسبت می دہی ظالم
بشب ماہِ جہاں آں را ودر روزِ آفتاب ایں است
تحسین

ظاہر است اینکہ غم روپے ترا دارد شمع
ورنہ ایں گریہء سرشار مرا دارد شمع
توفیق

باروپے خوبت مہ راچہ نسبت
استغفِرُ اللہ استغفِرُ اللہ
فرخ

اے فرشتہ بخدا مایل رخسارِ توام
مدعا روزو شباں درپیئے دیدارِ توام
نجات

خاش حجر الاسود ورخ کعبہء ماست
برکعبہ اگر طواف آریم رواست
عمر خیام

درکمیں گاہ خطت خال بلاست
دز در قافلہ پنہاں شدہ است
سالم

ناقہ آنخالِ مشکیں آہوئے چیں چون بدیہ
از خجالت پوست پوشید و راہِ صحرا گرفت
دوست محمد سلطان

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

گوشہ گیراں زوُد دلہارا تعرف می کند
پیشتر دل میبرد خالیکہ برکنج لب است
نجات

ہندویے خالت را بود چین وختن زیرِ نگیں
تارِ زلفت رابود صد کافرستاں در بغل
حزیں

گہ دہد تریاکِ ازاں خالِ سیاہِ دلفریب
گہ بزہرنیش آنزلفِ چومارم میکشد
بینوا

ہر کہ قصد ما کند شمشیر برخود میکشد
سینہ صافانِ محبت را سپر آئینہ است
سلیم

جام از ہوش شدن گوش تو مشتاق نرا
شکہ نقدِ سخن کوش تو مشتاق نرا
توفیق

ایسے ہی لطیف اورخوبصورت اشعار رقم کرتے کرتے یہ سراپا نگاری کا چمکتا دمکتا دبستان مکمل ہوجاتا ہے۔اشعار منتخب کرنے والے کے اعلیٰ اورارفع ذوق کی داد دیئے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔اتنا ہی نہیں بلکہ یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ انتخاب کرنے والا شخص فارسی شاعری کے تمام منظرنامے پر پوری نظر رکھتا تھا اوراسے گوہر آبدار دیکھنے کی پوری پوری تمیز حاصل تھی۔وہ فارسی کے ایرانی شعریات سے کماحقہ واقف ہونے کے علاوہ کشمیر کے فارسی شعرو ادب سے پوری طرح باخبر تھا اوراس نے ایسے شعرا کے اشعار بھی منتخب کیئے جن کا تذکرہ ہماری روایتی تاریخ میں نہیں ہوا۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اب اس قلمی نسخے کے آگے کی طرف چلتے ہیں۔

اگلے اٹھائیس صفحات پر 275 اشعار پر پھیلی ہوئی تخلیق کا عنوان اگر چہ کاتب نے سرخ روشنائی سے لکھا ہے مگر پڑھنے میں نہیں آتا۔ ان اٹھائیس صفحات کی کتابت کاغذ، اور سیاہی مختلف ہیں۔

درکب عشق ہراں نامہ کہ دلخواہ بُود
زینتش نام خُوش حضرت اللہ بُود

یہ 275 اشعار قصیدے کی صورت میں تحریر کئے گئے ہیں لیکن کئی جگہ سیاہی پھیل جانے کے باعث صاف صاف کہنا مشکل ہے کہ یہ اشعار کس کے لئے کہے گئے ہیں۔ تحریر کے اختتام پر ایک دل چسپ اندراج ہے۔ بڑی کوششوں کے بعد جو پڑھا جا سکا یوں ہے۔

"تمام شد...... از دستخط کہف (؟) کمترین ۲۲ از نقل آخون صاحب بلاغت دستگاہ مصاحب پناہ حضرت عبداللہ شاہ در خانہ خواجہ اقبال دستگاہ رسول شاہ .... بتاریخ ۱۰ ربیع الاول ۷ ۔ یوم سہ شنبہ بود......

اس پورے قلمی نسخے کی عمر کے بارے میں جتنی الجھنیں پیدا ہوئی ہیں ان کو سلجھانے میں ان اٹھائیس صفحات پر پھیلی تحریر اور مندرجہ بالا سطور کافی مددگار ثابت ہونے کے امکانات سامنے ہیں۔ بہر حال مسودہ کے باقی ماندہ صفحات اسی کاتب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے لگتے ہیں اور اس دوسری جلد کے باقی ماندہ اوراق پر جو اشعار درج ہیں ان کا ایک جائزہ لیتے ہیں۔

سرخ اور جلی حروف میں تحریر ہے

انتخاب اشعار مکتوبے از شعرائے متقدمین را منشیا نرا ضروری است از گلزار ایران نمود شد۔ مُصل اول در ذکر نامہ و پیغام نوشتہ شود

اس عنوان کے تحت کل 64 اشعار درج کئے گئے ہیں اور شعرا میں سعدی، امیر حسن دہلوی، شیخ اوحدی، غواصہ، رسا، جامی، محمد باقر، فطرت، سلیم، میر شمس الدین، فقیر، ظہوری، زمانی، قابل، (یا قایل؟) ماجد، شیخ فیض فیاض، قاسم چل، گلیا حسین (کلیا؟) ولی دشت، ملا شیدا،

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

برہان، صائب، نظیری، شرف جہاں فردی؟، حزین، مخلص کاشی، کلیم، قرن (؟) غنی خان امید، فرقتی، میر ابوالحسن زمانی، قاضی نور، نیک رائے شوق، فیاض، عبدالرزاق، اغورتو حان (؟)، اسیر، لالوری، حشمت، قدر شیرازی، میرزا بیدل۔

کچھ اشعار خاص کر غیر معروف شاعروں کے جو پڑھے جاسکے۔

از دلِ ما خبر چہ من پُرسی
تا خبر از تو یافت بے خبر است
میر شمس الدین فقیر

نوسیم نامہ از بس کہ خوں میگیریم از ہجرت تو نگوائے کاغذ
مکتوب من رنگ خسادارد
محمد باقر

میکنی بدنام اے قاصد تو محبوب مرا
صد جواب از پارہ کردن داد مکتوب مرا
فطرت

نامہ شوق ترا من مختصر خواہم نوشت
بیشتر از بیشتر خواہم نوشت
لااعلم (نامعلوم)

قاصد رسید و نامہ رسید و خبر رسید
درحیرتم کہ جاں بکدامی کنم نثار
میر شمس الدین فقیر

چہ می پرسی زِ حالِ دل غمدیدہ ات چوں شُد
دلم شد خوں، و خون شد آب و آب از دیدہ بروں شُد
شیخ فیض فیاض

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

آمد خبر وصل ز خود بیخبرم ساخت
فریاد کہ مکتوب تو مشتاق ترم ساخت
قاسم چک

قلم کے محرم وقاصد کجا ورد سخن دارد
چرا احوال مارا از زبانِ خود نمی پرسی
حزین

کہ ان یارتغافل شیوہ شوخ من بگوقاصد
کہ من ہم اے وفا بیگانہ گاہے آشنا بودم
نیک رائے شوق

اگلے پندرہ اشعار ''ذکر وداع'' کے عنوان کے تحت درج ہیں۔فیضی، حکیم ثنائی، محتشم، میرزا اشرف جہاں، فراق، نادم گیلانی اور حکیم شفائی کے نام۔

یار وداع میکند تابِ وداع یار گو
وعدۂ وصل میدہند طاقتِ انتظار گو
محتشم

بہ ہنگام وِداعش می کنم نو عید دیریں را
چو بیمار یکہ وقت مرگ ایماں تازہ می کردد
نادم گیلانی

اگلے چار اشعار ''متصل اشعار از مسافر بمقیم'' اور پھر نو اشعار ''متصل اشعار از مقیم بمسافر'' کے عنوانات کے تحت درج کئے گئے ہیں۔ میر شمس الدین فقیر، ضمیری، فغانی، جامی، شرف جہاں قزوینی، غایت خان آشیاہی، بلادری، نظام دست غیب شعرا ہیں جن کے اشعار ان صفحات کی زینت بنے ہیں۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

مشتِ غبار خودرا از کویے یار جویم
از خاطر غریباں آخر غبار جویم
میر شمس الدین فقیر

یاد ایامے کہ درکویت مکانے داشتم
ہمچو بلبل درگلستان آشیانے داشتم
میر شمس الدین فقیر

یار رفت واشک از پے می رود
دیدۂ میداند چہ از وے می رود
میر شمس الدین فقیر

مابعد حسرت وودردیم دریں شہر مقیم
آہ اگر یار فراموش نہ کدن عہدِ قدیم
غایت خان آشیاہی

از تو نمانہ تاب جدائی کز مرا
لہر خدا مرد بسفر یا بہ بز مرا
شرف جہاں قزوئی

بسفر رفت ماہ پارۂ من
کوئے ہست درستارۂ من
جامی

دیدہ راتر کنم از اشک چو رفتے زیرم
درقضائے سفرے آب برا آئینہ زنند
نظام دست غیب

بسفر رفتنت مبارک باد
بسلامت روی وباز آئی
نظام دست غیب

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اگلے 151 اشعار متصل دربیان اشعار انتظار" میں ترتیب دیئے گئے ہیں۔ پہلا شعر کسی حسن دعوی (؟) کے نام منسوب ہے۔

عمرے گذشت تاکے در انتظار بودن
طاقت نماند مارا بے روئے بودن

اور پھر حزین، صائب، جامی، محمد قلی سلیم، میرزا فیض دھری، سنجر کاشی، فقیر، شیخ فیض، حسن مروی، میر حضور، میر عبدالباقی، شرف جہاں، وحید، اہلی شیرازی، صبری، ہلالی، غضنفر گلخاری، سلمان ساوجی، نسبتی، حافظ میر شمس الدین فقیر، صرفی ساوجی (؟) فرسی کرمانی، شکستی صفہانی، امیر خسرو دہلوی، سہیلی، انکساری رومی، میرزا مہدی، میر حاج ماہی، ہمایوں، حضرت شاہ، کلیم، فطرت، صبوری بریری (؟) مقیما احسان (؟)، خیالی گیلانی، فغانی، باقی گامروشی، ملا عرفی۔
کچھ اشعار درج ذیل ہیں۔

جانانہ رہِ وفا ندارد از کوچۂ انتظار بر خیز
حزین

چشم سفید شدید برہِ انتظار دوست
فکر منش بنود مرا ایں گماں نبود
فقیر

تاکے بانتظار تو ہر دم زانتظار
آلیم بروں زخانہ ودر کوچہ بنگرم
شرف جہاں

مہتاب وشراب وانتظارت
ایں روز قیامت است شب نیست
صبری

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

شبِ ہجراں تو از روزِ قیامت کم نیست
غالباً روزِ قیامت شبِ ہجراں باشد
میر شمس الدین فقیر

شبہائے ہجراں گذرایم
مارا بسخت جانی خود ایں گماں نہ بُود
میر شمس الدین فقیر

دارم زحد گذشت بداماں خبر کنید
کارم بجاں رسیدو بجاناں خبر کنید
حضرت شاہ

ایک صفحے پر چھ اشعار ''متصل دربیانِ اشعار متعلق بقدوم مسافر مہمان'' نقل ہوئے ہیں، محتشم، میرزا خالی، سلمان وزیر وحشی اور سعدی شعرا ہیں۔

بگوشم مژدۂ وصل از درودیوار می آید
دلم ہم می طپیدائے سینہ امشب یار می آید
محتشم

مژدۂ وصل تو ساختہ بیتاب امشب
نیست از شادیٔ بسیار مرا خواب امشب
وحشی

سترہ اشعار میں ''متصل وعدہ عہد و پیان'' سمیٹا گیا ہے۔سعدی، ہاتفی، حسن دہلوی، شاہ محمد عدف، حزین، غضنفر، میرزا جامی صفوی، میر صرفی، نظیری، طالب آملی اور حیاتی شعرا کے اشعار درج ہیں۔

چہ شد عہدے کہ بامن بستہ بودے
میرا یار ترا باشد فراموش
شاہ محمدی رف

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اے عہد شکن باتو اگر کار نبودی
کارِ دل ما ایں ہمہ دشوار نبودی
حزیںؔ

آٹھ اشعار کا ایک گلدستہ "مُصل دربیانِ اشعار مناسب شان بزرگان وحمہ گاگو چک۔۔۔نویسند" کے تحت درج کیا گیا ہے۔ ملا جامی، اہلی شیرازی، شیخ عطار، آہنی، ہاشم تسلیم، قاسم چک خانی، ہلالی شعرا ہیں۔

غریب کوئے توام باوطن چکار مرا
سپردہ ام بتو خودرا ابمن چہ کار مرا
ہاشم تسلیم

"ابیاتہائے منتخب استادان متقدمین" کے باب میں جن دیگر موضوعات کے بارے میں اشعار درج کئے گئے ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

مُصل دراشعار یکہ بزرگان وحمہ گان بفرزندان۔۔۔نویسند"۔ تین اشعار ظفر خان احسن، میرزا صائب اور جلال اسد۔۔۔شعرا ہیں۔

ایں سخن از پیرِ کنعانم شنید افتاداست (؟)
دیدنِ روئے عزیزاں دیدہ روشن می کند
ظفر خان احسنؔ

مُصل دربیانِ نصائح وتاسف وعبرت۔11 اشعار
شعرا۔ابن یمین، اہلی، فیضی، مرزا صفوی، ہلالی، علی فیضی، وحشی، طالب آملی، حکیم شفائی۔

مرا با ایں ہمہ امید وارے
بنو میدی تسلی میتواں کرد
حکیم شفائیؔ

"مُصل درمحل عذرو اظہار بے گناہی وصلح جنگ...........10 اشعار فانی، میر

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

صیدی،فرقتی،جلال اسیر،سعدی،بلادری،

صلح کردیم بوسہ دہنت
چہ کنم وقت تنگ من بینم
بلادری

''مُصل در بیانِ عزت وقناعت''۔4اشعار آرزو،امیر شاہنشاہی،ذہنی،میر صیدی،

بجیرئم کہ چہ گم کردہ ام کہ می جویم
دریں دیار کہ بویے زِآشنایے نیست
ذہنی

''مُصل در بیانِ بے وفائی''......20اشعار

شعرا......حزیں،خسرو،حسن دہلوی،فقیر،فغانی،صائب،اہلی شیرازی،حکیم ثنائی، حسین ہردی،میر صدری،رشید وطواط،صرفی ساوجی (؟)،طالب آملی،ابوالحسن فراہانی۔

یہ رباعی صرفی ساوجی (؟) سے منسوب نقل ہوئی ہے۔

زغم کسے ہلاکم کہ زمن خبر ندارد
عجب از محبت من کہ درو اثر ندارد
غلطست اینکہ گویند کہ بدل رہیت دل را
دل من زغصہ خوں شد دل او خبر ندارد

'' مُصل دراشعار یکہ لفظ با معنی یادوفراموشی درآں باشد''۔15اشعار

شعرا......کمال،آصفی،اہلی شیرازی،احسنی توسنی،

مگر آب وہوائے آں زمیں خامیتے دارد
کہ ہر کس میرود آنجا فرامشگار میکردو
احسنی توسہنی

''مُصل دراشعاریکہ متضمن ذکر شکوہ''......10اشعار

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

شعرا......حافظ، سعدی، اہلی شیرازی، ظفر خان احسن، فیاض، شہدی، علی نقی۔

از شکوہ بس کنم کہ دل یار نازک است
خوئے کرشمہ نازک وبسیار نازک است
فیاضؔ

"مُصل در۔۔۔غائبانہ ومحبت تازہ ونہانی دعوئے صدق وفائی"......4 اشعار۔

شعرا۔اشیر، شرف جہاں

رباعی:۔

باخلق آشنانہ شود مبتلایے تُو
بیگانہ باشد از ہمہ کس آشنایے تُو
می خواہم از برائے خدا صد ہزار جان
تاصد ہزار باز بمیرم برایے تُو
شرف جہاںؔ

"مُصل اشعار شوقیہ شکایت انگیز......6 اشعار۔

شعرا......شہرت، محتشم کاشی، خیالی، درویش دہلی، صائب

اے یوسفِ من چہ شد کہ از ناز
دیدارِ عزیز کردہٗ باز
درویشؔ دہلی

تابکے از بزمِ وصلت دور میدانی مرا
تابکے آوارہ ومہجور می داری مرا
خیالیؔ

"مُصل اشعار در ذکر عید ونوروز وسیر باغ وصحرا مناسب فراقِ یار"......20 اشعار

شعرا......جامی، قدسی، اہلی شیرازی، ثابت، فغانی، علیم، جلالی ہندی، خیالی، محمد رضا

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

عنوان، میر معصوم کاشی، میر صرفی، عنایت خان، مقیمائے احسان، میر حیدر رفغانی، ضمیر اصفہانی۔

من نمی گویم ترا بیگانۂ اغیار باش
گر تو اند بود بامن ہم کہ روزے یار باش
میر صرفیؔ

عید اگر نزدیک آمد ماغریباں راچہ سُود
چوں ازاں مہ وعدہٗ دیدار می اُفتد بعید
جلالی ہندیؔ

دیدیم بیتو جلوہٗ باغ وبہار حیف
گُل خندہ زن بہ بیکسی باہزار حیف
ثابتؔ

دمُتصل اشعار رشک......6 اشعار۔

شعرا......جاہی، ولی دشت بیاض، عرفی، میر تشبیہی، رشک
دمُتصل لا یحی، شہیدی، نعمت خان عالی، میرک صالح، سلیم میر الٰہی رفیع، فقیر۔

نعمتؔ مبارچہ می رےئ از شکایتِ من
دل تو طاقِ ایں گفتگو کجا دارد
نعمتؔ خان عالی

نہ درد میرود از دل نہ تاب می آید
نہ صبح میشو دامشب نہ خواب می آید
سلیمؔ

در دوزخ عشق می گذارم شب وروز
انیست کہ گناہِ من کہ عاشق شدہ اَم
فقیرؔ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

"متصل در وصفِ حسن و جمال معشوق وکوتاہی سب وصال"......13اشعار

شعرا......سیّد حسین غزنوی، مرزا جامی، صائب، میر سعید باہر، وزیر، میزاباق، محمد سعید تنہا، مولانا جاکری(؟)، امیر بیدل باجب(؟)، نسبتی،۔

مارا از شبِ وصل چہ حاصل کہ تواز ناز
تابندِ قبا باز کنی صبح دمیر است

صائب

"متصل درذکرو آہ و نالہ وفریادوغم ووادوگرید"......15اشعار

شعرا......نسبتی، حکیم کنا، فغانی، ذہنی، شہرت، سلطان محمد معمار، (؟)

نالۂ دل شد اگر باعث دردِ سر تُو
دست دل گیرم و بروں روم از کشورِ تُو

سلطان محمد معمار(؟)

"متصل دربیانِ قرب معنوی و۔۔۔صوری ولطفِ نہانی"......
"متصل درخواب دیدن معشوق......6اشعار۔

شعرا......صائب، امتیاز خان خالص، امیر خسرورخ، محمد سعید تنہا،

کی روم کہ بہ بینم ترا عیدانم
مہ جستجوئے تو امشب بخواب میرفتم

امتیاز خان خالص

بغیرِ من کہ ترا خواب دیدہ ام امشب
ندید دولت بیدار راکے درخواب

امتیاز خان خالص

دوش خود را سر بداماں تومی بینم بخواب
کاش می مردم چرا بیدار کہ دم خویش را

محمد سعید تنہا

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

"متصل در بیان بیقراری ترغیب صبر......6 اشعار
شعرا......حزین، افات نور، افالح برہانی،
"متصل در ذکر حسرت ومحرومی وحیرت و......9 اشعار
شعرا...... شیخ سعیدی رخ، ولی دشت بیاض، حسن بیگ قنع، اہلی شیرازی، حزین، فایق، نظیری......
"متصل در بہار ساقی و مے وطرب وابر و باراں سیر باغ"......20 اشعار
شعرا......سعدی، امیر خسرو، حکیم کنا، فالصاہرولی، (کالص ہرولی؟) میرزا صادق، سعدی رخ، نعمت خان عالی، جعفر اصفہان، فایق،

من ویرانہ وبلبل ہمہ یکجا جمع اند
چشم بد دور کہ جمع اند پریشانے چند
جعفر اصفہان

"متصل در علہتا میر ا اجزاء......6 اشعار۔
شعرا......جعفر اصفہان، خالص، کمال اسماعیل،
"متصل در اشعار دل ودیدہ آرد عشق......15 اشعار
شعرا......سلمان ساوجی، جامی، امیر خسرو، محمد عظیم خان، سعدی،
"متصل در عیادت وتقریب وقصد ذکع وطبیب وبیمار"......9 اشعار۔
شعرا......آصفی، ہلالی، شرف الدین خان،
"متصل در اشعار مکتب وآداب، 4 اشعار۔ظہوری
"متصل در اشعار متفرقہ شعرائے متقدمین ومتاخرین بمضامین گونا گوں......65 اشعار
شعرا......صائب، آرزو، نظیری، کلیم، میر محمد خوش نویس، محمد اسماعیل مصنف، ذوقی اردستانی، کمال خجند، بنائی ہروی، زیب النسا بیگم، طالب کلیم، استاد، خسرو، ظہوری، ہندتی (؟) مظفر حسین کاشانیل، طالب آملی، مظفر جنگ، میر مدہوش، شوکت بخاری، دارا شکوہ، ملا ضمیری،

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

قاضی ناصر، ہاتف، صبوحی، شیخ ابوالقاسم، فغانی، ابوسعید برغش، صائب، جامی، آصفی، اعلیٰ، غنی، نزاکت، حظ، سرمد۔

گفتمش بوتہ بمن دہ کہ زکواۃِ حُسن است
حظ بر آورد کہ فرمان معافی دارد
آرزو

چوں دہم تسکین زپیغامت دل افسردہ یارا
کے تواں افروخت از پرتو چراغ مردہ یارا
محمد اسماعیل مصنف

گر مصوّر صورتے آں جانِ جاں خواہد کشید
حیرتے دارم کہ نازش را چناں خواہد کشید
شوکت بخاری

قدم بروں نگذارم از آستانہ خویش
چو مرغ قبلہ نمامے پرم بخانہ خویش
ابوسعید برغش

شمع میگوید باہل بزم باسوزو گداز
سر بریدن پیش ایں سنگین دلاں گلچیدن است
غنی

اور اس انتخاب کے آخر میں کاتب نے سرخ روشنائی سے تحریر کیا ہے۔

''تم تمام شد ابیاتہائے منتخب استادانِ متقدمین''

اگلا باب 270 صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور اس کے سرنامے پر تحریر کیا گیا عنوان یہ ہے:۔

''ابیات وفردیات منتخب مجلسے از استادان افصح وشاعران ابلغ''

اس باب میں اساتذہ شعراء کے چیدہ چیدہ اشعار بغیر کسی مناسبت کے درج کئے گئے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہیں۔کئی اساتذہ کے درجنوں اشعار ایک ساتھ بھی نقل کیے گئے ہیں۔ان شعرا کے نام یوں ہیں۔
صائب، غنی، حافظ، جامی، امیر خسرو، آصف قلندر، ہلالی، استاد، مرزا خان، فغانی، مخلص، ناصر علی، سعدی، واقف، انوری، قدسی، ابن یمین، صرفی، مُلا معین نظامی، شوکت، بدر چاچی، فردوسی طوسی، مغربی، یوسف شاہ چک، ساطع، نظامی، خالص، قبول، دارا شکوہ، رضا، راضی، امان اللہ، زلالی، یحییٰ، کلیم، مولوی خان فطرت، یکتا، قاسم، فیضی، اشرف، حکیم، جویا، طالب آملی، طبیب دانا، رفیق، نظیری، حسن بیگ ترکانی، رسوا، نیابت خان، عاشق، سرخوش، نازکی، کم گوی، میر صیدی، شادماں شاہ، عرفی، حکیم ثنائی، ناظم ہروی، میر نجات، رفیع، قاضی نوری، دانش، میر محمد علی ماہر، جہانگیر شاہ، نورجان بیگم ابوسعید ابوالخیر، مرزا شمس الدین، شاہ مشکل کشا، شیدا، توفیق، مولوی حبیب اللہ شہید کشمیری، اشرف ظہوری، مفتون، قاضی احمد، شریف، شہیدی، قاسمی، شاہی، نرگسی، کمال الدین، غیاث الدین، جلا الدین، تباہے، عبدررافع، اوحدے، میر غیاث اللہ، مولانا صافی، میرزا رحیم کمال خجند، حاجی، سلمان، حسن، حمالی، ساعی، میر عماد، ذوقی، سلطان، سقائی، احمد، کیلاش، علی قلی، بدیع، حضرت، قاتل، جعفر، میرزا تاج الدین، مہدی عرب، سائل، میرزا حسن، میر الٰہی، سید حسن، قمی، ابوالقاسم، شاہ اسماعیل، مرزا باقر، میر جملہ، مُخزنی، جلال، میر حضور قمی، امیر حسن دہلوی، کاشی، سلطان علی بیگ، میر حیدر کاشی، مرتضےٰ خان، رہائی، نصر اللہ، فطرت، شیدا، حسینی، نیاز، سامی، حکیم حاکم، محتشم خان فدا، بیدل، طالب، شاپور، بیدل، وحشی، ضیاالدین، غربت، نصیبی، خیالی، حضور، نظام، بینش، امی، تجلی، حیدر، اسیری، سابق، فانی، معلوم، ناظم ہرانی، عمر خیام، مرزا جلال الدین اسیر، وفائی، مشتاق، ہلالی سمنانی، قلندر، اقدس، قصاب، عنایت اللہ کنت، محمد امین ویسی، زمان شاہ، لوائح، فصاحت خان (بیگ یا بالغ؟) میر تگلو (؟) ملا نادم لاہجی (؟) صالح رضائی کاشی، فصاحت خان، کشمیری، غنی بیگ قبول، جہاں خاتون۔

اس باب میں فارسی شاعری کی روح سمیٹ کر رکھ دی گئی ہے۔بے شمار اشعارِ گوہر آبدار شعر فارسی کے دبستان سے چن چن کر اکٹھا کئے گئے ہیں اور ظاہر ہے کہ شعرا میں جہاں قدیم فارسی یعنی ایرانی شاعروں کے اشعار چمکتے دمکتے دکھائی دیتے ہیں، وہیں خالص کشمیری

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

شعرائے فارسی کی لمبی فہرست بھی سامنے آتی ہے۔ عقل حیران ہے کہ کیا واقعی اتنے کشمیری فارسی زبان میں شعر کہتے تھے اور وہ بھی ایسے اشعار کہ جو ایک عالمی انتخاب میں شامل کرنے کے لائق ہوں۔ اس باب میں کئی دلچسپ مرحلے بھی سامنے آتے ہیں۔ کئی اشعار ہجو اور ہزل پر بھی مبنی ہیں اور اساتذہ فن سے منسوب ہیں۔ غنی کشمیری کے اشعار کا ایک خزانہ اِن اوراق پر پھیلا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

کسے از وسعتِ مشرب چو گردوں کام میکرد
کہ شب تسبیح برکف صبح برلب جام میکرد
غنی

کشمیر از صباحت روشن گر خیالست
حسنِ سیاہ اینجا گرہست خال خال است
غنی

عیبی بعیب خود نرسیدن نمیرسد
کر ثقل خود ثقیل نداند ثقیل نیست
صائب

اس قلمی نسخے کی جلد دوم کے آخری سو صفحات پر کئی چھوٹی بڑی مثنویاں نقل کی گئی ہیں جن کی تفصیل مندرذیل ہے۔ حکایت دختر وشوی کردن مادراُو۔

من کلام شیدا.....کل اشعار 46 اوائل کے کچھ شعر یہ ہیں۔

در کشور شام پر زادے — از قامت خم شدہ ہلالے
چوں صبح خجستہ اخترے داشت — یعنی کہ چو ماہ دخترے داشت
شاداب چو میوۂ رسیدہ — شیرین ولطیف وکس نچیدہ
شد بیدلے از قضا شکارش — درقیدِ کمند تا بدارش

اگلی مثنوی کا نام ہے ''مثنوی نعمت خان حالی''۔ پہلا شعر یوں ہے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہ یک زنے صاحب جمال اندر نماز ناز را تبدیل کردہ بانیاز

اگلے عنوانات جن کے تحت اشعار درج ہیں یوں ہیں۔

- حکایت
- حکایتِ مولوی عبدالرحمن جامی
- حکایت
- عنوان پڑھا نہیں جاتا
- مثنوی نعمت خان حالی
- طلب کردن یارِ اول
- ...."........ دوم
- ...."........ سوم
- ...."........ چہارم
- جلال الدین جعفر فراقی
- مولوی جامی در سبحۂ الابرار۔
- ....امیر خسرو۔
- حکایت نعمت خان عالی
- مثنوی ناصر علی
- حکایت مطرب (؟) وصوفی۔ناصر علی۔ 22 صفحات مگر لگ بھگ سارا ہی (بر سبیلِ تمثیل) متن ضائع ہو گیا ہے۔
- حکایت۔میرزا مجرم کشمیری۔50 اشعار

(اس حکایت کا پورا متن ضائع ہو گیا ہے)

اس طرح قلمی نسخے کی جلد دوم اپنے اختتام کو پہنچ جاتی ہے۔اس جلد کے مطالعے سے یہ بات صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ اس پورے قلمی نسخے کی کتابت کا اوّلین کاتب حبیب اللہ تھا

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

جس نے ۱۲۰۰ ہجری میں اس انتخاب کو ترتیب دینے کا بیڑا اٹھایا تھا اور اپنی محنت اور علمی تبحر کا بھر پور مظاہرہ کرتے ہوئے اسے 14 سال کے بعد اپنے طور پر مکمل کیا۔ اس کے بعد اس مسودّے میں کئی اور اصحاب نے اپنی فنی جولانی اور ذہنی استعداد کے خوبصورت نمونے چھوڑ دیئے اور اغلب امکان ہے کہ یہ سلسلہ ۱۲۷۸ ہجری تک جاری رہا۔ بحث کو حتمی طور پر قلمی نسخے کی تیسری اور آخری جلد کا جائزہ لیتے ہوئے سمیٹا جائے گا۔ جو بھی ہو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے کشمیر میں فارسی زبان اور شاعری کا طوطی بولتا تھا اور یہاں کے فارسی شاعروں نے فارسی زبان و شعر کو مالا مال کیا تھا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ ان شاعروں کے جہاں ہم کچھ گنے چنے نام جانتے اور پہچانتے ہیں مگر اکثر تعداد ان اصحاب کی ہے جو تاریخ کے اندھیروں میں گم ہو گئے ہیں۔ ایسے قلمی نسخوں کی تلاش اور پھر ان کے مطالعے سے ان اندھیروں کو کسی حد تک کم کیا جا سکتا ہے اور ان گم گشتہ الفاظ کی روشنی میں ماضی کے عظیم ورثے تک رسائی ہو سکتی ہے۔

عالم معطر از قلم مُشکبارِ ریاست۔ ۳

فارسی شاعری کا ایک دیرینہ انتخاب جو تین جلدوں میں پایا گیا ابھی زیرِ مطالعہ ہے۔ پہلی دو جلدوں کے جائزے اور مطالعے پر مبنی دو مضامین پیش کئے جا چکے ہیں۔ امید ہے کہ یہ اس سلسلے کی تیسری اور آخری تحریر ہو گی۔ اس میں تیسری اور آخری جلد کا ایک جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

جلد نمبر۔ ۳ میں تحریر شدہ صفحات کی کل تعداد ۶۱۸ ہے اور جیسا کہ پہلی اور دوسری جلدوں میں دیکھا گیا، اس جلد میں بھی آغاز اور اختتام پر سادہ کاغذ کے کئی اوراق موجود ہیں۔ اس جلد کی ایک بات جو پہلی دو جلدوں سے مختلف ہے یہ ہے کہ اس پوری جلد کا کاغذ یکساں ہے، کتابت یکساں ہے اور سیاہی بھی ایک ہی نوعیت کی استعمال کی گئی ہے۔ اس جلد پر چمڑے کا کوَر موجود ہے اور لگ بھگ اصلی حالت میں ہے۔ کتاب میں جا بجا پانی پھیل جانے سے کئی حصوں پر لکھی تحریر ضائع ہو گئی ہے۔ کہیں کہیں جزوی طور پر بھی تحریر سیاہی کے دھبوں کی نذر ہو گئی ہے۔ بہر حال جو کچھ ہے اس کے متن کا ایک جائزہ لیتے چلیں۔

جلد نمبر۔ ۱ پر مبنی مضمون میں اس بات کا ذکر آچکا ہے کہ اس قلمی نسخے کو ترتیب دینے والا اور

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اس کی کتابت کرنے والا عبیب اللہ ہے اور اس شخص نے یہ کام ۱۲۰۰ھ ہجری میں شروع کیا اور ۱۲۱۴ھ میں اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ جلد نمبر ۳ کے تمام اندراجات ان ہی حبیب اللہ صاحب کے قلم کا اعجاز ہیں، ہر صفحے پر گیارہ اشعار نقل کیے گئے ہیں۔ عنوانات سرخ روشنائی سے تحریر ہوئے ہیں۔ پہلا عنوان جزوی طور پر پڑھا جاسکتا ہے۔

""غزلیات جواب در جواب۔۔ ردیف......""

اس جلد کا بیشتر حصہ غزلیات کے انتخاب پر مشتمل ہے۔ ان غزلوں کو منتخب کرتے وقت اور پھر اُن کی ترتیب بندی کرتے وقت ردیف کا خیال رکھا گیا ہے۔ یعنی الف کی ردیف کے ساتھ کسی بڑے شاعر کی غزل نقل کی گئی اور پھر اسی ردیف اور بارہا قافیہ کے ساتھ کسی دوسرے (پھر تیسرے، چوتھے......) شاعر کی غزل "" در جواب"" کہہ کر نقل کی گئی۔ انتخاب کا آغاز حافظ شیرازی کی غزل سے ہوتا ہے۔ اور یہی غزل دیوانِ حافظ کی بھی پہلی غزل ہے۔

الا یا ایہا الساقی ادرکا سآ و ناولہا

کہ عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا

دوسری غزل کا عنوان پوری طرح مٹ گیا ہے، جب کہ تیسری غزل ""معلوم در جواب"" کے عنوان کے درج ہوئی ہے۔ چوتھی غزل "" محمد توفیق کشمیری"" کی ہے۔

نہ آساں کشتہ اند آتش زباناں شمع محفلہا

نفس را شعلہ ساماں کرد آخر از سوزش دلہا

پانچویں نمبر پر شیخ مصلح الدین شیرازی کی غزل نقل ہوئی ہے اور پھر اسی طرح یہ سلسلہ ردیف در ردیف آگے بڑھتا ہے۔ کل ملا کر لگ بھگ آٹھ سو غزلیں درج کی گئی ہیں اور جن شعراء کو شاملِ انتخاب کیا گیا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

حافظ جرأت (؟) نا معلوم، محمد توفیق کشمیری، سعدی، جامی، فروعی، محتشم کاشی، فضانی، ملا حشی...... شیرازی، اہلی شیرازی، قصاب، ملا ساطع، ناصر علی (یہاں پر ایک صفحے پر کچھ خالی جگہ میں کسی اور خط سے محمد امین داراب کی ایک غزل بھی ٹھونسی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بہت بعد کی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

جس نے ۱۲۰۰ھ ہجری میں اس انتخاب کو ترتیب دینے کا بیڑا اٹھایا تھا اور اپنی محنت اور علمی تبحر کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے اسے 14 سال کے بعد اپنے طور پر مکمل کیا۔ اس کے بعد اس مسودّے میں کئی اور اصحاب نے اپنی فنی جولانی اور ذہنی استعداد کے خوبصورت نمونے چھوڑ دیئے اور اغلب امکان ہے کہ یہ سلسلہ ۱۲۷۸ھ ہجری تک جاری رہا۔ بحث کو حتمی طور پر قلمی نسخے کی تیسری اور آخری جلد کا جایزہ لیتے ہوئے سمیٹا جائے گا۔ جو بھی ہو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے کشمیر میں فارسی زبان اور شاعری کا طوطی بولتا تھا اور یہاں کے فارسی شاعروں نے فارسی زبان وشعر کو مالا مال کیا تھا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ ان شاعروں کے جہاں ہم کچھ گنے چنے نام جانتے اور پہچانتے ہیں مگر اکثر تعداد ان اصحاب کی ہے جو تاریخ کے اندھیروں میں گم ہو گئے ہیں۔ ایسے قلمی نسخوں کی تلاش اور پھر ان کے مطالعے سے ان اندھیروں کو کسی حد تک کم کیا جاسکتا ہے اور ان گم گشتہ الفاظ کی روشنی میں ماضی کے عظیم ورثے تک رسائی ہوسکتی ہے۔

عالم معطر از قلم مُشکبارِ ماست ۔ ۳

فارسی شاعری کا ایک دیرینہ انتخاب جو تین جلدوں میں پایا گیا ابھی زیرِ مطالعہ ہے۔ پہلی دو جلدوں کے جائزے اور مطالعے پر مبنی دو مضامین پیش کئے جا چکے ہیں۔ امید ہے کہ یہ اس سلسلے کی تیسری اور آخری تحریر ہوگی۔ اس میں تیسری اور آخری جلد کا ایک جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

جلد نمبر۔۳ میں تحریر شدہ صفحات کی کل تعداد ۶۱۸ ہے اور جیسا کہ پہلی اور دوسری جلدوں میں دیکھا گیا، اس جلد میں بھی آغاز اور اختتام پر سادہ کاغذ کے کئی اوراق موجود ہیں۔ اس جلد کی ایک بات جو پہلی دو جلدوں سے مختلف ہے یہ ہے کہ اس پوری جلد کا کاغذ یکساں ہے، کتابت یکساں ہے اور سیاہی بھی ایک ہی نوعیت کی استعمال کی گئی ہے۔ اس جلد پر چمڑے کا گور موجود ہے اور لگ بھگ اصلی حالت میں ہے۔ کتاب میں جابجا پانی پھیل جانے سے کئی حصوں پر لکھی تحریر ضائع ہوگئی ہے۔ کہیں کہیں جزوی طور پر بھی تحریر سیاہی کے دھبوں کی نذر ہوگئی ہے۔ بہر حال جو کچھ ہے اس کے متن کا ایک جائزہ لیتے چلیں۔

جلد نمبر۔۱ پر مبنی مضمون میں اس بات کا ذکر آچکا ہے کہ اس قلمی نسخے کو ترتیب دینے والا اور

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اس کی کتابت کرنے والا عبیب اللہ ہے اور اس شخص نے یہ کام سنہ ۱۲۰۰ ہجری میں شروع کیا اور ۱۲۱۴ھ میں اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ جلد نمبر ۳ کے تمام اندراجات ان ہی حبیب اللہ صاحب کے قلم کا اعجاز ہیں، ہر صفحے پر گیارہ اشعار نقل کیے گئے ہیں۔ عنوانات سرخ روشنائی سے تحریر ہوئے ہیں۔

پہلا عنوان جزوی طور پر پڑھا جا سکتا ہے۔

"غزلیات جواب در جواب۔۔ ردیف......"

اس جلد کا بیشتر حصہ غزلیات کے انتخاب پر مشتمل ہے۔ ان غزلوں کو منتخب کرتے وقت اور پھر اُن کی ترتیب بندی کرتے وقت ردیف کا خیال رکھا گیا ہے۔ یعنی الف کی ردیف کے ساتھ کسی بڑے شاعر کی غزل نقل کی گئی اور پھر اسی ردیف اور بارہا قافیہ کے ساتھ کسی دوسرے (پھر تیسرے، چوتھے......) شاعر کی غزل "در جواب" کہہ کر نقل کی گئی۔ انتخاب کا آغاز حافظ شیرازی کی غزل سے ہوتا ہے۔ اور یہی غزل دیوانِ حافظ کی بھی پہلی غزل ہے۔

الا یا ایہا الساقی ادرکا سأ و ناولہا
کہ عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا

دوسری غزل کا عنوان پوری طرح مٹ گیا ہے، جب کہ تیسری غزل "معلوم در جواب" کے عنوان کے درج ہوئی ہے۔ چوتھی غزل "محمد توفیق کشمیری" کی ہے۔

؎ نہ آساں کشتۂ اند آتش زباناں شمع محفلہا
نفس را شعلہ ساماں کرد آخر از سوزش دلہا

پانچویں نمبر پر شیخ مصلح الدین شیرازی کی غزل نقل ہوئی ہے اور پھر اسی طرح یہ سلسلہ ردیف در ردیف آگے بڑھتا ہے۔ کل ملا کر لگ بھگ آٹھ سو غزلیں درج کی گئی ہیں اور جن شعراء کو شاملِ انتخاب کیا گیا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

حافظ جرأت (؟) نا معلوم، محمد توفیق کشمیری، سعدی، جامی، فروعی، محتشم کاشی، فضانی، ملا حشی......شیرازی، اہلی شیرازی، قصاب، ملا ساطع، ناصر علی (یہاں پر ایک صفحے پر کچھ خالی جگہ میں کسی اور خط سے محمد امین داراب کی ایک غزل بھی ٹھونسی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بہت بعد کی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

بات ہے) فخری، صائب، سلمان، عرفی، امیر خسرو، جویا، مرزا جلال الدین اسیر، طالب آملی، سید غلام شاہ، کمال الدین، نور العین واقف لاہوری...... ردیف 'تا' کے اختتام پر'' کاتبے''، یعنی اس قلمی نسخے کے ترتیب کار اور کاتب ''حبیب اللہ'' کی غزل درج کی گئی ہے۔

تو آن گلے کی ترا صد ہزار دستان است
زباغِ عارض تو ہر کلے گلستان نست
جواب زلف سیاہ تو...... ام یکشب
ہنوز خاطرِ محزونِ من پریشانست

اس کے بعد حکیم نزاری، آصفی، خواجہ کلیم الدین، حالی، وصفی، شیخ یعقوب صرفی، رفیق، سابق، نظیری، ملا یوسف، ملا ملہم، قاسم انوار، ہلالی، علوی، نعمت خان عالی، ملا یوسف، فایز لاہوری عابد، منیر، مشربی، ملا حیدر ہراتی، امیر حسن دہلوی، اسد بیگ قزوینی محتاج، آصفی، ملا نور الدین ظہوری قزوینی، ملا ہالی شیرزای، ابن یمین، مولانا حزین، قدسی، مولانا رفیع، سلیم رفائی (وفائی) خوارزمی، میرزا محمد رضائی مشتاق کشمیری، مرزا مجرم کشمیری، فصیح تبریزی، شہادت، خواجوس کرمانی، سادت، فایض لاہوری (پہلے فائز لاہوری لکھا گیا؟) مولانا کاتبے، حبیب نیشاپوری مسکین، میاں حضور اللہ، ملا انشے، خوشدل، معلوم تبریزی، مخلص کاشی، حضرت، شمس الدین، سقا، عنایت خان آشنا، شیدائی برہمن، شاہ رابط (؟)، میرزا اسد رومی، افزون، میر افضل ارادتی (؟)، امیر شاہی سبزواری، رفیق اصفہانی، طالب کلیم، خواجہ صانع، عظیم نیشاپوری، مرزا محمد علی نویدی، شرف الدین، جُرمی، شاہ نجیب اللہ حضرت، عبید زاگانی، بینوا، حیدر ہراتی، متین، فغانی تبریزی، نسیمی، ملا نرگسی، نطقی، فروغی، شہیدی، شایق، مرزا طوفان، طغرا، عصمت بخاری، بیانی، خواجہ عابد غجدوانی، شوکت، عارف دہلوی، شفِیی نجارائی، عاشق، رازی، فایز ہندی، میر نجات، ابن بسطامی، صادق، آگہی، نظام الدین شیخم سُہیلی، ریاض، فراقی، بیخود، مرزا جان سروع، کلفر خان احسن، نقی، غیاث الدین کمال اسیر، خلیق، آذری، ملا مشربی، باقی، پادشاہ، رضا، حاجی محمد جان

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

قدسی، امانی، فغفور، صالح، شیخ فیضی دکنی، شیخ اوحدی مانی، حکیم انوری، فخری، مرزا عبدالقادر بیدل، مشتاق اصفہانی، ملا انسی، ہمام الدین تبریزی، ملا یوسف کشمیری، سویدا، فتوحی، راغب، مرزا رضا، باقر، امیر خورد ہلالی، مخلص بدخشی، ہمایوں، خباب، شیخ نظامی گنجوی، راقم، فارغ جامع، وحید، مضمون، نصرت، کاہی سبزواری، سید غلام شاہ تخلصے، حکیم خاقانی، میر ارشد، مرزا فروعی کاملی، شیخ احمد جام وغیرہ۔

غزلیات کا حصہ پانچ سو ساٹھ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور جیسا کہ مندرجہ بالا فہرست سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس انتخاب میں ایرانی اور بیرونِ کشمیر کے شاعروں کے علاوہ درجنوں نام ان شعراء کے ہیں جو کشمیری کی سرزمین سے ہی تعلق رکھتے تھے۔ ان میں سے کئی ایک نام ایسے بھی ہیں جن کا تذکرہ کشمیر میں فارسی شاعری کی تاریخ کے حوالے سے لکھی گئی کتابوں میں نہیں ملتا۔

غزلیات کا انتخاب کا حصہ مکمل ہونے پر کچھ نثری تحریریں شروع ہو جاتی ہیں۔ اس حصے کی ابتدا ''پندنامۂ ارسطو حکیم'' سے ہوتی ہے۔ یہ ''پندنامہ'' ڈھائی تین صفحات پر مشتمل ہے۔ اگلی تحریر ''مذمت حجام تصنیف نعمت خان عالی'' کے عنوان سے درج کی گئی ہے۔ یہ تحریر لگ بھگ دو صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے۔

اس کے بعد '' نقلیات، ہزلیات و ہجویات تحریر شدہ'' کے عنوان کے تحت ترپاسی اندراجات ہیں۔ کسی صاحب نے اس تحریر کے آغاز میں مختلف سیاہی اور خط سے حاشیے پر لکھا ہے کہ ''ایں بدعت ہزلیات بحضرت شیخ مصلح الدین علیہ رحمہ'' کے ساتھ منسوب کرنا غلط ہے کیوں کہ وہ از خلفائے شیخ شہاب الدین عمر سہروردی علیہ رحمہ تھے۔ اس لئے یہ نام نہاد بکواس'' ان کے قلم کے ساتھ منسوب کرنا غلط ہے''۔ ویسے بھی اس حصے میں شامل کی گئی کئی تحریریں ایرانی فحش گو عبید زاکانی کے کلام سے نقل کی گئی ہیں۔

آخری چھ صفحات پر ''بدیہات مولوی جامی'' عنوان کے تحت کئی چھوٹے چھوٹے واقعات درج کئے گئے ہیں۔

اس باضابطہ تحریر کے ساتھ ہی اس قلمی نسخے کی آخری یعنی تیسری جلد اپنے اختتام کو پہنچتی ہے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

خلاصہ

جناب حبیب اللہ نے فارسی شاعری کا ایک انتخاب ترتیب دیا اور انہوں نے یہ کام ۱۲۰۰ھ ہجری میں شروع کیا اور چودہ سال کی مسلسل محنت کے بعد ۱۲۱۴ھ ہجری میں اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ ۱۲۱۴ھ ہجری کے بعد حبیب اللہ صاحب کے بعد آنے والے کئی اصحاب نے اس مسودے میں اضافے کئے اور پھیلتے پھیلتے یہ مسودہ دو ہزار چار سو صفحات پر پھیل گیا۔ آخری اضافہ ۱۲۷۸ھ ہجری میں کیا گیا۔ اب ذرا ان تینوں جلدوں کو سامنے رکھ کر اس بات کا جائزہ لیں کہ حبیب اللہ صاحب کے بنیادی مسوّدے میں کیا کیا مواد اکٹھا کیا گیا تھا اور اُن کے ہاتھ سے لکھے گئے کتنے صفحات کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔

جلد نمبر ا: کل اوراق جن پر کلام تحریر کیا گیا ہے۔ ۴۵۷ یعنی ۹۱۴ صفحات۔ ان میں پہلے ۱۴ صفحات پر انڈکس بنایا گیا ہے جو حبیب اللہ صاحب کے قلم سے نہیں ہوسکتا کیونکہ اس انڈکس میں کل ۱۲۰۰ اوراق کی تفصیل دی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ فہرست اس شخص نے ترتیب دی جس نے مسودے کو بالآخر مکمل کرلیا۔ ورق نمبر ۱۷ سے لے کر ۲۶۴ تک ایک ہی خط اور ایک ہی قسم کے کاغذ کا استعمال ہوا ہے۔ ۲۶۵ ورق یعنی ۵۳۰ صفحے سے لے کر ورق نمبر ۳۰۴ یعنی صفحہ نمبر ۶۰۸ تک کاغذ بھی مختلف ہے اور تحریر جو پہلی نظر میں یکساں دکھائی دیتی ہے غور سے دیکھنے پر واضح ہوجاتا ہے کہ یہ دوسرے خط میں کی گئی ہے۔ ان ۷۸ صفحات پر جو مضامین درج کئے گئے ہیں وہ بھی تاریخی اعتبار سے ۱۲۱۴ھ ہجری کے بعد کے دور سے تعلق رکھتے ہیں جیسا کہ پہلے مضمون میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ان صفحات پر بیس صفحات پر "دستور العمل از حمید اللہ کشمیری ساکن موضع نوبگ نے" ۲۶ صفحات پر "بیوج نامہ من تصنیف ملا حمید اللہ کشمیری نوبگ نے" اور آخری ۳۱ صفحات پر "میانجی نامہ از امیر الدین کشمیری عرف پکھوال ساکنہ حال محلہ بلبل صاحب بر کنارِ دریائے بہت"

جلد نمبر ۲:۔ اس جلد کے آغاز کے ایک سو چودہ اوراق جو سراپا نگاری کے مضمون سے متعلق اشعار کے انتخاب پر مبنی ہیں حبیب اللہ صاحب کے خط کے نہیں لگتے۔ اس حصے کے آخر میں

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کاتب نے سرخ روشنائی سے "تمت تمام شد" منتخب شعرے بطریق سرپا غرۂ رمضان ۱۲۷۸" تحریر کیا ہے اور اس کے ذیل میں یہ دعائیہ شعر بھی نقل کیا ہے۔

الٰہی ہر آنکس کہ ایں خط نوشت

عفو کن گناہش عطا کر بہشت

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ انتخاب حبیب اللہ صاحب کے بعد کے کسی شخص کا ہے۔ ایک سو چودہ صفحات کے بعد پھر سراپا نگاری سے متعلق اشعار ہیں جو اغلب امکان ہے کہ بنیادی نسخے میں شامل تھے اور حبیب اللہ صاحب کے قلم سے ہیں۔ ورق نمبر ۵۷۲ سے ۶۴۸ تک یہ سلسلہ چلتا ہے اور پھر ۶۴۹ ورق سے کاغذ تبدیل ہو جاتا ہے اور تحریر بھی مختلف آتی ہے۔ یہ کاغذ مہین اور حریری ہے جبکہ باقی تمام جلد میں بھاری کاغذ استعمال ہوا ہے۔ اگلے چودہ اوراق پر جو اشعار ہیں جو کسی مثنوی سے ہیں مگر عنوان پڑھنے میں دشواری ہوئی۔ اس تحریر کے اختتام پر کاتب نے "۱۰ ربیع الاوّل ۷۷ یوم سہ شنبہ" بھی تحریر کیا ہے۔ ظاہر ہے یہ ۱۲۷۷ھ ہجری ہی ہوسکتا ہے۔ مگر ایک بات یہ بھی سامنے آتی ہے کہ اس جلد کے آغاز کے ایک سو چودہ اوراق پر جو سراپا سے متعلق اشعار ہیں، اُن کے کاتب کے ساتھ ان ۱۴ اوراق پر تحریر مواد کے کاتب کے ساتھ دور کا رشتہ بھی نظر نہیں آتا۔ بہر حال ایسا لگتا ہے کہ اس پورے قلمی نسخے کو کم سے کم تین اصحاب نے قلمبند کیا۔

جلد ۳:۔ یہ جلد اول سے آخر تک ایک ہی قسم کے کاغذ پر تحریر کی گئی ہے اور اسے ایک ہی خط سے لکھا گیا ہے جو اغلب امکان ہے کہ حبیب اللہ صاحب کے ہی قلم کا اعجاز ہے۔ کیونکہ اسی جلد کے اختتام پر انہوں نے اپنا نام بھی تحریر کیا ہے اور تاریخ بھی ڈال دی ہے۔

بہر حال اس جائزے سے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ تین جلدوں اور بارہ سو صفحات پر مشتمل یہ قلمی نسخہ ۱۲۰۰ھ ہجری میں شروع کیا گیا۔ اس کا بیشتر حصہ ۱۴ سال کے دوران قلمبند ہوا اور کچھ حصے ۱۲۷۷ھ اور پھر ۱۲۷۸ھ میں شامل کر دیئے گئے۔ بنیادی نسخہ کسی حبیب اللہ صاحب نے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ترتیب اور تحریر کیا۔ انتخاب سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ حبیب اللہ صاحب فارسی شعرو ادب سے پوری طرح واقف تھے۔ ان کی نظر میں شعرِ فارسی کا پورا منظر نامہ تھا۔ جہاں ان کی نگاہوں میں ایران کے اساتذہ شعراء کی تمام نگارشات تھیں وہاں کشمیر میں فارسی شعر کہنے والوں سے بھی وہ پوری طرح باخبر تھے۔ وہ شاید خود بھی شعر کہتے تھے کیونکہ انتخاب میں کئی اشعار ''کاتب'' اور کچھ جگہوں پر ''حبیب'' کے نام بھی منسوب کئے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ کم سے کم دو اور اصحاب ہیں جنہوں نے اس نسخے میں اپنی اپنی پسند کے مطابق اضافے کئے۔ ان کے نام معلوم نہیں ہو سکے، اگرچہ ایک صاحب نے اپنے آپ کو ''کہف کمترین ۲۲'' لکھا اور کسی حضرت عبداللہ شاہ صاحب کے مسوّدے سے نقل کرنے کا اقرار کیا اور یہ نقل ''در خانۂ خواجہ اقبال دستگاہ رسول شاہ'' سے بھی پڑھنے والے کو آگاہ کیا۔ لیکن ۱۲۷۸ میں سراپا کے تحت اضافہ کرنے والے صاحب نے اپنا نام نہیں لکھا۔

اس قلمی نسخے کو ''حبیب اللہ نسخہ'' کے نام موسوم کرتے ہوئے راقم کو خوشی ہوتی ہے۔ کاش یہ قلمی نسخہ اپنی اصلی حالت میں ہوتا۔ اس قلمی نسخے کی بدولت تیرہویں صدی ہجری کے کشمیر میں فارسی زبان وشاعری کا منظر نامہ اُجاگر کرنے میں کافی مدد ملے گی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کشمیر میں یکے بعد دیگرے کئی حکومتیں بدل گئی۔ نئے نئے حکمرانوں نے نئی نئی ثقافتیں اور نئی نئی روایتیں قائم کیں۔ اس دور میں فارسی زبان پروان بھی چڑھی اور پھر اس کا زوال بھی شروع ہونے لگا۔ اس دور میں بے شمار کشمیری فارسی شعر وسخن کی طرف راغب ہوئے اور غنی کشمیری اس کاروان کے سربراہ کی صورت میں جانے اور پہچانے گئے۔ مگر حق یہ ہے کہ غنی کشمیری کو شہرت نصیب ہوئی مگر ان کے ساتھ ساتھ کئی ایسے قادر الکلام شعراء بھی گزرے جن سے دنیا نا آشنا رہی۔ ایسے مسودوں کی مدد سے ان شعراء تک رسائی حاصل ہو سکتی ہے۔ امید ہے کہ فارسی شاعری کی تاریخ میں دل چسپی رکھنے والے محققین اس مسودے میں شامل شعراء اور اُن کے نمونہ ہائے کلام سے مستفید ہوں گے اور ماضی کے دھندلکوں کو روشن کرنے کا فریضہ انجام دے سکیں گے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

نوٹ: محمد بن عبداللہ نیشاپوری (وفات ۸۳۹) بھی ''کاتبی'' کا تخلص استعمال کرتے تھے۔حبیب اللہ صاحب نے مسوّدہ نقل کرتے وقت کچھ مقامات پر ''مولانا کاتبے'' تحریر کیا ہے اور دیگر مقامات پر صرف ''کاتبے''۔امکان یہی ہے کہ حبیب اللہ صاحب نے جہاں اپنی غزل شامل کی وہاں صرف ''کاتبے'' لکھدیا اور جہاں نیشاپوری کی غزل تحریر کی وہاں ''مولانا کاتبے'' لکھا!

جیسے پہلے مضمون میں واضح کیا گیا تھا یہ قلمی نسخے جناب عبدالحق برقؔ مرحوم کے ذاتی کتب خانے کے زینت تھے۔حبیب اللہ صاحب کی نشاندہی کرنے کے دوران اس بات کی بھی جانکاری ملی کی برقؔ مرحوم کے اپنے ماموں بھی ایک حبیب اللہ صاحب ہی تھے۔اس بات کا اِمکان پیدا ہوا کہ ان مخطوطات کے اصل خالق یہی حبیب اللہ ہوں۔مگر جو شخص تیرہویں صدی کے اوائل میں موجود تھا۔وہ برقؔ مرحوم کی ولادت سے لگ بھگ سو سال پہلے اس مسودے کو تحریر کررہا تھا اوران کا ماموں نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ روایت یہ بھی ہے کہ برقؔ مرحوم کی اوائل عمر میں نگہداشت ماموں کے ہاں ہی ہوئی تھی۔برقؔ صاحب کے کاغذات میں ان کی ایک تضمین بھی ملی ہے جسے انہوں نے ''تضمین بر ریختۂ حبیبؔ'' لکھا ہے۔تضمین کشمیری میں ہے۔لیکن جو ''ریختۂ حبیب'' کے اشعار ہیں کافی دل چسپ ہیں اور درج ذیل ہیں:۔

ہر کہ یڈ راہمیشہ داردکھُج
یڈ مگر از جحیم باشد گج

دوش رنداں زہر فروکردند
مولوی راعمامہ باشد پیُچ

درمجالس خجل شودبسیار
ہرکہ درحبیب خود ندارد ڈج

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

نانِ گرمے چومی خورم ہر روز
چہ کُنم جستجوی چمچہ ولیجؑ
بہتر از شالِ دیگراں دانم
چادرِ خود اگرچہ باشدرج
صدچط ابلیس رادہد تعلیم
زنِ مکارہ گرچہ باشد کج
راست گط اے حبیب گونجِ طبع
سخت راہمیشہ داند ہج

............●●●............

میر غلام رسول نازکی نمبر

میر غلام رسول نازکی اُردو، کشمیری، عربی، فارسی اور انگریزی ادب پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اپنے تبحرِ علمی اور بلند خیالی کی وجہ سے ادبی حلقوں میں خاصے مقبول تھے۔ اُردو، کشمیری، فارسی اور عربی میں انہوں نے کئی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ میر غلام رسول نازکی پر "شیرازہ" کی خصوصی اشاعت، شیرازہ اُردو کا ایک کارنامہ ہے جس کو علمی اور ادبی حلقوں میں خاصی پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

B

● ...... ولی محمد اسیرؔ کشتواڑی

صوبہ جموں میں کشمیری صوفیانہ کلام کے نقوش

لفظ صوفی کے بارے میں لوگوں کے مختلف خیال ہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک صوفی کا لفظ اصل میں ''صفوی'' تھا جو کثرتِ استعمال سے صوفی بن گیا۔ ابوالحسن قنار کہتے ہیں کہ صوفی کا لفظ ''صفا'' سے بنا ہے جس کا مطلب اُن لوگوں سے ہے جنہیں قدرت نے پہلے ہی بشری کدورتوں اور غلاظتوں سے پاک صاف رکھا ہے۔ بعض کہتے ہیں جو لوگ سادگی کی وجہ سے ''صوف'' کا لباس پہنتے تھے وہ صوفی کہلائے۔ بعض کا خیال ہے کہ ''اصحابِ صُفہ'' کی مناسبت سے صوفی کا لفظ عہدِ نبوتؐ ہی سے وجود میں آ گیا۔ کسی کے نزدیک صوفی کا لفظ اسلام سے پہلے بھی موجود تھا۔ حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ نے ''تذکرۃ الاولیاء'' میں لکھا ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک صوفی کا لفظ بغداد کے لوگوں کی ایجاد ہے۔ علامہ ابوریحان البیرونی ''کتاب الہند'' میں لکھتے ہیں کہ صوفی کے معنی ''فلاسفر'' کے ہیں۔ یونانی زبان میں صوف کے معنی ''فلسفہ'' کے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یونانی زبان میں فیلسوف کو ''فیلاف سوفا' کہتے ہیں یعنی فلسفہ کا عاشق۔ چونکہ اسلام میں ایک جماعت ایسی موجود تھی جس کا مسلک یونانی صوفیوں کے قریب قریب تھا، اس لئے اس کا نام صوفی پڑ گیا۔ اس باب میں بھی اختلاف ہے کہ پہلے پہل کس بزرگ کو صوفی لقب دیا گیا۔ کوئی جناب ابوہاشم، المتوفی ۱۵۰ ہجری (۷۶۷ء) کو پہلا صوفی قرار دیتا ہے۔ کسی کے خیال میں جابر بن حیانؒ پہلے صوفی ہیں۔ یہ دونوں بزرگ کوفہ (عراق) کے تھے اور دونوں دوسری صدی ہجری میں گزرے ہیں۔ دوسری صدی ہجری کے آخر کے صوفیوں میں سے جناب

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

سفیان ثوریؒ، ابراہیم ادہم، داؤد طائیؒ، فضل بن عیاضؒ اور عورتوں میں سے حضرت رابعہ بصریؒ کے نام مشہور ہیں۔ علامہ جوزیؒ نے لکھا ہے کہ قدیم صوفیاء قرآنِ حکیم، حدیثِ نبویؐ، فقہ اور تفسیر کے امام تھے۔ وہ لوگوں کو علوم شرعی کی ترغیب دیتے، کتاب وسنت کی اتباع کرتے اور اس کی تاکید فرماتے تھے۔ علامہ جوزیؒ کے مطابق حضرت خواجہ حسن بصریؒ قدیم صوفیاء کے امام تھے۔ خواجہ بصریؒ سے ''پنج چشت'' اور ''نو قادریہ'' کے سلسلے چلے جو آگے چل کر چودہ خانوادے ہوئے۔

برِ صغیر ہندو پاک میں اسلامی تعلیمات صوفیائے کرام کے ہاتھوں سے ہوئی جن میں سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجریؒ، حضرت خواجہ بختیار کا کیؒ، حضرت نظام الدینؒ اولیاءؒ، حضرت سید محمد گیسو درازؒ، حضرت شیخ برہان الدینؒ، حضرت شیخ زین الدینؒ، حضرت نظام الدینؒ، حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ، حضرت سید اسماعیل بخاریؒ، حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ، حضرت سیّد جلال الدین بخاریؒ، حضرت مخدوم جہانیاںؒ، حضرت کبیر الدینؒ، حضرت سیّد یوسف الدینؒ، حضرت امام شاہ پیرانویؒ، ملک عبداللطیفؒ، شیخ جلال الدین تبریزیؒ، حضرت شیخ جلال الدین فارسیؒ، حضرت ہاشم گجراتیؒ، حضرت محمد صادق سرمستؒ، حضرت خواجہ اخوند میر حسینیؒ، حضرت سیّد ابراہیم بلبل شاہؒ، حضرت میر سیّد علی ہمدانیؒ (شاہِ ہمدان)، حضرت میر محمد ہمدانیؒ، حضرت شیخ نورالدین نورانیؒ، حضرت شیخ حمزہ مخدومؒ، حضرت شاہ محمد فرید الدین بغدادیؒ، حضرت بابا غلام شاہ بادشاہ، حضرت پیر میٹھا صاحبؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اس لئے ان خدا ترس اور انسان دوست صوفیائے کرام کی محبت لوگوں کے دلوں میں سما گئی اور کشمیری زبان میں بھی دنیا کی دیگر زبانوں کی طرح صوفی تحریریں وجود میں آئیں جن کا لب ولہجہ اور رنگ بالکل الگ اور منفرد ہے۔ صوفی شاعری کے منتشر شیرازے کو جمع کرنے کا کام جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لنگویجز کی زیرِ سرپرستی انجام پذیر ہوا، جس کے بارے میں محمد یوسف ٹینگ لکھتے ہیں کہ......

''صوفی شاعروں کا کلام ہم نے ۱۹۸۰ء-۱۹۸۵ء ''صوفی شاعری'' نام کے کتابی سلسلے میں شائع کیا۔ یہ تین حصوں پر مشتمل ہے۔ اس کو محمد امین کاملؔ صاحب نے ترتیب دیا۔ یہ سلسلہ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

شاہ غفور سے شروع ہو کر احد زرگر پر ختم ہوتا تھا، مگر آج کا سلسلہ حبیب اللہ نوشہری سے شروع ہوتا ہے جو حبہ خاتون کے ہم عصر تھے۔ اِس میں اسد پرے، صمد میر اور احد زرگر کا کلام نہیں ہے۔ اسد پرے اور صمد میر کے کلیات ہم نے الگ سے شائع کئے ہیں۔ احد زرگر کا کلیات اُن کے فرزند نے شائع کیا ہے۔''

کلچرل اکادمی کی یہ گراں قدر کتاب کاشر صوفی شاعری دو جلدوں میں (۱۹۹۵ء میں) شائع ہوئی تھی۔ پہلے حصّے میں خواجہ حبیب اللہ نوشہری، مومن صائب، سوچھ کرال، شاہ غفور، کرم بُلند، رحمان ڈار، رحیم صائب سوپوری، نعمہ صائب، شاہ قلندر اور شمس فقیر اور دوسرے حصّے میں وہاب کھار، احمد بٹہ وأری، واز محمود، احمد ڈار، احمد راہ، محمد کھار، محمد بٹ، رمضان بٹ گنتان اور ضعیفہ کا کلام دیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مرتب موتی لال ساقی لکھتے ہیں کہ......''صوفی شاعری ہمارا قیمتی اور خوبصورت سرمایہ ہے۔ اس شعبے میں ابھی تک تھوڑا بہت کام ہوا ہے مگر ابھی کافی کچھ کرنا باقی ہے۔ ان شاعروں کا بہت سارا کلام نسیاں کے باعث ہاتھ سے چلا گیا ہے۔ کافی کلام کشمیری موسیقی میں شامل ہے مگر یہ کلام کس کے کھاتے میں ڈالا جائے اُس کا ہمیں کوئی پتہ نہیں لگتا۔ تاہم اتنا کچھ ہونے کے بعد جو کچھ بھی ہم تک پہنچا وہ سر ماتھے لگانے کے قابل ہے۔''

کشمیری زبان بولنے، سمجھنے، پڑھنے، لکھنے اور برتنے والے لوگوں کی اکثریت وادیٔ کشمیر کے حدود کے اندر بستی ہے جبکہ صوبہ جموں کے کشتواڑ، ڈوڈہ، رام بن (یعنی چناب بیلٹ) اور راجوری و پونچھ (یعنی پیر پنچال بیلٹ) اضلاع کے بہت سارے علاقوں میں بھی کشمیری ہی اکثریت میں ہیں۔ اس صوبے کے باقی ضلعوں اُدھمپور، ریاسی، جموں، سانبہ اور کٹھوعہ میں بھی وقت کی رفتار کے ساتھ کشمیری نژاد لوگوں کی بستیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ اس کا اہم سبب ۱۹۹۰ء میں کشمیری پنڈت طبقے کے لوگوں کی نامساعد حالات سے مجبور ہو کر لاکھوں کی تعداد میں وادیٔ کشمیر سے ہجرت ہے۔ اس کے علاوہ پڑھے لکھے اور ترقی پذیر دیہاتی لوگ بھی ایک بھاری تعداد میں شہروں کی جانب آئے جن کی وجہ سے اِن آخر الذکر اضلاع میں نت نئی تعمیرات کا زور ہے۔ اس طرح اب لداخ کو چھوڑ ہر خطے میں کشمیری لوگ نظر آئیں گے اور کشمیری ثقافت کی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

چھاپ بھی پڑتی جارہی ہے۔ اگر کشمیر میں حضرت عبدالرحمان بلبل شاہؒ اور حضرت شاہِ ہمدانؒ کی بدولت اسلام پھیلا اور کشمیر کو ''ایرانِ صغیر'' کا نام دیا گیا۔ وادیٔ چناب میں حضرت شاہ محمد فرید الدین بغدادیؒ کی تشریف آوری کے نتیجے میں کشتواڑ کو بغدادِ ثانی اور ڈوڈہ کو فرید آباد کا نام دیا گیا۔ کشمیر ''پیرواری'' تو جموں صوفی نگری بن گیا۔ چنانچہ گھمٹ کے مقام پر جموں شہر میں صوفی بزرگ حضرت پیر روشن شاہ ولیؒ کی زیارت عالیہ ''نوگزی قبر'' مرجعِ خلائق ہے جنہیں ہندوستان میں آنے والا پہلا صوفی قرار دیا جاتا ہے۔ لوگ بلا لحاظ مذہب و ملت صوفیائے کرام کی والہانہ عقیدت رکھتے ہیں۔ انہیں عربی اور فارسی کے صوفیانہ ادب بالخصوص صوفیانہ شاعری نے متاثر کیا۔ اس براہِ راست اثر نے کشمیری صوفیانہ شاعری کو جنم دیا جو انتہائی گراں قدر عقیدتی سرمایہ ہے۔

کشمیری ادب کی تاریخ میں وادیٔ کشمیر کے مایہ ناز کشمیر صوفی شعراء کی ایک وسیع کہکشاں ضیاء پاشی کررہی ہے اِن شعرائے کرام کے کلام کو گانے کے لئے فنکاروں نے صوفیانہ موسیقی کو بروئے کار لایا جو رفتہ رفتہ ایک جداگانہ طرز اور اسلوب کی شکل میں بہت مقبول ہوئی۔ چنانچہ ابھی تک کشمیری موسیقی کے تین اہم رنگ نمایاں ہیں۔ صوفیانہ موسیقی، کشمیری چھکری اور چلنت۔ صوفیانہ موسیقی کی رفتار انتہائی مدہم ہے جس کو سُنتے سُنتے اکثر ذی ہوش لوگ وجد میں آجاتے ہیں۔ جب کبھی کوئی گلوکار صوفیانہ کلام گاتا ہے تو بیدار دِل رقص کرنے لگتے ہیں۔ مثال کے طور پر شمس فقیر صاحب کے یہ اشعار۔

ہا عشقہٕ ژورو رَشکہٕ گرتھس دیوانہٕ تےٚ	اے عشق کے چور! تُو نے رشک سے مجھے دیوانہ کردیا
پَنُن اُستھ چھکھ ژلاگان بیگانہٕ تےٚ	اپنا ہوکر تو بیگانہ بن رہا ہے۔
بُلبُل گُلن وَنٛ دِنہٕ چھُ نیر لنہٕ تےٚ	بُلبُل پھولوں کو ڈھونڈھنے نکلتا ہے تو
گُل بَرٕ گوھتھ وُچھتہٕ کو تاہ نالانہٕ تےٚ	پھول مرجھا کر دیکھ کتنا نالاں ہے؟
ہا مَتہٕ شمسو وو نُھ عشقُن افسانہٕ تےٚ	اے شمس فقیر تو نے عشق کا افسانہ کہا
عاشق چھُ پانے پانہٕ معشوق سُے پانہٕ تےٚ	عاشق بذات خود معشوق ہے اور وہی سب کچھ ہے

جموں صوبے میں منظرِ عام پر آنے والے شاعروں پر بھی فارسی، عربی اور اُردو صوفی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

شاعری کا اثر کسی نہ کسی رنگ میں ضرور نظر آتا ہے۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ صوفیانہ کلام کا مرکزی خیال وحدتُ الوجود اور وحدت الشہود ہے۔ ہر صاحبِ ایمان قلمکار اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ہر جگہ موجودگی پر یقینِ کامل رکھتا ہے۔ نفس کے خلاف لڑنا جہادِ افضل ہے۔ ایک صحیح اور سچے قلمکار کا یہ فرض بنتا ہے کہ تعمیر معاشرہ اور اصلاحِ باطن کے لئے بھی کچھ نہ کچھ لکھے جس کو پڑھ یا سنا کر وہ خود بھی مسرور ہو جائے اور پڑھنے یا سُننے والوں کو بھی متاثر کر سکے۔ صوبۂ جموں کے کشمیری شاعروں میں اعمٰا عبدالرحیم بانہالی، پیر محی الدین محیؔ کشتواڑی، خواجہ غلام رسول کامگارؔ، غلام رسول نشاطؔ، عبدالغفار احقرؔ، عبدالقدوس رساؔ جاودانی، غلام محمد الفتؔ، غلام قادر بیرواڑی، بشیرؔ بھدرواہی، غلام نبی جانبازؔ، محمد امین شوکتؔ فریدی، مولوی غلام احمد اندرابی، مشتاقؔ فریدی، مرغوبؔ بانہالی، منشورؔ بانہالی، شہباز راجوروی، فدا راجوروی، تحسینؔ جعفری، رند شمس، برج حالی اور بملہ رینہ وغیرہ کے کلام میں صوفیانہ اشعار کی موجودگی قابلِ توجہ ہے۔ ان شعرائے کرام کی نوکِ قلم سے بعض بڑے خوبصورت اشعار نکلے ہیں جن میں گہرا صوفیانہ رنگ جھلکتا ہے۔ اُنہوں نے لطیف پیرائے میں دنیا کی بے ثباتی، لوگوں کی خود غرضی، پیرو مرشد کی بزرگی، خدا کی عظمت اور حضرتِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق و عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ یہ شعر درویش اور صوفی منش لوگوں کے لئے روحانی غذا فراہم کرنے کے اپنی مقبولیت بھی بڑھاتے آئے ہیں۔ ظاہرداروں اور کم علم مذہبی اجارہ داروں کے ساتھ اُن کی لفظی جنگ بھی اپنے اندر ایک مٹھاس اور خوبصورتی پیدا کرتی ہے۔ جموں صوبے کے شاعروں کا لب و لہجہ کشمیر کے صوفی شاعروں سے قدرے مختلف ہے لیکن بنیادی مقاصد اور نظریات میں کوئی خاص اختلاف نہیں ہے۔

اِن شاعروں کا تعارف پیش کرنے کی اس مختصر مقالے میں گنجائش نہیں ہے تاہم اتنا بتایا جا سکتا ہے کہ ان شاعروں کا عہد اُنیسویں صدی عیسوی کی نویں دسویں دہائی میں شروع ہوتا ہے جب اعمٰا بانہالی اور محیؔ کشتواڑی نے منظرِ عام پر آ کر اپنی شاعروں کی شمع فروزاں کر کے شعر گوئی کا آغاز فرمایا۔ اِن دو قدیم شاعروں کا نمونۂ کلام یہ ہے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کلام	ترجمہ
یہِ دُنی یا اکھ مُسافر خانہٕ بوزُن	اِس دنیا کو ایک مسافر خانہ جانو
مُسافر خانہٕ سیٚ مَنٛز کُس چھُ روزُن	مسافر خانے میں کس کو ہمیشہ رہنا ہے۔
اوے دوٚپ سوسنَن برُونٛٹھے رَٹم جاے	اسی لئے سوسن نے کہا میں نے پہلے ہی جگہ بنالی
مزارس مَنٛز رَٹم یمیہ دُنی ہیچ جاے	ہے اور قبرستان میں اس دنیا کی محبت سے قطع تعلق اختیار کی ہے۔
سُمتھ ییٚلہِ عاٰلمو رۆٹ شیخ منصوٗر	جب عالموں نے شیخ منصور سے بازپُرس کی تو
سُہ قصہٕ تاقیامت روٗد مشہوٗر	وہ قصہ قیامت تک مشہور ہوگیا۔
صحی پأٹھی اُسی تِم عاٰلم تہٕ فاضل	ایسا کرنے والے لوگ صحیح عالم اور فاضل تھے
مگر از حالتِ شیخ اُسی غافل	مگر شیخ کی حالت سے غافل تھے۔

مثنوی گلبدن نونہال۔ اعما عبدالرحیم

کلام	ترجمہ
حمد گوناگوں تَس ذات پاکس	اُس ذاتِ پاک (اللہ) کی گوناگوں تعریفیں
علم و عرفان یم دِتِھ خاکس	جس نے مٹی کو علم و عرفان عطا کیا
ظاہر و باطن اوّل تہٕ آخر	ظاہر، باطن، اوّل اور آخر
پانہٕ ساری حاضر وَ ناظر	خود ہی ہر جگہ حاضر اور ناظر
جلوہ گر پانہٕ اَحد نون دراو	احد خود ہی جلوہ گر ہوکر ظاہر ہوا
نورِ احمدؐ کورُن یَتھ ناو	اُس کا نام نورِ احمدؐ رکھا۔

(گلشنِ اسرار۔محی الدین محی)

اعما بانہالی اور محی کشتواڑی کے بعد جو شعرائے کرام دوسرے دور میں اُبھر آئے اُن میں کامگار کشتواڑی، رسا جاودانی، احقر بھدرواہی، نشاط کشتواڑی، جانباز کشتواڑی، قادر بیرواڑی اور بشیر بھدرواہی جیسے نام شامل ہیں۔ان سارے شاعروں کے کلام میں بھی تصوّف

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کے مسائل کو فنکارانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔اس قبیل کی شاعری ظاہری اور معنوی اعتبار سے قابلِ قدر ہے۔چند منتخبہ اشعار حسبِ ذیل ہیں۔

اُس ، اَچھِ ، کَن ، گر ژِی بند پانہٕ	منہ، آنکھیں، کان بند کر
سِرِ حق سینٕے اِدٕ اِظہار	اسرارِ حق پھر ظاہر ہو جائیں گے
پانٕے ڈیشکھ سِرِ عرفانہٕ	خود عرفان کے اسرارِ دیکھو گے
پَرِ مسلمانہٕ اَللہ ہُو	اے مسلمان! اَللہ ھُو پڑھ
ہَر چھِی ہر جا سِرہ کرپانہ	'ہر' ہر جگہ ہے خود اُسے ڈھونڈئے
ہرِ وِزِہ ہر کر در ہر کار	ہر گھڑی ہر کر ہر کام میں
تھلہ، تھلہِ روزَن ہَر چھِی پانہٕ	'ہر' خود جگہ جگہ رہتا ہے یعنی خدا ہر جگہ موجود ہے
پَرِ مسلمانہٕ اللہ ھو	اے مسلمان! اللہ ھو پڑھ
گٹہٕ منزٕہ پانہ، اَسہِ گاش ہاولنہٕ	ہمیں اندھیرے میں خود روشنی دکھا رہا ہے
پرٕزہ ناو پانٕس اے کامگار	اے کامگار! اپنے آپ کو پہچانو
اِدٕہ وَن لُوکن گوڈٕہ کر پانہٕ	لوگوں کو پھر بتا پہلے خود عمل کر
پَرِ مسلمانہٕ اَللہ ھُو	اے مسلمان اللہ ھُو پڑھ

ارمغانِ مدینہ۔کلامِ کامگار کشتواڑی

ہمیشہٕ زندٕ روزَن تم	وہی ہمیشہ زندہ رہیں گے
مرَن چھِی مرنہٕ برٕونٹھی ییم	جو مرنے سے پہلے ہی مرتے ہیں۔
چھِ بُلبُل نالہ زن احقر	احقر! بلبل نالہ زری کر رہا ہے
گُلو تراوٕ بر زمیں سَر	پھولوں نے زمین پر سر رکھ دیئے

(کلامِ احقر بھدرواہی)

شبہٕ اکہِ اَسی تہٕ اُسی پننہٕ نَس حِسابَس	ایک رات ہم بھی اپنے حال میں تھے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اَسہِ ڈیوٹھ جلوا خاۄبس منز	ہم نے خواب میں ایک جلوہ دیکھا
بخت اوس بیدار اَچھ نیندرِ خوابس	قسمت جاگی تھی اور آنکھ نیند میں مست
اَسہِ ڈیوٹھ جلوا خاۄبس منز	ہم نے خواب میں ایک جلوہ دیکھا
نۆرُک تاج اوس برسرِ جنابسؐ	حضرت عالی جنابؐ کے سرِ مقدس پر نور کا تاج تھا۔
لولاک شۆبن تتھ گوہر	لولاک اُس پر موتی کی طرح چمک رہا تھا۔
تتہِ اوس وۄشلن بُتھ اَفتابس	وہاں آفتاب کا چہرہ ماند پڑ رہا تھا۔
پرزلن اوسکھ روئے نور	ہم نے خواب میں ایک جلوہ دیکھا۔
تتہِ گتہِ جاے اُس آبس تتہِ تابس	بے تاب دِل کی حالت ہی عجیب تھی۔
اَسہِ ڈیوٹھ جلوا خاۄبس منز	ہم نے خواب میں ایک جلوہ دیکھا۔

(کُلیاتِ رسا جاودانی۔مرتبہ تنویر ابن رسا)

دِلچ صافی ژے نو چھے وردِ خوانو	اے ورد خوان تمہارے دل میں خلوص نہیں ہے
خُدایس خوش ییا پھسرائے چاۄنی	خدا کو تمہاری سرگوشی کیا پسند آئے گی۔

(کلامِ رسا)

نورِ اُلفت چھم بسِتھ سینس اندر	میرے سینے کے اندر محبت کا نور بسا ہوا ہے۔
شمع چھم روشن مے آینس اندر	میرے آئینے میں شمع روشن ہے۔
اَسہِ بتھ پرٕ ہ مُو اگر عشقنہِ نماز	اگر آپ نے عشق کی نماز پڑھی ہوتی تو
تاج لبہکھ عشقکس دینس اندر	آپ کو عشق کے دین (راہ سلوک) میں تاج مل جاتا۔
مُستجاب گوھہی اگر چونے دعا	اگر آپ کی دعا مستجاب ہوتی۔
نیر ہی مطلب ژیہہ آمینس اندر	تو آمین میں مطلب نکل جاتا۔
چھے اگر ژھارُن سہٕ لبہٕ ہمن اے نشاط	اے نشاط اگر تلاش کرنا ہے تو وہ (خدا)

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

دِل شکستن منز تہٕ مسکینن اندر
ٹوٹے ہوئے دلوں اور مسکینوں میں مل جائے گا۔

(موختہٕ ہار۔نشاط کشتواڑی)

اُکی رام تہٕ اُکی رحمان وۆنُے
کسی نے رام اور کسی نے رحمان کہا

اُکی شام تہٕ اُکی سُبحان وۆنُے
کسی نے شام اور کسی نے سبحان کہا

اُکی اللہ تہٕ اُکی بھگوان وۆنُے
کسی نے اللہ اور کسی نے بھگوان کہا

ناوِچ چھُ فرق مطلب چھُ کُنُے
نام کا فرق ہے مگر مطلب تو ایک ہی ہے

یا یتہٕ مانِن تہٕ یا تتہٕ مانِن
چاہے اِسے یہاں مانو چاہے وہاں مانو

(موختہٕ ہار۔نشاط کشتواڑی)

اُکی وُچھنکھ عشقِ مجازس منز
کسی نے عشق مجاز میں تجھے (خدا کو) دیکھا

اُکی وُچھ نک زُلفِ ایازس منز
کسی نے زلفِ ایاز میں تجھے (خدا کو) دیکھا

جانبازَن وُچھکھ لولہٕ سازس منز
جانباز نے پیار و محبت کے ساز میں تجھے (خدا کو) دیکھا

لیکن چھے حقیقت رازس منز
لیکن حقیقت راز میں پوشیدہ ہے۔

ناوِچ چھے فرق مطلب چھُ کُنُے
نام کا فرق ہے مطلب تو ایک ہی ہے۔

یا یتہٕ مانِن تہٕ یا تتہٕ مانِن
چاہے اسے یہاں مانو اور چاہے وہاں مانو

(پھولونی سنگر۔جانباز کشتواڑی)

بہٕ چھُس چانہٕ حُسنُک طلب گار وارہ
میں آپ (خدا) کے حُسن کا بہت طلبگار رہوں

کران چانہٕ برتَل بہٕ چھُس زارہٕ پارہ
میں آپ کے در پر منت وسماجت کر رہا ہوں

اگر روُد مے ارمان یتہٕ چانہٕ جلوٕک
اگر چہ مجھے یہاں آپ کے دیدار کی حسرت ہی رہی

مگر روزِ محشر گوھم دیدارہ
مگر روزِ محشر مجھے آپ کا دیدار ہوگا

اگر بوزِ ناوے ذرا ساز عشقُن
اگر میں ذرا سا بھی سوزِ عشق بیان کروں

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

مگر لولہٕ سازس لگن تارٕ وارہ	تو میرے پیار و محبت کے ساز کیلئے بہت تار ہونے چاہیئے۔

(پتھ وَن صدا۔ کلامِ قادر بیرواڑی)

لیکھان یُس لا اللہ پنہٕ نِس دِلس منز	جو اپنے دل میں لا اِلٰہ لکھ لیتا ہے
سُے پانٔے محرمِ اسرار سپدان	وہ خود بخود محرمِ اسرار ہو جاتا ہے۔
خلیلنٕ پأٹھی یُس ووٚٹھ لایہِ نارس	حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی طرح جو آگ میں کودتا ہے
مَنٛج تَس آورِنٛز گلزار سپدان	اُس کے دِل کی چِتا گلزار بن جاتی ہے۔
یہِ یَم مامنٕ اتھہٕ چأنی داو اینٛس منز	شاید مجھے آپ کے دھاگے کا کوئی ریشہ ہاتھ لگے،
یئے ڈینٛجہٕ پھیران بہ رۄدس منس منز	اسی لئے میں اپنے من میں ان ہی گولوں کے دھاگے
کرئرس زور دِگ آخری دژے کاوَن	پھرتا رہا۔ میری ہڈیوں کے پنجر کو ایک کوے نے
ہرن رۄدو وٹھ ووٚٹھ کران کتھ وَنس منز	آخری بار نوچا۔ افسوس میرا ہرن نہ جانے کس جنگل میں چوکڑیاں بھرتا رہا۔

(کلام بشیر بھدرواہی)

جہاں صوبہ جموں کے متذکرہ بالا شعراء نے دیگر موضوعات پر طبع آزمائی کرنے کے ساتھ ساتھ صوفیانہ شاعری کے چمنستان میں بھی خوشنما پھول کھلائے وہاں بملہ رینہ، رند شمس بانہالی اور برج حالی نے صرف صوفیانہ اور عقیدتی اشعار کہے ہیں۔ شریمتی بملہ رینہ اننت ناگ (کشمیر) سے جموں آئی ہیں۔ وہ پچھلی کچھ دہائیوں سے مشہور مجذوبہ 'لل دید' کی اقتداء میں "واکھ" کہتی آئی ہیں۔ انہوں نے لل دید کو اپنا شعری اور روحانی گورو مانتے ہوئے "لل میانہِ نظرِ" یا "لل دید میری نظر میں" ایک مستند تحقیقی اور علمی دستاویز شائع کی ہے۔ بملہ رینہ کے کشمیری واکھوں کے دوگراں قدر مجموعے "ریشِ مالئین میون" یا میرا ریشی میکا۔ اور "ویتھ ماچھے شونگتھ" یا "جہلم سویا تو نہیں ہے" کتابی شکل میں منظرِ عام پر آئے جنہیں ادبی حلقوں میں زبردست پذیرائی ہوئی جس کے پیشِ نظر اروند گگو اور پروفیسر امرناتھ دھر نے ان کے انگریزی میں ترجمے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کیے۔ دھر صاحب کو ریاستی کلچرل اکیڈیمی کی جانب سے ایوارڈ سے بھی نوازا گیا تھا۔ ظاہری طور 'واکھ' ہئیت کے اعتبار سے چومصرعی ہونے کی وجہ سے قطعہ اور رباعی سے مشابہت رکھتے ہیں مگر فنی اور معنوی لحاظ سے یہ ایک الگ صنفِ سخن ہے جو اب کئی صدیوں کے بعد بملہ رینہ کے ہاتھوں زندہ ہوگئی۔ یہ واکھ کافی دقیق ہیں ان کو سمجھنے کے لئے عقل کو اچھی طرح دوڑانا پڑتا ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔

نگرِ نگرِ ژھنڈِم وَن ہا	میں نے کئی شہروں اور جنگلوں کو طے کیا
ونہٕ کس سنا وُچھم کیاہ	میں حیراں ہوں کہ کسے کہوں کہ میں نے کیا دیکھا
نبض نبض گرِتھ فناہ	اپنی ہر حرکت کو فنا کیا جائے تو
اڈِ کتھ مناہ کرے زانہہ	پھر اس کو وہ (خدا) کیا منع کرے گا۔

.... ☆ ....

لولہٕ اَمریتھ چَو گلہٕ گلے	پیار کا مرت گھٹ گھٹ کر پی لے
اَڈِ دِل پھولے پمپوش زَن	پھر دِل کا کنول کھِل اُٹھے گا
دِیہٕ باوسوزے ییلہ ہو گلے	جب نفرت ختم ہوجائے گی تو
اَڈِ نو زانہہ ڈلے من	پھر دِل گمراہ نہیں ہوگا۔

(بملہ رینہ کا کلام)

رند شمس بانہالی بھی ایک معتبر شاعر ہیں لیکن برج حالی اور بملہ رینہ کے مقابلے میں اُن کا شعری سرمایہ بہت ہی کم ہے۔ تاہم انہوں نے نامساعد حالات کے اندر صوفیانہ شاعری کی روایت کو برقرار رکھنے کے لئے قابلِ قدر کاوشیں کی ہیں۔ نمونۂ کلام حسب ذیل ہیں۔

لوکہٕ چار روُدم دِتھ ہر نیس ژھاے	میرا بچپن ہرن کی مانند اُچھل کود میں گزر گیا۔
درجوانی ژھالہٕ دِتھ گو لُم پان	جوانی کے دور میں، میں نے خود دنیوی اُچھل کود میں اپنی زندگی ضائع کردی۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

دوہ کس ڈِگرس سفرس نیران	پھر دن کے غروب ہونے پر سفر پر روانہ ہوتا ہوں۔
کرولتہِ منزل کرؤٹھ چھم راہ	میں کب اپنی منزل پر پہنچ سکتا ہوں جبکہ راستہ کٹھن ہے۔

(آبشار۔کلامِ زند شمس بانہالی)

برج حالی وادیٔ کشمیر کے حال گاؤں کے رہنے والے تھے۔ یہ خوبصورت گاؤں پلوامہ اور شوپیان کے درمیان واقع ہے۔ برج حالی ۱۹۹۰ء میں ہجرت کر کے جموں آئے اور ابھی تک اُن کی کئی کتابیں شائع ہوئی ہیں جن میں سے میانٔ آلو، سوزِ جگر میون، کریشونی امار، کلام برج حالی اور اسرار بأتھ صوفیانہ شاعری کے مقتدر مجموعے ہیں۔ ان کے صوفی کلام کے تین کیسٹ بھی بنے ہیں جن کو مشہور گلوکاروں گُلزار گنائی، غفار کانیہ ہاموی اور دیپالی واتل نے گایا ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے ۔

مَنز فرقانس چھس گومُت اوش دار چھم	میں قرآنی رموز میں ڈوب کر زاروقطار رو رہا ہوں
وُچھ ستم کم کم مے کاتیاہ ژٲلکہ یے	دیکھ میں نے کتنے ستم برداشت کیے ہیں۔
کوہِ طوٗرس سوٗر گو اَمہِ نظرِ ستہ	اللہ کی ایک ہی نظر سے کوہِ طور جل کر راکھ ہو گیا
عشقہِ نارن کُتی عاشق زٲلی یے	اس آگ نے کتنے ہی عاشقوں کو بھسم کر ڈالا ہے۔
ذکرِ ہنز یے فکرِ روٗزم راتھ دوہ	مجھے دن رات ذِکر الٰہی کی فکر رہی۔
وُچھ حقیقتھ چھے وَنان برج حالی یے	دیکھ برج حالی حقیقت بیان کر رہا ہے۔

(کلامِ برج حالی)

اُن دیگر شعراء حضرات کی خدمات کا تذکرہ کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جن کے بارے میں اس مقالے میں وضاحت سے بات نہ ہونے پائی۔ ایسے ذی عزت شاعروں میں پروفیسر مرغوب بانہالی، غلام محمد الفت کشتواڑی، شوکت فریدی، مشتاق فریدی، وفا بھدرواہی، منشور بانہالی، مولوی غلام احمد اندرابی، طالب حسین رند بھدرواہی، شاہباز راجوروی، عبدالرشید

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

فدا راجوروی وغیرہ کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ان سارے شعراء کے کلام میں صوفیانہ رنگ کے شعر موجود ہیں۔میں صوبہ جموں کے اُن بزرگوں،نوجوانوں اور عزیزوں پر کافی نازاں ہوں جو ناسازگار ادبی ماحول میں بھی قابلِ قدر کام کر رہے ہیں۔میں منشور بانہالی کے اِس شعر کے ساتھ اپنے اس مقالے کو ختم کرتا ہوں۔

پَنُو منشورِہ پھلواہ کرِ وُچھ دَورِ دُنیا
یِہ سوُروی شورِ غوغا یہ چھے خابا خیالی

(ترجمہ: اے منشور! کہیں دنیا کی یہ مادی آرائش تمہیں فریفتہ نہ کر بیٹھے۔یہ ظاہری چمک دمک ایک خواب وخیال کے سوا کچھ بھی نہیں ہے جبکہ حقیقتِ ازلی کچھ اور ہی شے ہے۔)

............●●●............

ملک کے
نامور علمی اور ادبی اداروں کی کتابوں کے ساتھ ساتھ
اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز کی مطبوعات خریدنے
کے لئے تشریف لائیں

کتاب گھر

مولانا آزاد روڑ،سرینگر کشمیر
کنال روڑ،جموں
فورٹ روڑ،لیہہ لداخ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

● ...... محمد نذیر فدا

ہماری عدلیہ۔ ماضی کے آئینے میں

آج سے تقریباً 8 سال قبل جموں و کشمیر ہائی کورٹ نے اپنے پچھتر سالہ وجود کا جشن ۲۹ / جون ۲۰۰۶ء کو نہایت تزک و احتشام کے ساتھ منایا۔ اس جشن کی ایک اہم بات یہ بھی تھی کہ ہائی کورٹ کا Museum بنانے کے لئے راقم کو نامزد کیا گیا۔ کافی محنت و مشقت کے بعد ایک میوزیم تیار کیا گیا جس میں تاریخی اہمیت کی پرانی دستاویزات اور پرانے مقدمہ جات کی کئی فائلوں جو ہاتھ سے تیار کئے گئے کاغذ پر لکھی گئی ہیں، نمائش کے لئے رکھا گیا اور اس میوزیم کا باضابطہ افتتاح ۳۰ / جون ۲۰۰۶ء کو اس وقت کے چیف جسٹس آف انڈیا وائی۔ کے۔ سبروال نے کیا۔

سری نگر اور جموں کے ریکارڈ روم کے چیتھڑوں سے اپنے تاریخی دستاویزات برآمد ہوئے جو یہاں کی سماجی، اقتصادی اور سیاسی حادثات کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان دستاویزات کے تحفظ کا معاملہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ ان میں مظفر آباد، گلگت ہنزہ اور تبت کا ریکارڈ بھی موجود ہے۔ سرینگر کی عدلیہ کے محافظ خانہ میں اس وقت بھی کشمیر کے اُس پار کا ریکارڈ من و عن موجود ہے لیکن کم توجہی اور جگہ کی تنگی کے سبب اکثر ریکارڈ خراب ہو چکا ہے۔

راقم نے اس وقت کے چیف جسٹس کو اس معاملے کی نسبت آگاہی دی تھی لیکن سب کچھ صدا بہ صحرا ثابت ہوا۔ اکثر ریکارڈ کسمپرسی کی حالت میں اس وقت بھی دھول چاٹ رہا ہے۔

میوزم میں رکھے گئے مخطوطات اور ریکارڈ کو دیکھ کر ہمیں اپنے شاندار ماضی کی یاد آتی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہے۔ ہمارے اسلاف کئی معاملوں میں ہم سے بہت آگے تھے۔ حالانکہ اس وقت computer لیپ ٹاپ laptop یا ٹائپ رائٹر موجود نہ تھے لیکن اس کے باوجود ان میں work culture کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور عوام الناس کو کم سے کم وقت میں انصاف فراہم کرنا ان کا معمول تھا۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ سال ۱۸۸۱ء میں چیف جج رائے بہادر رادھا کرشن کول جلالی نے ایک مقدمہ بہ عنوان ہنومان داس بنامِ اچیتا چیتن (Acheeta chetan) کو صرف دو دن کے قلیل عرصے میں حل کر یا۔ کیا ایسا آج کے اس دور میں ممکن ہے؟

ہائی کورٹ کے اس میوزیم میں یہاں کے ہائی کورٹ کے معرضِ وجود میں آنے کی نسبت چند اہم دستاویزات کی نمائش ہوئی، جس میں مہاراجہ ہری سنگھ کے وہ احکامات اصل متن میں موجود ہیں جن کی رُو سے ۲۶ر مارچ ۱۹۲۸ء کو ریاستی ہائی کورٹ کا قیام عمل میں لایا گیا اور ہائی کورٹ کا پہلا بینچ لالہ کنور سین چیف جسٹس، رائے بہادر لالہ بودھراج ساہنی اور خان صاحب آغا سید حسین بطور جج صاحبان تشکیل دیئے گئے۔

ہماری ریاست کے عدالتی ڈھانچے کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا دور جو Ancient period کہلاتا ہے۔ بادشاہ یعنی حکمران پرادِوا کا (Pradvivaka) اور دھرم ادکارنا (Dharamachikarna) کے ذریعے اپنی رعایا کو انصاف بہم کرتا تھا لیکن دوسرے دور جو سلاطین کا دور کہلاتا ہے۔ اس میں شیخ الاسلام قاضی القضاۃ اور قاضی کو زبردست اہمیت حاصل تھی جو لوگوں میں حصولِ انصاف کا ذریعہ تھے۔ جن کی معاونت کے بغیر انصاف فراہم کرنا ممکن نہ تھا۔ سلاطینی دور کا ایک بیع نامہ ۱۸۳۴ء میں تحریر کیا گیا ہے جس پر قاضی القضاۃ کی مہر ثبت ہے، یہ دستاویز فارسی زبان میں تحریر کیا گیا ہے۔ یہ بیع نامہ کسی وار، جمہ وار بحق گوپال پنڈت وواسدیو پنڈت ساکنانِ اسلام آباد قاضی القضا کے ذریعہ رجسٹر شدہ ہے اور جس کا زرِ بدل بیع ۱۵ روپیہ ہے۔ اسی طرح ایک اور بیع نامہ کی دریافت بھی نہایت دلچسپ ہے یہ بیع نامہ ۱۲۴۴ء میں مرزا حبیب اللہ خان بحق مرزا محمد خان ولد محمد اکبر خان درج ہے جس پر قاضی وقت کی مہر ثبت ہے اور یہ مہر ہے:

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

قاضی شرع اکمل

قاضی ملا محمد افضل

۱۸ر مارچ ۱۸۴۶ء کو مہاراجہ گلاب سنگھ ریاست کے مہاراجہ بنے جب انہوں نے ساری ریاست انگریزوں سے خریدی جو کہ بیع نامہ امرتسر سے مشہور ہے لیکن ان کے جانشین مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دور میں عدلیہ کا باضابطہ انعقاد ہوا گو پوری طرح نہیں۔ انہوں نے پہلی بار ۱۸۵۷ء میں دیوان شنکر کو بطورِ چیف جج مقرر کیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ قانون فوج داری Penal Law یعنی رنبیر ڈنڈ بہی کو رائج کیا جو آج کل ہماری ریاست میں Ranbir Penal Code کی شکل میں نافذ العمل ہے۔ گویا مہاراجوں کے دور میں وہ عدلیہ کے پہلے راہ رو ہیں جنہوں نے عدلیہ کے ارتقاء میں اپنا رول ادا کیا۔ ہمارے ہائی کورٹ میوزیم کی ایک اہم دریافت ''رنبیر ڈنڈ بہی'' 1857ء کا وہ قدیم نسخہ ہے جس کو ہاتھ سے بنے ہوئے کاغذ پر مقامی سیاہی سے تحریر کیا گیا ہے۔ ان کے انتقال کے بعد مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے دورِ حکومت میں Board of Judicial Advisors کو مقرر کیا گیا جو عدالتوں میں فوجداری اور دیوانی معاملات کی نسبت ہدایات جاری کرتے تھے۔ یاد رہے کہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو سلطنتِ انگلشیہ کے ساتھ حالات کشیدہ تھے کیوں کہ انگریزوں نے ان پر الزام لگایا کہ وہ سلطنتِ انگلشیہ کے خلاف سازش میں ملوث ہیں۔ لہٰذا اختیارات میں کمی کی گئی اور Resident Courts ان کی مرضی اور منشاء کے خلافہ قائم کئے گئے۔ اس طرح سے یہاں Resident Commissioner سلطنتِ انگلشیہ کی طرف سے نافذ کیا جاتا جو British Subject کے مقدمات کی ازخود شنوائی کرتے تھے۔ عام عدالتوں کا دائرہ British Subjects پر حاوی نہ تھا لیکن یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے دورِ حکومت میں نہ صرف عدلیہ کی طرف توجہ دی گئی بلکہ باضابطہ طور قوانین کو نافذ العمل بنایا گیا۔ انہی کے دورِ حکومت میں جموں اور کشمیر کے لئے علاحدہ سیشن جج مقرر ہوگئے۔ جبکہ ۱۹۰۴ء تک ریاست میں جوڈیشل افسران کی کل تعداد صرف گیارہ تھی جس میں مظفر آباد کے لئے ایک سب جج اور میر پور کے لئے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

سب جج درجہ دوم شامل تھا۔واضح رہے کہ سیشن جج قلم رو کشمیر مظفر آباد میں بھی اجلاس طلب کرتے تھے۔

میوزیم کے لئے تحقیق و تجسس کے دوران ایک اور پرانے مقدمے کی فائل جو کہ ۱۸۶۰ء میں بازیافت ہوئی۔اس میں چیف جج دیوان شنکر داس نے فارسی زبان میں اپنا فیصلہ صادر کیا ہے۔ایک اور حیران کن بات یہ ہے کہ سردار نبیر سنگھ چیف جج نے ۱۸۶۰ء میں ہی ایک اور مقدمے بہ عنوان ممات سندری زوجہ چندرہ پنڈت ساکنہ بھانہ محلّہ بنام نبر کم خاب ساز ساکنہ بھانہ محلّہ جو کہ اراضی اور دکانات کے نسبت مدعیہ نے دائر کیا تھا۔چار ماہ کے قلیل عرصے کے دوران نپٹایا گیا جو کہ عدلیہ کی شاندار ماضی کی عکاسی کرتا ہے۔یہ پرانا ریکارڈ کتنا دلچسپ ہے اس کا تذکرہ ایک مقدمہ بہ عنوان لالہ امر چند بنام صدیق ڈار ولد نادر ڈار ساکنہ زینہ کدل کے حوالہ سے یہاں پر ضروری کرنا سمجھتا ہوں۔یہ مقدمہ سال ۱۸۸۰ء میں دائر ہوا ہے، جس میں فارسی میں تنقیحات اخذ کی گئی ہیں۔قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے چندت تنقیحات نقل کی جاتی ہیں:۔

دریں مقدمہ اسورات ذیل بہ تنقیع طلب اند

۱۔ زمین و عملہ متنازعہ ملکیتی پدر مدعا علیہا است یا کہ موروثی ہر چپا برادراں؟

ذمہ فریقین

۲۔ رمضان و اسماعیل کدامی حق در مکانات سابقہ تیار شدہ بہ کدامی صورت حاصل است یا نہ؟

ذمہ مدعی

۳۔ کاروبار و رہائش رمضان و اسماعیل ڈار مدعا لیہاں مشترک بہ ذریعہ وراثت بود یا چگونہ؟ اگر داشتند بہ کدام وقت تا کدام وقت رہائش بطور استحقاق وراثت بودہ یا عارتیاً بقول مدعا علیہاں یا شراکت مختلف شد یا حسب تقسیم یا چگونہ؟

جزءاول ذمہ مدعی جزءدوم ذمہ مدعا علیہاں۔

یہ تنقیحات ڈاکٹر سورج بل چیف جج نے اخذ کی ہیں جن کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ جج

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

موصوف کو فارسی زبان پر زبردست دسترس حاصل تھی۔ اسی طرح ایک اور جج منشی کریم الدین نے ۱۸۸۰ء میں ایک اور مقدمے میں اپنا ایک فیصلہ فارسی زبان میں دیا ہے۔ جو کہ ہائی کورٹ Museum میں موجود ہے۔ ایک اور مقدمہ متدائرہ ۱۸۸۰ء کی ایک مثل دستیاب ہوئی بعد ملاحظہ پتہ چلا کہ اس میں ایک گواہ دیارام نے فارسی میں اپنا بیان قلمبند کروایا ہے لیکن اپنے بیان کے اختتام پر سنسکرت زبان میں کچھ عبارت تحریر کی ہے۔ سنسکرت زبان کے ایک ماہر نے عبارت کو پڑھ کر اخذ کیا کہ اس ۔۔۔ میں کریا کرم کرنے کے لئے ایک لڑکے کو گود لینے کا تذکرہ موجود ہے الغرض یہ کہ میوزیم میں رکھے گئے مخطوطات کو پڑھ کر عندیہ ملتا ہے کہ اس زمانے میں فارسی کو سرکاری زبان ہونے کے علاوہ زبانِ عدالت کا بھی شرف حاصل تھا۔

علاوہ ازیں مہاراجہ رنبیر سنگھ ۱۸۵۷ء کے دور کا جوڈیشل اسٹام بھی برآمد ہوا جس میں علاقہ ہائے تبت بھی ہماری ریاست میں شامل تھے۔ دوسری اہم بات سامنے یہ آئی کہ رجسٹرار کی عدالت سے بیع نامہ تصدیق ہونے کے بعد مہاراجہ دستاویزات بیع نامہ جات کی ازخود رجسٹری کرنے بعد ہی تحت قانون اس کو پذیرائی حاصل ہوتی تھی۔ مہاراجہ بیع نامہ جات پر ہی ہر ''درج کی تا'' اپنے دستخط کے ساتھ ثبت کرتے تھے۔ Museum میں ایسے ہی دستاویزات رکھے گئے ہیں جن کی تصدیق مہاراجہ نے ازخود کی ہے۔

پرانے مقدمات کی ورق گردانی کے دوران معلوم ہوا کہ چودھری خوشی محمد ناظر نے بطور حاکم، شہر کی مساجد، خانقاہوں اور آستانوں کی تقسیم بہ عمل لائی اور ایک حکم نامے کے تحت میر واعظ احمد اللہ ہمدانی کی جامع مسجد سری نگر میں وعظ خوانی سے احتراز کرنے کی ہدایت ہوئی تاکہ شہر میں کسی قسم کا فساد نہ ہو۔ اس حکم نامے کے خلاف میر واعظ ہمدانی صاحب نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں ۱۹۲۹ء میں ایک اپیل دائر کی لیکن ان کو اس میں کامیابی حاصل نہ ہوسکی اور وعظ خوانی کے لئے ان کی بابت جامع مسجد کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا۔ اسی طرح ایک اور مقدمہ بہ عنوان صمد وانی افسر محلہ خواجہ پورہ نوشہرہ بنام احمد للہ ہمدانی دائر کر دیا کہ موصوف زیارت خواجہ حبیب اللہ نوشہری میں وعظ خوانی نہ کرے جب کہ یہ زیارت بھی میر واعظ خاندان

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کے حصے میں آئی ہے اور اس طرح میر واعظ احمد اللہ ہمدانی بھی اس زیارت میں وعظ خوانی نہ کرنے پائے لیکن اس فیصلے کے خلاف میر واعظ ہمدانی مرحوم نے کوئی اپیل دائر نہ کی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

راقم کو Museum اور عدلیہ کے محافظ خانوں میں دستیاب مواد سے درج ذیل حقائق سامنے آگئے:

(۱) ۱۸۵۷ء میں مہاراجہ رنبیر سنگھ نے دیوان شنکرداس کو کشمیر کا پہلا چیف جج مقرر کیا۔

(۲) ۱۸۸۸ء میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے ہر مہینے کہ ۱۵ اور ۲۹ تاریخ عدالتوں میں تعطیل کا اعلان کیا جب کہ سال ۱۸۸۹ء میں اتوار کو عدالتوں اور سرکاری دفاتر میں بطور تعطیل تسلیم کرنے کا باضابطہ فرمان جاری کیا۔

(۳) ۱۸۸۶ء میں پنڈت بھاگ رام جوڈیشل ممبر بنائے گئے جنہوں نے عدالتوں کے کام کاج میں انقلابی نوعیت کی اصلاحات روبہ عمل لائیں۔

(۴) ۱۸۵۷ء سے ۱۹۰۷ء تک درج ذیل افراد بطور چیف جج یا مہتمم عدالت مقرر ہوئے۔ دیوان شنکرداس، سردار رنبیر سنگھ، ڈاکٹر سورج بل، شیخ امام الدین، بابو ریشی بل مکرجی، منشی حوالا سنگھ، منشی کریم الدین، مولوی عزیز الدین، رادھا کرشن کول جلالی، پنڈت رام نرائن، پنڈت مادھو لعل دھر، پنڈت منوھر ناتھ رینہ، پنڈت میں موہن لنگر اور خان بہادر مولوی نذیر احمد۔

(۵) کشمیر کے آخری چیف جج خان بہادر مولوی نذیر احمد تھے اور جب کہ کشمیر کے پہلے سیشن جج قلمرو کشمیر لالہ شوداس تھے۔

(۶) ہائی کورٹ معرضِ وجود میں آنے سے قبل سزائے موت اور سزائے عمر قید کی توثیق خود مہاراجہ کرتے تھے۔ ایسی امثلات بھی Museum میں رکھی گئی ہیں جن میں سزائے موت کی توثیق مہاراجہ نے خود کی ہے۔

(۷) ہائی کورٹ معرضِ وجود میں آنے سے قبل ایک عہدہ جج ہائی کورٹ ہوا کرتا تھا جو محکمۂ مال کی نگرانی کے علاوہ عدالتوں کے کام کاج کی بھی نگرانی کرتا تھا اور وہ مہاراجہ کی حکومت

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

میں وزیر کا درجہ رکھتا تھا۔

(۸) مہاراجہ رنبیر سنگھ نے اپنے دورِ حکومت میں تین شعبے یعنی محکمہء مال، محکمہ امور عامہ اور محکمہ دفاع قائم کر کے پہلی بار ان کے لئے تین وزیر مقرر کیئے جو ان محکموں کی نگرانی کرتے تھے۔

(۹) ۱۹۰۷ء میں پہلی بار ریاست کی عدالتوں میں اردو بطور زبان عدالتوں میں تسلیم کی گئی جب کہ اس کی سفارش اُس وقت کے ''جج ہائی کورٹ'' مولوی محمد حسین عارف نے ایک خطہ بنام من موہن کول گورنر محررہ ۹ را پریل ۱۹۰۷ء کے ذریع کی اور جس کو مہاراجہ نے منظوری دی۔ واضح رہے کہ مولوی محمد حسین عارف اردو کے مشاق اہل قلم اور محمد حسین آزاد کے شاگرد تھے۔ پیرزادہ عارف مرحوم نے ۱۹۰۰ء میں مولانا روم کی سو حکایات کا ترجمہ اسی کی بحر میں کیا جس پر علامہ اقبالؒ نے چھ عدد قطعات تاریخ لکھے۔ چار اردو میں اور دو فارسی میں۔ اردو زبان میں انہوں نے قانون کے حوالے سے کئی اصول قانون رسالہ اقسام اراضی وطریقہ ہائے مال گزاری اور علم اصول قانون جیسی کتابیں تصنیف کی۔ علاوہ ازیں انہوں نے دیوانی اور فوجداری ہدایات وضع کر دیئے جو کہ Museum میں موجود ہیں۔ تشریحات قوانین انگلستان بھی ان ہی کی تصنیف ہے۔ ریاست کے ''جج ہائی کورٹ'' ہونے تک وہ ۱۸۹۰ء سے ۱۹۰۶ء تک صوبہ پنجاب میں بطور ڈسٹرکٹ اینڈ سیشنز جج خدمات انجام دیتے رہے۔ ۳۰ / مارچ ۱۹۲۸ء کو انتقال فرمایا اور طبیہ کالج دہلی میں مدفون ہیں۔

(۱۰) ڈاکٹر اقبال جون ۱۹۲۱ء میں سری نگر تشریف لائے اور مقدمہ سرکار بنام رحمان راہ میں بطور وکیل۔ لالہ شوداس سیشن جج قلم رو کشمیر کے روبرو پیش ہوئے۔ اسی طرح ایک اور مقدمہ بہ عنوان پنچایت کشمیر بینگ بنام سیٹھ محمد بخش میں مدعا علیہ کی جانب پیش ہوئے اور مقدمہ کی پیروی کی۔

سری نگر کے محافظ خانہ عدلیہ میں ایک اور مقدمہ کی مثل ملی۔ احناف نے اہلِ حدیث یعنی غیر مقلدوں کے خلاف دائر کیا تھا۔ اس مقدمہ کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں برصغیر کے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

مشہور سلفی علماء مولوی محمد ابراہیم سیال کوٹی۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا انور شوپیانی کے بیانات قلم بند کئے چکے ہیں۔اس کے علاوہ ایک اور اپیل بہ عنوان عبدالعزیز ولد عبدالصمد ساکنہ مغل بند پورہ۔ محمد رمضان ولد محمد نظام ساکنہ بلبل لنکر سری نگر مدعا علیاں از جانب خود (اہلِ حدیث) بہ وکالت مولوی عبداللہ صاحب بنام مولوی شریف الدین ولد عزیز الدین۔ مولوی امان اور ولد مولوی انورالدین۔ مولوی محمد یوسف ولد مولوی صدرالدین۔ قوام الدین ولد شریف الدین ساکنہ وازہ پورہ سری نگر مولوی خیاء الدین ولد مولوی صدرالدین ساکنہ فتح کدل، مولوی نور الدین والد علاؤ الدین، صدرالدین۔ محی الدین پسران علی شاہ ساکنہ جامع مسجد عا علیہم بہ وکالت منشی اسداللہ ایڈوکیٹ منفصلہ ۹ر مارچ ۱۸۸۵ء ملاحظہ ہو آغا سید حسین جج ہائی کورٹ آف جوڈیشل کی اردو زبان میں مرتب کی گئی پرچہ ڈگری۔

"مدعیاں کو نماز جماعت بامدعا علیہم ادا کرنے کا استحقاق ہوگا کوئی شخص ایسی حرکت نہ کرے گا جس سے کسی نمازی کو رنج یا خلل واقع ہو۔ مدعا علیہم کو مدعیاں کے قدیمی معمولی آمین بالجہر ورفع الیدین پر اعتراض نہ ہوگا۔"

............●●●............

جموں، کشمیر اور لداخ سے متعلق اہم معلومات کا نادر خزانہ

(۱۰ جلدوں پر مشتمل)

شیرازہ اردو

جموں۔ کشمیر۔لداخ نمبر

"قدیم تذکروں اور سفر ناموں کے آئینہ میں"

کتاب گھر، لال منڈی سرینگر پر دستیاب ہے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

● ......اصل: فدا محمد خان حسنین

● ...... ترجمہ: محمد اقبال لون

شوجی در اور عشرت کشمیری کی تاریخِ کشتواڑ

اگر چہ ریاست کے مختلف خطوں کے بارے میں مختلف کی کتابیں لکھی گئیں ہیں لیکن ریاست کے خطۂ لداخ کے بارے میں گنی چُنی کتابیں ہی موجود ہیں ۔ جہاں تک کشتواڑ کی تواریخ کا تعلق ہے اِس سلسلے میں دو مخطوطات میں ''تاریخ کشتواڑ انجم الدین اور پنڈت شوجی در کی رقم کی گئی کتاب ''تاریخ کشتواڑ'' موجود ہیں۔اس کے علاوہ ایک قلمی نسخہ ہے جو پنڈت دینا ناتھ جی نے لکھا ہے۔اِن مخطوطات میں ریسرچ ڈیپارٹمنٹ جے اینڈ کے نے شیو جی در کا تحریر کردہ قلمی نسخہ ۱۹۶۲ء میں زیورِ طباعت سے آراستہ کیا ہے۔اِس کے علاوہ حشمت اللہ خان نے تاریخِ جموں میں کشتواڑ کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔انگریزی سیاح ہچی سن نے کشتواڑ کی تواریخ مرتّب کی ہے جو بہت ہی مختصر ہے۔اِس کے علاوہ ہمارے پیشِ نظر عشرت کاشمیری کی تاریخ کشتواڑ ہے جو ۱۹۷۳ء میں چھاپ ہوئی ہے۔

کشتواڑ کی خوبصورت وادی ریاست کا ایک خطہ ہے۔کشتواڑ ایک خود مختار مملکت تھی جو اُنیسویں صدی تک قائم رہی۔کشمیر کے ہمسائیگی میں ہونے کی وجہ سے اِس خطے نے کشمیر کی سیاست پر اپنے مرتب کئے۔کشتواڑ کی زبان قدیم کشمیری ہے۔وہاں کے لوگ اصل میں وہ قبیلے ہیں جو یہاں سے ہجرت کر کے کشتواڑ رہنے گئے۔کشمیر کی طرح کشتواڑ بھی کو فروغ دینے کی روایات کا سر چشمہ رہا ہے۔یہ بات باعثِ فخر ہے کہ ریشی سلسلے کے علمبر دار حضرت شیخ نورالدین ریشی کے آباء واجداد کشتواڑ سے کشمیر آئے اور کشمیریوں کو اپنے روحانی اقدار سے متاثر کیا۔مغلوں کی جارحیت کے خلاف کشمیریوں کی جنگ میں کشتواڑ نے اہم رول اَدا کیا۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

زیرِ نظر مضمون میں صرف دو تواریخوں پر تبصرہ کیا جائے گا۔ پہلی تاریخ ''تاریخِ کشتواڑ'' ہے جو پنڈت شِو جی در نے لکھی ہے۔ وہ مہانند جو در کا دوسرا بیٹا تھا جو گزشتہ صدی کی پہلی نصف میں پیدا ہوا اور ۱۹۲۵ء میں طویل عمر گزار کے انتقال کر گیا۔

وہ اُردو اور فارسی کا عالم اور پیشے کے اعتبار سے ایک سرکاری ملازم تھا۔ ملازمت کے آخری حصے میں وہ کشتواڑ میں محکمۂ مال کا اعلیٰ افسر رہا اور وزیرِ وزارت بھی۔ اسی دوران اُس کو کشتواڑ کی تواریخ سے گہری دلچسپی ہوئی۔ اُس نے معلومات اکٹھا کیں اور تواریخ مرتب کر ڈالی جس میں سیاسی حالات کے علاوہ سماجی حالات پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے۔ یہ تواریخ اچانک اختتام پذیر پہنچ جانے سے ظاہر ہے کہ پنڈت شو جی در اس کو باضابطہ طور مکمل نہیں کر پایا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بعد کے مؤرخین اور محققین جیسے حشمت اللہ خان، ہچی سن اور راقم الحروف بھی شِو جی در کی تواریخ سے کافی استفادہ کیا۔

جیسا کہ میں نے ابتداء ہی میں کہا کہ پنڈت شِو جی در نے تواریخی حالات کے علاوہ بہت سی ایسی نادر معلومات اکٹھا کی ہیں جو سماجی اور تمدنی اعتبار سے بہت ہی اہم ہیں۔ چنانچہ وہ اس سلسلے میں رقمطراز ہے۔

کشتواڑ میں پرگنوں کی بنیاد لسانی بنیادوں میں اُن کی ترتیب یوں ہے۔ ۱۔ پرگنۂ کشتواڑ ۲۔ پرگنۂ ناگ سِنہ ۳۔ پرگنہ جس کا ریعنی زانسکار ۴۔ پرگنۂ مڑواہ واڑون ۵۔ پرگنۂ پاڈر ۶۔ پرگنہ دچھن ۷۔ پرگنۂ اوڈبل ۸۔ پرگنۂ کونتواڑ ۹۔ پرگنہ چھاترو ۱۰۔ پرگنۂ شرتھل۔

پرگنوں کی تفصیل فراہم کرنے کے بعد جو معلومات مصنف نے بہم کی ہیں اُن کا تعلق حیوانات اور چوپایوں کی ذاتوں سے ہے۔ کشتواڑ میں مقیم قبیلوں کے متعلق معلومات بہت ہی اہم ہیں۔ لکھتا ہے کہ کشتواڑ میں اِس میں یہ اقوام آباد ہیں۔ ۱۔ ٹھکر ۲۔ برہمناں ۳۔ مسلمان ۴۔ مہاجن ۵۔ میگان۔

پیداوار کے متعلق لکھتا ہے کہ کشتواڑ میں یہ فصلیں اُگائی جاتی ہیں۔ مونگ، گیہوں،

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

جَو، دالیں، مکی اور زعفران۔ پنڈت شِو جی نے چشموں کا ذکر بھی کیا ہے جن میں ۱۔ گودراجہ ناگ ۲۔ ہاوری ناگ ۳۔ سمہار ناگ ۴۔ تیل موچھی ناگ ۵۔ ارچی ناگ ۶۔ کنڈالی ناگ ۷۔ مرین یار ناگ ۸۔ ڈامر ناگ ۹۔ سنگرام ناتھ ناگ ۱۰۔ سرکوٹ ناگ اور ۱۱۔ زوجی ناگ۔ اِس کے علاوہ میلوں اور تہواروں کی تشریح بھی اُنہوں کی ہے جسے کشتواڑی زبان میں ''جاترا'' کہا جاتا ہے۔

اِس کے بعد کشتواڑ کے شاہی خاندانوں کا ذکر ہے جو راجہ کاہن پال سے شروع ہو کر راجہ محمد سنگھ تیغ تک اختتام کو پہنچتا ہے جو ۱۸۲۰ء میں اِس دُنیا سے رخصت ہوتا ہے۔ اُس زمانے میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنے ایک اہلِ کار گلاب سنگھ کو جاگیر کے طور جموں بخش دیا اور راجہ کا خطاب بھی عنایت کیا۔ اس کے بعد گلاب سنگھ نے راجہ محمد تیغ سنگھ کے وزیر لکھپت کے ساتھ ساز باز کر کے کشتواڑ پر قبضہ کیا اور اس طرح کشتواڑ جموں جاگیر کا ایک حصہ بن گیا جو راجہ گلاب سنگھ کو بخش دیا گیا تھا۔ کشتواڑ پر قبضہ کرنے کے بعد گلاب سنگھ کے دِل میں یہ خواہش پیدا ہوگئی کہ وہ کشمیر پر بھی قبضہ کرے۔ جس طرح میں نے پہلے ہی کہا ہے کہ پنڈت شِو جی در کی تواریخ اچانک اختتام پذیر ہو جاتی ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شِو جی در اِس تواریخ کو مکمل نہیں کر پایا ہے جس وجہ سے اِس میں تفصیلات کی کمی پائی جاتی ہے۔ تواریخ کی صنف میں ہم اِسے کشتواڑ کی تواریخ کا خلاصہ کہہ سکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ مصنف نے یہ تواریخ لکھنے کے لئے خاکہ تیار کیا ہو جو مصنف کی بے وقت موت کے بعد ادھورا رہا ہو لیکن ہم اِس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ پنڈت شِو جی در نے واقعات ایمانداری کے ساتھ بیان کئے ہیں اور تاریخی حالات کے علاوہ تمدنی اور سماجی زندگی پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ کشتواڑ کی تواریخ بیان کرنے کی بابت شِو جی در لکھتا ہے۔

جب میں پنڈت شِو جی در ولد مہانند پنڈت ولد گنیش پنڈت در، بسکین کشمیر، سرکار بلند اقبال کی طرف سے ۱۹۳۸ء بکرمی میں کشتواڑ اور بھدرواہ کا وزیر مقرر کیا گیا، مجھ پر اس علاقے کی تواریخ لکھنے کا جیسے فرض عائد ہوگیا۔ اِسی وجہ سے میں نے اِس علاقے کے متعلق

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

معلومات رکھنے والوں سے معلومات اکھٹی کرنی شروع کی کیوں کہ اِس علاقے میں تحریری روایات عنقا ہیں اور زبانی روایات میں بھی کوئی تواتر نہیں۔

شنیدم چوں احوال ایں سرزمین
یقینم بخوبی نہ شُد دل نشین
پئے فکر تاریخ روز و شباہ
فکر دم بہک لحظہ آرامِ جاں

عیاں ہے کہ لکھنے والے نے بہت ہی محنت سے معلومات حاصل کرکے تواریخ ترتیب دی ہے اور جہاں تک ممکن ہوسکا ہے اُس نے معتبر روایات پر انحصار کیا ہے۔ تاہم یہ کہنا درست ہے کہ تواریخ صرف روایات پر ہی انحصار نہیں کرسکتی۔ اس کو دیگر شہادتیں بھی کسوٹی پر رکھنا پڑتی ہیں۔ لکھنے والے نے بزرگوں اور عالموں سے معلومات اکٹھی کرکے کشتواڑ تاریخ مرتب کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کہیں کہیں داستانوں پر تکیہ کیا گیا ہے۔ چوں کہ علم برہمن طبقے کے بارے میں مخصوص تھا اِسی وجہ سے کہیں کہیں اِس میں اِس طبقے کے بارے میں کچھ زیادہ ہی درج کیا گیا ہے۔ اِسی طرح راجہ کاہن پال، بکرماجیت کی اولاد ظاہر کرکے اُس کا سلسلہ سورج ونشی خاندان سے ملایا گیا ہے۔ زیرِ تذکرہ تواریخ کے ابتدائی اَوراق اِن ہی داستانوں پر تکیہ کئے ہیں جن کا اصل تاریخ سے کوئی واسطہ نہیں۔

چوں کہ آٹھویں صدی عیسوی تک دِلی بطور دارلحکومت وجود میں نہیں آئی تھی اور مالوہ میں اُجین ہندوستان کا مرکز تصور کیا جاتا تھا۔ اِسی وجہ سے روایات کی بنیادوں پر کشتواڑ کے راجہ کاہن پال کا اُجن کے ساتھ رشتہ دکھایا گیا ہے اور اس کے بعد اس کے سلسلہ بنگال کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ دوسری کمی جو اِس تواریخ میں دیکھنے کو ملتی ہے وہ یہ ہے کہ کسی بھی راجہ کا تخت نشین یا اُس کے انتقال کا سنہ درج نہیں کیا گیا ہے۔ صرف مغل دور کے بعض فرامین تاریخوں کے ساتھ درج کئے گئے ہیں۔ اِن کمزوریوں کے باوجود شوجی در کا تاریخِ کشتواڑ بطور ماخذ استعمال کیا گیا ہے۔ خاص طور سے حشمت اللہ خان اور ہچی سن نے اِسی تواریخ کو بنیاد بنا کر اپنی تاریخ ترتیب دی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہے۔مرحوم عشرت کاشمیری نے اپنی تخلیق ''تاریخ کشتواڑ۔ایک تقابلی مطالعہ'' سن ۱۹۷ ء میں چھاپ کی۔مصنف کشتواڑ کا رہنے والا تھا اور اِس علاقے سے اس کا دلی لگاؤ تھا چنانچہ وہ کہتا ہے۔

اُٹھو وطن کے نام پر عزیز کشتواڑ یو
عزیز کشتواڑیو وطن کے نام پر اُٹھو
جو بے خبر سو رہے پیامِ انقلاب دو
عزیز کشتواڑیو وطن کے نام پر اُٹھو

عشرت کاشمیری ادیب اور شاعر بھی تھا۔ اُسے تمنا تھی کہ کشتواڑ کی تاریخ لکھی جائے۔کہتا ہے:

''تاریخِ کشتواڑ ایک فرض تھا جو میں گزشتہ دس برسوں سے ادا کرنا کی کوشش کررہا ہوں۔مجھے خوشی ہے کہ میری زندگی کی بہترین پیش کش یہی کام ہے جو میں کسی حد تک مکمل کر پایا ہوں۔تاریخ ایک عملِ مسلسل ہے اور اِس کے مکمل ہونے کے دروازے بند نہیں ہوتے اور ہر تواریخ پر مصنف کے ذاتی عقائد یا خیالات کی چھاپ ہوتی ہے۔تواریخ کشتواڑ کے بہت سے شعبے تحقیق کی بابت دعوت دیتے رہیں گے۔کون جانتا ہے کہ اِس چمن میں کتنے بلبل ابھی نغمہ خواں ہوں گے۔

عیاں ہے کہ مصنف نے یہ تواریخ بہت ہی لگن کے ساتھ تحریر کی ہے اور اِس پر اُس کے دِلی جذبات کے گہرے اثرات مرتّب ہوئے ہیں۔چنانچہ وہ لکھتا ہے:

''اگر کشتواڑ ریاست ہوتی تو یہ دو لاکھ لوگوں کا راجواڑہ ہوتا۔کشتواڑ کی قسمت میں کسی کلہن کا ہونا نہیں لکھا تھا جو راج ترنگنی میں یہ کارنامے محفوظ رکھتا اور اپنی سخنوری سے روایات میں رنگینی پیدا کرتا۔''

کشتواڑ کے متعلق جو محبت مصنف کو پیدا ہوئی اُس نے اُسے کشتواڑ کے متعلق تحقیق کرنے کے لئے آمادہ کیا۔یہی وجہ ہے کہ اُس نے بعض ایسی معلومات بہم کرائیں جو سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔مشہور بدھ عالم ناگ سینی کے متعلق اُس کی رائے ہے کہ وہ کشتواڑ کا رہنے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

والا ہے۔ثبوت کے طور وہ کہتا ہے کہ آج بھی کشتواڑ میں ایک ایسا علاقہ ہے جس کا نا گویا ناگ سین نام ہے اور اِس علاقے کے نام کی بنیاد مشہور بدھ عالم ناگ سین کے نام پر ہے۔

کشمیر کی طرح کشتواڑ میں بھی بدھ مت کا عروج ہو رہا ہو اور یہ بھی سچ ہے کہ جب کشمیر میں بدھ پیروکاروں میں ظلم وستم بڑھنے لگے۔وہ بُدھ مت کے پیروکاروں سے دور بھاگے اور پہاڑی پر چلے گئے۔کشتواڑ،لولاب اور دیگر گردونواح کے علاقے بدھ مت کے پیروکاروں کے چُھپنے کی جگہیں تھیں اور یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ قحط اور دیگر آفاتِ سماوی کے وقت کشمیریوں کی جائے پناہ کشتواڑ تھا۔

"ملند پنیہ" کو کشمیری جامہ پہنانے کی روایت موجود ہے اور مسانند کی حکومت میں گاندھار کا سب علاقہ،پنجاب،سندھ اور کاٹھیاواڑ اِس میں شامل تھے۔اِسی طرح ناگ سین کے متعلق بھی یہ روایت موجود ہے کہ وہ کشمیری تھا۔ہوسکتا ہے کہ وہ کشتواڑ کا ہی ہو کیوں کہ کشتواڑی،قدیم کشمیر کا ہی روپ ہے۔

عشرت کاشمیری نے کشتواڑ کی محبت میں کئی اور دریافتیں کی ہیں۔یعنی آگ پر رقص۔اٹھارہ بازو والی دیوی کے استھاپن پر ایک تقریب میں انگاروں پر رقص کیا جاتا تھا۔ایسا یونان کے رقاص بھی کرتے تھے۔

ہوسکتا ہے کہ سکندر اعظم کے واپس چلے جانے کے بعد جب کشتواڑ میں یونانی شہزادوں کی حکومت قائم ہوئی اُسی زمانے میں اِس رقص کو بھی فروغ حاصل ہوا ہو لیکن عشرت کاشمیری لائقِ تحسین ہے جنھوں نے یہ معلومات ہم تک پہنچائیں۔

اَب ہم کتاب کی اصلی حصے کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کریں گے۔اوّل سے تیسرے باب تک کشتواڑ کی وجہ تسمیہ،جغرافیائی حالات اور پرگنوں کی تفصیل درج اور چوتھے باب سے راجاؤں اور حکمرانوں کا تذکرہ ہے۔تواریخ راجہ کاہن پال کے ذکر سے شروع ہوتا ہے اور راجہ رائے سنگھ تک اختتام کو پہنچتا ہے،جس کا زمانہ ۱۵۴۰ء سے ۱۵۷۰ء تک کہا جاتا ہے۔چوں کہ راجہ رائے سنگھ سے قبل راجاؤں کا عہدِ حکومت کہیں بھی درج نہیں اِسی وجہ سے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

مصنف نے تمام راجاؤں کا ذکر سنین کے بغیر کیا ہے لیکن راجہ رائے سنگھ کے بعد پانچویں باب میں ہر راجہ کے تخت نشین اور انتقال کے سنین بڑی محنت کے تلاش کر کے درج کئے گئے ہیں، اِس سلسلے میں حشمت اللہ خان اور دیگر مؤرخین کے غلط اندراجات صحیح ہو گئے ہیں۔ چھٹے باب میں راجہ کیرت سنگھ (سنہ جلوس ۱۶۸۷ء) سے راجہ محمد تیغ سنگھ (۱۷۸۴ء تا ۱۸۲۰ء) تک کے حالات درج ہیں۔

راجہ رائے سنگھ ۱۵۴۰ء سے ۱۵۶۰ء تک حکومت کرتا ہے اس وقت نازک شاہ (۱۵۴۱ء تا ۱۵۵۲ء) کشمیر کا حکمران تھا۔ اُس راجہ کے دَور میں کاشغر کے حملہ آور حیدر دوغلات نے کشتواڑ پر حملہ کیا جس کی تفصیل ''تاریخِ فرشتہ'' میں درج کی گئی ہے۔ مرزا حیدر دوغلات نے ۱۵۴۷ء میں کشتواڑ پر حملہ کر کے کشتواڑ کے لوگوں نے ہمت سے کام لیا اور اُنہوں نے پتھر مار مار کر حملہ آوروں کو وہاں سے بھگایا۔ اِس جگہ کا نام ''مغل مزار'' پڑ گیا۔ یہ کارنامہ کشتواڑیوں کی بہادری کی سند ہے۔ چکوں کے وقت میں چکوں کی رشتہ داریاں کشتواڑی راجاؤں کے ساتھ ہو گئیں۔ راجہ بیدار سنگھ نے اپنی بہن شنکر دیوی کا رشتہ یعقوب شاہ کے ساتھ کیا اور اِس طرح کشتواڑ، کشمیریوں کا مددگار بن گیا۔ جب اکبر کے عہد میں مغل فوجوں نے کشمیر پر حملہ کیا اُس وقت کشتواڑ کے بادشاہوں نے کشمیر کو مدد بھیجی۔ جب یوسف شاہ چک مغلوں کا قیدی بن گیا اُس وقت یعقوب شاہ کشتواڑ میں روپوش ہو گیا اور مغلوں کے خلاف مورچہ سنبھالا۔ لیکن بدقسمتی ہے وہ کشمیر کا تخت حاصل نہیں کر سکا اور اِس طرح کشمیر کی اپنی خودمختار حیثیت کھو گئی اور وہ مغل سلطنت کا ایک حصہ بن گیا۔ سلطان یعقوب شاہ کی اہلیہ شنکر دیوی نے کشتواڑ میں آبپاشی کے لئے ایک نہر بنوائی جسے ''شنکر ماں نہر'' کہتے ہیں۔

جہانگیر کے عہد میں کشتواڑیوں نے مغل فوجوں پر پے در پے حملے کئے اور انہیں زبردست پریشان کر دیا۔ جہانگیر نے کشتواڑ پر حملہ کرنے کی غرض سے فوج کشتواڑ بھیجی جس نے وہاں قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا۔ انجام کار کشتواڑ کے راجہ نے اطاعت قبول کی اور یوں کشتواڑ میں راج گزار راجاؤں کا ایک سلسلہ شروع کیا جو راجہ محمد تیغ سنگھ کے دَور تک جاری رہا۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

وہ کشتواڑ کا آخری راجہ تھا۔

راجہ محمد تیغ سنگھ المعروف سیف الدین خان اپنے والد راجہ عنایت اللہ سنگھ کے قتل کے بعد ۱۷۸۴ء میں تخت نشین ہوا۔ وہ اس وقت صرف دو سال کا تھا۔ اِس وجہ سے سلطنت کا تمام نظام اُس کی پھوپھی ملکہ انوری دیوی نے اپنے ہاتھوں میں لیا۔ وہ بہت ہی مدبر اور دلیر خاتون تھی۔ اُس نے فوج اور خزانے کا انتظام پنڈت نند رام کے حوالے کیا اُس کے ہی دو بھائیوں بخشی چیتا رام اور بخشی کول رام کو دربار کا انتظام اور خط و کتابت حوالے کی گئی۔

اِسی دوران اَنور سنگھ اور رتن سنگھ نے بغاوت کی اور کشتواڑ پر قبضہ کیا لیکن پنڈت نند رام نے نابالغ راجہ محمد تیغ سنگھ اور اس کے خاندان کی جان بچائی اور بھدرواہ میں پناہ لی۔ باغی عوامی مخالفت کا سامنا نہیں کر سکے اور بھاگ گئے یوں راجہ محمد تیغ سنگھ کشتواڑ واپس آ گئے اور پھر سے تخت پر بیٹھے۔ اس کے بعد راجہ باقاعدہ طور پر تخت پر بیٹھا اور جتو گور تھا کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ اس کے علاوہ وزیر بھونجہ اور لکھپت وزیر کو اہم عہدے دئے گئے۔ راجہ اپنی رعایا کا بہت خیال رکھتا تھا۔ اُس کی انصاف پسندی اور بہادری کی داستانیں اِس وقت بھی زبانِ زدعام ہیں۔

۱۸۱۲ء میں شاہ شجاع، مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حراست سے بھاگ کر کشتواڑ پہنچ گیا۔ راجہ محمد تیغ سنگھ نے اُسے جائے پناہ دی اور یوں پنجاب کے حکمران مہاراجہ رنجیت سنگھ کی دشمنی مول لی۔ رنجیت سنگھ نے تیغ سنگھ کے پاس اپنے ایلچی روانہ کئے تا کہ شاہ شجاع کو اُس کے حوالے کیا جا سکے۔ لیکن تیغ سنگھ نے اَپنے مہمان کے ساتھ دغا نہیں کی۔ جب شاہ شجاع کو یہ معلوم ہوا اُس نے راجہ سے فوجی مدد حاصل کر کے کشمیر پر حملہ کرنے کی کوششیں کی لیکن شکست کھا کے واپس آ گیا۔ وہ اِسی غم میں مبتلا ہو کے لدھیانہ چلا گیا اور وہاں اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کیا۔

جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کو اِس بات کا پتہ چلا کہ اُس کا شکار اَب انگریزوں کے پاس ہے وہ زبردست نالاں ہو گیا۔ اُس نے جموں کے اپنے وفادار درباری راجہ گلاب سنگھ کو حکم دیا کہ وہ کشتواڑ پر حملہ کر کے راجہ محمد تیغ سنگھ کو قید کر لے۔ راجہ گلاب سنگھ بہت ہی مدبر اور چالاک تھا۔ اُس نے اپنے جاسوسوں کو کشتواڑ کے راجہ کے دربار میں پہنچا دیا۔ جنہوں نے وہاں کمال

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہوشیاری سے سانٹھ گانٹھ کر کے بعض درباریوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔

کشتواڑ کا انتظام وزیر لکھپت کے پاس تھا۔ راجہ گلاب سنگھ کے جاسوسوں نے اُسے پھانس لیا تا کہ کشتواڑ پر قبضے میں آسانی ہو جائے۔ ادھر راجہ گلاب سنگھ بہت مدبر، چالاک اور نبض شناس تھا۔ اُس نے اپنے جاسوسوں کو کشتواڑ کے راج کے دربار میں پہنچا دیا جنہوں نے کشتواڑ کے راجہ کے بعض درباریوں کے ساتھ سانٹھ گانٹھ کی اور اُنہیں غداری پر آمادہ کیا۔ کشتواڑ کا اِنتظام وزیر لکھپت کے ہاتھوں میں تھا۔ راجہ کے جاسوسوں نے اُسے خرید لیا اور کشتواڑ پر قبضہ ممکن بنایا۔ یہاں سے راجہ گلاب سنگھ نے وزیر لکھپت کو ایک جعلی چٹھی لکھی۔

''شاباش تم ہمارا کام اِسی طرح سے کرتے رہو۔ عنقریب میں تمہیں انعام و اکرام سے مالا مال کروں گا۔''

یہ خط گلاب سنگھ کے جاسوسوں نے کشتواڑ کے راجہ کے پاس پہنچا دیا۔ خط دیکھتے ہی راجہ تیغ سنگھ سیخ پا ہو گیا اور اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ وزیر لکھپت پر حملہ کریں۔ حملہ ہوتے ہی وزیر لکھپت اپنی جاگیر بونجواہ چلا گیا اور وہاں سے جموں جا کے گلاب سنگھ سے مِل گیا۔ اِس طرح سے راجہ گلاب سنگھ نے پوری تیاری کے ساتھ ۱۸۲۰ء میں کشتواڑ پر حملہ کیا۔ راجہ محمد تیغ سنگھ کو پہلے ہی جاسوسوں نے ورغلایا تھا۔ وہ بہت جلد راجہ گلاب سنگھ کے دربار میں حاضر ہو گیا۔ اُس نے اُسے فوری طور قید کر کے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس لاہور بھیج دیا۔ اِس طرح سے کشتواڑ مملکت کا خاتمہ ہو گیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حکم سے راجہ محمد تیغ سنگھ کو ۱۹۲۳ء میں زہر دے کر مار دیا گیا اور اُسے لاہور میں شاہ ابوالمعالی کی درسگاہ کے صحن میں دفن کر دیا گیا۔

راجہ محمد تیغ سنگھ کا بڑا بیٹا راجہ کے مرنے کے بعد لدھیانہ پہنچا تا کہ وہ انگریزوں کی مدد حاصل کر سکے۔ اُس نے وہاں جا کر عیسائی مذہب اختیار کیا۔ دوسرا بیٹا دلاور سنگھ کانگڑہ بھاگ گیا۔ تیسرے بیٹے چمیل سنگھ نے بھیس بدلا اور ڈوڈہ جا پہنچا تا کہ وہ کشتواڑ کا تخت حاصل کر سکے لیکن وہاں اُس کی پول کھل گئی۔ ڈوڈہ کے حاکموں نے اُسے جموں بھیج دیا جہاں اُسے باہو قلعے میں قید کر لیا گیا۔ اِس واقع کے خلاف سراج کے لوگوں نے بغاوت کی جو وزیر لکھپت نے ڈوگرہ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

فوجوں کی مدد سے ختم کی اِس طرح سے کشتواڑ کی حکومت اپنے اختتام کو پہنچی۔

راقم نے پہلے ہی لکھا ہے کہ مرحوم عشرت کشتواڑی نے تاریخِ کشتواڑ وطن پرستی کے رشتے سے لکھی ہے۔ چوں کہ مرحوم کا زیادہ لگاؤ ادب اور شاعری کے ساتھ تھا۔ اِس تواریخ میں تاریخ کے علاوہ اَدب کا بھی پَرتو دیکھنے کو ملتا ہے۔

عشرت صاحب نے تاریخی واقعات پر اپنے تاثرات مرتب کئے ہیں اور اِس طرح سے اِس میں اور... شنی پیدا کی ہے۔ اس طرح سے یہ کتاب تاریخ کے علاوہ دیگر معلومات بھی بہم کرتی ہے۔ اُس نے بڑی محنت کے ساتھ اَپنی تصنیف کو کشتواڑ کی مستند تاریخ بنانے کی کوشش کی ہے اور کسی حد تک اِس میں کامیاب بھی ہوا ہے۔

تاریخِ کشتواڑ پر یہ ایک اہم کوشش کی ہے کہ یہ ایک جامع تواریخ ہے۔ اُس نے ضمیمے میں بھدرواہ کے حالات رقم کئے ہیں اور اَپنی کتاب کو بعض نادر و نایاب تصاویر کے ساتھ مزّین کیا ہے۔ اُس نے کتاب میں علمدار کشمیر حضرت شیخ نورالدین ولیؒ، حضرت زین الدین شاہ، حضرت سید شاہ محمد فرید الدین اور حضرت سید شاہ، ضیاء الدین کا تذکرہ بھی شامل کیا ہے۔ اِس کے علاوہ مہتہ منگل کے حالات بھی درج کئے ہیں۔ تواریخ کا انتساب اوم مہتہ کو معنون کیا ہے جو اُس اُس وقت مرکزی حکومت کی وزارت میں نائب وزیر تھا لیکن بنیادی طور کشتواڑ کا رہنے والا تھا۔

............●●●............

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

● ...... راجہ نذر بونیاری

وتستا سے جہلم تک ......!

۱۴۵ رکلومیٹر طویل اور ۸۵ کلومیٹر چوڑی وادی کشمیر کو پورے ہمالیائی خطے میں عموماً اور قلمرو جموں، تبت، گلگت، بلتستان وشمالی علاقہ جات میں خصوصاً اس کے بے مثال اور لازوال آبی وسائل اور ہریالی کے لئے خصوصی حیثیت حاصل ہے۔ یوں تو وادی کے گردونواح کے نیم کوہستانی علاقے میں سینکڑوں چشمے، جھرنے ندیاں اور نالے فطرت کی نگہبانی پر مامور ہیں اور انہیں کی برکت سے وادی میں ہر سو سبزہ زار، مرغزار اور ہریالی ہی ہریالی دیکھنے کو ملتی ہے۔ جھلیں، تالاب اور الگ زینت بڑھا رہی ہیں اور سینکڑوں نسلوں کے آبی پرندوں اور مچھلیوں کی پناہ گاہیں بنی ہوئی ہیں اور صدیوں سے خوبصورت پرندے یورپ، سائبیریا، روسی ریاستوں اور چین سے برفانی ہواؤں کے ساتھ پرواز کرتے ہوئے وادی میں چند مہینوں کے مہمان بن کر آتے ہیں اور پھر مارچ کے پہلے پندرھواڑے میں اُن کی وطن واپسی کا دلفریب منظر دیکھا جاسکتا ہے۔

وادی میں یوں تو اَن گنت ندی نالے اور جھرنے بہتے ہوئے دیکھے جاسکتے ہیں لیکن ان میں سے کچھ ایسے جھرنے ہیں جو مل کر دریاؤں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ پہاڑوں سے یہ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

آبشاروں اور چشموں کی صورت میں نکل کر میدانوں کی طرف رواں دیکھے جاسکتے ہیں۔ بیرونی ممالک کے سیاحوں اور ماہرینِ طبقات الارض اور جنگلات کے محافظوں وغیرہ کے علاوہ چرواہوں، گڈریوں اور بکروال طبقے سے تعلق رکھنے والوں کے بغیر ان دریاؤں کے منبع جات اور آبشاروں نیز جھرنوں کے بارے میں مقامی آبادی قطعی بے خبر ہے۔ خصوصاً وہ جھرنے اور آبشار جو بالائی اور کوہستانی علاقوں سے لاکھوں سال پُرانے گلیشروں سے برآمد ہو کر کئی مقامات پر دوبارہ زیرِ زمین ہو کر پھر نکلتے ہیں اور چھل چھل کر کے مُدھر نغمے گنگناتے آبادیوں کا رُخ کرتے ہیں، پھر جا کر کہیں لوگ اُن کو جانتے ہیں۔ دراصل یہ آبشار اور جھرنے گلیشروں کے پگھلنے کے نتیجے میں جنم لیتے ہیں اور برفانی تودوں کے نیچے بہتے رہتے ہیں۔ اِن گلیشروں کے اُوپر قدرتی گھاس، بوٹے، جھاڑیاں اور پھول کھلتے رہتے ہیں اور کون جانتا ہے کہ ان کے نیچے برفانی کوہ ہیں اور اُن کے نیچے سے کئی دریا بہہ رہے ہیں۔ ان آبشاروں اور جھرنوں کا صاف شفاف بلوریں اور ٹھنڈا پانی پی کر خوبصورت طیور، چڑیاں اور دوسرے جنگلی جانور طویل عمریں پاتے ہیں اور انہیں کبھی علاج و معالجہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ ایسے مقامات کا مشاہدہ کرنے کے بعد کانوں میں سورہ رحمٰن کی آیت عجیب روحانی آسودگی کا سبب بنتی ہے۔

فبای آلآء ربکما تکذبٰن ...... اے انسان! ''تو اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کن کن نعمتوں کو جھٹلائے گا'' یہ مشاہدہ کرنے والا نہیں کہتا بلکہ یہ اُن طیور کی بولیاں ہیں جو آبشاروں کے کناروں پر گلیشروں پر رنگا رنگ پھولوں سے لدی ہوئی جھاڑیوں کی ٹہنیوں پر بیٹھ کر اپنے خالق کے ذکر اور یاد میں مصروف ہوتے ہیں۔ بقول حفیظ جالندھری۔

ندیاں ہر سو تھرکتی ناچتی گاتی ہوئیں، کسمساتی لڑکھڑاتی پیچ و بل کھاتی ہوئیں
آدمی کیا پتھروں کو وجد میں لاتی ہوئیں، اپنی اپنی منزلِ مقصود کو جاتی ہوئیں

اس قسم کے مناظر وادی کے چاروں طرف دُور دور تک پھیلے دیکھے جاسکتے ہیں۔ وادیٔ کشمیر کے ۴۶ پرگنہ جات محکمۂ بندوبست اراضی و مالیہ جات کے ریکارڈ میں درج ہیں۔ یہ تقسیم ۱۸۸۰ء کی ہے۔ پرگنہ جات مرازیا مراج اور کمراج یا کامالوج خطہ ہائے وادی میں ہیں جن کی کل تعداد

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

۷۸ رہے لیکن ۳۰-۱۹۲۷ء سے ۱۹۶۷ء کے درمیان ہونے والے بندوبست اراضی میں پرگنہ جات کی جگہ تحصیلوں اور نیابتوں نے لی اور ہر پرگنہ کو ایک سے زیادہ پٹوار حلقوں میں تقسیم کیا گیا۔

مراز اور کامراج دونوں خطوں میں بلند/ درمیانی درجے/ اور اوسط درجے کے کوہستانی سلسلے اور کریوے ہیں اور انہیں سلسلوں میں سے درجنوں نالے اور معاون ندیاں نکل کر ایک ہی دریا میں آکر مل جاتی ہیں جو وادی کو دو حصوں میں تقسیم کرتی ہوئی بارہمولہ سے نیچے علاقہ پہاڑ میں داخل ہو جاتی ہیں۔ آیئے اسی دریا کے بارے میں ہم کچھ جانیں (کشمیری زبان میں نالے کو ''آرہ'' یا ''ار'' اور چھوٹے نالے یا نالی کو ''کول'' کہتے ہیں۔ اگر ایسے ہی نالوں کو بھی شمار میں لایا جائے تو ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی ہیں)۔

جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ ''مراز'' جسے ''مراج'' بھی کہتے ہیں۔ آج چار اضلاع پر مشتمل ہے اور آج اِسے جنوبی کشمیر کہتے ہیں۔ یہ چار اضلاع ہیں اسلام آباد یا اننت ناگ، کولگام، شوپیان اور پلوامہ۔ یہ چاروں اضلاع انتہائی خوب صورت اور سرسبز و شاداب جنگلات، دریاؤں، آبشاروں، چشموں اور مقدس مقامات کے علاوہ تاریخی آثارِ قدیمہ کے لئے ملک بھر میں مشہور ہیں، ناگ ''سانپ'' کو کہتے ہیں۔ اس لئے اِس خطے کو تواریخ میں سانپوں کا دیش بھی لکھا ہے۔ ناگ چشموں کو بھی کہتے ہیں۔

ہندو ناگ کو دیوتا مان کر اس کی پوجا بھی کرتے ہیں۔ ان ناگوں کا راجہ نیل ناگ تھا۔ کشمیری لوک کہانیوں اور کتھاؤں میں ناگ دیوتاؤں کو ہیرو کی حیثیت حاصل ہے۔ ایسی ہی ایک لوک کتھا ''ہی مال ناگ رائے'' جسے کشمیری ہندو اور مسلمان سب بے حد پسند کرتے ہیں اور ہر گھر میں پڑھی اور سنی جاتی ہے۔ اس کہانی کی ہیروئین رانی ہی مال ہے اور ہیرو شہزادہ ناگ راج جو سانپوں کا بادشاہ تھا۔ جنوبی کشمیر یعنی ''مراج'' میں اننت ناگ ضلع ہی ایسا خطہ اراضی ہے جس میں چھوٹے بڑے دو ہزار چشمے تھے، ان کی تعداد اب نہ جانے کیوں گھٹ گئی ہے لیکن آج کی تاریخ میں بھی چشموں کی تعداد ایک ہزار سے کم نہیں۔ اسی لئے اس کا نام اننت ناگ جس کی معنی کشمیری سنسکرت میں بے شمار چشمے ہیں، جن میں سے چند ایک بہت مشہور ہیں اور آج بھی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

روزانہ سینکڑوں ہندو یاتری ان چشموں پر جا کر اشنان کرنے کے علاوہ پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ ان میں ویرناگ یا ویری ناگ، کوکرناگ، ناگ بل، شیش ناگ یا ششرم ناگ، اچھ بل یا صاحب آباد، چشمہ بھون مٹن، سوندہ براری، دردر سندھیا، پون سند ہبا، چشمہ اونتی پورہ، چوہر ناگ، کرشنا سر، نندن سر [1]۔ ان چشموں کا ذکر کتابوں میں اس لئے آیا ہے کہ ان کے پس منظر میں لوک روایات اور کتھائیں بیان کی جاتی ہیں اور یہ کشمیری پنڈتوں کے تیرتھ استھانوں کا درجہ رکھتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آریہ لوگ جب وادی میں آئے تو وہ پنجاب سے دریائے جہلم جسے اُس زمانے میں یَہت، ویتھ، بتھ یا وتستا ندی کہتے تھے، کے کنارے کنارے چلتے ہوئے وادی میں داخل ہوئے۔

دراصل وہ اس دریا کا منبع تلاش کر رہے تھے اور وہ ویری ناگ جا پہنچے، چونکہ وہ بہتے پانی کے علاوہ دریاؤں کے منبع جات کی بھی پوجا کرتے تھے اور سانپوں کی بھی، اس لئے اُنہوں نے ویری ناگ چشمہ پر ایک مندر بھی تعمیر کیا۔ اس مندر کو بعد میں مغل شہزادہ جہانگیر نے تعمیر کیا لیکن اسے اہل ہنود کے پاس ہی رہنے دیا۔ آریہ لوگ ہر اُس چیز کی عبادت کرتے تھے جس میں زندگی دینے اور لینے کی قوت موجود ہو اور یہ قوت پانی میں موجود ہوتی ہے۔ اس لئے اہلِ ہنود چشمے کو جو دریا کا مخرج ہوتا ہے شکتی استھل یا شکتی آگر کہتے تھے، یعنی طاقت کا منبع "Power House"

"ویری ناگ یا ویرناگ جسے زبانِ شاستری میں چشمہ ویتسہ وتر شاہ آباد پرگنہ اننت ناگ میں واقع ہے اور "یَہت"، "ویتھ"، "بتھ" یا وتستا اسی چشمے سے نکلتا ہے۔ یَہت یا بتھ شاستری زبان (سنسکرت) میں اس مقدار کو کہتے ہیں جو کہ "نرانگشت" کے برابر ہو۔ چونکہ اصلی منبع اس کا بہت چھوٹا ہے اس لئے اس کا نام ویتھ ہوا۔

---

[1] لدر، سوکھ ناگ، مدھومتی، اہر بل، نیل ناگ، رانشی، راموں کریوہ، رمب آرہ، ماور، حمل، سونہ کول، نیلہ گنگا، (امرناتھ) وشو (مرہامہ)، راپچھو، نارو، لار، فیروزپورہ، نالہ ہاپت کھائی، نالہ بجبہامہ، نالہ حاجی پیر، دریائے کہنارو غیرہ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

چشمہ مارتنڈ و چشمہ اچھ بل سے اننت ناگ میں مل کر کھنہ بل کے نیچے اس قدر پانی جمع ہوتا ہے کہ کشتی وغیرہ اس میں چل سکتی ہے اور دریا کی صورت نظر آتی ہے پھر اور ندیوں سے ملتا ہوا بہت سے حصوں میں شمال کی طرف شنکراچاریہ کے نیچے خمدار سات پیچ کھاتا ہوا شہر میں جنوب و مغرب کی طرف بہتا ہوا تمام کشمیر میں تخمیناً ساٹھ میل کے فاصلے پر چل کر کوہِ بارہمولہ سے باہر نکلتا ہے۔ پھر دریائے کرشنا گنگا وغیرہ ندیوں سے مل کر قصبہ وانگلی سے گزرتا ہے۔ پہاڑ سے نیچے جہلم میں بنام دریائے جہلم مشہور ہو کر قصبہ جھنگ سیالاں سے آگے آٹھ کوس ترموگھاٹ پر دریائے چناب سے مل کر بھر اہی دریائے سندھ بحیرہ عرب میں گرتا ہے۔[1]

یہ اُسی دریا کا مختصر سا تعارف تھا جسے آج دُنیا میں ''جہلم'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ۱۸۵۰ء سے پہلے کی تمام سفری دستیاویزات اور تاریخی تذکروں میں اس دریا کا نام وتھ یا وتستا لکھا گیا ہے۔

یونان میں اس دریا کو ہائیڈس پس، پنجابی میں جہلم، پنڈت اسے وتستا یا بتستا اور مسلمان بہت، ویتھ، بتھ، بہت کہتے ہیں۔[2]

''شہر[3] کے درمیان بغداد کی مانند ایک بہت بڑی نہر جاری ہے، جس کے پانی کی مقدار بغداد کے دجلہ سے کہیں بڑھ کر ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس بے حد وافر پانی کا آغاز ایک چشمے سے ہوتا ہے، جس کا اصلی منبع ویرناگ ہے، جس کے پانی کی لطافت اور مٹھاس اربابِ عقل و دانش کے نزدیک ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے۔[4]

شاعر طالب کلیم کہتا ہے۔

---

[1]: تاریخ و جغرافیہ ''گلدستہ'' کشمیر مصنف پنڈت ہرگوپال خستہ، مطبوعہ ۱۸۵۰ء۔ اننت معنی لاتعداد/ بے شمار/ ناگ معنی چشمے

[2]: بحوالہ نیل ست پوران

[3]: گلدستہ کاشمیر' پنڈت ہرگوپال خستہ

[3]: سرینگر

[4]: واقعاتِ کشمیر محمد اعظم دیدہ مری

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

انتخاب کردہ اَم از گرم وسر دروزگار
اشک چشمِ خویش آبِ چشمہ ورناگ را

سلاطین کے دور سے پہلے اس پر کشتیوں کے ۳۰ ر پُل تھے۔ سلاطین کے دور کے اختتام تک ۷ ر پل موجود تھے۔ یہ دریا ملکِ کشمیر کی حدود سے گزر کر اطراف پشاور سے[۱] ہوتا ہوا ملتان میں سندھ میں مل جاتا ہے اور پھر اسی سندھ سے جاکر بحیرۂ عرب کی گود میں سو جاتا ہے۔

''جہلم'' کو کشمیر میں ویتھ اور پنجاب کے میدانی علاقوں میں وہات Whaat کہا جاتا ہے۔ ان ناموں کی وابستگی مسلمان مورّخین کو بہاٹ نام سے بھی لگتی ہے۔ اصل میں ان سب ناموں کی گونج وتستا کے پسِ منظر میں سنائی دیتی ہے۔ پنجاب کے پانچ دریاؤں کے انتہائی مغرب میں کشمیر کی ویتھ جسے پنجاب کے میدانی علاقوں میں ''ویت'' اور اسی کو انگریزی میں ''جہلم'' کہتے ہیں۔ اسی دریا کو یونانیوں نے سکندر اعظم کے حملے کے بعد ہائی داس پس "Hydas Pas" لکھا ہے[۲]

جہلم کا منبع کشمیر کا ایک چشمہ ہے جسے ویری ناگ کہتے ہیں۔ ہندوستانی زبان میں[۳] ناگ سانپ کو کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہاں ایک بڑا سانپ رہا ہوگا۔ یہ کشمیر کے شہر سے ۲۰ ر کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ ایک مثمن نما حوض ہے جو تقریباً بیس گز لمبا اور تیس گز چوڑا ہے۔ اس کے نزدیک ایک عبادت گاہ کے آثار ہیں۔ بہت سے غاروں اور چٹانوں کو تراش کر کمرے بنے ہیں۔ اس چشمے کا پانی بے حد صاف ہے گو کہ اس کی گہرائی کا اندازہ نہیں کر سکا، تاہم اگر ایک خشخاش کا دانہ بھی ڈالا جائے تو وہ بھی سطحِ زمین تک صاف نظر آتا ہے۔[۴]

درتہہِ آبش زِ صفا ریگ خورد   کور تواند بدل شب شمرد

ترجمہ (اس کا پانی اس قدر شفاف ہے کہ اس کی تہہ میں ریت کے ذرات کو آدھی رات میں اندھا بھی گن سکتا ہے)

---

۱ واقعات کشمیر محمد اعظم دیدہ مری ۲ پنجاب مغربی سرحدی صوبہ اور کشمیری مصنف سر جیمز دوئی ۳ جہانگیر بادشاہ مطبوعہ ۱۹۱۴ء ۴ تزک جہانگیر اردو ترجمہ قومی کونسل برائے فروغ زبان، اردو دہلی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

یہاں پر بہت مچھلیاں دیکھی جاسکتی ہیں۔ جہانگیر لکھتا ہے کہ تخت نشینی کے بعد میں نے حکم دیا کہ چشمے کے چاروں طرف پتھر نصب کئے جائیں اور ایک باغ تعمیر کیا جائے جس میں ایک نہر مکانات اور محلات تعمیر کئے جائیں اور اسے ایسا مقام بنا دیا جائے کہ دُنیا کے سیاح یہ کہہ سکیں کہ شاید دُنیا میں ایسا اور کوئی باغ نہیں ہے۔[1]

ویر ناگ کے چشمے کا پانی اور دوسرے چشموں اور نالوں کا پانی دائیں اور بائیں سے ''بہت'' (جہلم) میں ملتا ہے، جو شہر کے درمیان سے گزرتا ہے۔ کوئی اس کا پانی نہیں پیتا کیونکہ یہ بہت ثقیل اور غیر ہاضم ہے۔

بتھ یا وتستا ۱۶۴ میل تک کہیں سست اور کہیں تیز رفتار سے بہتا ہے۔ یہ دریا سرینگر سے نکلتا ہے اور اس کا پانی مٹیالا ہے۔[2]

''جمعرات ۱۹ ر کی شب کو کشمیریوں نے ''بہت کے دونوں کناروں پر قطاروں میں چراغ جلائے تھے۔ یہ ایک قدیم رسم ہے۔ ہر سال آج کے دن جو شخص امیر یا غریب جس کا ابھی دریا کے کنارے مکان ہے شبِ برات کی طرح چراغ روشن کرتا ہے۔ میں نے براہمنوں سے اس کا سبب پوچھا تو اُنہوں نے بتایا کہ آج ہی کے دِن جہلم کے منبع کا پتہ چلا تھا۔ یہ رسم قدیم زمانہ سے چلی آرہی ہے اور آج کے دن ''ویتھ تروہا'' کا جشن ضرور ہوتا ہے۔ ویتھ کے معنی ہیں جہلم اور تروہا کا مطلب تیرہ (۱۳) کہ یہ دن ۱۳ ر شوال کو ہوتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ تہوار کی تاریخ اسلامی مہینہ شوال کے مطابق دی گئی ہے جو مختلف موسموں میں پڑتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جہلم کی پیدائش ہی اُس دن ہوئی جب بیٹیاں تحفے پاتی ہیں۔ (۱۹ ر شہر یور کی مساوی تاریخ جس کا ذکر جہانگیر نے کیا اگست کا آخیر یا ستمبر کی شروعات ہوگی اور ہندوؤں کا مہینہ آسن (ساون یا اسوج) ۱۳ ر شوال ۱۰۲۹ھ ۱۶۲۰ء میں یکم ستمبر کے مطابق ہوگا۔ جہلم کی پیدائش کی کہانی ''اسٹین صفحہ ۹۷ پر ملتی ہے۔ غالباً! یہاں شوال کے مہینے سے مراد نہ ہو اور ہمیں اسے مشغلِ چراغاں پڑھنا چاہیئے، یعنی چراغوں کا شغل''۔

---

[1] تزکِ جہانگیری (مغل بادشاہ جہانگیر) [2] تاریخِ فرشتہ محمد قاسم

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کشمیر کی سیاحت کرنے والے یوروپی، چینی اور وسطِ ایشیائی سفیروں نے ''جہلم'' کا ذکر اپنے تذکروں میں خصوصی طور پر کیا ہے اور ویری ناگ چشمے کی خوب صورتی کی بے حد تعریفیں کی ہیں۔ ان تذکرہ نویس سفیروں میں جارج فارسٹر، فادر ارنسٹ نیو (III) ٹاس مورسکس موار، M A Slein ماریان ڈاوٹی وغیرہ کے علاوہ درجنوں خواتین وحضرات شامل ہیں۔[1]

خلاصہ

جہلم کی صحیح پہچان سرینگر شہر سے شروع ہوتی ہے، جہاں اس کا پانی اچانک اتنا ساکن ہوجاتا ہے کہ لگتا ہے کہ یہ کوئی جھیل یا تالاب ہے۔ اس میں حرکت اسی وقت نظر آتی ہے جب اس میں ناؤ یا شکارہ چلتا ہے۔ اس دریا کے دونوں کناروں پر سینکڑوں منادر تعمیر کئے گئے ہیں اور پجاری صبح سویرے سے ندی کے کنارے پوجا پاٹ اور اشنان (غسل) میں مصروف رہتے ہیں۔ چلہ کلان (کشمیر میں سال کے سرد ترین موسم کے ۴۰ر دن) میں بھی کشمیری پنڈت اس پانی میں ڈبکیاں لگاتے دیکھے جاسکتے ہیں۔ جب درجہ حرارت منفی ۱۰ر ڈگری بھی ہو، اس کے برعکس تزکِ جہانگیری میں بادشاہ جہانگیر لکھتا ہے کہ جہلم کے دونوں کناروں پر کثیر تعداد میں ہندو اور مسلمان آباد ہیں۔

اسلام کی آمد کے بعد مسلمانوں نے بھی دریا کے کنارے سینکڑوں مساجد اور آستانے تعمیر کئے ہیں۔ سکھوں نے بھی اپنا دھرم استھاپن تعمیر کیا ہوا ہے، جہاں وہ اپنے عقیدے کے مطابق عبادت کرتے ہیں۔ سرینگر شہر میں خانقائے معلیٰ ایک عظیم الشان آستانہ ہے جو کشمیر میں بانی اسلام حضرت امیرِ کبیر میر سید علی ہمدانی ؒ سے منسوب ہے۔ یہ بھی دریائے جہلم کے دائیں کنارے پر موجود ہے۔ اس کی بغل میں محض چند فٹ دُور ایک قدیم مندر بھی ہے۔ مسجد شاہ ہمدان اور ہندو مندر میں آج تک ساتھ ساتھ دونوں فرقوں کے لوگ جب عبادت کرتے ہیں تو دُور دُور تک روحانی صدائیں شہر میں ایک عجیب سماں پیدا کرتی ہیں۔ جہانگیر نے تزکِ جہانگیری میں لکھا ہے کہ دریا کے دونوں کناروں پر رہنے والے لوگ جہلم کے بلورین پانی کو آلودہ کرتے ہیں۔

---

[1] تزکِ جہانگیری

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

جہلم سرینگر شہر سے چھتہ بل کے مقام باہر آجاتا ہے۔ یہ دریا شہری بستیوں کو صاف کرتا، زرعی زمینوں کو سیراب کرتا ہوا سوپور بارہمولہ کے قصبوں سے گزرتا ہوا جب کچ ہامہ کے مقام پر پہنچتا ہے تو اس کے چہرے پر پھر ویری ناگ جیسی رونق آجاتی ہے۔ جیسے کہ اس کا بچپن پھر واپس آگیا ہو۔ یہ گانے گنگنانے، اچھلنے، کودنے اور رقص کرنے لگتا ہے اور سر اُٹھا کر چٹانوں، پہاڑیوں اور کھیتوں کے منڈیروں سے لڑتا، ٹکراتا، اگلی منزل کی جانب رواں دواں ہو جاتا ہے۔

جہلم کی اگلی منزل ایک صد فیصد پہاڑی خطہ ہے۔ اس کے دونوں کناروں پر جو پہاڑیاں اور جنگلات ہیں ان میں قدیم پہاڑی قبائل کی بستیوں کے علاوہ کچھ تاریخی نوعیت کے آثار قدیمہ قابلِ دید ہیں۔ ان میں درنگہ بل، کھادن یار، نارائین تھل، ذہم پورہ، پیر نیاں، بمیار، گینگل، پرن پیلان، شاہدرہ کٹھائی، مظفر آباد، راڑا، کوہالہ (دائیں کنارے) اور شیری، فتح گڑھی، ناروا، کاؤہار، کچھامہ یا کنس ہوم، نوشہرہ، بونیار، رام پور، مہورہ اُوڑی، چکوٹھی، چناری، ہٹیان بالا، گڑھی دوپٹہ اور مظفر آباد (بائیں طرف) کوہالہ سے آگے یہ دریا جب آگے بڑھتا ہے تو اسکے دائیں طرف صوبۂ سرحد اور بائیں کنارے پنجاب شروع ہوتا ہے۔ پنجاب میں جہلم شہر پہنچ کر اس کی رفتار پھر سُست ہو جاتی ہے اور آگے بڑھ کر یہ دریا چناب کے ساتھ مل جاتا ہے۔

وادئ کشمیر کے قدیم ترین عمرانی اور سماجی حالات اور طبعی جغرافیہ کے لئے سینکڑوں کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اگر اُن کا نچوڑ پیش کیا جائے تو عجیب کھٹی میٹھی اور حیرت انگیز باتوں کا پتہ چلتا ہے جس سے بعض اوقات شُبہ ہونے لگتا ہے کہ یہ ملک ہفت اقلیم سے بھی باہر ایک اقلم میں واقع ہے۔

سیاحوں کا مشاہدہ ہے کہ ویری ناگ سے لے کر بارہمولہ تک ۱۶۴ رکلومیٹر وادئ کشمیر کو یہ دریا دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ ہر چند کہ زرعی اراضی کو سیراب کرنے کے لئے یہ واحد ذریعہ نہیں۔ پھر بھی ۵۰ رفیصد اراضی کو یہی دریا سیراب کرتا ہے۔

اس دریا کے پانی سے جہلم ہائیڈل پروجیکٹ، مہورہ پاور ہاوس اوڑی کے برقی کرنٹ پیدا کرنے والے پروجیکٹ چل رہے ہیں، جن سے ہزاروں گھروں میں چولہے چلتے ہیں اور

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہزاروں بے روزگار لوگ عزت اور وقار سے کمائی کر کے زندہ ہیں۔

جس طرح اوپر بیان کیا گیا ہے کہ جہلم کو کشمیر میں وہی درجہ حاصل رہا ہے جو دَجلہ، بردہ نیل، گنگا جمنا سرسوتی ندیوں کو حاصل ہے لیکن آبادی میں بے پناہ اضافے کے ساتھ ساتھ کارخانوں، ہسپتالوں، ہوٹلوں اور دیگر صنعتی یونٹوں کا گندہ مواد اسی دریا کو پلایا جاتا ہے۔ کوڑا کرکٹ، مردہ جانور بھی اسی دریا میں پھینکے جاتے ہیں جس سے کہ اس دریا کا پانی پینے کے قابل نہیں رہا ہے۔ سرینگر میں اس دریا میں ہزاروں ہاوس بوٹ اور کشتیاں اور رہائش اور مال برداری واٹر ٹرانسپورٹ کا کام دے رہے ہیں۔ پھول سبزیاں اور پھل بیچنے والی خواتین ہر طرف کشتیوں میں گھومتی دیکھی جاسکتی ہیں۔ ویری ناگ سے کوہالہ ۳۲۲ کلومیٹر تک اس دریا کو عبور کرنے کے لئے کم از کم پچاس پُل تعمیر کئے گئے ہیں جن میں فٹ برج اور گاڑیوں کے پل بھی شامل ہیں۔ کھنبامہ سے نیچے کوہالہ تک اس دریا میں کشتی نہیں چلائی جاتی۔ اس میں ایک بے حد لذیذ اور خوب صورت مچھلی پائی جاتی ہے جسے مرر کارپ (Miror Carp) کہتے ہیں۔ ماشیر بھی ہوا کرتی تھی لیکن میر پور کے نزدیک اس دریا پر کچھ باندھ تعمیر کئے گئے ہیں اس لئے اب ماشیر نام کی مچھلی بحیرۂ عرب سے کشمیر نہیں آسکتی ہے۔ سرینگر شہر میں اس دریا میں آبی ٹرانسپورٹ بھی چل رہا ہے۔ آج کی تاریخ میں سرینگر سے امن ستھو (کمان پوسٹ) تک اس دریا پر چار پل زیرِ تعمیر ہیں۔ جہلم ویلی کارٹ روڈ اس دریا کے بائیں کنارے پر سرینگر سے کوہالہ تک ساتھ دیتی ہے۔ کوہالہ کے آگے شاہراہ اور دریا اپنا الگ الگ راستے اختیار کر لیتے ہیں۔

...........●●●...........

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

● ...... عطا محمد میر

کشمیر کے کوہ نشین

بکروال: بکروال وہ خانہ بدوش لوگ ہیں اپنی بھیڑ بکریوں کے بڑے بڑے ریوڑ کے ساتھ موسمِ سرما شوالک پہاڑوں(Outer Hills) کی چراگاہوں میں گزارتے ہیں اور موسم گرما میں وادی کی اونچی ہمالیائی چراگاہوں اور کوہساروں میں خیمہ زن ہوتے ہیں۔ بکروال ایک خالص خانہ بدوش قبیلہ ہے جو اپنی بھیڑ بکریوں کے ساتھ ساری زندگی ان ہی سرمائی اور گرمائی پہاڑی چراگاہوں کی تلاش اور تعاقب کے سفر میں گزارتے ہیں۔ اُن کا یہ لگا بندھا سفر نا معلوم وقتوں سے اب تک جاری ہے۔ وادیٔ کشمیر میں وہ اپنے سفر کے دوران قصبوں اور دیہاتوں سے گزرتے ہوئے اکثر شب باشی کیلئے بیدزاروں، کھلے میدانوں، چناروں کے درختوں کے سایہ تلے یا گھنے پیڑوں کے جھنڈ تلے خیمے گاڑھ دیتے ہیں۔ اُن کے اُونی کمبل، چادریں اور نمدے اُن کیلئے سر راہ آرام دہ اور موسم کے موافق بستر ے ثابت ہوتے ہیں۔ اُونچے کوہساروں میں وہ بے خوف، آزاد اور مداخلت سے مُبرا خیمہ زن ایام گزارتے ہیں۔ وہ عام طور پر کسی ایک جگہ مُستقل ٹھکانہ بنانے سے گریز کرتے ہیں، کیونکہ نئی نئی چراگاہوں کی تلاش، بھیڑ بکریوں کی مسلسل نقل و حرکت اور موسموں کا تعاقب اُنہیں ہمیشہ محو سفر رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خانہ بدوشی کی زندگی کو ہی اپنے لئے بہتر سمجھتے ہیں۔ اُن کا گھوڑا اُن کیلئے پہاڑی ہیلی کاپٹر سے کم نہیں

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہوتا۔ یہ اُن کے مال واسباب، گھریلو اشیاء اور سامانِ خورد ونوش کو پہاڑوں، وادیوں اور گھاٹیوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ تک آسانی سے لانے اور لے جانے میں بڑی مدد کرتا ہے۔ اس طرح یہ اُن کا مشکل لمبا اور تھکان بھرا پہاڑی سفر آسان بناتا ہے۔

بکروال دیگر خانہ بدوش اور ہم پیشہ طبقوں (گوجر، گدی، چوپان) کے مقابلے میں مال دار، خوش حال اور جسمانی لحاظ سے صحت مند طبقہ خیال کیا جاتا ہے۔ مرد اُونچے قد کے ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے خوبصورت، تنومند، جفاکش، جرأت مند اور بے خوف ہوتے ہیں۔ اُن کی عورتیں بہادُر، باہمت اور خوبصورت ہوتی ہیں۔ سر جارج کیمپ بل کے مطابق یہ لوگ آریہ نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اُن کے چہرے کے خدوخال اور دوسری مشغولیات اور طرزِ زندگی اس کی عکاس ہیں۔ بحیثیت مجموعی اُن کا پہناوا افغانوں جیسا ہوتا ہے۔ مرد اپنے سر پر اکثر بے ترتیب پگڑی باندھتے ہیں اور عورتیں اپنے سر اور چہرے کو ٹوپی نما دوپٹے سے ڈھک لیتی ہیں۔ یہ ایک طرح سے مختصر برقعے نما پردے کا کام بھی دیتا ہے۔ عورتیں لمبی قمیض اور عام شلوار پہنتی ہیں۔ جبکہ مرد ڈھیلی ڈھالی قمیض، واسکٹ (صدری) اور افغانی پائجامہ پہنتے ہیں۔ اُن کی مسلسل ہجرت والی زندگی نے اُنہیں سخت کوش، سادہ، بے غرض، بے اعتنا، خوددار اور Self-reliant بنا دیا ہے۔ وہ اگرچہ مذہبی اصولوں کے زبردست پابند ہیں لیکن تعصب، مذہبی منافرت اور اس سے متعلق تفرقہ سے کوسوں دور ہیں۔ ایک طرح سے وہ اپنے آپ میں مگن اور ایک مصروف زندگی گزارتے ہیں۔

بکروالوں کا کُتا بڑا ہی فربہ ہوتا ہے جو اپنی جان کی حد تک اُن کا وفادار ہوتا ہے۔ یہ اُن کے مال واسباب اور بھیڑ بکریوں کی پہاڑی چراگاہوں میں متواتر نگرانی کرتا ہے۔ کُتا جب اُن کے ریوڑ کے ساتھ ساتھ قصبوں اور دیہات سے گزرتا ہے تو راستے کے آوارہ کُتوں کی ہتک آمیز غراہٹ اور اُن کے مُسلسل بھونکنے کا جواب اپنی خاموشی سے دیتا ہے اور بسا اوقات اپنی دُم قدرے جھکا کر اپنی امن پسندی کا بھی مظاہرہ کرتا ہے۔ مگر یہی کُتا پہاڑی چراگاہوں میں بھیڑ بکریوں کی حفاظت میں شیر اور ریچھ جیسے خوفناک درندوں سے ٹکر لینے میں ذرا بھر ہچکچاتا نہیں اور

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اپنی جان کی بازی لگا کر اپنے مالک کے ریوڑ کی حفاظت کرتا ہے۔ ایسے رکھوالی کرنے والے کُتوں کے بغیر بکروال خود کو ادھورا سمجھتا ہے۔

بکروال اگر چہ عام طور پر ''خان'' ذات رکھتے ہیں مگر اصل میں وہ کئی ذیلی ذاتوں میں بٹے ہوئے ہیں اور اسی ذات سے پہچانے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ اُس خاص پہاڑی چراگاہ کی مناسبت سے بھی پہچانے جاتے ہیں جہاں وہ موسمِ گرما میں رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایوب خان برگڈ کولہائی۔ ''ایوب'' بکروال کا نام ہے۔ ''خان'' اُن کی عام ذات ہے۔ ''برگڈ'' خاص ذیلی ذات ہے اور ''کولہائی'' وہ پہاڑی چراگاہ ہے جہاں وہ اکثر خیمہ زن ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں قاسم خان بجاڑ مرگن یا اسحاق خان کھٹانا گنگہ بل۔ وہ ''اسحاق خان'' کو مختصر کر کے ''ساکہ خان'' سے پکارتے ہیں۔ اس طرح ایوب ''خان'' کو یوبا خان اور مقبول خان کو مگا خان کہہ کر پکارتے ہیں۔ یہ نام بگاڑنے یا غلط طور سے پیش کرنے کے واسطے نہیں کیا جاتا ہے بلکہ نام کو سہولت اور Laconic طریقہ سے پکارنے کیلئے کیا جاتا ہے۔ بجاڑ، کھٹانا، پنجال، پسوال، پچوال، بوکرا، دانہ، ٹھکری، اور برگڈ بکروالوں کی عام ذاتیں ہیں۔

وادیٔ کشمیر میں گرمائی چراگاہوں میں خیمہ زن ہونے کیلئے بکروال وسط مئی سے ہی پیر پنچال پہاڑوں کے کئی درّوں passes جو سطح سمندر سے 9500/فٹ سے لے کر 12500/فٹ تک اُونچے ہوتے ہیں، کو عبور کرتے ہیں۔ یہاں سے وہ اپنی اُن مخصوص آبائی چراگاہوں کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں جو اکثر Tree line اور Snow line کے درمیان واقع ہوتے ہیں۔ بسا اوقات چراگاہوں کی ملکیت اور حقِ استعمال کے بارے میں گوجروں، بکروالوں اور چوپانوں کے درمیان جھگڑے بھی ہوتے ہیں مگر بکروال اپنی قوت، دولت مندی، اتحاد اور اکثریت کی بدولت اپنی بات منوا ہی لیتے ہیں۔ پیر پنچال درّوں کو عبور کرنے کے دوران بکروالوں کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ناموافق موسم، بے وقت بارشوں، غیر متوقع برفباری کے باعث اُونچے پہاڑی راستوں پر بھیڑ بکریاں مرجاتی ہیں اور کبھی کبھی خود اُن کی جان پر بھی بن آتی ہے۔ لیکن کشمیر کی پہاڑی چراگاہوں میں خیمہ زن ہوتے ہی وہ سکھ کا سانس لیتے ہیں۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

وادیٔ کشمیر میں داخل ہونے کیلئے جو بکروال پیر پنچال پہاڑ کو عالی پتھر، توسہ میدان، چور پنچال، راتھین، کھانچہ کول اور دوسرے اونچے درّوں کو عبور کرتے ہیں وہ عام طور پر لولاب، بانڈی پورہ، لنگیٹ، مچھل، کرناہ، گریز، سونہ مرگ، سندھ وادی، زوجیلا، مٹاین، کرگل، نچ نائی، گاڈہ سر، سر بل، ارن، وشن سر، منگبن دوب، ستہ سرن، گنگہ بل، ہرموکھ، تراگہ بل، وانگت، تھجی واس، زیون، کنگن، گنڈ، بال تل، نیل گراڈ، یوسمرگ، کھلن مرگ، کنٹر ناگ، دودھ پتھری، مجہ پتھری، گوگجہ پتھری، ونہ واس، پوہین، نیل ناگ، روِمش تھونگ، ترٹہ کوٹی، دوب جن، مہادیو، ڈگ ون، دوستورون اور ان علاقوں سے متصل دوسری کوہستانی چراگاہوں میں اپنے ریوڑ کے ساتھ خیمہ زن ہو جاتے ہیں۔ پہاڑوں میں ہردم محوِ حرکت رہنے اور تنہا اور سادہ زندگی گزارنے کی وجہ سے سماج کے دوسرے طبقوں کے ساتھ اُن کے بہت کم راہ رسم ہیں۔ اس طرح وہ دور کوہساروں میں self-centered زندگی گزارتے ہیں۔ جو بکروال وادی کشمیر میں داخل ہونے کیلئے ۱۱۴۰۰ فٹ اُونچے پیر پنچال درّے کو عبور کرتے ہیں، وہ اپنا سفر شوالک یا بیرونی پہاڑی سلسلوں کی چراگاہوں سے اپریل کے تیسرے ہفتے میں شروع کر کے لمبیری سلسوئی، رِکسار گولہ، ڈانگری، راجوری، تھنہ منڈی، نیل دری، مارا، چنڈی مار، پوشانہ، چٹاپانی اور گدر میدان سے گزرتے ہوئے پیر پنچال درّے پار کرتے ہیں۔ یہاں سے وہ کونگہ وٹن، برہما سکلی، چٹی ندی، مہی ناگ، کونسر نائی، راے نیر، ناگہ بیرن، مارسر، تارسر، سرفراہ، سونہ مس، سکی واس، آرو، چندن وادی، پنچ ترنی، لدروٹ، امرناتھ، سونہ سر، بھیروگاٹی، سکھ ناگ، آستان مرگ، پُر منڈل، کوہن ہار، نافران، ہوکھ سر اور ان سے متصل دُور دراز پہاڑی چراگاہوں کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں، جہاں اُن کی بھیڑ بکریاں تغذیہ بخش ہمالیائی گھاس چرتے ہوئے فربہ ہو جاتی ہیں اور خود بکروال فطرت کی بانہوں میں کوہستانی زندگی گزارتے ہیں۔ بیرونی پہاڑوں Outer Hills سے کشمیر کے Alpine Pasture lands تک کا اُن کا یہ پُر مشقت اور کٹھن سفر لگ بھگ دو مہینے میں مکمل ہو جاتا ہے۔

جو بکروال وادیٔ کشمیر میں داخل ہونے کیلئے بانہال اور سنتھن کے دَروں کو عبور کرتے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہیں، وہ عام طور پر پھامبر، براری بل، مادر ناگ، مرگن، زوجی مرگ، لنگنائی، سورہ پتھری، کاجی ناگ، زمکش ناگ، ہاپت ناڑ، اور دوسری ملحقہ چراگاہوں میں اپنا ڈیرہ ڈالتے ہیں۔ ان میں سے کچھ مروا، واڑون، منڈک سر نجنائی، پُر مندل، حاجی گاہ، رن نائی، پالہ واس اور ہمپٹ علاقوں میں خیمہ زن ہو جاتے ہیں۔ کچھ یہاں سے گزرتے ہوئے سورو، زانسکار اور نون کن کی وادیوں کی جانب روانہ ہو جاتے ہیں اور کچھ لداخ ہمالیہ کی دور دراز وادیوں میں اپنے ریوڑ محوِ حرکت رکھتے ہیں۔

یہ لمبا تھکا دینے والا، پُر مشقت طویل اور پُر خطر پہاڑی سفر بذاتِ خود اُن کی ہمت، جفاکشی، قوتِ برداشت، عزم اور حوصلے کا پتہ دیتا ہے۔ جب وہ اپنے ریوڑ کے ساتھ قصبوں اور دیہات اور گنجان آبادیوں سے گزرتے ہیں تو اُنہیں کئی دقتوں اور مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انہیں اپنی بھیڑ بکریوں کے ساتھ شب باشی کیلئے سرراہِ ڈیرہ ڈالنا پڑتا ہے۔ مگر جوں ہی وہ پہاڑوں کے دامن اور جنگلوں کے نزدیک پہنچتے ہیں تو وہ سکھ کا سانس لیتے ہیں۔ یہ اُنہیں اپنا علاقہ لگتا ہے جہاں وہ اپنا خیمہ اونچی جگہ پر کھڑا کر کے اپنے ریوڑ، خاندان اور قبیلہ کے لوگوں کے ساتھ اپنی مرضی کی زندگی بھیڑ بکریوں کو چروانے میں گزارتے ہیں، کیونکہ یہی اُن کا اصل ذریعۂ معاش ہے۔ وادیٔ کشمیر کی گرمائی چراگاہوں سے اُن کا واپسی کا سفر اگست کے آخری ایام سے شروع ہوتا ہے۔ دو مہینے سفر میں گزارنے کے بعد وہ Outer Hills کی سرمائی چراگاہوں میں اکتوبر مہینے کے وسط تک پہنچ جاتے ہیں۔

گوجر: کشمیر کے گوجر اُس خانہ بدوش قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں جو ہندوستان پر محمود غزنوی کے حملوں کے دوران گجرات، راجستھان، ہزارہ، ہریانہ اُتر پردیش اور دوسرے ملحقہ علاقوں سے ہجرت کر کے کشمیر کی وادی میں داخل ہوئے اور ہمیشہ کیلئے یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ حالانکہ اُن کے یہاں آنے کی کوئی خاص تاریخ اب تک صحیح طور پر معلوم نہیں۔ کچھ تاریخ دانوں کے مطابق خشک سالی، قحط اور دوسری موسمیاتی و معاشی کلفتوں نے اُنہیں راجستھان، گجرات، کاٹھیاوارڑ سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا اور کشمیر کے سبزہ زاروں نے اُن کا من موہ لیا۔ کچھ تاریخ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

دانوں کے مطابق وہ پانچویں صدی عیسوی میں وسطِ ایشا، عراق، ایران اور افغانستان سے ہجرت کر کے برِ صغیر ہند میں داخل ہوئے۔ اس سے پہلے وہ جارجیا کے باشندے تھے جو بحیرہ سیاہ اور کیسپین سمندر کے درمیان واقع ہے۔ برِ صغیر ہند میں پہلے پہل وہ گجرات کے نشیب وفراز میں پھیل گئے اور بعد میں وہ راجستھان، پنجاب، شوالک پہاڑوں اور ہمالیائی چراگاہوں کی طرف ہجرت کرتے گئے۔ کیونکہ اُن کے گلہ بانی کے خاص پیشے نے اُنہیں ہر دم محوِ سفر رکھا۔ کننگھم کے مطابق گوجر یا گرجر اصل میں کُشن، یچی یا ٹوچن قبیلوں کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ کلہن پنڈت کے مطابق راجہ بوج، جس نے پنجاب، ہماچل پردیش اور کشمیر کے بعض حصوں پر حکومت کی، گوجر قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ قبیلہ شمالی پنجاب سے کارکوٹ راجاؤں (625A.D) کے دورِ حکومت میں وادی میں داخل ہوا جب پنجاب کو سلطنتِ کشمیر میں شامل کیا گیا تھا۔ مجموعی طور پر گوجروں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ایک قدیم خانہ بدوش قبیلہ ہے جو تاریخ کے مختلف ادوار میں اپنی ہجرت کے دوران ملک ملک اور قریہ قریہ گھومے اور اپنا مذہب بھی اسی مناسبت سے تبدیل کرتے رہے۔ جب وہ ملک شام میں تھے تو وہ حضرت اسحاق کے پیروکار تھے۔ اسی طرح انہوں نے یونان میں عیسائی مذہب اختیار کیا۔ برِ صغیر ہند میں دورِ وسطیٰ میں اُنہوں نے ہندومت اپنایا۔ آج جو گوجر کشمیر کے پہاڑوں کے دامن اور جنگلوں کے نزدیک رہتے ہیں وہ سب مسلمان ہیں۔ گوجروں کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اصل میں سکندرِ اعظم کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور ہندوستان پر اُس کے حملے کے دوران یہاں آئے۔ اُن کی آمد سکندر اعظم کے مرنے کے بعد بھی جاری رہی اور اس طرح گجرات اور کاٹھیاوارڈ کے ملحق وسیع و عریض علاقوں میں جاگزین ہوئے۔ جب وہ چھٹی اور دسویں صدی عیسوی کے دوران کشمیر آئے تو ابتدائی طور پر اُنہوں نے ڈوڈہ، کشتواڑ، راجوری، مظفر آباد، شوالک پہاڑوں اور وادیٔ چناب کے جنگلاتی علاقوں کو اپنا مسکن بنایا۔ بعد میں اُن کی آبادی کے بڑھنے کے باعث اُنہوں نے وادیٔ کشمیر کے سبزہ زاروں اور کوہستانی چراگاہوں میں اپنے مال مویشی کے ساتھ مستقل بود باش اختیار کی۔ پہاڑوں کی جنگلاتی دامن والی ڈھلوان زمین کو قدرے ہموار کیا اور اس میں مکئی کی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کاشت شروع کی، جواُن کی آج بھی اصل اور بنیادی خوراک ہے۔ رفتہ رفتہ اُنہوں نے دستیاب مٹی، لکڑی اور پتھر سے کام لے کر رہایشی کوٹھے بنائے۔ غیر مزروعہ زمین جو پہلے ہی ہمالیائی گھاس اور جھاڑیوں اور پیڑ پودوں سے ڈھکی ہوئی تھی، میں اطمینان کے ساتھ بھیڑ بکریاں اور گائے بھینس چروانا شروع کیا۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہی خانہ بدوش قبیلہ بعد میں دو مختلف قبیلوں میں تقسیم ہوا۔ وہ قبیلہ جنہوں نے بھیڑ بکریاں چروانے کا کام جاری رکھا اور سرمائی وگرمائی چراگاہوں کے مابین seasonal migration جاری رکھی وہ بکروال کہلائے۔ یہ لوگ آج بھی یہی کچھ کرتے ہیں اور قبیلائی اور مسلسل ہجرت والی خانہ بدوش زندگی گزارتے ہیں۔ بکروال طبقہ گوجروں، چوپانوں اور گدیوں کے مقابلے میں زیادہ صحت مند، دولت منداور باہمت اور جفاکش ہے۔ جنہوں نے وادی میں مُستقل قیام کیا اور بھینس، گائے اور دوسرے چوپائے پالنے کا کام شروع کیا اور مکئی کی کاشت سے جڑے رہے وہ گوجر کہلائے۔ بہت سے گوجر آج بھی غربت کی زندگی گزار رہے ہیں، کیونکہ وہ مزدوری کے سوا کسی خاص منافع بخش ہنر مندی کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ اس کے علاوہ ان کی اکثریت ابھی بھی تعلیم کے نور سے کوسوں دُور ہے۔ سردیوں میں وہ اپنے گھر کی چاردیواری میں قید ہو کر رہ جاتے ہیں اور موسم گرما میں نزدیکی پہاڑی چراگاہوں میں اپنے چولہے اور من پسند چوپائے (بھینس) کے ساتھ فروکش ہوجاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اگر گوجر کے پاس صرف ایک بھینس ہو تو وہ اُسی کے ساتھ پہاڑی چراگاہ میں پورا موسم گزارے گا۔ Frederic Drew لکھتا ہے:۔

"Wherever I have met the Gujjars, I have found them to be possessors of herds of buffaloes, and to drive these, as the spring and summer advanced, into the higher mountain pastures."

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بھینس، کلہاڑی، پہاڑی چراگاہ اور گوجر کو ایک دوسرے سے جُدا نہیں کیا جاسکتا۔ بھینس اُس کا خاص جانور ہے۔ کلہاڑی اُس کا من پسند ہتھیار اور پہاڑی چراگاہ اُس کا خاص مسکن۔ گوجر بھینس کی دیکھ ریکھ میں کافی دلچسپی لیتے ہیں اور کلہاڑی سے ہر دم لکڑیاں

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اور درختوں کی پتیوں والی شاخیں کاٹتے نظر آتے ہیں۔ گوجر عام طور پر اپنے سرمائی مسکنوں کے نزدیک والی ڈھلوان زمین، جو جنگلاتی پہاڑوں کے دامن میں واقع ہوتی ہے، میں مکئی کی کاشت کرتے ہیں۔ مکئی کی کاشت، اس کے کھیتوں کے رکھ رکھاؤ اور اس سے جُڑی دوسری مصروفیات میں بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ گوجر عورتیں مکئی کی گوڑائی اور گھاس کٹائی کرتے ہوئے حسین، اثر آفرین اور سُریلی آواز میں گوجری گیت ایک خاص ترنّم اور Rythem سے گنگناتی ہیں۔ اس سے سارا کہسار پُر کیف نظر آتا ہے۔ ڈھلوانوں پر ڈھول کی تھاپ پر گھاس کٹائی کرتے ہیں تو کہساروں میں موسیقی عمل، جوش اور قدرتی حُسن ایک حسین سنگم بناتے ہیں۔ بہت سے گوجر غریبی اور ناداری کے باعث شہروں اور قصبوں میں خزان کے آخری ایام اور سرما کے دوران مزدوری کرتے ہیں۔

تنگ پیشانی، پتلے ہونٹ، اُٹھی ہوئی ناک، دھنسی ہوئیں آنکھیں، نمایاں دانت، بے ترتیب بال اور داڑھی، قدرے گندمی رنگ کے لب و رخسار کے باعث اُن کی ایک اپنی پہچان ہے۔ سر والٹر لارنس کے مطابق:۔

" Gujjars are an ignorant, in offencive and simple people. They are a fine tall race of men with rather stupid faces and large prominent teeth. "

گوجر ریاست جموں و کشمیر کی آبادی کا ایک قابلِ ذکر حصہ ہے اور ان کی بڑی بڑی بستیاں وادیٔ لدر، وادیٔ سندھ کے علاوہ برنگ، کپوارہ، راجوری، شوپیان، پونچھ، رائیتھن، بانڈی پورہ، گلمرگ، کوٹھار، ترال اور کنگن کے بالائی علاقوں میں موجود ہیں۔ وہ اکثر چھوٹی عمر میں اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو ازدواجی رشتوں میں باندھ دیتے ہیں۔ شادیاں ہر حال میں اپنے ہی قبیلے میں باہمی طور رچاتے ہیں۔ عام حالتوں میں گوجر اور بکروال قانع، وفادار، پُر امن لوگ خیال کئے جاتے ہیں، مگر جنگلوں کیلئے اُن کی بعض پیشہ ورانہ مصروفیات نقصان دہ سمجھی جاتی ہیں۔ کیونکہ بکروالوں کے ریوڑ اور گوجروں کے دوسرے چوپائے پودوں خودرو جڑی بوٹیوں اور قدرتی طور پر اُگنے والے صنوبری پودوں کو چرنے کے دوران کافی نقصان پہنچاتے ہیں۔ جنگلوں کی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کٹائی، ڈھلوانوں کی عریاں کاری، Denudation، کٹاؤ Erosion اور ہمالیائی چراگاہوں کی Degradation اور Deforestation کیلئے عمومی طور پر بے ہنگم اور بلا روک ٹوک گلہ بانی Grazing کو ذمہ دار سمجھا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب اُن کے پاس کرنے کو کوئی کام نہیں ہوتا ہے تو وہ اپنی کلہاڑی سے درخت کاٹنے میں لگ جاتے ہیں۔ گوجروں کی زبان کو گوجری کہتے ہیں جو ہندی، اردو، پنجابی، ڈوگری پہاڑی اور دوسری علاقائی زبانوں کے الفاظ سے بھی مزین ہے۔ گوجر کشمیری زبان بھی اگر چہ اچھی طرح بول لیتے ہیں مگر تلفظ میں اُکھڑا پن اور لفظوں کی ادائیگی میں لکنت صاف نظر آتی ہے۔

گوجر پہاڑی ڈھلوانوں پر اکثر ہموار چھت والے کوٹھے شہتیروں کے لٹھوں سے بناتے ہیں۔ یہاں اُن کیلئے ایک تو جلانے کی لکڑی بہ افراط دستیاب ہوتی ہے اور دوسرے اُن کو آس پاس والی مکئی کاشت کی ہوئی زمین کی نگہداشت کیلئے آسانی ہوتی ہے۔ شہتیروں، پتھروں، ٹہنیوں کا بنا ہوا کوٹھا برق و باراں اور برف باری میں بہت حد تک محفوظ مسکن ثابت ہوتا ہے مگر وقت گزرتے یہ بوسیدہ ہو کر گر جاتے ہیں۔ اندر سے کوٹھے کا فرش صنوبری ٹہنیوں اور جنگلی گھاس سے ڈھکا رہتا ہے۔ کوٹھے کے اندر آتش دان جس میں ہر دم لکڑیاں جلتی نظر آتی ہیں، عام طور پر دروازے کے نزدیک ہی بنایا جاتا ہے تا کہ دُھواں آسانی سے خارج ہو سکے۔ آتش دان مکینوں کا مرکزِ نگاہ ہوتا ہے کیونکہ اسی پر وہ کھانا وغیرہ پکاتے ہیں۔ کوٹھے کبھی بھی مُقفل نہیں رہتے۔ کوٹھے کے اندر لکڑی کے ڈبوں میں کپڑے، تھوڑے زیورات اور گھریلو اشیا بھی عام طور پر بغیر مُقفل رکھے جاتے ہیں۔ کوٹھے جن میں وہ موسمِ گرما کے چار مہینے گزارتے ہیں، عام طور پر ہموار زمین پر ہی بنائے جاتے ہیں، جو اکثر حالتوں میں ڈھلوان زمین کو کاٹ کر ہی حاصل کی گئی ہوتی ہے۔ سات سے آٹھ فٹ تک کے کھمبے عموداً زمین میں گاڑ دیئے جاتے ہیں اور اُن کے اوپر ایسی ہی کڑیاں اُفقاً اور متوازی ڈال دی جاتی ہیں، جن پر بعد میں صنوبری ٹہنیوں کی ایک موٹی تہہ ایسے بچھائی جاتی ہے کہ یہ ایک ہموار چھت کی شکل اختیار کرے۔ ٹہنیوں پر مُشتمل اس چھت کو مٹی کی ایک تہہ سے ڈھک دیا جاتا ہے جس پر اکثر حالتوں میں جنگلی گھاس از خود اُگ آتی ہے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اور یوں مستطیل کوٹھا جنگل میں اُن کا ایک عارضی مگر خوبصورت مسکن بن جاتا ہے۔کوٹھوں کی دائیں بائیں اور آگے کی دیواریں باہر سے پتھروں، لٹھوں اور ٹہنیوں سے ایسے محفوظ بنائی جاتی ہیں کہ کوئی جنگلی جانور اس میں داخل نہ ہو۔کوٹھے کی عقبی دیوار پہاڑ کی ڈھلوان میں ہی سے کاٹ کر بنائی گئی ہوتی ہے اس طرح بارش کا پانی اندر نہیں آتا۔کوٹھوں کو بنانے میں گوجر نہ صرف بڑی فیاضی سے من پسند درخت کاٹتے ہیں بلکہ اس کے رکھ رکھاؤ میں بڑی دل چسپی کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں۔آج گوجروں کے اکثر سرمائی مکان ٹین پوش ہیں جو دھوپ میں چمکتے ہوئے دور سے بڑا اچھا منظر پیش کرتے ہیں۔گوجروں کی زندگی میں آج بدلاؤ بہت اچھا لگتا ہے مگر جنگلوں کی تباہی، کم ہوتی ہوئی چراگاہیں، زمین کا کٹاؤ اور اُن کے اِن ٹین پوش مکانوں کے ارد گرد کا Deforestation کا منظر مایوس کن بھی ہے۔کیونکہ یہ منظر اُن کی بقا، ماحول، ذرائع معاش کو براہِ راست متاثر کرنے والا منظر ہے۔گوجرا گرچہ تعلیمی لحاظ سے ابھی بھی پسماندہ، معاشی طور پر پست اور سماجی طور پر استحصال کا شکار ہیں، مگر وہ اپنے ان حالات کیلئے بہت حد تک خود بھی ذمہ دار ہیں۔وہ بدلاؤ کے رسیا نہیں، وہ روایتوں کے صنوبر ہیں۔گوجر عورتیں بڑی محنت کش، خاموش طبع، قانع ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے کوٹھے اور آتش دان کے دائرے تک ہی اکثر محدود رہتی ہیں۔وہ اگر چہ جسمانی طور کمزور نظر آتی ہیں مگر وہ عام طور پر عاقل اور اپنے گھر اور گھر والے کی وفادار ہوتی ہیں۔گوجر کم گفتار ہوتے ہیں اور اُونچے پہاڑوں میں لمبے سفر کے عادی ہوتے ہیں۔بھاری بوجھ کے ساتھ کچھ ہی مکئی کی روٹیوں پر اکتفا اور گزارہ کرتے ہوئے وہ بس چلے جاتے ہیں۔یہ لوگ لڑاکو بھی ہوتے ہیں اور بہت جلد غصہ آور ہوتے ہیں۔یہ مُستقل مزاج نہیں ہوتے۔پہاڑوں میں ان کی دُوستی کو پہاڑوں میں بدلتے موسموں سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔گوجروں کا لباس لمبی قمیض، ڈھیلے پائجامے، صدری، اور دستار پر مبنی ہوتا ہے جو اکثر میلا ہی ہوتا ہے۔یہ لوگ زیادہ نہاتے بھی نہیں۔اگر چہ یہ لوگ پہاڑی ندیوں کے نزدیک ہی رہتے ہیں۔اُن کا خاص پہناوا، بے ترتیب بال، داڑھی، دستار، دھنسی ہوئیں آنکھیں، نوک دار ناک اور دوسرے روزمرہ کی مشغولیات اُنہیں واضح طور پر عام کشمیریوں کے مقابلے میں اُن کی ایک الگ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

شناخت ہے۔

چوپان: چوپان یا پوہل وہ پیشہ ور کشمیری چرواہے ہیں جو خاص طور پر زمینداروں اور دیہاتیوں کی بھیڑ بکریاں اور بیل وغیرہ کشمیر کی کوہستانی چراگاہوں میں موسم گرما کے دوران چروانے کیلئے لے جاتے ہیں اور اس طرح معاوضے میں متعلقہ زمیندار سے شالی، سرسوں، اُون اور روپیہ پیسہ حاصل کر کے گزارہ کرتے ہیں۔ یہی اُن کا اصل ذریعۂ معاش ہے۔ چوپانوں کی اپنی آبائی پہاڑی چراگاہیں ہوتی ہیں جو Snowline اور Treeline کے درمیان واقع ہوتی ہیں۔ یہ وہاں پورے پانچ مہینے گزارتے ہیں۔ سطحِ سمندر سے بارہ ہزار فٹ اُونچائی پر واقع ان کی چراگاہیں مکمل طور پر Documented اور Demarcated ہوتی ہیں۔ اس میں وہ کسی کی دخل اندازی کو برداشت نہیں کرتے کیونکہ یہ اُن کے کھیت کھلیان کی مانند ہوتی ہیں۔ وہ سچ ہی کہتے ہیں کہ زمیندار وادی کے میدانی علاقوں میں واقع اپنے کھیتوں میں اناج اُگاتے ہیں، جب کہ وہ یہی چیز اپنی چراگاہوں سے حاصل کرتے ہیں۔ پہاڑی چراگاہوں سے جوں ہی برف پگھلنی شروع ہوتی ہے وہ بھیڑ بکریاں اور چوپائے متعلقہ زمینداروں سے جمع کر کے ہنسی خوشی اپنی آبائی چراگاہوں کی جانب روانہ ہو جاتے ہیں اور وہاں اپنے مخصوص کوٹھوں میں قیام کرتے ہیں۔ اگر کوئی بھیڑ بکرا وہاں مر جاتا ہے تو چوپان پر یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ اس مرے ہوئے بھیڑ کی کھال کو ثبوت کے طور پر متعلقہ شخص کو دکھائے بصورتِ دیگر چوپان کی نیت پر شک کیا جاتا ہے۔ بھیڑ کی کھال کو ثبوت کے طور پر پیش کرنے کو کشمیری میں ''نوم'' یا ''نیال'' کہتے ہیں۔ چوپان نہایت ہی پھرتیلے، صحت مند، ہوشیار ہونے کے ساتھ ساتھ کافی ہنس مکھ اور باتونی بھی ہوتے ہیں۔ وہ کسی گم ہوئے بھیڑ کی تلاش میں پہاڑوں کی سنگتانی گھاٹیوں گہری وادیوں اور وسیع وعریض چراگاہوں کو گھنٹوں میں چھان مارتے ہیں۔ چوپان کیلئے جاڑے کے ایام جو وہ اپنے گاؤں میں گزارتا ہے، بڑے ہی بے اطمینان، بے قراری اور بیکاری کے باعث تھکا دینے والے ہوتے ہیں۔ گرمیوں کے مہینوں میں وہ واقعی پہاڑوں کا راجہ لگتا ہے، جہاں وہ بھیڑ بکریوں اور اہل وعیال کے ساتھ اپنی مرضی کی زندگی گزارتا ہے۔ والٹر لارنس کے مطابق:۔

" Chupans are a separate people, marrying

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

among themselves. He is a cheery, active man with a most characteristic whistle, and his healthy life in the high montains makes him strong and robust."

چوپان بڑے دوراندیش ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے چالاک اور اپنا نفع ونقصان سمجھنے والے ہوتے ہیں اور اسی مناسبت سے باتوں باتوں میں اپنی بات منواتے ہیں۔ پہاڑوں میں از خوداُگنے والی زہریلی اور بے ضرر جڑی بوٹیوں کو وہ خوب پہچانتے ہیں۔ وہ بہت سی جڑی بوٹیاں جمع بھی کرتے رہتے ہیں۔ وہ زمیندار جو اپنے بھیڑ اور بیل اُن کی تحویل میں چرنے کیلئے دیتے ہیں، اکثر اُن سے وہاں ملنے کیلئے جاتے ہیں تا کہ اپنے مال مویشی کی حفاظت وسلامتی کے بارے میں موقع پر جائزہ لیں۔ وہ چوپان کو خوش کرنے کیلئے اُن کیلئے اپنے ساتھ نمک، آٹا، چاول، چائے، کھانڈ اور تمباکو اور مصالحے تحفہ کے طور پر لے جاتے ہیں۔ چرواہا یہ چیزیں دیکھ کر پہاڑوں میں اُن کی اچھی خاطر داری کرتا ہے اور تحفہ کی نوعیت کے مطابق اُن کے مال ومویشی کی جانب زیادہ توجہ دیتا ہے۔ جاڑے کے دوران چوپان یا پوُہل اپنے گاؤں میں بغیر پروں کا ایک پرندہ لگتا ہے۔ وہ کاہل، سست اور مایوس بھی نظر آتا ہے اور اکثر گاؤں کی کسی دوکان پر دوسرے لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر گپ شپ کرتا ہے اور تمباکو کے لمبے لمبے کش لے کر فخر سے پہاڑی چراگاہوں میں پیش آنے والے واقعات بیان کرتا ہے۔ وہ اکثر مبالغہ آرائی سے بھی کام لیتا ہے۔ وہ خود کو مذہبی، متقی، ایماندار اور صاف گو ظاہر کرتا ہے تا کہ گاؤں والے اُسے اپنی بھیڑ بکریاں کسی تامل کے بغیر چروانے کیلئے دیں۔ کچھ چوپان بڑے اچھے نَے نواز ہوتے ہیں اور پہاڑوں کے قدرتی ماحول میں اُن کی نَے نوازی بڑی مسحور کن اور دل کو لبھانے والی ہوتی ہے۔ اکثر چوپان اگرچہ اَن پڑھ ہوتے ہیں مگر اُن کا دماغ یادداشت کا ایک خزانہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی بھیڑ بکری کو پلک جھپکتے پہچان لیتے ہیں اگر وہ دوسرے چرواہے کے ریوڑ میں چلی گئی ہو۔ اُنہیں یہ یاد رہتا ہے کہ کس رنگ اور کون سی بھیڑ کس زمیندار کی ہے۔ وہ بھیڑ بکریوں کو دن بھر چرا کر شام کے وقت اُن کی گنتی کرتا ہے اور گنتی اس قدر پھرتی اور صحیح ڈھنگ سے ہوتی ہے کہ اس میں کسی کمی بیشی کا شائبہ بھی نہیں رہتا۔ وہ اپنی زبان کے اُلٹ پھیر سے کئی طرح کی سیٹیاں بجاتا ہے اور بھیڑ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

بکریاں اس سیٹی کی آواز سے اس قدر مانوس ہوتیں ہیں کہ وہ اس کے مطابق اِدھر اُدھر گاس چرتی ہیں۔ چوپان بھیڑ بکریوں اور دوسرے چوپائیوں کی بیماریوں کا علاج اپنے طور سے اچھی طرح کرتے ہیں اور ان کی کس بیماری کا کیا علاج ہے، وہ خوب جانتے ہیں۔ وہ پہاڑی جڑی بوٹیوں، مٹی، نمک، ہلدی اور سرسوں کے تیل کو باہم ملا کر کچھ دوائیاں بنا کر بھیڑ بکری اور چوپائیوں کو کھلا کر ان کا کامیاب علاج کرتے ہیں۔ وہ چوپائے کی آنکھ میں جھانک کر ہی اس کی بیماری کی صحیح تشخیص کرتے ہیں۔ موسم خزاں شروع ہوتے ہی چوپان پہاڑی چراگاہوں سے اُتر کر فربہ بھیڑ بکریوں اور نوزائید بچوں Lambs کے ساتھ اپنے گاؤں کی جانب روانہ ہوجاتے ہیں۔ متعلقہ گاؤں والے بھی اُن کی واپسی کا بڑی بے صبری سے انتظار کرتے ہیں تا کہ وہ اپنی بھیڑ بکریوں کے بھرپور اُون اور فربہ جسم پر فخر کرسکیں۔ مگر کچھ حالتوں میں وہ مایوس بھی ہوجاتے ہیں جب وہ کچھ بھیڑ بکریوں کا صرف ''نوم'' یا ''نیال'' دیکھتے ہیں اور کچھ کو لاغر و کمزور۔ چوپانوں کو اگر چہ باز پُرس کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مگر وہ اپنی چرب زبانی، چالاکی اور دیدہ دلیری سے صاف بچ نکلتا ہے۔ کشمیر کے کئی شاعروں نے چوپان یا پوہل کی چالاکی اور چرب زبانی کے بارے میں بہت سے اشعار قلم بند کئے ہیں، جو آج بھی زبان زدِ عام ہیں۔ اگر چہ آج حالات بدل گئے ہیں اور چوپان اپنے کام کے تئیں خوش اسلوبی کا مظاہرہ کررہے ہیں۔

چوپانوں کے پاس اپنے گاؤں میں زراعتی زمین تو ہوتی ہے مگر گلہ بانی کو وہ موروثی اور منعفت بخش پیشہ سمجھتے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ اگر چہ قدرے الگ طبقہ خیال کیا جاتا ہے مگر وہ باقی تمام شعبہ ہائے حیات اور سماجی مصروفیات میں عام کشمیریوں کے ساتھ بالکل جُڑے ہوتے ہیں۔ چوپان حقیقت میں پہاڑوں اور آفاتِ سماوی سے پنجہ آزمائی کرکے روزی کماتے ہیں۔ اُونچی چراگاہوں میں وہ ناموافق موسم، برق وباراں، جنگلی درندوں اور Mountain Sickness کا بڑی پامردی اور ہمت سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اس طرح وہ ایک مہم جویانہ (Adventureous) زندگی گزارتے ہیں۔ گلہ بانی کا پیشہ کشمیر میں ایک قدیم اور اُن لوگوں کا اولین ذریعۂ معاش رہا ہے جو ابتدائی ادوار میں کشمیر وادی میں جاگزین ہوئے۔ اس

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

قبیل سے وابستہ لوگوں نے وادی کے اطراف واکناف میں اپنی بستیاں بسائیں اور بستیوں اور گاؤں کے نام بھی اسی مناسبت سے موسوم ہوئے۔آج کا پہلگام اصل میں ''پوہل گام'' کہلاتا تھااوراسی طرح وادیٔ کشمیر میں آج بھی بہت سے گاؤں ''پوہل پور'' (چرواہوں کے گاؤں) کے نام سے جانے جاتے ہیں۔جب تک کشمیر کے پہاڑ سرسبز وشاداب رہیں گے اور لوگ بھیڑ پالن میں دلچسپی رکھیں گے، چوپان یا ''پوہل'' کشمیر کی پہاڑی چراگاہوں میں خیمہ زن ہوتے رہیں گے۔

..........●●●..........

شیرازہ اردو ''مغل اور کشمیر نمبر''

اس خصوصی نمبر میں مغلوں اور کشمیر کے مابین روابط، ثقافتی میل جول، علوم وفنون پر اثرات اور سیاسی محاذ آرائی کا احاطہ کرنے والے تحقیقی و تنقیدی مضامین شامل ہیں۔اس خصوصی اشاعت میں مغلوں اور کشمیر کے مابین روابط پر نئے زاویۂ نگاہ سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس پتے پر منگوائیں:

☆......کتاب گھر،مولانا آزاد روڈ،سرینگر

☆......کتاب گھر، کنال روڈ، جموں توی

☆......کتاب گھر،فورٹ روڈ،لیہہ لداخ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

● ...... عبدالغنی شیخ

لداخ، بلتستان اور تبت کے خلاف مہاراجہ گلاب سنگھ کی فوجی مہمات

نئی تحقیق کی روشنی میں

اٹھارہویں صدی کے پہلے نصف میں جموں، وادیٔ کشمیر اور لداخ خطوں میں سیاسی طور دور رس اور تاریخ ساز لیکن اندوہناک اور مایوس کن تغیر و تبدل آیا۔ ہندوستان میں مغلیہ حکومت کو زوال آیا تھا اور جموں اور کشمیر پر مغلوں کی گرفت ختم ہوگئی تھی۔ وادیٔ کشمیر میں احمد شاہ ابدالی کے پٹھان گورنر کی حکومت تھی اور لداخ کی حکومت پٹھان گورنر کو سالانہ خراج ادا کرتی تھی۔ موجودہ جموں صوبہ کئی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا اور ہر ریاست کا اپنا راجا تھا۔

ہندوستان میں سمندر پار سے آئی ہوئی انگریز قوم کا بول بالا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کہا جاتا تھا اور انگریز گورنر جنرل کے ساتھ بہادر کا اسم صفت Adjective جوڑا جاتا تھا۔ اردو یا فارسی میں گورنر جنرل کو کشورِ ہند اور ہندوستان کا شہنشاہ کہا جاتا تھا۔

پنجاب میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی مستحکم حکومت تھی جو اپنی قلمرو کی توسیع کرنے میں جُٹی تھی۔ ۱۸۰۸ء میں رنجیت سنگھ نے جموں کو اپنے زیرِ نگیں لایا۔ اس کے ایک سال بعد ۱۸۰۹ء میں رنجیت سنگھ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان ایک معاہدہ ہوا، جس کی رو سے رنجیت سنگھ کو دریائے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ستلج کے شمال میں حملہ کرنے کی چھوٹ ملتی تھی اور یہ معاہدہ کشمیر، لداخ کے علاوہ راجوری، بھمبر، اکھنور، ریاسی اور ہماچل پردیش کی چھوٹی ریاستوں پر حملہ کرنے اور پنجاب یا جموں میں شامل کرنے کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ رنجیت سنگھ کے جرنیل گلاب سنگھ نے ۱۸۱۷ء میں راجوری، بھمبر اور ریاسی کو فتح کر کے پنجاب کی سلطنت میں شامل کیا ہے۔ ۱۸۱۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے جرنیل دیوان چند اور گلاب سنگھ نے کشمیر کے پٹھان گورنر جبار خان کو شکست دی اور کشمیر کا الحاق پنجاب کے ساتھ کیا۔

لداخ کی حکومت نے شروع میں کشمیر میں رنجیت سنگھ گورنر کو خراج ادا کرنے میں قدرے پس وپیش سے کام لیا۔ رنجیت سنگھ سخت ناراض ہوا۔ ایک انگریز ڈاکٹر ولیم مورکرافٹ ترکی گھوڑے خریدنے کے سلسلے میں وسطِ ایشیا جانے کے ارادے سے ۱۹۲۰ء میں لداخ میں مقیم تھا کہ لیہہ میں یہ خبر آئی کہ رنجیت سنگھ ایک تھانیدار کی سرکردگی میں لداخ فوج بھیج رہا ہے۔ ولیم مورکرافٹ ذاتی طور رنجیت سنگھ کو جانتا تھا۔ ایک انگریز افسر کا ان دِنوں ہندوستان کے ریاستی حکمرانوں پر بڑا دبدبہ تھا۔ مورکرافٹ نے رنجیت سنگھ کو لکھا کہ حملے کا نتیجہ بڑا سنگین ہوگا اور کشمیر میں پشمینہ کی درآمد بند ہوجائے گی اور معیشت تباہ ہوگی۔ چنانچہ رنجیت سنگھ نے فوج نہیں بھیجی اور عارضی طور خطرہ ٹل گیا۔

مورکرافٹ کے ایک اہل کار میر عزت اللہ نے بالائی لداخ کے گورنر موروپ کنتزین کو کہا کہ لداخ آپ کے ہاتھ سے نکل جائے گا اور رنجیت سنگھ اس کو اپنے زیرِ نگیں لائے گا۔

لداخ کے وزیرِ اعظم (کلون) چھوانگ تنڈوپ نے انہیں دنوں تبت کے ایک بڑے لاماڈوگیا یونگزین کو ایک خط میں رنجیت سنگھ کے متوقع حملے کے پیشِ نظر مدافعت کے لئے ان کی رائے پوچھی تھی۔ بڑے لامانے، جو لداخی حکمران کے رشتہ دار بھی تھے، جواب میں چار مشورے دیئے تھے۔

۱۔ حملہ آور کو تاوان دے کر واپس کرو۔

۲۔ اگر نہ مانے تو جنگ کرو۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

۳۔ سکوریم یعنی مخصوص پوجا کروتا کہ بلا رفع دفع ہو۔

۴۔ شے میں دور بے چھنمو (ایک دیوی) سے پوچھو اور ان کی پیش گوئی پر عمل کرو۔

ان ہدایات پر عمل ہوا یا نہیں، کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ اپنے جرنیل گلاب سنگھ کی فتوحات اور کارکردگی سے بڑا خوش تھا۔

۱۸۲۲ء میں گلاب سنگھ کو جموں جاگیر میں دیا اور راجا کا خطاب دیا۔

۱۸۲۹ء میں رنجیت سنگھ کی ہدایت پر گلاب سنگھ نے کشتواڑ پر حملہ کیا اور راجا محمد تیغ سنگھ کو شکست دی اور کشتواڑ کو جموں کے ساتھ ملایا۔ محمد تیغ سنگھ نے ۱۸۱۵ء میں کابل کے مفرور بادشاہ شاہ شجاع الملک کو پناہ دی تھی جس پر رنجیت سنگھ ناراض تھا۔

اگست ۱۸۳۴ء میں رنجیت سنگھ کے ایماء پر راجا گلاب سنگھ کے جرنیل زورآور سنگھ نے لداخ پر دھاوا بولا جس کے لئے ایسٹ انڈیا کمپنی سے باقاعدہ اجازت لی گئی تھی۔ زورآور سنگھ نے لداخ کا جموں کے ساتھ الحاق کیا اور لداخ کی ایک ہزار سالہ خودمختار حکومت ختم ہوئی۔

برطانوی ہند (British India) اپنی سلطنت بڑھانے کے چکر میں تھا۔ پنجاب پر اس کی نظر تھی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے جیتے جی اس کا خواب پورا ہوتا ہوا نظر نہیں آرہا تھا۔ ۱۸۳۹ء میں رنجیت سنگھ فوت ہوا۔ اس کی اولاد اور جانشین کمزور حکمران تھے۔ دو جانشین کھڑک سنگھ اور نونہال سنگھ ایک سال کے اندر پُراسرار طور مر گئے۔ ان کے بعد شیر سنگھ تخت نشین ہوا لیکن وہ بھی خانہ جنگی کا شکار ہوا اور چھوٹے بیٹے دلیپ سنگھ نے تخت و تاج سنبھالا۔

۱۸۳۹ء میں زورآور سنگھ نے بلتستان پر فوج کشی کی اور اسے کو مغلوب کر کے جموں کا حصہ بنایا۔ اس کے دو سال بعد ۱۸۴۱ء میں زورآور سنگھ نے تبت کو اپنے حملے کا نشانہ بنایا۔ جہاں ڈوگرہ فوج کو سخت ہزیمت اٹھانی پڑی اور زورآور مارا گیا۔ رنجیت سنگھ کے جیتے جی انگریزوں کے اشارے پر گلاب سنگھ نے تبت پر حملہ کرنے کی ہمت نہیں کی۔

۱۸۴۵ء میں انگریزوں اور سکھوں کے درمیان لڑائیوں میں سکھ ہار گئے اور پنجاب ہاتھ سے نکل گیا۔ اس طرح انگریزوں کی دیرینہ خواہش پوری ہوئی۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

انگریزوں اور سکھوں کی جنگ میں راجہ گلاب سنگھ نے انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔ چنانچہ انگریز گورنر جنرل لارڈ ہارڈینگ نے سکریٹ کمیٹی کی رپورٹ میں لکھا کہ اس کے عوض گلاب سنگھ کے حق میں کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور ۱۸۴۶ء کے معاہدہ امرتسر کے مطابق ۱۶/ مارچ ۱۸۴۶ء کو کشمیر ۷۵ لاکھ روپے میں گلاب سنگھ کو فروخت کیا اور گلاب سنگھ نے مہاراجہ کا لقب اختیار کیا۔ کشمیر کے گورنر شیخ غلام محی الدین نے کچھ مزاحمت کی لیکن انگریز فوج کی مداخلت پر وہ دستبردار ہوا اور سیاسی اکھاڑ پچھاڑ کا خمیازہ کشمیر کے عوام کو بھگتنا پڑا۔

مہاراجہ گلاب سنگھ نے اپنے بیٹے اور جانشین مہاراجہ رنبیر سنگھ (۱۸۵۶ء۔۱۸۸۵ء) کے لئے ایک پٹہ (ہدایت نامہ) لکھا، جو وصیت کا درجہ رکھتا ہے۔ اس میں ایک اقتباس یوں ہے:

''تمہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ ریاست تمہارے لئے انگریز سرکار کا ایک تحفہ ہے۔ ہز ہائی نیس ملکہ انگلستان نے اپنے گورنر جنرل لارڈ ہارڈ نیگ کی وساطت سے ہمیں یہ عطا کی ہے، جو ہمیشہ کے لئے ہماری اولاد کی ملکیت ہے۔ اس لئے یہ تمہارا اوّلین فرض ہے کہ تم دل و جان سے ان کے وفادار رہو۔''

مہاراجہ رنبیر سنگھ کی تخت نشینی کے ایک سال بعد ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف پہلی جنگ آزادی لڑی گئی جسے انگریزوں نے Mutiny یا عذر کا نام دیا ہے۔ رنبیر سنگھ نے انگریزوں کی مدد کے لئے تقریباً تین ہزار فوج بھیجی جس نے دلی کے محاصرے میں اہم کردار ادا کیا۔ بعد میں انگریز گورنر جنرل نے مہاراجہ کی خدمات کی سراہنا کی۔ ملکہ انگلستان نے تحفے بھیجے اور اس کی وفاداری اور خلوص کی تعریف کی۔ رنبیر سنگھ کو ستارہ ہند کا خطاب دیا۔

۱۹۴۷ء میں شیخ غلام محی الدین نے کرنل سید ناتھو شاہ کی مدد سے گلگت فتح کیا۔ سکھوں کی حکومت ختم ہوگئی تھی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے سید ناتھو شاہ کو اپنی ملازمت میں لیا اور گلگت کو اپنی حکومت کے زیرِ نگین لایا۔ رنجیت سنگھ کی حکومت کے زوال کے بعد پونچھ پر راجا دھیان سنگھ قابض ہوا ہے۔ وہ رنجیت سنگھ کا وزیر اعظم اور گلاب سنگھ کا بھائی تھا۔ ۱۹۴۷ء میں پونچھ پر دھیان سنگھ کے بیٹے جواہر سنگھ کی حکومت تھی۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اٹھارہویں صدی کے دوسرے نصف میں گلاب سنگھ اور اس کے جانشین مہاراجہ رنبیر سنگھ کی ہوسِ ملک گیری جاری رہی۔ گلاب سنگھ ۱۸۵۶ء میں فوت ہوا اور اس کے بیٹے رنبیر سنگھ نے ۱۸۵۶ء سے ۱۸۸۵ء تک حکمرانی کی۔ ڈوگرہ فوج نے ۱۸۵۲ء میں چیلاس، ۱۸۵۴ء میں مظفر آباد، پھراوڑی، ۱۸۶۰ء میں، کرناہ ۱۸۶۱ء میں، یاسین ۱۸۶۶ء میں، ہنزا، نگر اوڈاریل اور ۱۸۷۸ء میں چترال کو اپنے زیرِ نگین لایا۔ اکثر مفتوحہ علاقوں کا جموں کے ساتھ الحاق کیا۔ کئی مفتوحہ علاقوں کے حکمرانوں نے ڈوگرہ حکومت کی حاکمیتِ اعلیٰ کو تسلیم کیا۔

اس منظر نامہ کے تناظر میں لداخ، بلتستان اور تبت پر گلاب سنگھ کے حملوں کا جائزہ لیں تو یہ ظاہر ہے کہ وہ دریائے ستلج کے پار شمال میں پیش قدمی کر سکتا تھا لیکن ستلج کے مشرق، مغرب اور جنوب میں ایسٹ انڈیا کمپنی اور رنجیت سنگھ کی سلطنتوں کی حدود شروع ہوتی تھیں۔ ان حدود میں داخل ہونا اور فوج کشی کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ ستلج کے شمال میں چھوٹی چھوٹی اور فوجی لحاظ سے کمزور ریاستوں پر اس نے دھاوا بولا اور جموں کے ساتھ الحاق کرایا۔ ان ریاستوں سے آگے چین کے دو صوبوں مشرقی ترکستان (شین جیانگ) اور تبت کی سرحدیں شروع ہوتی تھیں اور گلگت سے آگے پامیر تک روس کی سلطنت پھیلی تھی۔ گلاب سنگھ کے جرنیل زورآور سنگھ نے اپنے آقا کی ہدایت پر مشرقی ترکستان اور تبت پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس ضمن میں زورآور سنگھ نے مشرقی ترکستان کے گورنر سے خراج مانگا۔ عدمِ ادائیگی کی صورت میں حملہ کرنے کی دھمکی دی۔ تبت پر بھی یہی گُر اپنایا اور حملہ کیا لیکن ہار گیا۔ اگر ایسٹ انڈیا کمپنی یا برطانوی ہند کی حکومت گلاب سنگھ کی راہ میں حائل نہ ہوتی تو اس نے مشرقی ترکستان پر دھاوا بولا ہوتا یا دوبارہ تبت پر فوج کشی کرنے کی جسارت کر سکتا تھا۔ تاہم ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس کو روکا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی تب ہندوستان کے سیاہ وسفید کی مالک کی حیثیت سے ابھر رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ تبت اور مشرقی ترکستان پر حملے کی صورت میں چین کے عتاب کا نزلہ اس پر گر سکتا ہے۔

گلاب سنگھ ۱۷۹۲ء میں جموں میں ایک غریب کسان گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔ ۱۸۱۰ء

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

میں اس کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں ذاتی محافظ کا کام ملا۔ اپنی کارکردگی اور دلیری کی وجہ سے ترقی کی اور ۱۸۲۲ء میں جموں کا راجا بنا۔ گلاب سنگھ کے دو چھوٹے بھائی دھیان سنگھ اور سوچیت سنگھ بھی لاہور میں رنجیت سنگھ کے دربار میں مختلف عہدوں پر فائز ہوئے۔ دھیان سنگھ بعد میں وزیراعظم کے عہدۂ جلیلہ تک پہنچا۔ اس سے گلاب سنگھ کو بڑا فائدہ پہنچا۔ دھیان سنگھ چاہتا تھا کہ صرف گلاب سنگھ ہی لداخ اور بلتستان فتح کرے۔

غلام محی الدین صوفی اپنی کتاب A History of Kashmir (Kashmir under the Dogras) Vol,II) میں رقمطراز ہے:۔

" گلاب سنگھ بڑا سخت گیر تھا۔ جولائی ۱۸۳۵ء میں پونچھ کے پاس بغاوت ہوئی۔ گلاب سنگھ نے خود جا کر اسے دبایا۔ چند قیدیوں کو اس کی آنکھوں کے سامنے زندہ کھال ادھیڑی گئی۔ جب جلاد ہچکچایا تو اس کو ڈرپوک کہا۔ پھر اس نے ایک یا دو کی کھال میں بھوسہ بھرنے کا حکم دیا۔ جن کو سر راہ رکھا گیا تا کہ راہ چلتے لوگ انہیں دیکھیں۔ پھر راجا نے اپنے بیٹے کا دھیان اس طرف دلاتے ہوئے کہا کہ وہ اس سے فرمان روائی کا سبق سیکھے۔"

فدا محمد حسنین نے غالباً واقعہ کو یوں بیان کیا ہے:

" گلاب سنگھ نے پونچھ کے سردار ملی خان سُدھان اور سبز خان سدھان کی زندہ سرتاپا کھال ادھیڑی۔ جب ملی خان کی چھاتی سے خون رِسنے لگا تو گلاب سنگھ کا بیٹا ادھم سنگھ چلایا اور رحم کی اپیل کی۔ راجا نے اس کو تھپڑ مارا اور کہا۔ "ایک حکمران کے لئے باغیوں کو ایسی سزا دینا صحیح ہے۔ اس کو اپنی رعایا میں خوف پیدا کرنا چاہیئے۔"

دو اور باغیوں کو پکڑا اور ان کو ایسی ہی سزا دی۔ ان کے سر لوہے کے ایک پنجرے میں رکھے گئے۔

کئی سرداروں کے ہاتھ اور پیر کاٹے گئے۔"

مہاراجہ رنجیت سنگھ کو پشمینہ کی اہمیت کا علم تھا جو لداخ سے کشمیر برآمد ہوتا تھا۔ گلاب سنگھ پشمینہ کشتواڑ منتقل کرنا چاہتا تھا۔ لداخ پر حملہ کرنے کا ایک بڑا محرک پشمینہ تھا۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

لداخ اور بلتستان کی حکومتوں کو رنجیت سنگھ اور انگریزوں کے درمیان ہوئے ۱۸۰۹ء کے معاہدے کا علم نہیں تھا جس کے تحت رنجیت سنگھ ستلج کے شمال میں اپنی قلمرو بڑھا سکتا تھا۔

لداخی حکومت کے انگریزوں سے متعلق اچھے تاثرات نہیں تھے۔ ۱۸۲۰ء میں جب انگریز ڈاکٹر ولیم مورکرافٹ کے لداخ داخلہ کی اجازت کا سوال اٹھا تو لداخی حکومت نے پس و پیش سے کام لیا۔ کلون (وزیر اعظم) چھوانگ تنڈوپ کے یہ الفاظ تھے کہ انگریز شروع میں تاجروں کے بھیس میں آتے ہیں۔ پھر وہ سیاست میں دخل دیتے ہیں۔ آخر میں اس ملک پر قبضہ کرتے ہیں۔

بعد میں ایک صوفی منش بزرگ خواجہ شاہ نیاز کی ترغیب اور سفارش پر مورکرافٹ کو لداخ میں قیام کی اجازت ملی۔ کشمیر میں خواجہ شاہ نیاز کی جاگیر سکھ حکومت نے ضبط کی تھی۔ خواجہ کی سرینگر کے پاس برین جاگیر میں ملا تھا۔ خواجہ شاہ نیاز نے کشمیر سے ہجرت کی تھی اور لیہہ کے پاس شے گاؤں میں مقیم تھے۔ بعد میں مورکرافٹ کی سفارش پر جاگیر واپس ملی تھی لیکن کشمیر کے حالات نے خواجہ کو دوبارہ نقلِ مکانی پر مجبور کیا۔

مورکرافٹ کے لیہہ میں قیام کے دوران برطانوی ہند اور لداخی حکومت کے درمیان ایک تجارتی معاہدہ ہوا اور مورکرافٹ کے ایما پر وزیر اعظم نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر جنرل کو اپنے تحفظ میں لانے کے لئے درخواست دی جس کا کچھ پتہ نہیں چلا۔

لداخی حکومت کے برعکس اسکردو کے راجا احمد شاہ گلاب سنگھ سے بڑا خائف تھا اور انگریزی حکومت سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے لئے مضطرب اور بے تاب تھا۔ اس ضمن میں وہ ہر کسی سفید فام کو دیکھ کر دوستی کا ہاتھ بڑھاتا تھا۔ اس نے مورکرافٹ کو بدخشاں اور خوقند جانے کے لئے قلیوں، راشن اور وہاں کے مسلم حکمرانوں کے نام تعارفی خطوط لکھنے کی پیشکش کی تاہم مورکرافٹ نے قبول نہیں کی۔

احمد شاہ نے انگریز افسر C.M.Wade کے ساتھ اس ضمن میں خط و کتابت کی۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

واڈے نے لکھا۔''جس کسی کے ساتھ انگریز سرکار کے دوستانہ تعلقات ہیں،انگریز سرکار اس کی قدر کرتی ہے۔میں اور میری حکومت جس کا میں ایک ملازم ہوں،آپ کے دوستانہ جذبات سے باخبر ہیں۔''

احمد شاہ اسکردو آنے والے انگریز سیاحوں کی خوب خاطر مدارت کرتا تھا۔

جب گلاب سنگھ نے احمد شاہ سے دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو بلتی حکمران ڈھٹائی سے بولا۔''اپنی مستقل مزاجی کی بدولت میں اپنے کو ہما کے زیرِ سایہ لانے میں کامیاب ہوا ہوں۔'' ہما ایک خیالی پرندہ ہے،جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ جو کوئی اس کے زیرِ سایہ آئے تو اس کے مقدر میں خوشحالی ہوتی ہے۔

لداخی راجا چھیپل تنڈوپ نمگیل ایک نااہل اور کمزور حکمران تھا۔ بیرونی حملے کے منڈلاتے خطرے کے تناظر میں کمزور حکمران ملک کی سلامتی کے لئے بڑا نقصان دہ تھا۔دراس،سپتی،زنسکار وغیرہ کے سرحدی علاقوں میں بلتستان،کلو اور پاڈر سے چھاپہ مار قسم کے چھوٹے چھوٹے حملوں اور لوٹ مار کو روکنے میں وہ ناکام رہا تھا جس سے سرحد پر رہنے والے لوگ اپنے کو غیر محفوظ محسوس کرتے تھے اور حکومت پر ان کا اعتماد اٹھ گیا تھا۔

راجا کے برعکس ان کی مسلم اہلیہ زہرہ خاتون بڑی سخت گیر اور ہٹ دھرم تھی۔وہ پشکیوم کے چو سردار کی بیٹی تھی۔

راجا کی کمزوری کا''سکوُلُق ''(روسا Nobles) ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے۔ایک دیانت دار سکرُلُق کونگا پنچگ نے جو وزیر بھی تھا،''چیکتم رینگمو''(طویل خود کلامی) کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس کے معاصر راجا دیسکیونگ نمگیل کے دورِ حکومت میں سکولُق کی خودغرضی اور بددیانتی کا ذکر ہے۔گیالپو بذاتِ خود شریف تھا لیکن سکولُق ان کی شرافت اور سادگی کا ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے اور دولت بناتے تھے۔گونگ پنچگ لکھتا ہے۔''میں بھی ان کے نقشِ قدم پر چل کر دھن دولت بنا سکتا تھا لیکن میں نے نہیں بنائی۔میرا دل اس صورتِ حال سے دُکھتا ہے۔''

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

لداخ میں راجا چھپل تنڈوپ نمگیل کے ماتحت کی راجے اور چو (سردار) تھے۔ ان کے اپنے چھوٹے چھوٹے علاقے تھے۔ پشکیم میں راجا محمد علی، موبیگ میں کلون چھوانگ نمگیل استاکچے میں راجا رحیم خان، واکھا میں راجا (اعظم خان)، سوت میں راجا سلام خان، گیا میں پاچو اور ترامبیس میں راجا چھغدور نمگیل تھے۔ لداخی گیالپو کی جانبدارانہ پالیسی کی وجہ سے پشکیم کے چو اور ترامبیس کے چو کے درمیان دشمنی پیدا ہوئی۔ کشمیر کے گورنر کے نمائندے مالک اور لداخی رانی زہرہ خاتون نے پشکیم کے چو کا ساتھ دیا جو اس کا والد تھا۔ جبکہ ترامبیس کے راجا کو گیا پاچو اور موبیگ کلون نے حمایت کی۔ تنازعہ ایک راستے کے استعمال پر ہوا۔ کشمیر سے ہر سال گورنر کا نمائندہ، جو مالک کہلاتا تھا، تقریباً سو گھوڑے والوں کے ساتھ لداخی راجا کو رسمی طور سلام کرنے آتا تھا۔ اس کے بدلے میں لداخی گیالپو خلسے کے ٹاقشوس تنڈوپ کے ساتھ لداخ سے گورنر کو ایک یاک، ایک بھیڑ، ایک بکری، ایک کتا اور قیمتی اشیاء بھیجتا تھا۔ گورنر کا مشن ہر سال زوجیلا کرگل کے راستے سے آتا تھا۔ اب کے سنقپا درہ سے ہو کر سورو آیا تھا جو ترامبیس کے چو کا علاقہ تھا۔ چو نے اعتراض کیا کہ بلا اجازت اس کے علاقے میں کیوں داخل ہوا۔ دونوں میں جھڑپ ہوئی۔ جس کے نتیجے میں فریقین کے چند آدمی مارے گئے۔ مالک نے پشکیم کے چو کو شکایت کی جس نے لیہہ میں راجا کے ساتھ یہ مسئلہ اُٹھایا۔ ترامبیس کے چو کو لیہہ بلایا۔ انہوں نے اور چھغزوت نمگیل نے اپنا موقف پیش کیا لیکن رانی جو لداخ میں امال گیا مو (اماں رانی) کے نام سے جانی جاتی تھی، کی مداخلت سے پشکیم کا کاچو اور مالک جیت گئے۔ ترامبیس کے چو نے خفت محسوس کی۔ اس نے کشتواڑ جا کر سابق حکمران محمد تیغ سنگھ کے کان بھرے۔ بات زور آور سنگھ تک پہنچی۔

جب تک چھوانگ تنڈوپ وزیر اعظم تھا، حکومت کا نظم و نسق ٹھیک طرح سے چل رہا تھا۔ لداخی مورخ تشی ریگیس کے مطابق وہ بڑا مدبر تھا۔ ۱۹۲۵ء میں اس کا انتقال ہوا۔ راجا نے نیا وزیر اعظم مقرر نہیں کیا۔ سرکاری مہر شاہی محل لے لی اور کچن کیبنٹ قائم ہوا۔ جس میں آمال گیا مو کی بات زیادہ سنی جاتی تھی۔ ان کا بڑا مشیر گوبا گوینو تھا۔ زنسکار کے گیالپو اور یورگیک کے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کلون کو انہوں نے لیہہ میں قید کیا تھا۔

گلاب سنگھ کو لداخ کا پورا علم تھا۔ اس نے یہ بھی سنا کہ لداخ میں دولت کی ریل پیل ہے۔ ایسے میں لداخ پر حملہ کرنا بڑا ساز گار رہا۔

حملہ کرنے سے پہلے گلاب سنگھ نے خفیہ طور ایسٹ انڈیا کمپنی سے دریافت کیا کہ لداخ پر حملہ کرنے میں اس سے کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔ کمپنی نے مطلع کیا کہ اس کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔

گلاب سنگھ نے جرنیل زور آور سنگھ کی سرکردگی میں اگست ۱۸۳۴ء میں لداخ فوج بھیجی جس کی جمعیت دس ہزار بتائی جاتی ہے۔ اس فوج میں بڑے کمانڈر گیارہ تھے جن میں پانچ مسلمان تھے۔ کمانڈروں میں ایک اہم نام بستی رام ہے۔ رائے سنگھ اور بستی زور آور سنگھ کے دست راست تھے۔ بستی رام کشتواڑ کا راجپوت تھا۔

زور آور سنگھ ستمبر ۱۷۸۶ء میں ایک راجپوت گھرانے میں پیدا ہوا۔ ''تاریخ ڈوگرہ دیس۔ جموں و کشمیر'' مرتبہ دیوان نرسنگداس نرگس کے مطابق وہ ہماچل پردیش کے علاقہ کلھوریا بلاسپور کے ایک راجپوت گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔ جبکہ کے۔ ایم۔ پانیکر نے The Foundation of the Kashmir State میں لکھا ہے کہ زور آور سنگھ ریاسی کے پاس گوسل میں پیدا ہوا۔ اس نے رانا جسونت سنگھ والیٔ ڈوڈہ کی سرپرستی میں نیزہ بازی، شہسواری اور اس دور کے تمام ہتھیاروں کے چلانے میں مہارت حاصل کی۔ تلوار چلانا وہ بچپن سے جانتا تھا۔ پھر وہ راجا گلاب سنگھ کی فوج میں ایک سپاہی کی حیثیت سے بھرتی ہوا۔ تب گلاب سنگھ جموں میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کا گورنر تھا۔ زور آور سنگھ نے اپنی دیانت داری سے گلاب سنگھ کی خوشنودی حاصل کی۔ کے۔ ایم۔ پانیکر لکھتا ہے۔ ''اس نے اپنے لئے کوئی تحفہ قبول نہیں کیا۔ جو کچھ اس کو ملا، وہ گلاب سنگھ کو بھیجا وہ اپنی تنخواہ پر قانع تھا اور وہی لباس پہنتا تھا جو گلاب سنگھ نے اس کو دیا تھا۔'' اپنی کارگزاری کی وجہ سے وہ بعد میں کشتواڑ کا گورنر بنا۔''

کے۔ ایم۔ پانیکر رقم طراز ہے۔ ''زور آور سنگھ انیسویں صدی میں شاید بہترین سپاہی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

تھا جس کو ہندوستان نے پیدا کیا۔تاہم کئی مورخین کا خیال ہے کہ ایک اچھا سپاہی یا جرنیل ظالم نہیں ہوتا ہے۔زورآور سنگھ نے کئی دفعہ اپنے دشمنوں کو انتقاماً سخت ایذائیں پہنچائیں۔"

ڈوگرہ فوج بھوٹ کول اور اوماہی لہ عبور کرکے سورو کے پاس پہنچی جہاں لداخیوں کا کرکھرپو میں پہلا دفاعی ٹھکانہ تھا۔ایک انگریز آرتھر نیوے نے اپنی کتاب 30 Years in Kashmir، ۱۹۱۳ء میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"لداخی بھوٹ کول اور اوماہی درے پر ڈوگروں کو روک سکتے تھے لیکن ان کی مورچہ بندی سورو کے اطراف میں چند میل پیچھے تھی۔"

لیہہ میں یہ خبر بودھی نویں مہینے میں پہنچی کہ سینگھپا نے حملہ کیا ہے۔سنگھ نام کے تناسب سے لداخی ڈوگروں اور سکھوں کو سنگھپا کہتے تھے۔زورآور سنگھ کے حملے تک لگ بھگ پچاس سال بعد موراوین مشن کے پادری ڈاکٹر اے۔ایچ۔فرانکی لداخ پہنچے۔تب خلسے میں ایک عمر رسیدہ آدمی چھیتن نے ڈاکٹر فرانکی کو لڑائی کا چشم دید واقعہ سنایا۔چھیتن لداخی فوج میں تھا اور ڈوگرہ فوج سے لڑا تھا۔زورآور کے حملے کے بعد وہ ۷۰ سال زندہ رہا۔ایک لداخی سکالر منشی سپلگیں نے بھی اس کے کچھ عرصہ بعد اس موضوع پر تاریخ لکھی۔فرانکی نے اس سے استفادہ کیا اور سکول کے نصاب میں شامل کیا۔

لداخیوں نے مدت سے لڑائی نہیں دیکھی تھی۔ان کے باپ داداؤں نے سترہویں صدی میں سوقپو (قلمق) اور ہور (ترکوں) سے لڑائیاں دیکھی تھیں۔اس لئے زورآور سنگھ کے حملے سے لوگوں میں خوف و ہراس پھیلا۔

سرکاری طور پر پہلی خبر سورو کے خرپون (قلعہ دار) ٹشی وانگچک نے دی۔راجا، روسا اور وزراء کی ہنگامی میٹنگ ہوئی اور فوری طور لام بندی شروع ہوئی۔لداخی حکومت کے پاس باقاعدہ فوج نہیں ہوتی تھی۔

مورکرافٹ نے لکھا ہے۔"عام فوج کسانوں پر مبنی تھی۔رسالہ (گھڑسوار) واجبی سا تھا۔پیدل فوج میں دس سپاہیوں کے لئے ایک Match Lock (توڑے دار) بندوق تھی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اور چھ سپاہیوں کے لئے ایک تلوار تھی۔

مورکرافٹ کا منشی سیّد نجف علی رقم طراز ہیں:

''گھڑ سواروں کی تعداد تقریباً دو ہزار ہے۔کئی ایک کے پاس تیشہ دار بندوقیں ہیں۔ باقیوں کے پاس تیر کمان اور تلواریں ہیں۔ان کو تنخواہ نہیں ملتی بلکہ کسانوں سے جنس میں امداد ملتی ہے۔''

ظاہر ہے اس صورتِ حال میں لداخی فوج ایک تربیت یافتہ باقاعدہ فوج کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی۔ زور آور سنگھ نے اپنی فوج کو کشتواڑ کے پہاڑوں میں تربیت دی تھی۔ سورو پہنچ کر بلندی اور آب و ہوا سے مانوس ہونے کے لئے پرکاچیک میں جنگی مشق کی۔

وزیر نے ۱۸۳۴ء میں چولونگ نالہ میں واقع مضبوط قلعہ کرپوکھر پر حملہ کیا اور توپ خانہ استعمال کیا۔قلعہ دار ٹشی دانچک اور دوسو سپاہی تعینات تھے۔اس پہلی لڑائی میں لداخیوں نے جم کر مقابلہ کیا اور ڈوگرہ فوج پر اچھا تاثر قائم کیا۔لداخ ذرائع کے مطابق ٹشی وانچک ،اس کا بیٹا سمیت لگ بھگ سارے سپاہی مارے گئے یا زخمی ہوئے۔توپ خانہ اور بہتر ہتھیاروں کے سامنے ان کی کچھ نہیں چلی۔بستی رام کے مطابق اس لڑائی میں ۶ یا ۷ ڈوگرہ فوجی مارے گئے اور ۵ یا ۶ زخمی ہوئے۔تاہم بستی رام نے لداخی مہلوکین کی تعداد ۳۰ بتائی ہے اور زخمیوں کی تعداد بھی اتنی ہی بتائی ہے۔بستی رام نے لڑائی کی روداد ایک انگریز افسر الیکزنڈر کیننگھم کو سنائی۔ ۱۸۲۶ء میں کیننگھم لداخ آیا تھا۔تب بستی رام لداخ کا گورنر تھا اور تھانیدار کہلاتا تھا۔

کرپوکھر کی شکست کی خبر سن کر کرچے کھر میں تعینات لداخی فوج روسی درے کے راستے شرگول کی طرف بھاگ گئے اور وزیر نے کرچے کھر پر آسانی سے قبضہ کیا۔

لیہہ میں زور و شور سے لام بندی جاری تھی۔راجا کی طرف سے کلونی وزراء اور گورنروں کو فوج کے اجتماع کے لئے حکم جاری ہوا۔انہوں نے اپنے علاقوں کے قلعہ داروں، نمبرداروں اور نمائندوں کو حکم دیا کہ ہر گھر سے فوجی خدمت کے لئے پروانہ نکالیں۔فوجی خدمت جبری تھی۔بہتوں کے پاس ہتھیار نہیں تھے۔سرکاری اسلحہ خانہ سے ہتھیار فراہم کئے گئے۔ہراوّل فوج ستوقپا کلون دورجے نمگیل کی سرکردگی میں فوری طور محاذ پر بھیجی گئی۔اس فوج

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کی تعداد پانچ ہزار بتائی جاتی ہے۔ دورجے نمگیل کی عمر ۱۵ سے ۱۸ سال کے درمیان بتائی جاتی ہے۔ وہ دلیر تھا لیکن تجربہ کار نہیں تھا۔

۱۹ اراگست کو زورآور سنگھ کی فوج سورو پہنچی۔ زمینداروں سے بات چیت کی۔ شروع میں زورآور کا روّیہ دوستانہ تھا۔ اس نے فوج کو حکم دیا کہ فصلوں کو نقصان نہ پہنچائیں اور کسانوں کو ہراساں نہ کریں۔ اس نے لداخی ٹیکس نظام کے مطابق ہر گھر پر چار روپے کا ٹیکس عائد کیا۔

وزیر نے سورو میں ایک قلعہ تعمیر کیا۔ پھر سنکو اور لنکر چے کی طرف پیش قدمی کی جہاں لونپو موروپ ستزین کی سرکردگی میں چار یا پانچ ہزار فوج پہنچی تھی۔ لداخی فوجی کمانڈروں نے آستانہ اور بیاماخومبو کے درمیان تنگ اور سنگلاخ جگہ پر مورچہ بندی کی۔ ڈوگرہ فوج نے حملہ کیا۔ لداخیوں نے سخت مزاحمت کی۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر ڈوگرہ فوج کے ایک کمانڈر ندھان سنگھ ایک سپاہی کے ساتھ ایک نہر کے راستے ایک مورچے کے اندر داخل ہوا۔ لداخی کمانڈر دورجے نمگیل ستوقپا کلون ایک سفید گھوڑے پر گشت لگا رہا تھا۔ انہوں نے لداخی کمانڈر کو اپنی گولی کا نشانہ بنایا۔ وزیر زورآور سنگھ نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے لداخی مورچوں پر ہلہ بول دیا۔ لداخی اور ڈوگرہ فوجیوں کے درمیان دست بدست لڑائی ہوئی۔ لداخی اس غیر متوقع حملے کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ یہاں بھی ڈوگرہ فوج کے بہتر جنگی اسلحہ نے اپنا اثر دکھایا۔ اس پر پہلے توپ کی گولہ باری کا منفی نفسیاتی اثر پڑا تھا۔ مورچہ بند لداخی فوج کی اکثریت اس لڑائی میں کام آئی۔ موروپ ستزین اور اس کے سپاہی پسپا ہوئے۔ ڈوگرہ فوجیوں نے ان کا تعاقب کیا۔ موروپ ستزین معہ بارہ سو سپاہی ڈوگرہ فوج کے ہاتھ آئے۔ ڈیڑھ ہزار بھاگنے میں کامیاب ہوئے۔

تیسری امدادی فوج پنکھا پا کلون کی سرکردگی میں پشکیم پہنچی تھی۔ یہاں پشکیم پل پر ستوقپا کلون کی فوج تعینات تھی۔ یہ پل پشکیم کے میتوق کھر کے نیچے اس کی مغربی جانب میں واقع تھا اور فوجی حکمتِ عملی کے نقطۂ نظر سے اہم تھا۔ ایک سخت حملے کے بعد ڈوگرہ فوج پل پر قابض ہوئی اور پشکیم محل پر دھاوا بولا اور اس کا خزانہ اور جائیداد لوٹ لی۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

وزیر حشمت اللہ نے لکھا ہے جب پنکھاپا مع اپنی فوج پشکیم میں مقیم تھا، یہ خبر پہنچی کہ وزیر زورآور سنگھ پل اندو پر پہنچ گیا ہے۔ وہ اس قدر گھبرایا کہ اپنے گھوڑے کی رسی کھولنے کا بھی خیال نہیں آیا اور بندھے ہوئے گھوڑے پر سوار ہو کر اسے بھگانے کی کوشش کی۔ اس وجہ سے "پنکھاپا کا گھوڑا" ضرب المثل کے طور پر پشکیم میں آج تک مشہور ہے۔

اس واقعہ میں کہاں تک صداقت ہے، کہنا مشکل ہے۔ پانکھاپا نے ڈوگروں کے ساتھ لڑائی میں کم سے کم صد مرتبہ بہادری کا مظاہرہ کیا تھا۔

پشکیم کے بعد دوسرا نشانہ سوت کا قلعہ تھا۔ پسری نام کا یہ قلعہ پہاڑ کی بلندی پر تھا اور بڑا مستحکم اور مضبوط تھا۔ سوت کے راجا سلام خان نے قلعہ بند ہو کر ڈوگرہ فوج کا دس روز تک بہادری سے مقابلہ کیا۔ چالیس ڈوگرہ فوجی اس دوران مارے گئے۔ اس کے بعد وزیر زورآور سنگھ کے حکم پر مہتہ بستی رام نے پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ توپوں کی گولہ باری کی آڑ میں قلعے پر یلغار کی۔ توپ کے گولوں سے قلعہ کی دیوار منہدم ہوئی اور سلام خان نے ہتھیار ڈال دیئے۔ بستی رام کے مطابق اس لڑائی میں چھ ہزار قیدی بنائے گئے۔ پوریگ کا بڑا علاقہ اب وزیر کے قبضے میں آیا تھا۔ وزیر نے فی کنبہ چار روپے ٹیکس مقرر کئے۔

اب سردی شروع ہو گئی تھی۔ کچھ برف پڑی۔ زورآور نے موقعے کی نزاکت کو تاڑ لیا۔ راستہ بند ہونے کی صورت میں کشتواڑ جانا دوبھر ہوگا۔ حکمت عملی کا تقاضا ہے کہ سردیوں میں جنگ کو ٹالا جائے۔ وہ بلا حصول مقصد واپس جانے کے حق میں نہیں تھا۔ اس نے ایک کشتواڑی کو لداخیوں کے پاس سمجھوتہ کے لئے بھیجا۔ لداخی گیالپو نے چار سرکردہ اشخاص دورجے نمگیل گیاپاچو، چھوانگ ستبدن بز گوکلون، رحیم خان چھشوت اور کلون پنکھاپا کو ڈوگروں سے سمجھوتہ اور صلح و صفائی کرنے کے لئے نامزد کیا۔

وزیر زورآور سنگھ نے لداخی قاصدوں کو صافہ پہنایا اور ان کے اعزاز میں ضیافت کا انتظام کیا۔ وزیر نے ان کے سامنے اپنی شرائط رکھیں۔ اوّل لداخی گیالپو ڈوگرہ سرکار کی اطاعت قبول کرے۔ دوم نو ہزار روپے سالانہ خراج ادا کرے اور پندرہ ہزار روپے تاوانِ جنگ ادا کرے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

بات لداخی فوج تک پہنچی۔ ہر سپاہی مقامی سکہ چھ جاؤ ادا کرے تو خراج اور تاوان کی رقم پوری ہو جاتی تھی۔ ایک جاؤ کی قیمت تین آنے کے برابر تھی۔ لداخی سپاہیوں نے چھ چھ جاؤ جمع کرنے کی پیشکش کی۔ انہیں ڈوگرہ فوج کی برتری کا احساس ہو چکا تھا۔

ہر ڈوگرہ سپاہی توڑے دار بندوق اور تلوار سے لیس تھا۔ بہتوں کے پاس ڈھالیں تھیں۔ لداخی توڑے دار بندوق سے ڈوگروں کی بندوق کی کارکردگی بہتر تھی۔ اکثر لداخی فوجیوں کو معمولی سی تربیت ملی تھی۔ چھیتن نے ڈاکٹر فرانکی کو سنایا کہ اپنی پیٹھ پر راشن، کپڑا، بچھونا اور ہتھیار اُٹھانا پڑتے تھے۔ اس بھاری بوجھ کے ساتھ لڑنا بھی محال تھا۔

لداخی سرداروں نے ایک قاصد کے ذریعے وزیر زورآور سنگھ کی شرائط کو اس پیغام کے ساتھ گیالپو کو بھیجا کہ وہ اگر خراج اور تاوانِ جنگ ادا نہ کر پائے تو سپاہی ادا کریں گے۔

گیالپو اور وزراء نے ان شرائط کو مان لیا لیکن اماں گیامو (مہارانی) نے نہیں مانا۔ اس نے کہا کہ ایک حملہ آور کو اس طرح روپیہ ادا کرنا ملک کی خودمختاری، اعلیٰ حاکمیت اور عزت اور وقار کے خلاف ہے۔ اماں گیامو کی دلائل منطقی طور غلط نہیں تھیں لیکن ڈوگرہ فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی موثر حکمت عملی نہیں تھی۔ گیالپو ایک قابل حکمران نہیں تھا۔ لداخی مورّخ ایس۔ ایس۔ گیرگن کے مطابق بہت سے امراء اور روسا گیالپو کے خلاف تھے اور در پردہ اور کھلم کھلا اس کی حکومت گرانے کیلئے سازشیں کرتے تھے۔ ماٹھو کے لہا (Oracle) نے کہا تھا کہ گیالپو نالائق ہے۔ عنانِ حکومت بیٹے کے حوالہ کرو۔ لوگوں نے چلا کر اس کی تائید کی تھی۔ گیالپو نے دستبردار ہونا مان لیا تھا لیکن اماں گیامو نے نہیں مانا۔ کئیوں نے اسے وزراء کی سازش قرار دیا ہے۔ اماں گیامو کے دل میں پشیکم کا محل لوٹنے کے سبب زورآور سنگھ کے خلاف بڑی کدورت تھی۔ سبھوں نے اماں گیامو کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا۔ گیالپو نے قاصد کے ذریعے لداخی سپاہ کے معاملات کو یہ حکم بھیجا کہ اگر ڈوگرہ سپاہ سالار کا سر نہ لائے تو اس کے سر کی خیر نہیں۔

گیالپو کا جواب ملنے پر لداخیوں نے ڈوگرہ قاصدوں کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ پانچ قاصدوں میں دو معزز زمیندار گوند اور بندا تھے۔ ایک قاصد رتن سنگھ بچ کر ڈوگرہ کیمپ میں

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

لوٹا۔ پانکھا کلون نے ایک درے کے عقب سے حملہ کر کے پشکیم کے خزانے پر دوبارہ قبضہ کیا۔ اسے کشتواڑ لیا جارہا تھا۔ خزانہ کے ساتھ جانے والے ڈوگرہ محافظوں کے ہاتھ پیر رسیوں سے باندھ کر ڈوگرہ فوجیوں کے سامنے دریا میں پھینک دیا۔ ڈوگرہ فوجی بے بسی سے دیکھتے رہ گئے۔

زور آور سنگھ نے معاملے کی نزاکت جانی اور فوج کو واپس کر لیا۔ پانچ سو فوجیوں کو پشکیم میں رکھا۔ ان ایام میں وزیر کے لشکر کا گزارہ لوٹ مار پر رہا۔

سردیوں میں لداخیوں نے ڈوگرہ فوج کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ اس دوران حملہ کرتے تو جنگ کا پانسہ پلٹ سکتا تھا۔ الیکزنڈر کننگھم، لوسینو پیٹیک، سی۔ ایل۔ دتہ اور جے۔ پی فرگوسن جیسے موّرخوں نے اسے لداخیوں کی حماقت سے تعبیر کیا ہے۔ فرگوسن رقم طراز ہے۔ "اگر لداخی عقلمند ہوتے تو سردیوں میں ڈوگرہ پر حملہ کرتے۔ جب ڈوگرہ فوج اپنے ہتھیار استعمال نہ کر پاتے اور پالا لگنے کا اندیشہ تھا۔"

یہ لداخی حکمران کے تئیں فوجی کمانڈروں اور وزیروں کی عدمِ دلچسپی کا مظہر بھی ہے۔

زور آور سنگھ اپنے جاسوسوں کے ذریعے لداخی فوج کی نقل وحرکت پر نظر رکھتا تھا۔ اس کے برعکس لداخی اپنی کھال میں مست رہتے تھے۔ فروری میں زور آور سنگھ نے پیش قدمی کی سکیت مارتے پہنچا جو لنکر ژے سے ایک کوس دور ہے۔ لداخی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں گپ شپ کر رہے تھے یا نمکین چائے اور ستو کھانے میں مگن تھے۔ کچھ لوگ کھانا پکا رہے تھے۔ ٹوہ لینے کے لئے آس پاس کسی سپاہی کو نہیں رکھا تھا۔ ڈوگرہ فوج نے اس کا فائدہ اٹھایا اور اچانک شب خون مارا۔ لداخی فوج میں کھلبلی مچ گئی۔ چار سو دریائے سندھ میں ڈوب مرے اور بارہ سو قیدی بنائے گئے اور بہت سے مارے گئے۔

بستی رام کے مطابق اس لڑائی میں تین ڈوگرہ افسر اُتم وزیر اُونا اور سورتو رانا سمیت ۲۳ سپاہی مارے گئے۔

ڈوگرہ فوج نے بلا روک ٹوک پیش قدمی کی اور لداخی قیدیوں کو بطور بار بردار قلی استعمال کیا۔ بودھ کھربو میں لامایورو سے چند اشخاص ایک گھوڑا اور نذرانہ لے کر اطاعت کے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

لئے حاضر ہوئے۔ لامایورو میں تنگ موگا نگ کا ایک وفد دو گھوڑے اور نذرانہ لے کر حاضر ہوئے۔ وزیر نے ان کی حفاظت کے لئے ایک ایک سپاہی دیا۔ یہاں گیالپو کا پیغام آیا کہ وہ بذاتِ خود وزیر سے بات چیت کرنے کے لئے آرہا ہے۔ وزیر جب نورلا پہنچا تو دیکھا دیکھی میں ایلچی، الکیر اور نیمو کے نمائندے تحفے تحائف لے کر پہنچے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لداخی حکومت نے بودھ کھربو، یورو وغیرہ میں ڈوگرہ فوج کی مزاحمت کیوں نہیں کی۔ جبکہ بیشتر تر فوجی لڑنے کے قابل تھے۔ البتہ اچھے کمانڈر نہیں تھے۔ لداخی تاریخ دان بابو عبدالقیوم نے بھی اس ضمن میں یہی نکتہ اٹھایا ہے اور لکھا ہے کہ اس سلسلے میں ان کی انتھک کوشش کے باوجود کوئی خاص معلومات حاصل نہیں ہوسکیں۔

مارچ کے وسط میں گیالپو اور زور آور کی بزگو میں ملاقات ہوئی۔ بالآخر طے پایا کہ گیالپو پچاس ہزار روپے تاوانِ جنگ اور سالانہ بیس ہزار روپے بطورِ خراج ادا کرے گا۔ معاہدہ کی تکمیل کے لئے وزیر چند سپاہیوں کے ساتھ لیہہ گیا۔ لداخی روایت کے مطابق جب اماں گیامو نے لیہہ کے محل کی چھت سے "آوی چھونے تھنگ" اُس جگہ جہاں موجودہ لیہہ ایئر پورٹ بنا ہے، سے ڈوگرہ فوج کو لیہہ آتے دیکھا تو اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس روز سن و مہینہ بھی اپریل ۱۹۳۵ء تھا۔

وزیر نے لیہہ محل میں ولی عہد راجکمار چھوانگ رفتن نمگیل المعروف چھو غسفرول کو لاہور دربار کی رسم کے مطابق ایک سو روپیہ کا نذرانہ سر پر گھما کر پیش کیا۔ اسے صدقی یا سارواری کہا جاتا تھا۔ چھ غسفرول کا مطلب Best یا Last Incarnate ہے مسئلہ تناسخ یا آواگون کے عقیدے کے مطابق راجکمار کس بڑے لاما یا رِشی کا incarnate یا تجسیم تھا۔ راجکمار نے اسے اپنی توہین سمجھ کر میان سے تلوار نکالی۔ اس کے حامیوں نے بھی اپنی تلواریں نکالیں۔ وہاں موجود ڈوگرہ فوجی بھی حرکت میں آئے اور میان سے اپنی تلواریں نکالیں۔ گیالپو کی بروقت درخواست پر خون خرابہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ زور آور سنگھ نے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ اس واقعہ کی اطلاع بزگو میں مقیم فوج کو مل گئی اور دوسرے روز پانچ ہزار ڈوگرہ فوج لیہہ پہنچی۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

گیالپو نے نقد اور جنس کی صورت میں ستئیں ہزار روپے ادا کئے۔ بقایا رقم دو قسطوں میں چار ماہ میں ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ وزیر لیہہ میں چار ماہ رہا اور اپنے منشی دیارام کو لیہہ رکھ کر چلا گیا۔

یہ امر دلچسپ ہے کہ ڈوگروں نے گیالپو چھپل تنڈوپ نمگیل کو عاقبت محمود خان کے نام سے یاد کیا ہے۔ یہ دراصل مغلوں کا گیالپو دے لیگس نمگیل کو رکھا ہوا نام ہے جس نے سترہویں صدی میں لداخ پر تبت کے حملے کے بعد مغل حکومت سے مدد کی درخواست کی تھی۔

زنسکار کے لاما جونگر نے جو چند سال پہلے ہنگری کے سکالر سوماڈی کوروسو کے استاد رہے تھے، ایک انگریز افسر جیمز گے رارڈ James Gerard کو ایک خط لکھا کہ سکھ فوج نے لداخیوں سے ایک لڑائی کے بعد لیہہ کی طرف پیش قدمی کی ہے۔ چار ہزار لداخی سپاہی معہ چند بڑے افسر مقابلہ کے قابل نہیں رہے ہیں۔ سکھ لداخیوں سے پچاس ہزار روپے کا تاوان مانگ رہے ہیں۔ یہ خط ایک انگریز اہل کار چارلس کینڈی نے سوباٹھو سے ۱۸ مئی ۱۸۳۵ء کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے شمال مغربی دہلی کے لیفٹننٹ گورنر ٹی ٹی میٹ کلف (T.T. Metcalf) کو بھیجا۔ لاما جونگر غالباً پہلا لداخی تھا جس نے انگریزوں کو گلاب سنگھ کے حملے سے آگاہ کیا۔

واپس جاتے ہوئے لامایورو میں وزیر نے سنا کہ سوت اور سورو میں بغاوت ہوئی ہے۔ سوت کے چو سلام خان نے دوبارہ قلعے پر قبضہ کیا ہے۔ ڈوگرہ فوج پہنچنے سے پہلے ہی سلام خان بھاگ گیا تھا۔ اپنا اقتدار بحال کرنے کے بعد وزیر بغاوت فرد کرنے کے لئے سُورُو روانہ ہوا۔ یہاں وزیر کو معلوم ہوا کہ باغیوں کو کرنل میہان سنگھ کے ایک اہلکار فتح سنگھ جوگی اور اس کے سپاہیوں نے بغاوت کے لئے اکسایا تھا۔ کرنل میہان سنگھ کشمیر میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کا گورنر تھا۔ ان دنوں پشمینہ لداخ اور مغربی تبت سے کشمیر برآمد ہونے کے بجائے براہِ راست کشتواڑ کے راستے جموں لے جایا جا رہا تھا اور کشمیر میں شال بافی کی صنعت کو نقصان پہنچ رہا تھا۔ کرنل میہان سنگھ نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو لاہور عریضے بھیجے لیکن ان عریضوں کی شنوائی نہیں ہو رہی تھی۔ دراصل گلاب سنگھ کا بھائی دھیان سنگھ جو رنجیت سنگھ کا وزیر اعظم تھا، عریضوں کو دباتا تھا اور مہاراجہ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

تک پہنچنے نہیں دیتا تھا۔اس سلسلے میں رنجیت سنگھ وزیراعظم کی اعانت کرتا تھا۔

وزیر نے باغیوں کو سخت سزائیں دیں۔سوت میں پچاس ڈوگرہ سپاہیوں کو معہ ان کے سردار قتل کیا تھا۔وزیر نے دوسو لوگوں کے سر قلم کئے اور کئیوں کو درختوں سے لٹکا کر پھانسی دی گئی۔باغیوں کی نشان دہی کرنے والوں کو فی باغی ۵ روپیہ انعام دیا گیا۔لوگوں پر بھاری جرمانہ عائد کیا گیا۔لوگوں پر دہشت طاری ہوئی۔وزیر نے تمام سرداروں کو معزول کر کے رحیم خان کو منولو سے دراس تک کا حاکم بنایا۔

اگست کا مہینہ تھا۔وزیر نے پوریگ میں سُنا کہ لیہہ میں ایک انگریز آیا ہے۔یہ سکاٹ لینڈ کا ایک ڈاکٹر جان ہنڈرسن تھا جو اسمٰعیل خان کے جعلی نام سے لداخ میں سفر کر رہا تھا۔ہنڈرسن کا گورا رنگ اصلیت کو نہیں چھپا سکا۔لداخی حکومت نے سمجھا کر مور کرافٹ کے زمانے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو تحفظ کے لئے جو درخواست دی تھی،وہ منظور ہوئی ہے۔ہنڈرسن کو اس دستاویز کی نقل بھی دکھائی۔وہ باغ بھی دکھایا،جہاں مور کرافٹ ٹھہرا تھا۔ہنڈرسن نے لاتعلقی دکھاتے ہوئے کہا کہ وہ کمپنی کی طرف سے نہیں آیا ہے۔

زورآور سنگھ کو تشویش ہوئی۔گلاب سنگھ کو فوراً اطلاع دی۔گلاب سنگھ نے رنجیت سنگھ کو لکھا۔رنجیت سنگھ نے لدھیانہ میں انگریز پولٹیکل ایجنٹ سے پوچھا کہ لیہہ میں ایک انگریز کس لئے آیا ہے۔پولٹیکل ایجنٹ نے جواب دیا کہ ڈاکٹر ہنڈرسن نے دریائے ستلج کو پار کر کے انگریز حکومت کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے اور تسلی دی کہ انگریز سرکار کو لداخ میں مداخلت کا ذرا بھر بھی ارادہ نہیں ہے۔زورآور نے اپنی مہم جاری رکھی۔

لداخی حکومت نے ہنڈرسن کو عارضی طور نظر بند کیا۔ہنڈرسن لداخ سے بلتستان چلا گیا جہاں راجا احمد شاہ کی مالی مدد سے کشمیر چلا گیا۔

پوریگ کی بغاوت کی خبر سن کر لداخیوں کو بھی بغاوت کی تحریک ملی۔گیالپو کو دو صلاح کاروں ہنکھا کلون اور رضنم وانگچگ نے مشورہ دیا کہ پوریگ کی صورتِ حال سے فائدہ اٹھا لے۔اس دوران پوریگ سے کرنل میہان سنگھ کے ایجنٹ لیہہ پہنچے اور لداخیوں کو بھی ڈوگروں

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کے خلاف اکسایا۔اماں گیا مو اور راجکمار چھنسفر سالانہ خراج دینے کے حق میں نہیں تھے۔منشی دیا رام کو قید کیا گیا اور اذیت پہنچائی گئی۔

یہ ستم ظریفی ہے کہ وزیر زور آور سنگھ لداخ میں اپنی فتوحات اور معاہدے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نام پر کر رہا تھا لیکن کشمیر میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے گورنر میہان سنگھ سے کوئی رابطہ یا تال میل نہیں تھا۔لداخیوں کے لئے المیہ یہ تھا کہ گورنر کے آدمیوں کی چرب زبانی میں آ کر زور آور سنگھ سے نبرد آزما تھے۔فتح سنگھ جوگی اور اس کے پچاس سپاہی گاؤں گاؤں جا کر لوگوں کو ڈوگروں کے خلاف بہکاتے اور اکساتے تھے اور خود ڈوگروں سے اپنا دامن بچاتے تھے۔

جن دنوں وزیر لداخ میں گیا لپو سے بات چیت کر رہا تھا۔اس دوران زنسکار کے لوگوں نے ڈوگروں کے خلاف بغاوت کی تھی۔وزیر پوریگ سے زنسکار روانہ ہوا اور بغاوت کو کچل دیا اور باغیوں کو سزا دی۔

ابھی وزیر زنسکار کے رنگدوم گاؤں میں تھا کہ ترامیس کے چوچھغدور نمگیل نے اطلاع دی کہ گیا لپو لداخ نے سالانہ خراج اور بقایا تاوانِ جنگ دینے سے روگردانی کی ہے اور منشی دیا رام کو اذیت پہنچائی جا رہی ہے۔آپ کو یاد ہوگا کہ چھندور نمگیل کے ساتھ لیہہ میں اماں گیا مو کی ترغیب پر گیا لپو نے بدسلوکی کی تھی۔وزیر نے جموں جانے کا ارادہ چھوڑ دیا اور فوری طور لداخ جانے کا پروگرام بنایا۔یہاں پھر گیا لپو اور لداخی باغیوں کی غلطی تھی کہ لداخ کی قلمرو میں وزیر کی موجودگی میں بغاوت کا علم بلند کیا۔انہوں نے وزیر کے جموں واپس پہنچنے کا انتظار نہیں کیا۔وزیر لداخ جانے کے لئے ایک متبادل نزدیکی راستے کی تلاش میں تھا۔انہیں میپھم ساٹا نامی ایک رہبر ملا جس نے وزیر اور اس کی فوج کو زنسکار سے شُون شادی نام کی پہاڑی راستے سے لیہہ پہنچایا اور لانق لہ کے درّے عبور کر کے لداخ کے گاؤں میرو پہنچے۔وہاں سے لیہہ کے پاس چھشوت پہنچے۔میپھم ساٹا کو انعام میں سونے کے کنگن کی جوڑی دی جس کی قیمت پانچ سو روپے تھی۔اس کے علاوہ یومیہ ۲ روپے اجرت دی۔

گیا لپو چھپیل تنڈوپ نمگیل اپنے اہلِ خاندان کے ساتھ شے میں فصل کٹائی کا تہوار

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

'رو پہلا' دیکھ رہا تھا۔ وزیر کی آمد کی خبر سن کر فوراً درباریوں اور ہمراہیوں کے ساتھ چھشوت پہنچا۔ وزیر نے وعدہ خلافی پر گیالپو کی سخت ملامت اور سرزنش کی۔ چھشوت سے وہ لیہہ آئے۔ گیالپو سے بقایا تاوان اور نئے اخراجات مانگے۔ نقد رقم نہیں تھی۔ چھغزوت (منیجر) گونبو نے سونا، چاندی، زیورات، جواہرات، قیمتی برتن اور ساز وسامان وزیر کے حوالہ کئے۔

اسی اثناء میں ولی عہد راجکمار چھوانگ رفتن نمگیل المعروف چھوغسفر ول اپنی دورانیوں صنم پالکیت اور زہرہ خاتون کے ساتھ گیامڑا کے راستے ہُندرڈوق فرار ہوا۔ تیسری رانی سکلزوانگ ڈولما، جو سابق وزیر اعظم چھوانگ تنڈوپ کی بیٹی تھی۔ حمل کے آخری مرحلے میں تھی، شے محل میں وہ اماں گیا موچنگا کی مدد سے ٹانکچے بھاگ گئی۔ چھوغسفر ول ٹانکچے میں اپنی ماں سے جاملا۔ پانچ سو ڈوگرہ سپاہی ان کا پیچھا کررہے تھے۔ ٹانکچے سے یہ انلے کے راستے سپیتی گئے جہاں سے انگریزی حکومت کی پناہ ڈھونڈنے بشاہیر پہنچے۔ بشاہیر جس کو لداخی کھونو کہتے ہیں، تب ایک چھوٹی سی ریاست تھی اور ماضی قریب میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے زیر نگین لایا تھا۔ ڈوگرہ فوج نے بشاہیر میں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن انگریزوں کے متنبہ کرنے پر اپنے ارادے سے باز رہے۔

اماں گیا مو اور راجکمار شملہ میں انگریز گورنر جنرل سے ملے اور لداخ کی صورتحال سے آگاہ کیا حکومت کی بحالی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ البتہ پناہ دے دی۔ راجکمار کے لئے ماہانہ دوسو روپیہ وظیفہ منظور کیا گیا اور ماں اور بیٹے کی رہائش کے لئے کوٹ گھر میں سالانہ آٹھ سو روپے میں ایک مکان کرایہ پر لیا گیا۔

لداخ میں لوگ راجکمار کی ہٹ دھرمی سے بڑے بدظن اور بددل تھے اور چھوغسفر ول یعنی Best Incarnate کے بجائے 'چھول رول' کہنے لگے۔ اس کا مطلب لداخی زبان میں ہر چیز کو ضائع کرنے والا ہے۔

ادھر لیہہ میں وزیر نے گیالپو چھپل تنڈوپ نمگیل کو تخت وتاج سے محروم کیا اور ستوق گاؤں جاگیر میں دیا۔ وزیر نے خلسے کے ٹاقشوس کو گیالپو کے قائم مقام عہدے (Regent)

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کی پیشکش کی۔ وفادار تاقشوس نے یہ کہہ کر ریجنٹ کا عہدہ قبول کرنے سے انکار کیا کہ اس نے گیالپو کا نمک کھایا ہے اس لئے وہ بے وفائی نہیں کرسکتا۔ اس کو یہ سزا ملی کہ وزیر نے اس کو قید کیا اور یرغمال بنا کر جموں لے گیا۔

وزیر لونپو موروپ ستزین کو ریجنٹ کا عہدہ پیش کیا جو اس نے بے کم وکاست قبول کیا۔ گیالپو کی بہن اس کی بیوی تھی۔ گیالپو کا جانشین بننے کے بعد اس نے پوریگ سے ایک نئی رانی اپنے بیاہ میں لائی۔

وزیر نے ستر گھوڑوں پر زرِ تاوان کا سامان اور لوٹ کا مال جموں لیا۔ تنگ موگنگ میں گیالپو سنیما نمگیل کا خزانہ لوٹا تھا جس میں گیالپو کے موتی کا ہار، مونگے کا گچھا، شاہی زین کا قالین، گیالپو کی تلوار اور قیمتی چیزیں تھیں۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ایس ایس گیرگن نے اپنی تاریخِ لداخ میں لکھا ہے کہ زور آور سنگھ کے حملے کے دنوں لداخ میں لوگوں نے عجیب، نرالے اور منحوس شور سنے۔ بالائی لدخ کے لوگوں کا کہنا تھا کہ یہ شور شام (علاقہ لائن) کی طرف سے آرہا ہے، جبکہ شام والے کہتے تھے کہ یہ آواز بالائی لداخ سے آتی تھی۔ لیہہ کے باشندوں کا دعویٰ تھا کہ یہ شور ستوق کی طرف سے آرہا تھا جبکہ ستوق کے لوگ کہتے تھے کہ یہ شور گاؤں کی مخالف سمت سے آتا تھا۔

زور آور سنگھ نے لیہہ میں اپنے قیام کے دوران ایک قلعہ تعمیر کیا، جو آج زور آور فورٹ کے نام سے جاتا ہے۔ گیالپو کے سیکرٹری چھوانگ تنڈوپ کے مطابق اس کی تعمیر میں لوگوں کے متصلہ مکانات گرائے اور ان کا گارا اینٹ پتھر اور لکڑی قلعے کی تعمیر میں استعمال کئے۔ اس کے اندر ایک چشمہ ہے اور باہر ایک بڑا نالہ بہتا ہے۔ اسی بناء پر یہ جگہ انتخاب کی ہوگی۔ قلعے کی زمین کا رقبہ ۱۲ اعشاریہ ۱۷ ایکڑ ہے۔ شروع میں اس میں ایک مندر اور ایک مسجد تعمیر کی۔ بعد میں ایک اور مندر بنایا گیا۔ قلعے میں دشمن پر نظر رکھنے کے لئے منارہ اور بُرج بنے ہیں۔

وزیر نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نام پر ایک عہد نامہ تحریر کیا جس کے مطابق قائم

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

مقام راجا موروپ ستزین ہر سال اٹھارہ ہزار روپے خراج ادا کرے گا۔

وزیر نے سکردو کے راجا احمد شاہ کے ایک بیٹے محمد شاہ کو راجا موروپ ستزین کی حفاظت میں رکھوایا۔ احمد شاہ نے دوسری بیوی کے بیٹے محمد علی خان کو ولی عہد بنایا تھا جو محمد شاہ کو برداشت نہیں ہوا۔ وہ کشمیر کے سکھ گورنر سے مدد ڈھونڈنے کے لئے ستمبر ۱۸۳۶ء میں سرینگر پہنچا۔ گورنر اچھی طرح سے پیش آیا لیکن عملی مدد کرنا گورنر کے لئے آسان نہیں تھا۔ پھر وہ سورو میں زور آور سنگھ سے ملا۔ زور آور نے یقین دلایا کہ وہ اس کی ہر ممکن مدد دے گا اور اس کی رہائش اور حفاظت کا انتظام کیا۔

کشتواڑ واپسی پر زور آور سنگھ موروپ ستزین کے بیٹے لونپو گیورمیت، چھیتن گیا پاچو اور کئی معززین کو اپنے ساتھ بطور یرغمال جموں لے گیا۔

وزیر، جموں، گلاب سنگھ سے ملنے گیا تو موخرالذکر نے وزیر کا استقبال کرنے کے لئے اپنے خاص دیوان کو بھیجا۔ دربار میں حاضر ہونے پر شاہانہ استقبال کیا اور خوب آؤ بھگت کی۔

گلاب سنگھ اور اس کے بیٹے اُتم سنگھ کو گیالپو کی جگہ موروپ ستزین کو قائم مقام راجا بنانا پسند نہیں آیا۔ اگرچہ اب گلاب سنگھ لداخ کا جموں کے ساتھ باقاعدہ الحاق چاہتا تھا۔ زور آور سنگھ نے گلاب سنگھ سے کہا کہ موروپ ستزین بھی شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

گیالپو چھیپل تنڈوپ نمگیل نے اپنی حکومت کی بحالی کے لئے انگریزوں سے رابطہ شروع کیا تھا۔ گیالپو نے اپنے وکیل آنگچک کو شملہ ہل سٹیٹ کے پالیٹکل ایجنٹ ایچ۔ ٹی۔ ٹاپ (H.T.Tapp) کے نام ایک خط کے ساتھ روانہ کیا تھا۔ خط میں وکیل کا بیان ہے جس میں زور آور سنگھ کی جارحیت کا قدرے تفصیل سے ذکر ہے۔ آخر میں لکھا ہے۔ ”میں آپ کے پاس یہ درخواست کرنے آیا ہوں کہ میرے مالک کو آنریبل کمپنی کی حفاظت میں لیا جائے اور زیر حفاظت لائی ہوئی دوسری ریاستوں کے راجوں کا جیسا سلوک کیا جائے۔“

اس خط پر نومبر ۱۸۳۵ء کی تاریخ لگی ہے۔ تب گیالپو کی حکومت تھی البتہ زور آور سنگھ کا خراج اور تاوان جنگ کی مانگ کا دباؤ تھا۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

معزول ہونے کے بعد اکتوبر ۱۸۳۶ء میں گیالپو نے ایک درخواست بھیجی۔اس کے متن میں لکھا ہے:

''پچھلے سالہ میں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایجنٹ کلاڈے ایم واڈے (Claude M.Wade) کے نام ایک خط کے ساتھ ایک وکیل بھیجا تھا۔میں پھر وکیل کے ہاتھ یہ خط ارسال کر رہا ہوں۔میری یہ بڑی خواہش ہے کہ آپ یہاں چار پانچ انگریز افسر بھیجیں۔سکھوں نے میری جائیداد اور ملک تباہ کیا ہے۔''

آگے لکھتا ہے۔''میری خواہش ہے کہ برٹش مجھے حفاظت میں لے اور ایک باج گزار ملک تصور کیا جائے۔''

خط کی شروعات ان تعریفوں سے کی ہے۔''انگریز حکومت ساری دنیا کی آنکھوں کا تارا ہے۔جس طرح چاند رات کو ساری دنیا میں چاندنی بکھیرتا ہے۔انگریز حکومت کے عمل میں یہی خوبی ہے۔''

گیالپو نے ایک خط سپتی سے لکھا ہے۔اس پر ۱۹رنومبر ۱۹۳۶ء کی تاریخ ہے۔خط کے نقش مضمون سے گیالپو کے اضطراب اور بے تابی کا اظہار ہوتا ہے۔گیالپو لکھتا۔''زور آور سنگھ مجھے سپتی میں نہ رکھے اور لداخ آنے کے لئے لکھتا ہے...... مجھے بڑی امید ہے کہ میری جان کی حفاظت کے لئے دو یا تین انگریز افسروں کے ساتھ ۳۰۰ یا ۴۰۰ سپاہی بھیجے جائیں گے۔میں بے تابی سے منتظر ہوں کہ دس یا بارہ دنوں میں اس خط کا جواب دیا جائے گا جس سے مجھے دلی راحت ملے گی۔''

کلکتہ میں انگریز حکومت کے دفتر نے جنوری ۱۸۳۷ء میں اس درخواست کو مسترد کیا۔تاہم گیالپو نے امید نہیں چھوڑی۔۱۸۳۷ء کی گرمیوں میں گیالپو نے انگریزی فوج کے سربراہ کے پاس سات ارکان کا ایک سفارتی مشن بھیجا لیکن وہ سبھی ملاقات سے پہلے چیچک سے مر گئے۔

اِس سے پہلے انگریز گورنر جنرل نے فوج کے سربراہ کو جولائی میں لکھا تھا کہ لداخ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کے راجا کو مدد کی امید نہ دلائی جائے۔

۳۰ راگست کو گیالپو نے فوج کے سربراہ کو دوبارہ لکھا کہ رنجیت سنگھ سے پروانہ حاصل کرے کہ ڈوگرے لداخ پر حملہ نہیں کریں گے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے اس درخواست کا منفی جواب دیا۔

لداخ کے نمگیل شاہی خاندان پر ایک ساتھ کئی مصائب آئے۔کوٹ گھر میں مفرور راج کمار رچھوانگ رفتن نمگیل المعروف چھوغسفر ول دوسال بعد اپریل ۱۸۳۸ء میں فوت ہوا۔ تب وہ تقریباً اکیس سال کا تھا۔

راجکمار کے فرار سے متعلق ایک گیت ہے۔اس کا راوی خود راجکمار ہے۔وہ کہتا ہے:

میں ایک لڑکا جب اپنے وطن میں رہتا تھا
تو محل کے اندر اور باہر نوکروں سے گھرا رہتا تھا
جب چھوغسفر ول لیہہ کے ایک بڑے قصبے میں رہتا تھا
تو آسمان کے تاروں کی طرح نوکر تھے
صرف میں اور میرا گھوڑا تھا
جب چھوغسفر ول سپیتی گیا
تو صرف ایک آدمی اور ایک گھوڑا تھا

راجکمار کی بیوی زہرہ خاتون راجکمار کا پھول لے کر لیہہ پہنچی۔بعد میں وہ اپنے بھائی کے پاس پشکیم گئی۔

کچھ عرصہ بعد راجکمار کی ماں اماں گیاموکا انتقال ہوا۔ان کا نام بھی زہرہ خاتون تھا۔اس طرح لداخ کی تاریخ کا ایک خونین باب ختم ہوا۔

معزول گیالپو کو زور آور سنگھ نے بے بس بنا دیا تھا اور ستوق جاگیر میں رہتا تھا۔ موروپ سترین حکومت کے نظم ونسق سے غافل ہو کر پولو ناچ، تماشے اور رنگ رلیوں میں

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

مست رہتا تھا۔اس نے لیہہ کے پاس مورڑ لے میں ایک عالیشان محل تعمیر کیا تھا۔

اسی اثناء میں سن ۱۸۳۸ء میں ایک انگریز افسر جی ٹی وینی (G.T.Vigne) سکردو سے لداخ کی قلمرو میں داخل ہوا۔اس کے ہمراہ راجا احمد شاہ کا ایک اہل کار احمد علی تھا۔ سیکورو بوچن میں بڑے لامانے وین کے گلے میں ریشمی رومال حمائل کر کے ان کا استقبال کیا بڑے لاما کو بھی یہ خوش فہمی تھی کہ انگریز نمائندہ ڈوگروں سے نجات دلانے آیا ہے۔

جی۔ٹی۔وینی مہاراجہ رنجیت سنگھ کی اجازت پر لداخ آیا تھا۔وہ اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے۔''میں نے معزول گیالپو کو کئی مرتبہ دیکھا لیکن سکھوں نے (وہ ڈوگرہ سپاہیوں کو سکھ لکھتا ہے) اس سے بات چیت کرنے کی اجازت نہیں دی۔ایک روز میں نے راجا کو گھوڑے پر دیکھا۔میں نے اپنا گھوڑا اس کی طرف موڑا لیکن سکھ افسر جوآن سنگھ فوراً آٹپکا اور راجا کو اپنا راستہ لینے کے لئے کہا۔''

ایک صبح جی۔ٹی۔وین اپنے لداخی منشی کے ہمراہ اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتا ہوا۔ستوق پہنچا۔محل کے دو ڈوگرہ پہرہ داروں نے دروازے پران کو روکنے کی کوشش کی لیکن وینی اپنی میان سے آدھی تلوار نکال کر انہیں ڈراتا ہوا گیالپو کے کمرے میں داخل ہوا جہاں گیالپو کے ملازمین سمیت کئی آدمی کھڑے تھے۔ملازموں کے روکنے کے باوجود وینی سلام کرتا ہوا گیالپو کے سامنے بیٹھا اور باتیں کرنی شروع کی تھیں کہ ہانپتا ہوا ڈوگرہ افسر جوآن سنگھ پہنچا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔وہ وینی کا پیچھا کرتا ہوا آیا تھا۔

گیالپو صرف یہ بولا۔''میں تعاون کے لئے تیار ہوں لیکن مجھ کو گلاب سنگھ کا خوف ہے۔''

یہ سن کر وینی کمرے سے باہر آیا۔دوسری صبح گیالپو نے وینی کو ایک خلعت بھیجا تھا۔

ایک بڑے لداخی لاما کو بشوق رنگڈول کے حوالے سے یہ بتایا گیا ہے کہ زورآور سے لڑائی کے دوران انہوں نے لداخ میں سرخ چہرہ اور سنہرے بالوں والے ایک آدمی کو دیکھا۔وہ آدمی جی ٹی وینی یا ہنڈرسن ہو سکتا ہے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اگلے سال ڈوگروں کے خلاف ایک نئی بغاوت جنم لیتی ہے۔ اس کی شروعات زنسکار سے ہوتی ہے لیکن اس کا مرکز پوریگ ہے۔ اس کے روحِ رواں دراس کا سُو کا میر اور پوریگ کا رحیم خان ہے۔ یہ وہی رحیم خان ہے جس کو زور آور سنگھ نے پوریگ کے تمام سرداروں کو معزول کر کے فوتولا سے دراس تک کا حاکم بنایا تھا۔ وزیر حشمت اللہ اور کاچو سکندر خان نے رحیم خان کو پشکیم کے کاچو محمد علی خان کا بھائی بتایا ہے۔ جبکہ ایس۔ ایل۔ دتہ نے محافظ خانہ کے ریکارڈ کے تحت چیکتن کا باشندہ قرار دیا ہے۔ ایس۔ ایس۔ گیر گن کے مطابق وہ چھشوت سے تعلق رکھتا تھا۔ تاہم عام خیال یہ ہے کہ وہ پوریگ کا رہنے والا تھا۔

رحیم خان نے لوگوں کے دلوں میں یہ امید جگائی کہ ڈوگرہ فوج کا سامنا کرنے کے لئے اب کے لہاسہ اور کشمیر سے فوج آئے گی اور بلتستان سے امداد لانے کا ذمہ خود اٹھایا۔ گورنر کرنل میہان سنگھ کے ایجنٹ لوگوں کو حسبِ معمول ورغلا رہے تھے۔ لداخ اور مغربی تبت کا پشمینہ کشتواڑ جارہا تھا۔ رحیم خان سوکا ریس ور برنگپو حسین جیسے لیڈر ملنے سے ان کے ہاتھ مضبوط ہوگئے۔ اسی اثناء میں میہان سنگھ کا مہاراجہ رنجیت سنگھ سے رابطہ ہونے لگتا ہے۔ اس نے اپنے اردلی کو لاہور بھیجا۔ جب مہاراجہ کی سواری قلعے سے نکلی تو اس کی ہدایت کے مطابق گورنر کی عرض مہاراجہ کو پیش کی۔ مہاراجہ نے سرِ دربار گلاب سنگھ پر اپنا عتاب ظاہر کیا۔ گورنر کو جواب میں لکھا کہ دو اہلکار ملا فراش اور سنگھ لال کی صورت حال کی جانکاری کے لئے کشمیر بھیجا جارہا ہے۔

وزیر اعظم دھیان سنگھ نے گلاب سنگھ کے خلاف مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ناراضگی اور تلخی دور کرنے کے لئے معاہدے کی وہ دستاویز پیش کی جو زور آور سنگھ اور موروپ ستزین کے مابین عمل میں آیا تھا جس کے تحت سالانہ خراج رنجیت سنگھ کو پیش کرنا تھا۔ دھیان سنگھ اپنے بھائی کے مفادات کا بڑا خیال رکھتا تھا۔

۱۸۳۸ء کی گرمیوں میں قائم مقام راجا موروپ ستزین کی طرف سے ایک وفد نے لاہور میں رنجیت سنگھ سے ملاقات کی۔ تیس ہزار روپے کا خراج اور تحفے تحائف پیش کئے۔ بعد

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

میں گورنر نے خود لاہور آ کر گلاب سنگھ کے خلاف شکایت کی۔ رنجیت سنگھ وزیر اعظم سے خفا ہوا۔ گلاب سنگھ خود بھی لاہور آیا۔ مہاراجہ کے سامنے زانوے ادب تہہ کیا۔ نقد رقم کے علاوہ قیمتی تحفے پیش کئے جو اس نے لداخ میں حاصل کئے تھے۔

ادھر لداخ میں ڈوگروں کے خلاف ایک اور مرتبہ بغاوت کا لاوا پک رہا تھا۔ لداخیوں کو ایک مختلف دشمن سے پالا پڑا تھا۔ ماضی میں حملہ آور اندھی کی طرح آتے تھے اور بگولے کی طرح لوٹتے تھے کیونکہ لداخ میں خوراک اور وسائل کی کمی تھی۔ سردی کے مہینے بڑے سخت تھے۔ لیکن نئے حملہ آور موسم سرما میں بھی لداخ میں ڈٹے تھے اور لداخیوں کے محدود وسائل کو لوٹ رہے تھے اور انہیں فاقہ کشی پر مجبور کر رہے تھے۔

رحیم خان نے قائم مقام راجا موروپ ستزین کو اپنا ہم نوا بنایا۔ موروپ ستزین نے راجا احمد شاہ کے بڑے بیٹے محمد شاہ کو، جس کو زور آور سنگھ نے اس کی تحویل میں حفاظت کیلئے رکھا تھا، سکردو سے آئے بلتی فوج کے ایک دستے کے حوالہ کیا موروپ ستزین اور رحیم خان کو وزیر نے ایک لحاظ سے خطے کے سیاہ وسفید کا مالک بنایا تھا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ وزیر کے مخالف کیوں ہو گئے؟ پوریگ میں لوگوں نے ڈوگرہ کاردار ندھان سنگھ اور اس کے ماتحت دراس اور کرگل کے ڈوگرہ سپاہیوں کو مار ڈالا۔

جموں میں وزیر کو بغاوت کی خبر ملی اور اپنے جاسوسوں سے موروپ ستزین کی سرگرمیوں کا بھی علم ہو چکا تھا۔ اس اثناء میں پاڈر اور چھتر گڈھ کے علاقوں میں بھی ڈوگروں کے خلاف بغاوت اٹھی تھی۔ پانچ ہزار فوج کے ساتھ وزیر جموں سے کشتواڑ پہنچا۔ یہاں سے وہ پاڈر گیا اور بغاوت فرو کر کے جموں کی حکومت بحال کی۔ پاڈر سے چھتر گڈھ گیا اور بغاوت کو کچل ڈالا اور باغیوں کو قتل کیا۔ محلات اور قلعے کو خاکستر کیا اور دوبارہ ڈوگرہ حکومت قائم کی۔ چھتر گڈھ کا نام بدل کر گلاب گڑھ رکھا۔ یہاں ایک قلعہ تعمیر کیا اور فوج رکھی۔ پھر وہ تیسری مرتبہ لداخ جانے کے لئے زنسکار پہنچا۔ ۱۷۴۰۰ فٹ بلند اُماسی پار کرتے ہوئے ۳۵ سپاہی سردی اور پالا پڑنے سے مر گئے۔ کشتواڑ سے براستہ کرگل لگ بھگ ۳۳۶ میل اور براستہ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

زنسکار سے دو میل کا فاصلہ ہے۔

معزول گیالپو تھنجل نمگیل پہلے ہی زنسکار میں موجود تھا۔ پی پی تھنگ میں وزیر سے ملاقات کی۔ وزیر گیالپو کو معزول کر کے اس کی جگہ ایک وزیر کو راجا بنانے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ وزیر نے گلاب سنگھ سے وعدہ کیا تھا کہ گیالپو کو ایک خطابی راجا کے طور بحال کرے گا۔

فوج کی ایک جمعیت رائے سنگھ اور میاں طوطا کی سرکردگی میں رنگ دوم کے نالے سے پورگ روانہ ہوئی۔ وزیر خود اپنی فوج کے ہمراہ چہ چالہ پار کر کے اچانک لیہہ پہنچا۔ لیہہ اور اس کے نواح میں باغی لیڈر فوج جمع کر رہے تھے۔ لوگ وزیر کی آمد پر حیران تھے۔ زورآور نے پوچھا۔ یہ مجمع کیوں لگا ہے؟ جواب دیا۔ ہم آپ کی خدمت میں ایک درخواست پیش کر رہے ہیں۔ زورآور سنگھ بڑا کھاگ تھا۔ بولا۔ سبھی لوگ چلے جائیں اور لیڈر یہاں رہیں۔ پوچھ تاچھ کرنے پر پتہ چلا کہ بغاوت کا سرغنہ سُکا میر ہے۔ سکا میر پورگ میں مہم چلانے کے بعد اپنے ساتھیوں کے ساتھ لیہہ آیا تھا۔ رحیم خان اور دوسرے باغی لیڈر سکردو فرار ہوئے تھے۔ سُوکا میر پکڑا گیا۔ اس کو سخت مارا پیٹا گیا۔ اس کا دایاں ہاتھ کاٹا گیا اور خون بند کرنے کے لئے اسے گرم تیل میں ڈبویا گیا۔ اس کٹے ہوئے ہاتھ کو ایک کھمبے سے کیل سے جڑ کر خلسے کے پل پر نصب کیا گیا تاکہ لوگ خوفزدہ ہوں۔ سکا میر کے ساتھیوں کو بھی عبرت ناک سزا دی۔ خلسے کے چھچن نے فرانکی کو بتایا کہ ایک رات ایک بلی اسے اٹھا لے گئی۔ خلسے کے لوگ بڑے خوفزدہ ہوئے کہ ہاتھ گم ہونے پر ان کو سزا دی جائے گی۔ انہیں دنوں ایک عمر رسیدہ لاما فوت ہوا تھا۔ اس کا ہاتھ کاٹ کر کھمبے پر کیل سے جڑ دیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ ہاتھ بلی نے نہیں لیا تھا بلکہ سکا میر کے حامیوں نے اڑا لیا تھا۔

سکا میر کو جیل خانے سے گھسیٹ کر نکالا گیا۔ اس کی زبان کاٹ دی گئی۔ بعد میں سرعام پھانسی دی گئی۔

لداخی لیڈر رضم وانگیل نے مجھے بتایا کہ انہوں نے ساکٹی کے بزرگوں سے سنا کہ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ایک ایسے آدمی کو "چیپو" بڑے ٹوکرے میں ڈال کر گاؤں لایا گیا۔ جس کے ہاتھ اور ٹانگیں کاٹی ہوئی تھیں۔ میرے خیال میں وہ آدمی سوکا میر ہوسکتا ہے۔ پھانسی سے پہلے اس کو گاؤں گاؤں گھمایا گیا تا کہ لوگوں کو عبرت ہو۔

لوگوں میں بڑی دہشت تھی۔ زنسکار سے آگے پالدار (پاڈر) میں ایک چشمے پر ڈوگرہ فوج کا چاندی کا ایک برتن رہ گیا۔ کسی کو وہ برتن اٹھانے کی جرات نہیں ہوئی۔ دو روز بعد ڈوگرہ فوجی آئے اور وہ برتن لے گئے۔

قائم مقام راجا موروپ ستز ین زنسکار میں وزیر کے تیور سن کر چند ساتھیوں کے ساتھ فرار ہوگیا۔ وزیر نے اس کا پیچھا کرایا اور ایک چھوٹی سی جھڑپ کے بعد سپیتی میں تابو کے مقام پر گرفتار کر کے لیہہ قلعہ میں قید کیا گیا۔ موروپ ستز ین کی جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ ضبط کی گئی۔

موروپ ستز ین پر ایک بڑا الزام یہ تھا کہ اس نے راجا احمد شاہ کے بیٹے محمد شاہ کو اس کے مخالفین کے حوالہ کیا۔

زور آور سنگھ نے لیہہ جامع مسجد کے امام حافظ رسول شاہ کو لیہہ سے جلاوطن کیا۔ ان پر یہ الزام لگایا کہ مسجد میں روز صبح وزیر اور اس کی فوج کی تباہی کے لئے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ جامع مسجد لیہہ میں ہر روز صبح اوراد فتحیہ پڑھی جاتی تھی جسے چودھویں صدی عیسوی میں میر سید علی ہمدانی نے تحریر کیا ہے۔

حافظ رسول شاہ تقریباً ایک سال بعد لیہہ واپس لوٹے۔

امید، مایوسی اور مصیبت کے اس عالم میں ایک لداخی خون خرابہ بند کرنے اور امن لانے کے لئے کوشاں تھا۔ وہ ریزونگ گنپہ کے بڑے لاما کوشوق ژھولٹیم نیاں تھے۔ انہوں نے وزیر زور آور سنگھ اور گیالپو کے مابین سمجھوتہ کرانے کے لئے کئی دفعہ کوشش کی۔ وہ سمجھتے تھے کہ زور آور سنگھ سے ٹکر لینے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ انہوں نے لداخیوں کو سمجھایا کہ زور آور سنگھ سے لڑنا فضول ہے۔ کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ باہمی تعاون میں فائدہ ہے لیکن فریقین نے ان کی ہدایات سنجیدگی سے نہیں لیں جس کا انہیں دکھ تھا۔ گیالپو، وزیر اور لوگ ان کی عزت

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

زنسکار ۷۵ میل کا فاصلہ ہے۔

معزول گیالپو چھیپل تنڈوپ نمگیل پہلے ہی زنسکار میں موجود تھا۔ پی پی تھنگ میں وزیر سے ملاقات کی۔ وزیر گیالپو کو معزول کر کے اس کی جگہ ایک وزیر کو راجا بنانے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ وزیر نے گلاب سنگھ سے وعدہ کیا تھا کہ گیالپو کو ایک خطابی راجا کے طور بحال کرے گا۔

فوج کی ایک جمعیت رائے سنگھ اور میاں طوطا کی سرکردگی میں رنگ دوم کے نالہ سے پوریگ روانہ ہوئی۔ وزیر خود اپنی فوج کے ہمراہ چرچالہ پار کر کے اچانک لیہہ پہنچا۔ لیہہ اور اس کے نواح میں باغی لیڈر فوج جمع کر رہے تھے۔ لوگ وزیر کی آمد پر حیران تھے۔ زور آور نے پوچھا۔ یہ مجمع کیوں لگا ہے؟ جواب دیا۔ ہم آپ کی خدمت میں ایک درخواست پیش کر رہے ہیں۔ زور آور سنگھ بڑا گھاگ تھا۔ بولا۔ سبھی لوگ چلے جائیں اور لیڈر یہاں رہیں۔ پوچھ تاچھ کرنے پر پتہ چلا کہ بغاوت کا سرغنہ سُکا میر ہے۔ سکا میر پوریگ میں مہم چلانے کے بعد اپنے ساتھیوں کے ساتھ لیہہ آیا تھا۔ رحیم خان اور دوسرے باغی لیڈر سکردو فرار ہوئے تھے۔ سُوکا میر پکڑا گیا۔ اس کو سخت مارا پیٹا گیا۔ اس کا دایاں ہاتھ کاٹا گیا اور خون بند کرنے کے لئے اسے گرم تیل میں ڈبویا گیا۔ اس کٹے ہوئے ہاتھ کو ایک کھمبے سے کیل سے جڑ کر خلسے کے پل پر نصب کیا گیا تاکہ لوگ خوفزدہ ہوں۔ سکا میر کے ساتھیوں کو بھی عبرت ناک سزادی۔ خلسے کے چھین نے فرانکی کو بتایا کہ ایک رات ایک بلی اسے اٹھالے گئی۔ خلسے کے لوگ بڑے خوفزدہ ہوئے کہ ہاتھ گم ہونے پر ان کو سزادی جائے گی۔ انہیں دنوں ایک عمر رسید لاما فوت ہوا تھا۔ اس کا ہاتھ کاٹ کر کھمبے پر کیل سے جُڑ دیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ ہاتھ بلی نے نہیں لیا تھا بلکہ سکا میر کے حامیوں نے اڑالیا تھا۔

سکا میر کو جیل خانے سے گھسیٹ کر نکالا گیا۔ اس کی زبان کاٹ دی گئی۔ بعد میں سرعام پھانسی دی گئی۔

لداخی لیڈر صنم وانگیل نے مجھے بتایا کہ انہوں نے ساکٹی کے بزرگوں سے سنا کہ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ایک ایسے آدمی کو' چھپو' بڑے ٹوکرے میں ڈال کر گاؤں لایا گیا۔ جس کے ہاتھ اور ٹانگیں کاٹی ہوئی تھیں۔ میرے خیال میں وہ آدمی سوکا میر ہو سکتا ہے۔ پھانسی سے پہلے اس کو گاؤں گاؤں گھمایا گیا تاکہ لوگوں کو عبرت ہو۔

لوگوں میں بڑی دہشت تھی۔ زنسکار سے آگے پالدار (پاڈر) میں ایک چشمے پر ڈوگرہ فوج کا چاندی کا ایک برتن رہ گیا۔ کسی کو وہ برتن اٹھانے کی جرات نہیں ہوئی۔ دو روز بعد ڈوگرہ فوجی آئے اور وہ برتن لے گئے۔

قائم مقام راجا موروپ ستزین زنسکار میں وزیر کے تیور سن کر چند ساتھیوں کے ساتھ فرار ہو گیا۔ وزیر نے اس کا پیچھا کرایا اور ایک چھوٹی سی جھڑپ کے بعد سپیتی میں تابو کے مقام پر گرفتار کر کے لیہہ قلعہ میں قید کیا گیا۔ موروپ ستزین کی جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ ضبط کی گئی۔

موروپ ستزین پر ایک بڑا الزام یہ تھا کہ اس نے راجا احمد شاہ کے بیٹے محمد شاہ کو اس کے مخالفین کے حوالہ کیا۔

زور آور سنگھ نے لیہہ جامع مسجد کے امام حافظ رسول شاہ کو لیہہ سے جلاوطن کیا۔ ان پر یہ الزام لگایا کہ مسجد میں روز صبح وزیر اور اس کی فوج کی تباہی کے لئے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ جامع مسجد لیہہ میں ہر روز صبح اوراد فتحیہ پڑھی جاتی تھی جسے چودھویں صدی عیسوی میں میر سید علی ہمدانی نے تحریر کیا ہے۔

حافظ رسول شاہ تقریباً ایک سال بعد لیہہ واپس لوٹے۔

امید، مایوسی اور مصیبت کے اس عالم میں ایک لداخی خون خرابہ بند کرنے اور امن لانے کے لئے کوشاں تھا۔ وہ ریزونگ گنپہ کے بڑے لاما کوشوق ژھولٹیم نیماں تھے۔ انہوں نے وزیر زور آور سنگھ اور گیالپو کے مابین سمجھوتہ کرانے کے لئے کئی دفعہ کوشش کی۔ وہ سمجھتے تھے کہ زور آور سنگھ سے ٹکر لینے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ انہوں نے لداخیوں کو سمجھایا کہ زور آور سنگھ سے لڑنا فضول ہے۔ کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ باہمی تعاون میں فائدہ ہے لیکن فریقین نے ان کی ہدایات سنجیدگی سے نہیں لیں جس کا انہیں دکھ تھا۔ گیالپو، وزیر اور لوگ ان کی عزت

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کرتے تھے۔

ژھولٹیم نیماں اپنے والدین کی واحد اولاد تھے۔ شادی کی تھی اور ایک کامیاب تاجر کی حیثیت سے اپنی زندگی گزار رہے تھے۔ بودھ دھرم کا مطالعہ کیا اور ان کے خیالات میں تبدیلی آئی۔ سکون کی تلاش میں دنیا کو خیر باد کہا اور بھکشو بن گئے۔ بعد میں انہوں نے ریزونگ گمپہ تعمیر کیا۔

کچھ لوگ زور آور سنگھ سے سمجھوتہ نہیں کر پائے۔ ان میں ایک پنکھا کلون تھا۔ ژھولٹیم نیماں کے منع کرنے کے باوجود ایک دفعہ اکیلے یا دو تین آدمیوں کے ہمراہ ڈوگرہ سپاہیوں سے لڑا اور بلتستان فرار ہوا۔ کومشوق ژھولٹیم نیماں کے تحفظ دلانے کی یقین دہانی پر لداخ لوٹا۔ انہوں نے ڈوگرہ حکام کو یقین دلایا کہ وہ دوبارہ نہیں لڑے گا۔

کئی دفعہ ان کی مداخلت اور سفارش سے متعدد لوگ ڈوگرہ فوج کی انتقامی کارروائی سے بچ گئے۔

بغاوت میں لداخیوں کا بڑا جانی اور مالی نقصان ہوا اور بہت سے لوگ تبت اور بلتستان فرار ہوئے۔

زور آور نے گیالپو چھپل تنڈوپ نمگیل کو برائے نام حکمران بنایا۔ لیہہ میں تعینات ڈوگرہ سپاہیوں کے اخراجات کا انتظام اس کے ذمہ تھا۔ خراج کی رقم بڑھا کر تیس ہزار روپے کی گئی۔ گیالپو کے نام پر نظم و نسق کے اختیارات کلون موروپ ٹشی اور بزگو کلون چھوانگ ستبدن کو دیئے گئے تھے، جن کے نگران اعلیٰ وزیر اور ڈوگرہ افسران تھے۔

لداخ میں بغاوت فرد کرنے اور حاکمیت قائم کرنے کے بعد وزیر کا منصوبہ بلتستان کو فتح کرنا تھا۔ گلاب سنگھ نے ایک دفعہ کہا تھا کہ زندگی میں اس کی اب ایک خواہش باقی ہے۔ وہ یہ ہے کہ سکردو کو زیر قبضہ لایا جائے۔ سکردو بلتستان کی سب سے بڑی اور طاقتور ریاست تھی۔ اس پر قابض ہونے کے بعد دوسری چھوٹی ریاستوں سے اطاعت حاصل کرنا آسان تھا جن کی تعداد سات تھی۔ پرکوتا میں غلام شاہ، طولتی میں احمد خان، خرمنگ میں علی شاہ، انچلو میں

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

دولت علی، کیریس میں خرم، شگر میں حیدر اور روندو میں علی خان کی حکومت تھی۔ ان میں آپسی اتفاق نہیں تھا۔ تمام علاقہ جات کو بلتستان کہا جاتا ہے۔

۱۸۳۶ء سے وزیر زور آور سنگھ سکردو پر فوج کشی کرنے کا خواہشمند تھا۔ تب سے تین سال ہوئے تھے۔ تاخیر کی وجہ ایک انگریز افسر جی ٹی وینی (G.T.Vigne) تھا۔ وہ سکردو میں راجا احمد شاہ کا مہمان رہا تھا اور ۱۸۳۵ء میں زور آور سنگھ کے حملے کے دوران لیہہ بھی آیا تھا۔ جس کا اوپر تذکرہ ہے۔ جی ٹی وینی نے اپنی کتاب Travels in Kashmir, Ladakh and Skardo میں دعویٰ کیا ہے کہ ڈاکٹر فلکونر، ڈاکٹر ہنڈرسن اور وہ مل کر گلاب سنگھ کے بلتستان میں احمد شاہ کے مہمان رہے تھے۔ ہندوستانی ریاستوں کے حکمرانوں پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے افسروں کا بڑا دبدبہ اور رعب تھا۔ جی ٹی وینی ایک بارسوخ افسر تھا۔

لداخ میں ایک ڈوگرہ افسر جونان سنگھ نے جی ٹی وینی کو گیالپو اور لداخیوں سے ملنے میں قدم قدم پر رکاوٹ ڈالی تھی۔ پنجاب پہنچنے پر وینی نے رنجیت سنگھ کو بتایا کہ مہاراجہ نے وین کو مطلع کیا کہ اس گستاخی کی سزا میں جوآن سنگھ کو کوڑے مارے گئے اور معافی مانگنے کے لئے اس کو ذاتی طور وینی کے پاس بھیجا گیا۔

گلاب سنگھ نے جموں سے وینی کو لکھا کر اگر وینی چاہیں تو جوآن سنگھ کی ناک کاٹ دی جائے گی اور اس کے پاس بھیج دی جائے گی۔ گلاب سنگھ نے اپنے منشی کے ہاتھ وینی کو روپیوں کا ایک تھیلا اور خلعت بھیجا اور جموں آنے کی دعوت دی لیکن وینی نہیں گیا۔ تب ایسٹ انڈیا کمپنی کی طاقت کا یہ عالم تھا۔ گلاب سنگھ کو یہ اندیشہ بھی تھا کہ جی ٹی وینی لداخ کے حالات سے رنجیت سنگھ کو آگاہ کرے گا اور رنجیت سنگھ زیادہ خراج مانگے گا۔

وزیر نے راجا احمد شاہ کو لکھا کہ محمد شاہ ڈوگرہ حکومت کی حفاظت میں تھا۔ لیکن آپ کے آدمیوں نے زبردستی اس کو اپنے ساتھ لیا کہ اس کو فوراً رہا کیا جائے ورنہ سکردو پر حملہ کیا جائے گا۔

احمد شاہ نے سکھ حکومت کے متوقع حملے کے پیش نظر پہلے ہی گریز سے برزیل درہ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

تک سارے مقامات کو اس لئے تباہ کیا تھا کہ حملہ آوروں کو رہنے کے لئے پناہ گاہیں اور خوراک نہ ملے۔ وہ یہ اندازہ نہیں لگا سکا کہ حملہ آور کشمیر سے نہیں لداخ سے حملہ کریں گے۔

لداخ کی طرح بلتستان میں بھی باقاعدہ فوج نہیں تھی۔ ہر تندرست آدمی کے لئے فوجی خدمت لازمی تھی۔ حکومت ہتھیار اور گولہ بارود فراہم کرتی تھی۔ لڑائی کے بعد ہتھیار حکومت کو واپس کئے جاتے تھے۔ لداخ کی طرح بلتیوں کے پاس بھی ہتھیار کم تھے۔ لڑائی کے دوران ٹیکس معاف کیا جاتا تھا۔

۱۸۳۱ء اور ۱۸۳۳ء کے دوران کشمیر کے سکھ گورنر شیر سنگھ نے بلتستان پر حملہ کیا تھا لیکن بلتیوں نے پسپا کیا۔

اکتوبر ۱۸۳۹ء میں زور آور سنگھ نے ڈوگروں اور لداخیوں کی ایک بڑی فوج تیار کی۔ اس کی تعداد پندرہ ہزار بتائی جاتی ہے۔ گیالپو چھیپل تنڈوپ نمگیل، بنکھا کلون اور کئی سرکردہ لداخیوں کو ساتھ لیا تھا تاکہ ڈوگرہ فوج کی غیر حاضری میں بغاوت نہ کریں۔ زور آور یہ بھی سوچتا تھا کہ لداخی فوج کو ساتھ لینے سے وہ اپنے پرانے حریف سے برسرِ پیکار ہوں گے۔ لداخیوں میں جنگجوئی کم ہوگی اور ڈوگروں کے خلاف محاذ آرائی نہیں ہوگی۔

موروپ ستزین کو ننگے سر اور ننگے پیر زنجیر پہنا کر بلتستان لایا گیا تاکہ بلتی راجے خوفزدہ ہوں۔

زور آور سنگھ کی فوج نے دو اطراف سے سکردو کی طرف پیش قدمی کی۔ ایک کی قیادت خود کی، ایک راستہ اُس زمانے میں اولائینگ کے بجائے گرکونو، مورول اور خرمنگ سے ہوتا ہوا سکردو جاتا تھا۔ زور آور نے یہی راستہ اختیار کیا۔ وزیر اور اس کی فوج ژے ژے تھنگ پہنچی۔ سامنے دریائے سندھ تھا۔ لداخ کے معاون دریاؤں کے اس میں ملنے سے دریا کا پاٹ چوڑا اور پانی زیادہ تھا۔ اسے پار کرنا آسان نہیں تھا۔ نومبر کا مہینہ تھا۔ سردی شروع ہوئی تھی۔ فوج کی رسد ختم ہو رہی تھی۔ دریا کے پار وزیر محمد حسین اور وزیر محمد حسن کی قیادت میں ہزاروں بلتی فوج مورچہ بند تھی۔ ژے ژے تھنگ پر وزیر کو دو ہفتے رکنا پڑا۔ فوج کی دوسری جمعیت نے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کمانڈر مدین شاہ (محی الدین شاہ) کی سرکردگی میں ہنوکلا، چھوربت اور خپلو جانے والے راستے پر کوچ کیا۔

وزیر نے پانچ ہزار ڈوگرہ فوجیوں کو کمانڈر ندھان سنگھ کی سرکردگی میں شگر کی طرف روانہ کیا۔ نیا راستہ ڈھونڈنا اور خوراک حاصل کرنا ان کے دو مقاصد تھے۔ بلتیوں کو اس فوج کی نقل وحرکت کا علم تھا۔ انہوں نے انہیں اندر آنے دیا۔ یہ فوج تقریباً پندرہ میل اندر گھس گئی۔ اچانک ہزاروں بلتی چاروں طرف سے اس پر ٹوٹ پڑے۔ ندھان سنگھ سمیت بہت سارے ڈوگرہ سپاہی مارے گئے۔ مشکل سے لگ بھگ چار سو فوجی فرار ہونے میں کامیاب ہوئے۔ زورآور سنگھ کو یہ ایک بڑا جھٹکا تھا۔ اتنی بڑی تعداد میں ڈوگرہ فوجی پہلے لداخ کے محاذ پر کبھی نہیں مارے گئے اور نہ بعد میں تبت کی لڑائی میں مارے گئے۔

ڈوگرہ فوج کے لئے خوراک کا مسئلہ تھا۔ لداخ خوراک میں مشکل سے خود کفیل تھا۔ نئی فصل ملنے سے پہلے گرمیوں میں غریب لوگ فاقہ کشی کرتے تھے۔ اتنی بڑی فوج کے لئے خوراک کہاں سے حاصل کرے۔ بستی رام کے مطابق بھوک اور سردی سے فوج میں نظم وضبط ختم ہورہا تھا اور اکثر فوجی حکم عدولی کررہے تھے۔

وزیر نے بذاتِ خود دریا کے کنارے دور دور تک چل کر جائزہ لیا کہ کہیں دریا کا پاٹ قدرے آسان ہو تو پار کرلیں۔ لیکن دریا کا پاٹ چوڑا تھا اور پار کرنا مشکل تھا۔ آخر کار جنگ آزمودہ ڈوگرہ کرنیل بستی رام نے رات کے اندھیرے میں ایک جگہ دیکھی جہاں دریا پر پوری یخ جمی تھی۔ صرف بیچ میں بیس فٹ لمبائی میں یخ کی تہہ اتنی پتلی تھی کہ انسان کا بوجھ سہار نہیں سکتی تھی۔ مقامی لوگوں نے مشورہ دیا کہ اس حصے پر لکڑی کی موٹی بلیاں لگائی جائیں تو یہ حصہ بھی مضبوط ہوگا۔ چنانچہ درخت کاٹے گئے اور رات کی تاریکی میں بلیاں لگانے کا کام ہونے لگا۔ جس لاپروائی کا مظاہرہ لداخیوں نے کیا تھا، وہی لاپروائی بلتیوں بھی دکھائی۔ کوئی بلتی پہرہ دار یا فوجی دستہ گشت نہیں لگا رہا تھا۔ بستی رام نے بلتیوں کی توجہ ہٹانے کے لئے دریا کے پار گولہ باری جاری رکھی۔ سردی سے بہت سارے فوجیوں کے ہاتھ سُن ہوگئے تھے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

جب ندیاں یخ بستہ ہو گئیں تو کرنل بستی رام کے دستہ نے جو ۴۰ فوجیوں پر مشتمل تھا، دریا پار کیا۔ بعد میں اور فوجی ان سے آ ملے۔ وزیر غلام حسن فجر کی نماز کے لئے وضو کر رہا تھا۔ ڈوگر سپاہیوں کو بڑھتے دیکھا تو وزیر نے جلدی جلدی بلتیوں کو مقابلہ کے لئے تیار کیا۔ یہ ڈوگرہ فوجیوں پر پل پڑے اور صفایا کیا۔ وزیر زورآور سنگھ دریا کے پار سے دوربین سے صورتحال کا جائزہ لے رہا تھا۔ بستی رام کی مدد کے لئے کمک بھیجی۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ وزیر غلام حسن مارا گیا۔ بلتی سپاہیوں میں کمانڈر کے مرنے سے بھگدڑ مچ گئی اور فرار ہوئے بلتیوں کے بھاگنے سے وزیر کے لئے فوج کو دریا کے پار کرنا آسان ہو گیا اور ساری فوج نے دریا پار کیا۔

دوسری لڑائی اس سے آگے تھاموخون کے مقام پر ہوئی۔ بلتی فوج کو سخت ہزیمت اٹھانا پڑی۔ ایک ہزار بلتی مارے گئے۔ جس طرح لنکرچے کی لڑائی لداخیوں کے لئے فیصلہ کن ثابت ہوئی اسی طرح تھاموخون کی لڑائی بلتیوں کے لئے تباہ کن ثابت ہوئی۔

بلتیوں کی شکست کی بڑی وجہ آپس کی ناچاقی تھی۔ لداخی گیالپو کے بھی بہت سارے دوست نما دشمن تھے جو در پردہ اور کھلم کھلا گیالپو کے خلاف سازش کرتے تھے لیکن احمد شاہ کے زیادہ دشمن تھے اور اعلانیہ اس کے خلاف کارروائی کر رہے تھے۔ ان میں راجا کا رشتہ دار خرمنگ کا علی شیو خان اور چپلو کے تخت کا دعویدار راجا دولت علی خان تھے۔ محمد شاہ علی شیر خان کا بھانجا تھا جس کو تخت سے الگ کرنے پر علی شیر خان کو غم و غصہ تھا وزیر حشمت اللہ کے مطابق احمد شاہ نے خرمنگ پر حملہ کر کے علی شیر خان کو مغلوب کیا تھا اور موخر الذکر نے لداخ گیالپو سے مدد کی درخواست کی تھی۔ لیکن زورآور کے حملے کی وجہ سے کوئی پیش رفت نہیں ہوئی تھی۔

علی شیر خان کی فوج نے عین وقت پر لڑائی سے گریز کیا۔ مقامی روایت کے مطابق اس کی فوج نے کچھ دیر کے لئے دکھاوے کی لڑائی لڑی۔ اپنی بندوقوں میں گولیاں نہیں بھریں۔ صرف بارود بھر کر خالی گونج پیدا کی۔

بلتستان میں اس پہلی کامیابی پر وزیر نے مارواں کے مقام پر فوج کی تنظیم نو کی اور اعلیٰ کارکردگیوں کے لئے انعامات دیئے۔ بستی رام کو پانچ سو روپے اور سونے کے کنگن کی جوڑی او

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ر۳۲ سپاہیوں کو ۴۰، ۵۰ اور ۱۰۰ روپے کے انعامات دیئے۔

راجا دولت علی خان نے چھوربت میں مدین شاہ کی سرکردگی میں آنے والی فوج کا ساتھ دیا اور خاص لڑائی کے بغیر اس فوج کو جانے کا راستہ دیا۔ دونوں فوجیں سکردو میں ملیں جہاں راجا احمد شاہ کھرپوچے میں قلعہ بند ہو گیا تھا۔ وزیر نے قلعے کا محاصرہ کیا۔ گولہ باری سے قلعہ پر کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا۔ احمد شاہ نے اس میں تین سال کے لئے راشن سٹاک کیا تھا۔ یہاں بھی علی شیر خان نے وزیر کا کام آسان کیا۔ قلعے کے اندر جا کر احمد شاہ کے سامنے قسم کھائی کہ وزیر اس کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچائے گا۔ باہر آکر وزیر کو سلام کیا۔ راجا احمد شاہ کو سکردو کا راجا بنایا گیا۔ قلعے کے اندر احمد شاہ کے محل کو مسمار کیا گیا۔

ڈوگروں کو کھرپوچے قلعہ کے اندر سے تین ہزار توڑے اور بندوقیں اور دو ہزار تلواریں ملیں۔ ان میں کچھ ہتھیار بلتیوں نے لڑائیوں میں لداخیوں سے حاصل کئے تھے۔ گیالپو چھیپل تنڈوپ نمگیل نے یہ ہتھیار پہچان لئے۔

لداخیوں میں گیالپو چھیپل تنڈوپ نمگیل کو سکردو ڈوگروں کے زیر قبضہ آنے کا بڑا غم تھا۔ وہ سکردو کی خودمختاری اور بقا کو لداخ کی خودمختاری اور بقا کے لئے ضروری سمجھتا تھا۔

اب وزیر کو ان باغیوں کی تلاش تھی جنہوں نے سکردو میں پناہ لی تھی۔

سکردو پر قبضہ کے بعد دوسرے بلتی راجاؤں نے زورآور سنگھ کی اطاعت قبول کی اور سبھوں کے لئے سالانہ خراج مقرر کیا۔

وزیر کی دھمکی میں آکر راجا احمد شاہ نے باغی لیڈر کلون رحیم خان اور غالباً پشکیم کے باغی لیڈر برنگیو حسین کو وزیر کے حوالہ کیا۔ وزیر کے حکم سے سکردو کے اولتھنگ (گھاس کے میدان) میں لوگوں اور فوجیوں کو جمع کیا۔ کئی ایک نے اولتھنگ کے بجائے ایک بڑا کھیت لکھا ہے۔ وزیر اور لداخی معزول گیالپو کے لئے الگ الگ خیمے نصب کئے گئے۔ کلون رحیم خان اور دوسرے باغیوں کو فوجیوں نے کھیت کے بیچ لایا۔ رحیم خان کا زبردستی افیون کھلائی۔ تین اینٹوں پر ایک بڑے برتن میں دو کلو تیل گرم کیا گیا۔ ایک جلاد نے پہلے رحیم خان کا دایاں ہاتھ کاٹا اور

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ٹنڈے ہاتھ کو تیل میں ڈبو دیا۔ پھر زبان کاٹی اور ناک اور کان کاٹے اور سبھوں کو دکھایا۔ پھر وزیر کے حکم سے یہ کہتا ہوا خوفزدہ بھیڑ کے سامنے رحیم خان کو اچھال دیا کہ لوگ اس کے چہرے پر تھوکیں اور ماریں۔ رحیم خان انتہائی تکلیف میں دو روز بعد مر گیا۔ پشکیم کے برنگپو حسین کی ناک اور کان کاٹے۔ ظاہر ہے، وزیر نے لوگوں کو مرعوب کرنے کے لئے یہ عبرت ناک سزا دی تھی۔ خلسے کے چھیتن نے یہ روح فرسا منظر دیکھا۔ اس کو ڈوگرہ فوجی خدمت پر سکردو لایا گیا تھا۔ چھیتن کے مطابق رحیم خان اور باغیوں کی عبرت ناک سزا کا منظر دیکھنے کے لئے لنگڑے، لولے، بوڑھے، عورتیں حتیٰ کہ اندھوں تک کو جمع ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔

کاچو سکندر خان نے ''قدیم لداخ'' میں لکھا ہے: ''کلون رحیم خان نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے بڑے منصوبے بنائے تھے لیکن فوجی چالوں اور اپنوں کی بے وفائی سے کامیاب نہیں ہوا۔ شاعر نے ان منصوبوں کو ریت کی دیوار، ڈھلتا سورج اور برگ خزاں دیدہ سے تشبیہہ دی ہے''۔

موروپ ستزین کو بھی سخت سزا دی۔ بلتی راجاؤں کو ڈرانے کے لئے موروپ کو ننگے سر اور ننگے پیر زنجیریں پہنا کر گھمایا۔ سکردو اور شگر کے درمیان دریائے سندھ کے کنارے منگ گنگ نامی ریگستان میں پہنچا تو زخموں اور تھکن سے نڈھال ہو کر وہ گر پڑا۔ اس کی حالتِ زار دیکھ کر سکردو کے ایک شاعر نے بلتی میں ایک حزینہ گیت لکھا ہے۔ سید محمد عباس کاظمی نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ گیت کے چند بند ملاحظہ ہوں۔

منگ گنگ ریگستان میں میرے موروپ ستزین کی آنکھیں جھلس رہی ہیں
میرے بڑے راجا! یہ شاید آپ نہیں ہیں، کوئی اور ہے۔
منگ گنگ ریگستان میں میرے موروپ ستزین کا خوبصورت چہرہ جل رہا ہے
میرے بڑے راجا! یہ شاید آپ نہیں ہیں، کوئی اور ہے

اس طرح سے شاعر نے موروپ ستزین کے خوبصورت ہاتھ، خوبصورت پیر اور خوبصورت جسم کے جھلسنے اور جلنے کا ذکر کیا ہے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

موروپ ستز ین خود بھی ایک اچھا شاعر تھا۔

زور آور سنگھ سکردو میں نو ماہ تک رہا۔ بلتستان بھی لداخ کی طرح غذائی لحاظ سے خود کفیل نہیں تھا۔ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ نئی بڑی فوج کی کفالت کے لئے غذا کہاں سے آئی ہوگی۔ کتنے سارے لوگوں نے فاقہ کشی کی ہوگی تب کوئی اس کا سروے کرنے والا نہیں تھا۔

زور آور سکردو کے خزانہ کو لے کر راجا احمد شاہ اور ولی عہد شاہزادہ محمد علی خان اور کئی وزیروں کو غلام بنا کر چپلو کے راستے لداخ لوٹا۔

چپلو میں فوج میں چیچک پھوٹ پڑی۔ گیالپو چھیپل نے کئی سال تک بڑی ذہنی کوفت اور سخت جسمانی تکلیف اٹھائی تھی اس بیماری سے جانبر نہیں ہوا۔ پنکھا پا کلون اور بہت سارے لوگ چیچک سے مر گئے۔ لداخی گیالپو اور کلون کی طرح سکردو میں احمد شاہ نے چیچک ٹیکہ لگوانے سے انکار کیا تھا۔ ایک انگریز ڈاکٹر فلکونر نے سکردو میں راجا، شاہزادوں اور رعایا کے لوگوں کو ٹیکہ لگوانے کی کوشش کی تھی اور کامیاب نہیں ہوا تھا۔

لیہہ آ کر زور آور نے لیہہ محل میں ایک تقریب میں چھو غسفر ول کے آٹھ سالہ بیٹے جگمت سینگے نمگیل کو خطابی گیالپو بنایا۔ چپلو کے راجا دولت علی خان نے راجکمار کو تلوار اور ڈھال پیش کی۔ راجا چپلو اور لداخی راجا میں خونی رشتہ تھا۔

لداخ اور بلتستان فتوحات کے بعد زور آور سنگھ کا حوصلہ بڑھا تھا اور اپنے ملک کو ناقابلِ تسخیر سمجھنے لگا تھا۔ وہ اب چینی ترکستان کو جس سے لداخ میں یارقند کہا جاتا ہے، فتح کر کے ڈوگرہ سلطنت سے شامل کرنے کا خواہش مند تھا۔ یہ اس کی دیرینہ خواہش تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو پوچھے بغیر اس نے چینی ترکستان کے گورنر کو ایک جارحانہ خط لکھا، جس کا متن یہ ہے۔

''اپنے ملک میں خون خرابہ اور ہنگامہ کھڑا کئے بغیر باہمی معاہدہ کے تحت سالانہ خراج ادا کریں۔ اس نصیحت کی طرف کوتاہی کا انجام آپ کے ملک کی بربادی اور آسائشوں کے خاتمے پر ہوگی جو آپ کے لئے باعثِ ندامت ہوگا اور آپ پشیمان ہوں گے۔''

وزیر نے گورنر سے اپنی اس خواہش کا بھی اظہار کیا کہ لاہور دربار میں اپنا سفارت کا

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

رکھیجے اور سکھ حکومت کی حاکمیتِ اعلیٰ کو تسلیم کرے۔

انگریز ایجنٹ نے جب یہ خبر سنی تو لاہور دربار کو لکھا کہ راجا گلاب سنگھ کو یارقند کے خلاف اپنے منصوبے سے باز رکھنے کی ضرورت ہے۔

زور آور سنگھ نے یارقند پر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کیا اور چپکے سے تبت پر فوج کشی کا منصوبہ بنایا۔ وہ ۱۸۳۶ء میں تبت پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے بذاتِ خود مہاراجہ رنجیت سنگھ کو نذرانہ پیش کرتے ہوئے تبت کو فتح کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا اور مہاراجہ کا آشیرواد چاہا تھا۔ تاہم مہاراجہ نے انگریزوں کی طاقت اور سیاسی برتری اور ان کے ردِ عمل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے منع کیا تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا تبت سے متعلق اچھا تاثر نہیں تھا۔ ایک فرانسیسی سیاح وکٹر جے کیو ماؤنٹ نے مارچ ۱۸۳۱ء میں ان سے کہا تھا کہ تبت نہایت ہی غریب ملک ہے۔ جے کیو ماؤنٹ نے اور سال پہلے ۱۸۳۰ء میں تبت کی سیاحت کی تھی۔

۱۸۴۱ء میں زور آور سنگھ کو تبت کے بارے میں سنی سنائی نئی باتیں معلوم تھیں جیسے مغربی تبت میں سونے کی کان ہے۔ گنپے دولت سے مالا مال ہیں، پشمینہ کی بہتات ہے، جو اَب کمایوں، گڑھوال اور بشاہیر سمگل ہو رہا ہے۔ نیز ماضی میں لداخ کی سرحد مایوم لہ تک پھیلی تھی اور نیپال کی سرحد سے ملتی تھی۔ اب رنجیت سنگھ دنیا میں نہیں تھا۔ اس کے جانشین مہاراجہ نہال سنگھ پنجاب اور نیپال کی سلطنتوں کا مغربی تبت کے راستے زمینی رابطہ قائم کرنے کا خواہشمند تھا شمال میں اندرون ہند انگریزوں کی عمل داری کی وجہ سے نیپال سے زمینی رابطہ ممکن نہیں تھا؛۔ نہال سنگھ اور ایسٹ انڈیا کمپنی میں اقتدار کی کشمکش بھی چل رہی تھی۔ چنانچہ بلتستان سے واپس آکر زور آور سنگھ نے ۱۸۴۱ء کے آغازِ بہار میں تبت پر حملہ کرنے کی تیاریاں کیں۔ انہی دنوں انگریزوں اور چین کے درمیان جنگ ہوئی تھی جسے تاریخ میں First opium war کہا جاتا ہے۔ زور آور ان کے اختلاف سے فائدہ لینا چاہتا تھا۔ تاہم چین اور انگریزوں کے مابین صلح کی بات چیت چل رہی تھی۔ زور آور جلد از جلد ایک بہانے کی آڑ میں تبت پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

چنانچہ وزیر زور آور سنگھ نے ۱۸۴۱ء کے شروع میں مغربی تبت کے گرپون (گورنر)

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کے نام گرمائی صدر مقام گرتوق خط لکھ کر سنگھ کے نام خراج مانگا اور تاکید کی کہ لداخ کے بغیر کہیں اور پشمینہ فروخت نہ کیا جائے۔

گرپون نے زور آور کی خوشنودی کے لئے پانچ گھوڑوں اور پانچ خچروں پر پشمینہ بھیجا۔ وزیر نے بے عزتی محسوس کی اور اسے حملہ کرنے کا اچھا بہانہ سمجھا۔

زور آور نے چھ ہزار فوج تیار کی جس میں تین ہزار ڈوگرہ سپاہی تھے۔ باقی تین ہزار لداخی، پوریگی اور بلتی تھے۔ اس کے پاس تین پاؤنڈر کی چھ توپیں تھیں۔

ہمس کے منیجر (چھنز وت) گونبو کو بطور رسد تین ہزار من آٹا اور ستو جمع کرنے کا حکم دیا۔ لداخ کے ہر گاؤں کے ذمہ ۵۰ پونڈ رسد کی نقل و حمل کا ذمہ لگایا۔

کوچ سے پہلے وزیر نے لیہہ قلعہ کے پھاٹک کی کھڑکی کو مقفل کیا اور لوہے کے پترے پر ذیل کے الفاظ لکھ کر کھڑکی سے جڑ دیا۔

''جب تک لاسہ فتح نہ ہو، کھڑکی نہ کھولی جائے۔''

ہندوستان کو آزادی ملنے تک یہ کھڑکی مقفل تھی۔

سپیتی میں ڈوگرہ ناظم رحیم خان کے داماد غلام خان کی سرکردگی میں ۵۰۰ فوجی بھیجے۔ اس کے ذمہ مغربی تبت کے ژھپرنگ، تھولینگ اور دابا پر قبضہ کرنا قرار پایا۔ رحیم خان چھشوت کے رہنے والے تھے۔

زور آور سنگھ نے میاں مگنا رام کو جو اس کا بہنوئی بھی تھا، لیہہ کا قلعہ حوالہ کیا اور خود مئی ۱۸۴۱ء کے آخری ہفتے میں چنگلا پار کر کے رودوق کی طرف بڑھا۔ اس کے ساتھ تین ہزار فوجی تھے۔ اس مہم میں زور آور نے اپنے ساتھ راجا احمد شاہ ان کے فرزند شہزادہ محمد علی، بزگو کلون چھوانگ ستبدن، اس کا بھائی نوفو صنم، داق چھوانگ سبتگیں، سباٹو کلون وغیرہ کو لیا۔ ہمس چھفزوے رسد کے انچارج کی حیثیت سے گیا۔ اوپنو رگزین اور چھوانگ دور جے Day Master تھے۔ ان کے ذمہ فوجیوں میں تنخواہ تقسیم کرنا تھا۔ وزیر کو احمد شاہ اور دیگر کچھ اشخاص سے بغاوت کا اندیشہ تھا۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کمانڈر میاں رائے سنگھ کی سرکردگی میں فوج کی تیسری جمعیت نے دلجوق کوچ کیا۔ دونوں فوجوں کو مغربی تبت کے سرمائی صدر مقام گرتوق میں ملنا تھا۔

چند لداخی بزرگوں کی روایت ہے کہ زور آور نے باربرداری کے لئے لداخی لئے مزدور تھے۔ ان میں کئیوں نے کوچ کرتے ہوئے بھاری بوجھ برداشت نہ کر کے کرکالا کوٹی یا کہیں اور دریا میں چھلانگ ماری اور مر گئے تھے۔

زور آور بلا کسی مزاحمت روودق پہنچا۔ جہاں سرحدی محافظوں اور لوگوں نے مال مویشی سمیت اپنے آپ کو قلعہ بند کیا تھا۔ چند روز تک دونوں طرف سے گولیاں چلتی رہیں۔ آخر کار تبتیوں نے جنگ بندی اور معاہدہ کرنے کے لئے ایک قاصد بھیجا زور آور نے قاصد کی تجویز مان لی اور دوسرے روز لاما اور دوسرے سرکردہ لوگ تحفے تحائف لے کر قلعے سے باہر آئے۔ زور آور بڑا خوش ہوا۔ گورنر کو قیدی بنایا۔ اس روز جون کی پانچ تاریخ تھی۔ زور آور نے ٹانگچے کے لونپو چھقد رور کو روودق کا قلعہ حوالہ کیا۔ ایلچی لونپو وانگ ڈوپ کو ان کے ساتھ رکھا اور خود فوج کے ساتھ گرتوق کی طرف بڑھا۔

دوسرے محاذ پر میاں رائے سنگھ نے دمجوق سے آگے ٹشی گانگ گمپہ سے تین میل دور اپنا کیمپ لگایا۔ دو روز خاموشی رہی۔ تیسرے روز گشتی دستے نے اطلاع دی کہ تبتی شبخون مارنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ شام کے دھندلکے میں تبتیوں کی کچھ نقل و حرکت دیکھی گئی۔ لداخی افسر نونو صنم نے گولیاں چلائیں اور دو آدمی زخمی ہوئے۔ تب یہ تبتی گمپہ کے اندر چلے گئے۔

دوسرے روز سرحدی محافظوں کا افسر گمپہ کی منڈیر پر لاپروائی سے ٹہل رہا تھا۔ وہ نونو صنم کی گولی کا شکار ہوا۔ تب گمپہ میں محصور لوگوں کو دشمن کی فوجی برتری کا احساس ہوا۔ ان کے پاس کافی خوراک اور پانی نہیں تھا۔ بندوقیں بھی پرانی تھیں۔ انہوں نے چند آدمیوں کو بات چیت کے لئے بھیجا۔ رائے سنگھ نے شرائط مان لیں اور گمپہ قبضہ میں آیا۔

زور آور جب گرتوق پہنچا تو یہ تقریباً خالی تھا۔ لوگ زور آور سنگھ کی آمد کی خبر سن کر فرار ہوئے تھے۔ معمولی مزاحمت کے بعد گرتوق زور آور سنگھ کے قبضے میں آیا۔ میاں رائے سنگھ اور

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اس کی فوج بلا کسی رکاوٹ کے گرتوق پہنچی اور دونوں افواج ملیں۔ گرتوق میں ایک قلعہ تعمیر کیا گیا اور تیرہ روز بعد پیش قدمی کی۔ آگے کے گاؤں سے بھی لوگ فرار ہوئے تھے۔

جون ۱۸۴۱ء میں زور آور تبت کے محاذ پر تھا تو لداخی گیالپو کا ایک سفیر نیپال کی حکومت کے ڈوگروں کی طرف سے خلاف مدد حاصل کرنے کھٹمنڈو آیا۔ کھٹمنڈو میں برطانوی ہند کے ریذیڈنٹ بی ایچ ہوڈسن B.H.Hodson نے سفیر کی آمد کو قدرے تشویش سے دیکھا اور لداخ پر ڈوگروں کی فوج کشی کو بالکل ناگوار واقعہ قرار دیا۔ نیپال کی حکومت نے لہاسہ میں تعینات چینی ریذیڈنٹ کو لداخ کے سفارتی مشن کے بارے میں اطلاع دی اور لکھا کہ اگر چینی حکومت اجازت دے تو وہ لداخ فوج بھیجنے کے لئے تیار ہے۔ ریذیڈنٹ نے جواب دیا کہ چینی حکومت کو لداخ کی سیاست میں مداخلت کرنے کا کوئی حق یا ارادہ نہیں ہے اور نیپالی دربار کے لئے بھی یہ مناسب ہے کہ وہ اپنی مقررہ حدِ اختیار سے تجاوز نہ کرے۔

مینسر کے پاس ٹوقپو (لسٹوم) یا تین نالوں کے سنگم پر گرتوق کے مفرور گورنر نے مسلح چنگپا (تبتی) ڈوقپا (دیہاتی) اور چھسپا (رہزنوں) کو حملہ کرنے کے لئے منظم کیا تھا۔ چھسپا روایتی رہزن یا ڈکیتی مارتے تھے جو تاجروں اور مسافروں کا مال لوٹتے تھے اور اسی پر گزارہ کرتے تھے۔

تقریباً ۸۰۰ تبتی جنگجوؤں نے اگست کی ۷ تاریخ کو گھات لگا کر حملہ کیا۔ لڑائی دوسری صبح پو پھٹنے تک جاری رہی۔ فریقین کے بہت سارے لوگ مارے گئے۔

یہاں سے وزیر زور آور سنگھ کیلاش یاترا پر گیا۔ جہاں منتظم لامانے زور آور کو کیلاش اور مانسرور کی تاریخ بتائی۔ زور آور نے اسے نوٹ کرایا۔ زور آور نے حلف اٹھایا کہ وہ وہاں تانبے اور سونے کی بنی ایک دیوی نصب کرے گا۔ اسی اثناء میں زور آور کی بیوی اور دوسرے ڈوگرہ افسروں کی بیویاں بیس مسلح ڈوگرہ سپاہیوں اور بارہ لداخیوں کے ہمراہ لیہہ سے یاترا کے لئے کیلاش پہنچیں۔ انہوں نے کیلاش اور مانسرور پر پوجا کی اور جھیل مانسرور میں اشنان کیا۔ زور آور کی بیوی نے جس کو بُو اجی یا بڑی بہن کہا گیا ہے جھیل میں جواہرات، موتی، سونا اور

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

چاندی کا نذرانہ چڑھایا۔ دو روز کے آرام کے بعد مسلح سپاہیوں اور نگراں لداخیوں کے ہمراہ ان کو واپس بھیجا گیا۔

ایک اور تاریخی ماخذ کے مطابق اکتوبر کے مہینے میں جب وزیر نے سنا کہ اسی ہزار تبتی فوج تبتی کمانڈر کلون رور کھنگ کی سرکردگی میں آرہی ہے تو اپنی بیوی اور دوسری عورتوں کو اپنے بہنوئی میاں مگنارام کے ساتھ لداخ بھیجا۔ جہاں سردیاں انہوں نے لیہہ قلعہ میں گزاریں۔ یہ فوج کلون شاٹا پیش کی کمک بھیجنے کی درخواست پر کلون زور کھنگ، چھتن دورجے، کلون راگاشا اور گیورمیت چھیتن دورجے کی کمان میں بھیجی گئی تھی۔ ان کے پاس توپیں بھی تھیں۔ ٹشی ٹومیو گنپہ اور تاجروں نے اس فوج کے لئے نو ماہ کی رسد کا انتظام کیا تھا۔

وزیر کی دوسری اہم منزل تکلا کوٹ یا تکلا کھر تھی۔ تکلا کوٹ کا تبتی نام پورانگ ہے۔ یہاں بھی چند روز کے محاصرہ کے بعد پانی کی قلت کی وجہ سے تبتیوں نے ہتھیار ڈال دئے۔ ۶ ستمبر ۱۸۴۱ء کو تکلا کوٹ پر ڈوگروں کا قبضہ ہوا۔ یہاں بھی ایک قلعہ تعمیر کیا گیا۔ کرنل بستی رام کو ۵۰۰ سپاہیوں کے ساتھ اس میں رکھا۔ تکلا کوٹ نیپال کی سرحد سے ۱۵ میل دور ہے۔ یہاں سے گڑھوال اور کمایوں بھی تقریباً اتنے ہی فاصلے پر ہیں جو تب ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر انتظام تھے۔ ڈوگروں کی فتوحات سے ایسٹ انڈیا کمپنی اور نیپال کی حکومت کو بڑی تشویش ہوئی۔ کمپنی نے ایک انگریز افسر کپتان جوزف ڈیوی کننگھم کو صورتحال کی جانکاری اور زور آور کی مہم جوئی کو روکنے کے لئے بھیجا۔

نیپال سرکار نے حقائق معلوم کرنے کے لئے زور آور سنگھ کے پاس ایک وفد بھیجا۔ زور آور نے وفد کا گرمجوشی سے سواگت کیا وفد کے ارکان کی تشویش دور کرنے کی کوشش کی۔ دونوں میں تحفے تحائف کا تبادلہ ہوا اور ایک ہفتہ بعد وفد مطمئن ہو کر واپس لوٹا۔

انگریز ہند سرکار کو نیپال اور زور آور سنگھ کے میل جول پر تشویش ہوئی۔

ڈوگروں نے مغربی تبت کی انتظامیہ اپنے ہاتھ میں لی اور لوگوں سے کہا کہ وہ اپنا پشمینہ، شہتوس اور اون صرف لداخیوں کو فروخت کریں۔ گڑھوال اور کمایوں کے بھوٹیا کو نہ بیچیں

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

۔بشاہیر میں پشمینہ برآمد کرنے والوں کو سخت سزائیں دیں۔ زورآور سنگھ نے خلاف ورزی کرنے والے پانچ افراد کو موت کے گھاٹ اتارا۔ جب انگریزوں تک شکایت پہنچی تو ردّ عمل بڑا سخت تھا۔ زورآور نے شکایت کے ازالہ کے لئے بستی رام کو کمایوں کے انگریز کمشنر لوشینگ ٹن کے پاس بھیجا۔ ۸/اکتوبر کو بستی کمشنر سے ملا اور یقین دلایا کہ وزیر زورآور سنگھ خطے میں تجارت کو دیرینہ مروّجہ دستور کے مطابق قائم رکھنے کے لئے سنجیدہ ہے۔

تکلاکوٹ سے وزیر زورآور سنگھ کو چرناتھ کا مندر دیکھنے گیا، جہاں اس نے اپنے سونے کی کئی اشیاء بطور چڑھاوا پیش کیں۔

اِسی دوران غلام خان اور اس کے چچا رحیم خان نے چھومورتی، کرگے، ژھپرانگ اور تھوچنگ پر قبضہ کیا۔ لوٹ کا مال وزیر کے قدموں پر ڈالا۔

گرتوق اور تکلاکھر کے علاوہ وزیر نے اپنے پلان اور نقشے کے مطابق روودق، ژھپرانگ، ڈابا، چھومورتی، کاردام، تیرتھ پوری وغیرہ میں قلعے تعمیر کئے اور ان میں فوج رکھی۔ راستوں کی مرمت کی اور لوگوں سے مروجہ دستور کے مطابق محصولات جمع کئے۔ ڈوگروں کے تعمیر کردہ تمام قلعوں میں پانی کا خیال رکھا جاتا تھا۔ اس کے برعکس لداخیوں اور تبتیوں کے قلعوں میں پانی کی مستقل فراہمی کا معقول انتظام نہیں ہوتا تھا جس کی وجہ سے محصور فوجوں کو ہتھیار ڈالنے پڑتے تھے۔

وزیر نے اپنے آپ کو مغربی تبت کا حکمران تسلیم کرانے کا مطالبہ کیا اور جنگ میں ہوئے نقصانات کے لئے تاوان مانگا۔ لہاسہ پر حملہ کرنے کی دھمکی دی۔ سردیاں شروع ہو چکی تھیں، اسی دوران بھاری برف باری ہوئی۔ یہاں سے ڈوگرہ فوج کی مشکلات شروع ہوئیں۔ تاریخ دانوں نے اس امر پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ وزیر نے گرم علاقوں کی فوج کی محاذ آرائی کے لئے تبت جیسے سرد ملک میں کیوں سردی کے موسم کا انتخاب کیا۔

تبتیوں نے مویوم لا کے ایک ذیلی درہ سے اپنی فوج بھیجی اور تکلاکھر سمیت ڈوگروں کے تمام قلعوں کو گھیر لیا۔ ڈوگرہ فوج کا برف باری اور محاصرے کی وجہ سے ایک دوسرے سے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

رابطہ ٹوٹ چکا تھا۔گرتوق اور رودوق تک کے ڈوگرہ قلعے تبتی فوج کے محاصرے میں آئے۔

کردام کے قلعے میں میاں اوتار کشتواریہ کی کمان میں موجود سو سپاہیوں کو تبتیوں نے تلواروں سے مولی گاجر کی طرح کاٹ دیا۔یہی حشر دوسرے مقامات پر بھی ہوا۔

زورآور سنگھ مانسرو ور جھیل کے پاس تیرتھ پوری میں تھا۔ ۷رنومبر ۱۸۴۱ء کو نونوصنم کی سرکردگی میں تین سو فوجی تبتیوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے بھیجے۔ مانسرور جھیل کے جنوب میں کردام کے مقام پر تبتیوں کے ٹڈی دل لشکر نے ان کو گھیر لیا اور سبھوں کو تہہ تیغ کیا۔نونوصنم مشکل سے جان بچا کر بھاگا۔

۱۹رنومبر کو غلام خان اور نونوصنم دونوں کے تحت چھ سو فوجی بھیجے گئے ۔ یہاں بھی تقریباً سبھی مارے گئے اور نونوصنم اور غلام خان دونوں قیدی بنائے گئے۔

وزیر زورآور سنگھ کو اَب فوج کی کمی محسوس کر رہا تھا۔اس نے لیہہ، سپتی وغیرہ میں تعینات ڈوگرہ فوج کو مانسرو ور کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ سپتی سے مقامی ملیشیا کا حصہ (Quota) نہیں پہنچا تھا۔اسے بھی گاؤں والوں کو سمجھا کر بھیجنے کی تاکید کی۔

لیہہ کے ڈوگرہ فوجی کمانڈر او رتھانیدار میاں مگنا رام اور میاں ڈولو سنگھ اور مغربی تبت کے دوسرے ڈوگرہ کمانڈر اپنی اپنی فوجیں لے کر مانسرور جھیل کی طرف بڑھے لیکن برف باری اور درّے بند ہونے کی وجہ سے وہ میدان جنگ تک نہیں پہنچ سکے اور مجبوراً اپنے ٹھکانوں کی طرف لوٹے۔

زورآور سنگھ تیرتھ پوری سے اپنی فوج کے ساتھ نکلا اور تکلا کھر کی طرف کوچ کیا۔ایسا لگتا ہے وزیر نے تکلا کھر میں بستی رام سے ملنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔بستی رام نے بھی اپنی فوج کے ساتھ وزیر سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن تبتی فوجیوں کے محاصرہ میں ہونے کی وجہ سے ناکام ہوا۔

بستی رام نے پندرہ فوجیوں پر مشتمل ایک وفد کماؤں کے کمشنر جی ٹی لوشینگٹن کے پاس زورآور سنگھ کے نام سے فوجی امداد حاصل کرنے کے لئے بھیجا لیکن انگریز کمشنر نے کسی قسم

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کی مدد دینے سے معذوری کا اظہار کیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے پہلے ہی تبت میں مہم جوئی کی پُر زور مخالفت کی تھی۔

برف، سردی اور بلندی کی وجہ سے فوجی مر رہے تھے۔ وزیر کو لڑنے کے سوا کوئی متبادل راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ چنانچہ زور آور نے کہا:

''یا تو تبتی میرا سر لے جائیں گے یا میں خود لے جاؤں گا۔''

۱۰ردسمبر کو تکلا کھر کے پاس لڑائی شروع ہوئی جو تین دن تک جاری رہی۔ ۱۲ردسمبر کو حسب معمول میدانِ کارزار میں بذاتِ خود فوج کی کمان کر رہا تھا۔ ایک گولی اس کی ران میں لگی۔ کئی مورّخوں نے لکھا ہے۔ اس کے دائیں کندھے پر گولی لگی اور وہ گھوڑے سے گر گیا۔ وہ بائیں ہاتھ میں تلوار لے کر لڑنے لگا۔ آخر کار ایک تبتی نے دو مرتبہ نیزہ مارا۔ نیزے کی اَنی زور آور کے دل کو چھید گئی۔

تبتی تاریخی ریکارڈ کے مطابق ایک پلاٹون کمانڈر نے میدان جنگ میں وزیر کو پہچان لیا۔ اس نے وزیر کی طرف اپنا نیزہ پھینکا۔ وزیر زمین پر گر گیا اور لڑنے کے قابل نہیں رہا۔ وزیر کا سر کاٹ کر اس نے تبتی کیمپ میں لایا۔ میکر کو ترقی ملی اور اس صلے میں ایک چھوٹی جاگیر دی گئی۔

زور آور سنگھ کے مرنے کے بعد سپاہی فرار ہوئے۔ تبتیوں نے پیچھا کیا۔ بہت سے مارے گئے اور بہت سارے قیدی بنائے گئے۔ تبتی تاریخ کے مطابق تین ہزار سے زائد فوجی مارے گئے اور سات سو پکڑے گئے۔ ان میں دو لداخی وزیر بھی تھے۔ میاں رائے سنگھ کا پتہ نہیں چل سکا۔ وہ زور آور کا سب سے بڑا کمانڈر تھا۔ سر کردہ بلتیوں اور لداخیوں میں راجا احمد شاہ، ان کا بیٹا ولی عہد علی محمد خان، بزگوکلون چھوانگ ستبدن، سابو کلون اور لچھس پھیا قدور، اونپو چھیتن رفتن، چھنزوت گونبو وغیرہ تھے۔

ایس ایس گیرگن رقم طراز ہے: ''تبتیوں نے زور آور سنگھ کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کئے اور اپنے ساتھ بطور Souvenir (یادگار) لے گئے۔ سر کے بال نوچ لئے۔ اور اچھی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

قسمت کے لئے اپنے پاس رکھے۔ زور آور سنگھ کی بربریت اور بہادری کا چرچا تبت تک پھیلا تھا۔'' تبتیوں نے تولیو میں اس کی سمادھی بنائی۔ جس زور آور کی باقیات رکھی گئی ہیں۔ اس جگہ زور آور مارا گیا تھا۔

سوامی Pranavananda نے اپنی کتاب Exploration in Tibet(1939) میں لکھا ہے کہ تبتی زور آور سنگھ کو فوق البشر (Superman) سمجھتے تھے۔ مصنف ۱۹۳۸ء میں تبت گئے تھے۔ بعد میں وہ اور تین مرتبہ تبت گئے۔

کوشوق ژھولٹیم نیماں چنگ تھنگ میں زور آور گپھا میں گیان دھیان کر رہے تھے۔ کہتے ہیں ۲۱ ر دسمبر ۱۸۴۱ء کی صبح انہوں نے اپنے خادم سے کہا کہ دوسری زندگی میں وزیر کی بہتری کے لئے اور شمع جلائے۔ وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔ کوشوہ نے وزیر کو تبت جانے سے روکنے کی کوشش کی تھی لیکن وزیر نے نہیں مانا اور کہا تھا ''مجھے اپنی جان کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔''

کرنل بستی رام نے وزیر کی حالت جاننے کے لئے دو جاسوس بھیجے۔ انہوں نے وزیر کی ہلاکت اور فوج کی تباہی کی خبر لائی۔ بستی رام ایک ماہ سے محاصرے میں تھا۔ اس کے پاس ہتھیار اور گولہ بارود کم تھے۔ بستی رام اور اس کے ۲۵۰ سپاہیوں نے آدھی رات کو فرار کی راہ اختیار کی۔ چار پانچ فٹ برف پڑی تھی۔ اپنے ساتھ چند گھوڑے لائے تھے۔ جو چھوڑنے پڑے۔ تیس آدمی گھبرا کر واپس لوٹے۔ رات کو برف پہ سوئے اور دن کو چلتے ہوئے چار روز بعد وہ گاؤں گوربیا پہنچے۔ آدھے لوگ راستے میں مر گئے، کچھ کے ہاتھ پیر پالا پڑنے سے سڑ گئے۔ تھوڑے سے اناج کے لئے انہوں نے اپنے گھوڑے، زرہ بکتر اور تلواریں فروخت کیں۔ انگریز کمشنر جی ٹی لوشینگٹن کی مدد سے بستی رام اور اس کے بچے ہوئے سپاہی ۱۶ ر فروری ۱۸۴۲ء کو پنجاب کے شہر فیروز پور پہنچے جہاں سے وہ جموں گئے۔

زور آور سنگھ کی بیوی سے وابستہ ایک لداخی گیت ہے۔ گیت کے چند بول یوں ہیں:

اس سرزمین یعنی لداخ کے باشندوں کے درمیان میرا کوئی دوست اور رشتہ دار نہیں۔

دوستوں اور رشتہ داروں کے وطن میں صرف زور آور تھے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اب تو زور آور نے مجھے ایک بدنصیب بیوہ بنایا ہے

اب تو زور آور نے اپنی رانی کو ایک بدنصیب بیوہ بنایا ہے

گیت میں زوجی لہ سے روانگی کا ذکر ہے۔ ۱۲ دسمبر ۱۸۴۱ء کو جب زور آور تبت میں مارا گیا تو ایسا لگتا ہے کہ ان کی بیوی لیہہ میں تھی۔ سردیوں میں وہ ڈوگرہ فوج کے کمانڈر اور اپنے شوہر کے بہنوئی مگنا رام کے ساتھ لیہہ قلعہ میں ٹھہری ہوگی جو کچھ عرصے کے لئے لداخیوں کے محاصرے میں رہا۔

مارچ ۱۸۴۲ء تک تبتیوں نے سارا مفتوحہ علاقہ ڈوگروں سے واپس لیا۔ تبتی حکومت نے ماسوائے کچھ افراد کے قیدیوں سے اچھا برتاؤ کیا۔ ڈوگرہ قیدیوں کو جنوبی تبت کے گرم خطے میں آباد کیا گیا۔ ان میں سے بہتوں نے تبتی لڑکیوں سے شادی کی۔ ڈوگروں نے خوبانی، انگور اور ناشپاتی کے پیڑ لگا کر تبتیوں کو ان میوہ جات سے روشناس کیا۔ غلام خان کو گنپوں کی بے حرمتی کے الزام میں اذیتیں دے کر ہلاک کیا گیا۔ بز گوکلون، نونوصنم، اوچھپا ساتھ قدوراسانو کلون اور اونپو چھیتن رفتن کو ڈوگروں کی حمایت کرنے پر قید میں رکھا اور کبھی رہا نہیں کیا۔ راجا احمد شاہ کا احترام کیا اور حسنِ سلوک سے پیش آئے۔ ان کو اور اُن کے بیٹے کو رہا کیا گیا۔

تبتی حکومت نے جنزل شاترا اور جرنیل شرکھنگ کو زور آور کے خلاف لڑائی میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ان کو کلون یعنی وزیر کا خطاب دیا اور ''کاشق'' مجلس بالا کے ممبر بنائے۔

کچھ ڈوگرہ مفرور ڈوگرہ فوجی سپیتی پہنچے۔ انہوں نے پناہ مانگی۔ گاؤں والوں نے پناہ دینا مان لیا اور کہا کہ انہیں گاؤں کے تمام کنبوں میں بانٹ کر رکھیں گے۔ بعد میں منظم طریقے سے ان کو ہلاک کیا۔ مفرور سپاہی لیہہ بھی پہنچے اور دوسرے ڈوگرہ سپاہیوں سے ملے۔ تبت کے محاذ سے بچ کر آنے والوں میں اکثریت لداخیوں کی تھی جن کو زور آور نے اپنے ساتھ لیا تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے ایک افسر جوزف ڈیوڈ کننگھم کو زور آور سنگھ کو تبت کی مہم جوئی سے باز رکھنے کے لئے بھیجا تھا، وہ غالباً لداخ یا مغربی تبت پہنچا۔ زور آور سے رابطہ قائم

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کرنے سے پہلے وہ ہلاک ہو چکا تھا اور فوج کی تباہی ہوئی تھی۔ کمپنی نے تبت کے مفتوحہ علاقوں کے انخلا کے لئے ۱۰ ار دسمبر کی تاریخ مقرر کی تھی۔ اس لئے بات آئی گئی ہو گی۔

زور آور سنگھ کی شکست کی بڑی وجہ سردی اور برف باری تھی۔ انیسویں صدی میں عظیم فاتح نپولین بونا پارٹ کو سردی اور برف کی وجہ سے شکست کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ چنانچہ زار الیکزنڈر نے کہا تھا کہ جرنیل وِنٹر (Winter) نے اس شکست میں اپنا بڑا رول ادا کیا تھا۔

زور آور سنگھ کی ہلاکت اور ڈوگرہ فوج کی تباہی سے لداخیوں اور بلتیوں کو بڑا حوصلہ ملا۔ ان پر یہ عیاں ہوا کہ زور آور سنگھ جیسے مضبوط جرنیل کو شکست دی جا سکتی ہے اور تبت لداخیوں کی مدد کو آ سکتا ہے۔ چنانچہ لداخیوں اور بلتیوں نے ایک دفعہ اور بغاوت کا علم بلند کیا۔ اس دفعہ بغاوت کا نمایاں محرک اور لیڈر ہمس گمپہ کے چھفزوت گو بنو تھا جس کو وزیر نے فوج کی رسد کی فراہمی کے لئے بطور منتظم اپنے ساتھ مغربی تبت لیا تھا۔ تبتیوں نے ان کو بھی قیدی لیا۔ چھفزوت گو بنو لوپچق کے ساتھ لہاسہ جایا کرتا تھا اس لئے تبتی سرکاران کو اچھی طرح جانتی تھی۔ چھفزوت گو بنو نے ڈوگروں کے خلاف لوگوں کو منظم کرنے کے لئے لونپو چھوانگ رفتن کو لیہہ بھیجا اور آنجہانی گیالپو چھوانگ رفتن نمگیل چھوعسفرول کی بیوہ سوۃ لذانگ ڈولما کو خط لکھا کہ 'ستوت اور مت' بالائی اور زیریں لداخ کے ملیشیا کو لڑائی کے لئے بلالیں۔ ستزانگ ڈولما کا بیٹا جگمت کونگا نمگیل ابھی کمسن تھا اور انہیں ستوق جاگیر میں ملی تھی۔

جلدی ہی پوریگ سمیت سارا لداخ بغاوت کی لپیٹ میں آیا اور اس کا دائرہ بلتستان تک پھیل گیا۔ چوکیوں پر تعینات ڈوگرہ سپاہیوں کو مار دیا گیا۔ بہتوں نے لیہہ قلعہ میں پناہ لی۔ ڈوگرہ قلعوں کا محاصرہ ہوا۔ موبیک میں کلون نے موبیک قلعہ کے ڈوگرہ، سپاہیوں کو درکیت کے پل کے اوپر سے واکھا نالہ میں گرایا۔ راجہ سوت نے پسری کھر وغیرہ میں ڈوگرہ سپاہیوں کو قتل کیا۔ سوروکس لتے میں بھی ایسی میں وارداتیں پیش آئیں۔

سکردو میں راجا احمد شاہ کی حکومت بحال ہوئی اور راجا کے ایک معتمد کا چو حیدر خان نے حکومت سنبھالی۔ راجا کے بیٹے محمد شاہ کو حراست میں لیا گیا۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

لونپو چھوانگ رفتن فوج جمع کرنے گیا۔۱۸۴۲ء کے آغاز میں تبتی کمانڈر پی شی رگا ٹا تین ہزار لشکر کے ساتھ لداخ کی طرف بڑھا۔چھفروت گونبو لہاسہ سے تبتی فوج کے ساتھ لیہہ پہنچا اور نوعمر راجکمار جگمت سینگے کونگا نمگیل کے تحت لداخ کی خودمختاری کا علان کیا۔خود کلون یا وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالا اور لیہہ کے لونپو (گورنر) کو نوعمر گیالپو کا ریجنٹ یا قائم مقام راجا مقرر کیا۔

بلتستان میں تقریباً سارے راجے متحد ہوئے۔سکردو میں ڈوگرہ تھانیدار بھگوان سنگھ کو قید کیا گیا۔

۱۸ سے ۷۰ سال کی عمر کے تمام لداخیوں کو فوجی خدمت کے لئے بُلایا گیا جن کی قیادت کا کام سرکردہ لداخیوں کو سونپی گئی۔ہر قسم کے ہتھیار جمع کئے گئے۔ہتھیاروں کی پہلے بھی کمی تھی لڑائیوں اور بغاوتوں کے بعد زیادہ کم ہوئے تھے کیونکہ بہت سارے ہتھیار ڈوگروں نے چھین کر اپنی تحویل میں لئے تھے۔لداخ ہتھیار کے فن میں پیچھے تھا۔گاؤں میں ہتھیار بنائے گئے لیکن ان کا معیار اچھا نہیں تھا۔ہتھیاروں کی کمی کی وجہ سے لکڑی کے نیزے تک بنائے گئے۔جن کے پاس ہتھیار نہیں تھے ان میں یہ تقسیم کئے گئے۔

ڈھائی ہزار لداخی ملیشیا جمع ہوئے۔لیہہ محل اور تنگ موگنگ کا اسلحہ لشکر میں تقسیم کیا جا چکا تھا۔ملیشیا نے لیہہ قلعہ اور موجودہ پولو گراؤنڈ کے پاس ڈوگرہ چھاؤنی کو محاصرے میں لیا گیا۔بلتستان سے بلتی سپاہیوں کی سرکردگی میں سو گھوڑسوار اور پانچ سو پیدل فوج پہنچی۔ان میں پچاس تیرانداز سپلوی کی کمان میں لیہہ محل میں تعینات کئے گئے جو ڈوگرہ چھاؤنی کے گولوں کی زد میں تھا۔مقامی روایت کے مطابق چھاؤنی سے پہاڑی پر گولہ باری ہوئی جسے چھاپہ خانہ کی یونیورسٹی ہال اکلون اورون رہ وغیرہ کی عمارات کو نقصان پہنچا۔

قلعہ اور چھاؤنی میں ایک ہزار ڈوگرہ فوجی تھے۔مفرور فوجیوں کی وجہ سے قلعہ میں رہائش کا مسئلہ پیدا ہوا تھا اس لئے فاضل فوجی چھاؤنی میں منتقل ہوئے تھے۔لداخی ماضی قریب تک اس جگہ کو چھاغون کہتے تھے جو چھاؤنی کا بگڑا ہوا لفظ ہے۔کمیدن یا کمانڈر پہلوان

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

سنگھ نے چھاؤنی کو دفاعی طور مضبوط کیا تھا۔ کمیدن پہلوان سنگھ پہلے گیالپو کے محل کرز و میں رہتا تھا۔ اسے محفوظ نہ پا کر گیالپو کے اصطبل میں منتقل ہوا۔ یہ اصطبل لیہہ قلعہ کے پاس تھا۔ یہاں مورچے بنائے۔ ایک مرحلے پر میاں مگنالال سنگھ نے چھاؤنی کی کمان سنبھالی اور مگنا رام اور کمیدن پہلوان سنگھ قلعہ کے کمانڈر رہے۔ قلعہ میں تین اور چھ پاؤنڈر کی چار توپیں اور تیس تو پچی تھے۔ قلعہ کی تیس فٹ اونچی فصیل کے سامنے خندق تھی جو لڑائی کے دوران پانی سے بھری رہتی تھی۔

قلعہ اور چھاؤنی میں ڈوگروں نے راشن اور گولہ بارود کا اچھا سٹاک کیا تھا۔

لداخیوں نے خنپو رینگبو چھے کو لڑائی میں اپنی روحانی طاقت کے استعمال کے لئے درخواست کی اور لیہہ مدعو کیا۔

ڈوگرہ فوج کی توپیں عمارتوں کو بڑا نقصان پہنچا رہی تھیں۔ لداخیوں کے پاس ڈوگروں سے حاصل کردہ ایک توپ تھی۔ اس کی نقل میں توپیں بنانے کا فیصلہ ہوا۔ تمام لوہاروں کو طلب کیا گیا۔ سپیتی سے گیالپو کو بطور ٹیکس لوہے کی سلاخیں آتی تھیں۔ اب کے ان کو پوریگ کے راستے لیہہ لایا گیا اور توپ بنانے کا کام شروع ہوا۔ چنانچہ ایک یا ایک سے زیادہ توپیں بنائی گئیں۔ اب اس سے استعمال کرنے کا وقت آ گیا۔ پہلا گولا نشانے سے دور گرا۔ دوسرے گولے کے داغنے کے ساتھ توپ پھٹ گئی اور متعدد لوہار اور لوگ مر گئے۔ اس طرح توپ بنانے کا منصوبہ کامیاب نہیں ہوا۔

لداخیوں نے بارہ روز تک قلعہ اور چھاؤنی میں گولہ باری جاری رکھی۔ ایک رات قلعے اور چھاؤنی پر شب خون مارنے کا فیصلہ ہوا۔ کئی منصوبے بنائے لیکن عملی جامہ نہیں پہنائے جا سکا۔ ایک روایت کے مطابق رات مباحثہ میں گزر گئی اور صبح ہوئی۔ اس طرح منصوبہ دھرے کا دھرا رہا۔ ایک روز ۳۰ ڈوگرہ سپاہیوں نے ایک افسر میاں رانا کی سرکردگی میں قلعے سے نکل کر اچانک بلتی فوج کی ٹکڑی پر حملہ بول دیا۔ بلتی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کامیابی سے متاثر ہو کر میاں مگنا رام نے پانچ سو فوجیوں کی جمعیت سے محاصرہ کرنے والوں پر دھاوا بولا اور

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

لداخی بھاگ کھڑے ہوئے۔اس نازک گھڑی میں نوبراہ کے راجہ اور اس کے حامیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور صورت حال کو بچایا۔ڈوگرہ سپاہی کافی جانی نقصان اٹھا کر قلعہ کے اندر چلے گئے۔

بھاگنے والے ملیشیا انداز اُلیہہ کے لگتے ہیں۔گاؤں کے لوگوں کو لیہہ والوں کے رویئے پر یہ شک ہوا کہ یہ خفیہ طور ڈوگروں سے ملے ہوئے ہیں اور ان سے ہمدردی رکھتے ہیں۔انہوں نے چند آدمیوں کو مار ڈالا اور کئی تاجروں کو مارا پیٹا۔کئی لداخیوں اور ان کے لیڈروں کو تبتی فوجیوں کے حوالے کیا گیا۔گاؤں والوں نے ہمس برانگ کو لوٹا، جہاں وزیر زور آور سنگھ نے مغربی تبت سے لوٹا ہوا مال رکھا تھا۔

مہاراجہ گلاب سنگھ کو زور آور سنگھ کی ہلاکت، ڈوگرہ فوج کی تباہی اور لداخیوں کی بغاوت کی خبر بروقت ملی۔وہ ان دنوں افغان جنگ میں الجھا ہوا تھا۔مہاراجہ کے بھائی دھیان سنگھ نے، جو پنجاب کے حکمران مہاراجہ شیر سنگھ کا وزیر اعظم تھا، پانچ ہزار فوج تیار کی۔سردی کا موسم تھا اور زوجیلہ بند تھا،فوج کو لداخ بھیجنا مشکل تھا۔اس کے باوجود فروری میں فوج کو کشمیر سے لداخ بھیجنے کا فیصلہ ہوا۔مہاراجہ شیر سنگھ اور وزیر اعظم دھیان سنگھ نے کشمیر کے سکھ گورنر غلام محی الدین کو حکم دیا کہ کشمیر میں ڈوگرہ فوج کی کفالت کرے اور کشمیر سے لداخ فوج کے سامان کی نقل وحمل کے لئے باربردار قلیوں کا انتظام کرے۔لوگ کھیتی باڑی کے کام میں لگے تھے۔انہیں جب بیگار کے لئے لیا گیا تو خوب ہاہا کار مچی۔دس ہزار لوگوں کو ان کی مرضی کے بغیر دیوان ہری چند کے ہمراہ فوج کے ساتھ بیگار پر بھیجا گیا۔ان کو پندرہ دن کی خوراک فراہم کی گئی۔اس دوران گلاب سنگھ فوج کی نقل وحرکت کا جائزہ لینے کیلئے بذاتِ خود سرینگر آیا اور نسیم باغ میں ٹھہرا۔

فروری ۱۸۴۲ء میں دیوان ہری چند اور وزیر رتنوں کی سرکردگی میں چھ یا سات ہزار فوج نے روزانہ پانچ سو فوجیوں کی تعداد میں زوجیلہ پار کیا۔بہت سے قلی زوجیلہ پر برف اور سردی سے مر گئے۔زوجیلہ سے آگے راستے میں بڑی برف تھی۔

ڈوگرہ فوج کے پاس توپ خانہ اور پہلے سے بہتر ہتھیار تھے۔راستے میں برف تھی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اور کہیں کہیں مزاحمت ہوئی۔اس لئے پیش قدمی میں تاخیر ہوئی۔

اس مہم میں دیوان ہری چند نے چار منصوبوں پر عمل کیا۔

ا۔ قلعوں اور محلات کو نذرِ آتش کرنا۔

ب۔ گنپوں کی مذہبی کتب جلانا اور مورتیاں توڑنا۔

ج۔ قلعوں، محلات اور گنپوں کی قیمتی چیزوں کو لوٹنا۔

د۔ معززین، لیڈروں اور بغاوت کے سرغنوں کو یرغمال کر کے جموں لے جانا۔

ڈوگرہ حکومت اور فوج بار بار کی بغاوتوں سے نالاں تھی اور غالباً گلاب سنگھ نے سخت ترین اقدام لینے کی ہدایت دی تھی۔

کھرل اور تیک تیک مو میں لڑائیاں ہوئیں اور ڈوگرے غالب آئے۔لنکر میں بھی ایک معرکہ ہوا۔

راستے میں سوت کے پسری کھر، پشکیم کے کھر اور مولبیک کے ملدوق کھر کو نذر آتش کیا گیا۔

کھر بو سے آگے چھولونکس تھنگ کے مقام پر راجا محمد علی خان کا ڈوگرہ فوج سے آمنا سامنا ہوا۔نالہ کنجی کے داہنے کنارے ایک چٹان کی آڑ لے کر نالہ کے پار گولیاں چلائیں گئیں اور کئی آدمی مارے گئے۔انہوں نے لداخ کے راجا سے وعدہ کیا تھا کہ وہ کرگل میں ڈوگرہ فوج کو روک لیں گے۔

ایک ڈوگرہ سپاہی غفار نے چلا کر ڈوگرہ فوج کو اطلاع دی کہ صرف تیس آدمی ہیں۔غفار مارا گیا۔ڈوگرہ سپاہیوں نے آگے آ کر دست بدست لڑائی کی۔صرف ایک آدمی بچا۔وہ چکتن پہنچا اور لوگوں کو صورتحال سے آگاہ کیا۔راجا محمد علی خان کی میت چکتن پہنچائی گئی جہاں اس کی تدفین کی گئی۔

ڈوگرہ فوج کی خلسے آمد کی خبر لیہہ پہنچی تو لیہہ قلعہ کا محاصرہ اٹھالیا گیا۔کسن گیالپو اور اس کی ماں برداق چھرنگ ستبکیں کے ساتھ رفو نگ میگیے بھاگ گئے۔دریائے سندھ پر پل ہٹا

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

دیا گیا۔ کمسن گیا لپو نے صرف چھ مہینے حکومت کی۔

ڈوگرہ فوج خلسے سے آگے دو راستے سے نکلی۔ دیوان ہری چند نے تنک موگنگ سے پیش قدمی کی اور وزیر رتنو دریائے سندھ کے کنارے سے روانہ ہوا۔ دونوں فوجیں بزگو میں ملیں۔ تنگ موگنگ اور بزگو کے قلعوں کو تباہ کیا اور سامان کو لوٹا گیا۔

۱۸؍اپریل ۱۸۴۲ء کو وزیر اعظم چھفروت گونبو نے انگریز افسر جوزف ڈیوڈ کننگھم سے مدد کی اپیل کی۔ ۷؍مئی کو جوابی خط میں اس درخواست کو مسترد کیا گیا۔

لامایورو کے گنپہ کے بارے میں ایک سنیاسی لاما کوندوق نیما انگڈولی نے اپنے چشم دید واقعات کا ذکر کیا ہے۔ گنپہ کے اسمبلی ہال میں جہاں لاما پوجا کے لئے جمع ہوتے تھے اور بدھ کے لئے دعائیں ورد کرتے تھے، خچر، گھوڑے اور گدھے باندھے گئے اور ان کی ہنہناہٹ اور ہانک کی آواز آتی تھیں۔ اندرونی متبرک مندر میں جہاں بڑے لاما اجتماعی پوجا کی رہنمائی کرتے تھے وہاں گھوڑے رکھے گئے ہیں۔ جو کچھ بچا ہے وہ ایک کونے میں جانوروں کے بچے کھچے بھوسے کے ڈھیر کی شکل میں رکھا ہوا ہے۔"

لاما کوتروق نے علاقہ شام کی ایک پہاڑی گپھا میں سنیاس لیا تھا۔

لامایورو گنپہ سرِ راہ ہونے کی وجہ سے حملہ آوروں اور تخریب کاروں کی اس کے حکمنامے دکھائے جن پر لاموں کی پوجا میں خلل نہ ڈالنے اور گنپہ کی زمین پر قبضہ نہ کرنے کی ہدایت دی گئی تھی۔ ان پر مغل بادشاہ اورنگزیب عالمگیر، کشمیر کے مغل گورنر فدائی خان اور مغل افسر شیر خان کی مہریں ثبت تھیں۔ سکردو کے راجا احمد شاہ کا بھی ایسا ہی ایک حکمنامہ گنپہ میں موجود تھا۔

راستے میں دیوان ہری چند نے سپول اور بزگو گنپوں کی دھارمک کتابیں جلا ڈالیں۔

مئی ۱۸۴۲ء میں دیوان ہری چند لیہہ پہنچا۔ ہمس کے نئے چھفروت صنم بزونگ ڈوگرہ کمانڈر سے ملا اور گنپہ کے تحفظ کی یقین دہانی کے عوض فوج کو رسد کی سپلائی کا وعدہ کیا۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

دیوان نے درخواست قبول کی اور گنپہ کے دروازے پر اس کی حفاظت کے لئے چند سنتری رکھے۔ اسی طرح پھیانگ گنپہ میں، جہاں تو غدن رینکبو چھے گیان دھیان کر رہے تھے، ہاتھ نہیں لگایا۔ اس کے عوض ڈوگرہ فوج کو خوراک اور لکڑی فراہم کرنی پڑی۔

لیہہ محل میں چاندی کا ایک بڑا استوپا تھا اس کا وزن نو من بتایا گیا ہے۔ ستوپا سمیت دوسرے قیمتی سامان کو لیہہ قلعہ میں پہنچایا۔ ڈوگروں نے اس مرتبہ اکثر گنپوں کو تباہ کیا۔ آخری تین گیالپو، گیالپو چھپل تنڈوب نمگیل، گیالپو چھوانگ رفتن نمگیل اور گیالپو کونگا جگمٹ نمگیل معاونین نے لکھا ہے کہ وزیر اور اس کے آدمیوں نے لداخ اور مغربی تبت کے گنپوں وغیرہ سے ماسوائے ہمس گنپہ کے سونا، چاندی، جواہرات، ریشمی قالین، چائے، طلائی، نقرئی اور تانبے کے بنے پوجا کے ظروف ستر گھوڑوں پر لاد کر جموں لے جائے گئے۔

لداخ کے محلات کے خزینوں کو خالی کیا گیا۔ مغربی تبت میں ٹشی گانگ، چھومورتی، تھوینگ، پورانگ وغیرہ کے گنپوں کو لوٹا۔

ایک سیکرٹری نے حساب لگایا ہے کہ ٹوریو میں زورآور کی ہلاکت تک ڈوگروں نے ۷۰ گھوڑوں کے بار کا سونا، چاندی، ریشمی، قالین، چائے وغیرہ گلاب سنگھ کو بھیجے۔ نیز تاوان کے ۳۷ ہزار روپے کی مالیت کا چاندی اور سونا اپنے آقا کے لئے لے گئے۔

ان کے مطابق دیوان ہری چند اور وزیر رتنو نے ماسوائے ہمس تمام گنپوں اور پوجا گھروں کو لوٹا۔ سونا، چاندی اور تانبے کی مورتیوں اور پوجا کے برتنوں کو لوٹا۔ محلات یونیورسٹی کی عمارت اور وزراء اور روساء کے عالیشان مکانات گرائے اور ان کا سامان لوٹا۔ ان عمارتوں کا گارا، پتھر اور لکڑی فوج کے لئے قلعے، بیرکس، دفاتر اور افسروں کی رہائش گاہیں بنانے کے لئے استعمال کئے۔ چھت پر برج کی چھال کے بجائے دھارمک کتابوں کے کاغذات استعمال کئے۔ جن پر سونے، چاندی اور تانبے کی روشنائی کی تحریریں تھیں۔

تبتی فوج لیہہ سے چمرے گاؤں گئی اور چمرے گنپہ میں لوگوں نے کچھ مزاحمت کی لیکن جب گولے گنپہ کے احاطہ میں گرنے لگے اور آب رسانی کا ذریعہ کاٹ دیا گیا تو ہتھیار

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ڈال دیئے گئے۔

پھر چچر ے سے ۷۲ کلومیٹر دور ٹانکچے میں لونگ یوغما کے مقام پر مزاحمت کی گئی جہاں دست بدست لڑائی ہوئی۔ لہاسہ کے کمانڈر راگیام کو گولی لگی تو اس نے گھوڑے کی لگام پھیر لی اور سبھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ دیوان کی فوج نے تعاقب کیا۔

تبتیوں اور لداخیوں نے آخری بڑی مورچہ بندی لوکھونگ میں کی۔ وہاں انہوں نے مدافعتی لڑائی لڑی۔ ان کے پاس ڈوگروں سے حاصل کردہ ایک توپ بھی تھی۔ مورچے دلدلی زمین پر بنے تھے۔ دو ماہ تک بیچ بیچ میں لڑائیاں ہوتی رہیں۔ ڈوگرہ کمانڈر مکا سنگھ اور سینکڑوں سپاہی بلندی کی بیماری کی وجہ سے مر گئے۔ ڈوگرہ کیمپ میں بارود کو اتفاقیہ آگ لگ جانے سے متعدد جانیں گئیں۔ ایک تبتی کمانڈر میکمر اس محاذ پر مارا گیا۔

ڈوگرہ فوج مشکلات میں تھی۔ موسمِ گرما سے پہلے فیصلہ کن لڑائی نہ ہو تو سردی کا انجام سب کو یاد تھا ایسے میں ایک لداخی تھنگ پا جولدن نے ڈوگرہ فوج کا کام آسان کر دیا۔ وہ لداخ کے گاؤں نورلا کا باشندہ اور گیالپو کے دورِ حکومت میں گیالپو کے اصطبل کا افسر رہا تھا۔

جس میدان میں تبتی فوج نے مورچہ بندی کی تھی وہاں گیالپو کے گھوڑوں کو چرایا جاتا تھا۔ جس سال بارش یا برف نہ ہوتو میدان میں گھاس نہیں اگتی تھی اور ایک نالے سے میدان کو سیراب کیا جاتا تھا۔ جولدن نے دیوان ہری چند کو بتایا کہ فلاں جگہ سے میدان کی طرف پانی پھیر دیا جائے۔ چنانچہ اس پر عمل ہوا اور یہ عارضی چھاؤنی پانی سے بھرنے لگی۔ چنانچہ محصور تبتی فوجیوں نے ہتھیار ڈال دیئے وزیر رتنو اور دیوان ہری چند فاتحانہ لیہہ لوٹے۔ انہوں نے ڈمپون پےشی شاٹا، کلون راگا شا، کلون زورکھنگ اور پچاس تبتی افسروں کو قید کر کے لیہہ لایا۔ باقیوں کو جانے دیا۔ کلون راگا شا بےعزتی برداشت نہیں کر سکا اور راستے میں ایک انگوٹھی نگل کو خودکشی کی۔ کہتے ہیں، انہوں نے لداخ جانے کے لئے مزاحمت کی تھی۔ چند ماہ پہلے انہیں تبتی جرنیلوں نے وزیر زورآور سنگھ کو شکست دی تھی۔

اسی دوران گلاب سنگھ کو یہ اطلاع ملی تھی کہ ڈوگرہ فوج اور تبتی فوج کے مابین براہِ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

راست لڑائی چھیڑی ہے تو مزید چار ہزار فوج کی کمک بھیجی۔ لڑائی ختم ہو چکی تھی اور اس کی ضرورت نہیں تھی۔ دیوان ہری چند نے اس فوج کو دراس سے واپس کیا۔

ڈوگرہ کمانڈر نے اس دوران زنسکار نوبراہ اور سپیتی سے فوجیں بھیجیں، باغیوں کی سرکوبی کی اور ڈوگرہ حکومت کو بحال کی۔

دیوان ہری چند کے بعد کشتواڑ سے سورو کے راستے ایک ڈوگرہ کمانڈر وزیر لکھپت کشتواریہ کی سرکردگی میں پانچ ہزار ڈوگرہ فوج اپریل میں بلتستان میں باغیوں کی سرکوبی کے لئے کرگل پہنچی۔ تب دیوان ہری چند اور وزیر رتنو اپنی فوج کے ساتھ کرگل سے لداخ روانہ ہو چکے تھے۔

وزیر لکھپت نے پوریگ میں بغاوت میں حصہ لینے والوں کے سر قلم کر کے نمایاں مقامات پر عبرت کے لئے لٹکائے دیئے۔

بلتستان میں خرمنگ کے راجا علی شیر خان نے اپنا پرانا کردار ادا کیا اور وزیر کو مشورہ دیا کہ وہ بلا تامل بلتستان پر حملہ کرے۔ وزیر لکھپت دراس سے شنگو شعر ہوتے ہوئے دیوسائی کے راستے سکردو کے طرف بڑھا۔ راجا احمد شاہ کے معتمد حیدر علی خان کھرپوچے میں اپنی فوج کے ساتھ قلعہ بند ہوا تھا۔ راجا علی شیر خان اور محمد شاہ نے قلعے کے محافظوں خصوصاً محمد علی چھ فتنگ پا کے ساتھ سازش کر کے قلعے کا دروازہ کھلوادیا اور وزیر لکھپت کی فوج کسی مزاحمت کے بغیر قلعے میں داخل ہوئی اور قلعے پر قبضہ کیا۔ کاچو حیدر خان اپنے ساتھیوں کے ساتھ شمالی دروازہ سے نکل کر شگر کی طرف بھاگا جہاں سے ان کا ارادہ یارقند بھاگنا تھا۔

بلتستان کی پہلی لڑائی کی طرح اس ڈرامے کا دوسرا کردار چیلو کا راجا دولت علی خان تھا۔ جس نے حیدر خان اور اس کے وزیروں کو گرفتار کر کے وزیر لکھپت کے سامنے پیش کیا۔ بعد میں وزیر نے ان کو جموں لیا، جہاں ان کا انتقال ہوا۔

وزیر لکھپت نے کھرپوچے کھر کو آگ لگادی۔ بلتی قلم کار سید محمد عباس کاظمی کے مطابق وزیر لکھپت نے بلتستان میں کم سے کم بیس قلعوں کو نذرِ آتش کیا۔ بلتستان میں وزیر نے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

بغاوت میں حصہ لینے والوں کے سر نمایاں مقامات پر لٹکا دئے۔

پوریگ سے وزیر نے پشکیم کے راجا حسین خان، سوت کے راجا رحیم خان، مولبیک کے کلون چھوانگ نمگیل، ترامبیس کے راجا چھندور نمگیل، اس کے بھائی کونگا نمگیل اور سوت کے وزیر قدوس بیگ کو قید کر کے جموں لے گیا۔

زنسکار میں بھی گیا لپو چے مور نے ڈوگرہ تھانیدار جمعدار دینو اور اس کے ماتحت سپاہیوں کو قتل کیا تھا اور اپنے بیٹے ولی عہد ملچوں کو لداخ میں مبارک بادی کا پیغام دینے کے لئے بھیجا تھا۔ وزیر لکھپت گیا لپو چے مور اور اس کے اہل وعیال کو قید کر کے اپنے ساتھ جموں لے گیا۔ گیا لپو کی تمام جائداد ضبط کی۔ ملچوں تب وہاں نہیں تھا اس لئے گرفتاری سے بچ گیا۔

زور آور سنگھ اور دیوان ہری چند نے لداخ میں دہشت پیدا کی تھی۔ ان کے لیہہ پہنچنے پر قصبہ لوگوں سے خالی ہو جاتا تھا۔ سنی سنائی ایک خبر ہے کہ لڑائی کے دوران ایک مرتبہ لیہہ کے منے ژھیٹرنگ کے پاس لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی اور تیس چالیس لوگ مر گئے۔ شاید ڈوگرہ فوج وہاں اچانک نمودار ہوئی ہوگی یا ایسی ہی کچھ افواہ اڑی ہوگی۔

الیکزنڈر کننگھم کے دیئے گئے اعداد وشمار کو صحیح مان لیا جائے تو ڈوگرہ حملہ کے بعد لڑائیوں اور بغاوتوں میں پندرہ ہزار لداخیوں کی جانیں گئیں۔ اس دوران چودہ ہزار لوگ چیچک سے مر گئے، نو ہزار لداخی تبت، بلتستان وغیرہ فرار ہوئے۔ ان میں ایک ہزار مسلمان تھے۔ لداخ کی ایک ہزار سالہ تاریخ میں لوگوں نے اتنے مصائب کبھی نہیں دیکھے تھے۔ مرد اتنے کم ہو گئے کہ عورتوں کو کھیتوں میں ہل جوتنا پڑا۔

دیوان ہری چند لونپو مورو پ ستزین، چھفزوت گونبو، چھرنگ ستبگیس لرداق، ایشے تنڈوپ اور لونپو گیور میت کو بطور سرکاری قیدی جموں لے گیا۔ ایشے تنڈوپ اور لونپو گیورمیت کو چند سال بعد رہا کیا۔ باقی وطن سے باہر فوت ہوئے۔

سکردو کا راجا احمد شاہ اور ان کا بیٹا محمد علی خان، جو تبت سے رہا ہونے کے بعد سکردو واپس نہیں پہنچ سکے تھے، انہیں بھی جموں لیا گیا۔ جہاں سے ان کو کشتواڑ منتقل کیا۔ راجا احمد شاہ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کشتواڑ میں چل بسا۔ محمد علی خان انگریزوں کی پناہ ڈھونڈنے لدھیانہ فرار ہوا اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔

ستمبر ۱۸۴۲ء میں لیہہ میں مہاراجہ گلاب سنگھ کی حکومت تبت اور شہنشاہِ چین کے درمیان ایک معاہدہ عمل میں آیا جس کے تحت تبت اور لداخ کی روایتی سرحدیں بحال ہوئیں اور تعلقات معمول پر آئے۔ لوپچق اور چابا کے دیرینہ تجارتی اور سفارتی مشن جاری رکھنے کا فیصلہ ہوا۔ دیوان ہری چند مہاراجہ کی طرف سے اور کلون زورکھنگ اور پی شی شاٹا نے لہاسہ سرکار کی طرف سے معاہدے پر دستخط کئے۔

میاں مگنا رام بطور تھانیدار لیہہ کام کرتا رہا۔ کرگل، دراس اور نوبراہ میں بھی تھانیدار مقرر ہوئے۔ ڈوگرہ انتظامیہ نے محصولات اور ٹیکس کا نظام برقرار رکھا۔ اس کے بعد لداخ میں امن وامان رہا۔ ۱۸۴۶ء میں زنسکار میں معمولی سی بغاوت ہوئی جس کو ڈوگرہ انتظامیہ نے فرد کیا اور زنسکار کے راجا اور بیٹے کو جموں بھیجا، جہاں وہ قید میں مر گئے۔

لداخ میں ڈوگرہ فوج کی کل تعداد ۶۰۰ سے ۸۰۰ تھی ان پر سالانہ تیس سے چالیس ہزار روپے خرچ آتے تھے۔ حالات سدھرنے پر بتدریج ان کی تعداد گھٹا دی گئی۔ چالیس سال بعد ۱۸۹۰ء میں لیہہ، زنسکار اور دراس میں کل ۲۶۰ سپاہی تھے۔ آزادی سے پہلے لیہہ میں ۵۰ سے ۱۰۰ سے زیادہ سپاہی نہیں ہوتے تھے۔

دیوان ہری چند نے لداخی گیالپو اور عدلیہ کو بحال کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس پر عمل نہیں ہوا۔ لداخ کو مستقل طور گلاب سنگھ کی قلمرو میں شامل کیا گیا۔ 'سکوتق' یا Nobility کے اختیارات ختم کئے۔ ڈوگرہ تھانیدار کی مدد کے لئے مقامی طور ایک کلون مقرر کیا۔

کمسن گیالپو جگمت سینگے کونگا نمگیل جو لڑائی کے دوران فرار ہوا تھا، واپس لوٹا اور ستوق جاگیر بحال کی۔ سینگے کونگا نمگیل ۳۸ سال کی عمر میں فوت ہوا۔ تب ان کا بیٹا صنم نمگیل سات سال کا تھا۔ انہوں نے لمبی عمر پائی اور ۱۹۴۲ء میں فوت ہوا۔ جگمت سینگے کونگا نمگیل کے چھوٹے بھائی سترزونگ یوگیل نمگیل کو ماتھو گاؤں جاگیر میں دیا۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

مہاراجہ گلاب سنگھ کو تبت میں قید ڈوگرہ سپاہیوں کی رہائی کی فکر تھی۔ ۱۸۴۷ء میں جب لاہور سے انگریز ریذیڈنٹ لیفٹیننٹ آر۔ جی۔ ٹیلر کشمیر آیا تو مہاراجہ نے ان قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ اٹھایا اور انگریزوں سے مدد کے لئے درخواست کی۔ قیدیوں میں زور آور سنگھ کا دستِ راست رائے سنگھ بھی تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ بات آگے نہیں بڑھی۔ ۱۸۵۰ء میں مہاراجہ نے ایک اور انگریز افسر سر جان لارنس کے ساتھ یہ بات اٹھائی۔ ۱۸۵۲ء میں دوبارہ سر جان لارنس سے اس بارے میں بات چیت کی۔ تب وہ چیف کمشنر کے عہدے پر تھا۔ مئی ۱۸۵۵ء میں گلاب سنگھ نے اپنے وزیر اعظم دیوان جوالہ سہائے کو لارنس کے پاس اس درخواست کے ساتھ بھیجا کہ وہ نیپال کے وزیر اعظم رانا جنرل جنگ بہادر کو قیدیوں کی رہائی کے لئے ایک خط لکھے۔ انہوں نے اس سلسلے میں نیپال سرکار سے اپنے ایک معتمد قاصد کے ذریعے رابطہ قائم کرنے کی اجازت مانگی۔ گورنر جنرل نے پنجاب کے چیف کمشنر کے قاصد بھیجنے کی درخواست نہیں مانی۔ البتہ نیپال میں تعینات انگریز ریذیڈنٹ میجر جارج رمزے کو لکھا کہ وہ یہ معاملہ وزیر اعظم رانا جنگ بہادر کے ساتھ اٹھائے۔

ان دنوں نیپال اور تبت کے درمیان لڑائی ہو رہی تھی۔ مہاراجہ نے لداخ کی حفاظت کا سوال اٹھا کر لداخ۔ تبت کی سرحد پر کچھ فوج بھیجنے کی بھی اجازت مانگی۔ لیکن انگریزوں نے نہیں مانا۔ انہیں اندیشہ ہوا کہ گلاب سنگھ کہیں اس بہانے مغربی تبت پر دوبارہ حملہ نہ کرے۔

لڑائی میں نیپال کا پلہ بھاری رہا تھا۔ وزیر اعظم رانا جنگ بہادر نے تبت کی حکومت کو ڈوگرہ اور لداخی قیدیوں کو رہا کرنے کے لئے لکھا اور اس کے بدلے میں چند تبتی فوجیوں کو رہا کرنے کی پیشکش کی جن کو تبت میں ایک حالیہ مہم کے دوران پکڑا گیا تھا۔

اس دوران گلاب سنگھ نے خفیہ طور اپنا ایک نمائندہ رانا جنگ بہادر سے ملنے نیپال بھیجا۔ میجر رمزے کو اس کا علم ہوا اور حکومت کو اس کی اطلاع دی۔ اسی اثناء میں نیپال اور تبت میں صلح ہوئی اور ان کے معاہدے کی ایک شق کے مطابق تمام ڈوگرہ سپاہیوں اور ہتھیاروں کی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

واپسی کا فیصلہ ہوا۔ تبتی، سپاہ سالار تھیا قاضی نے حکم دیا کہ تبت میں موجود تمام زندہ قیدیوں کو جمع کر کے نیپال بھیجا جائے۔ جیسا کہ اوپر ذکر آیا ہے کہ زیادہ تر ڈوگرہ سپاہی جنوبی تبت کے گرم علاقے میں آباد کئے گئے تھے ان کے اہل وعیال تھے۔ انہیں جنیوا کنونشن کے تحت قیدیوں کو دی جانے والی مراعات سے زیادہ کہیں مراعات دی گئی تھیں۔ البتہ چند قیدیوں کو رہا نہیں کیا گیا۔ ان کے خلاف سنگھپا یعنی زورآور سنگھ کا ساتھ دینے کا الزام تھا۔

نومبر ۱۸۵۶ء کے اختتام تک ۱۰۶ ڈوگرہ سپاہی نیپال پہنچے جن میں ۵۶ نے جموں اپنے گھروں کو جانے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ ان میں ۷ مسلم تھے۔ ان میں ایک تبتی عورت اس کا ڈوگرہ شوہر اور ان کا سات سالہ بیٹا بھی تھا۔ تاہم ۴۵ نے واپس جانے سے انکار کیا۔ ان کی بیویاں اور بچے تبت میں تھے۔ ان کو زبردستی لایا گیا تھا۔ ان میں ۲۰ مسلمان تھے۔

برٹش ریذیڈنٹ کو یہ اطلاع ملی کہ مزید ۳۴ قیدی تبت میں ہیں۔ ان میں تین تبتی حکومت کے ملازم تھے جن میں ایک نے مکوتیا کی حالیہ لڑائی میں تبتی فوج کے شانہ بشانہ گورکھوں سے لڑا تھا اور گورکھوں کو شکست ہوئی تھی۔

جانکار ذرائع کے مطابق تبت میں اس سے کہیں زیادہ ڈوگرہ سپاہی تھے۔ وہ جموں لوٹنا نہیں چاہتے تھے اور روپوش ہو گئے تھے۔

نیپال کے حکام نے ان ۴۵ ڈوگرہ سپاہیوں پر سختی کی، جو جموں جانا نہیں چاہتے تھے۔ انہیں دھمکیاں دیں، زور زبردستی کی اور کئیوں کو مارا پیٹا کہ وہ جموں جائیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بیوہ مہارانی جند کور نے بھی، جو ان دنوں نیپال میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہی تھی، زور دیا کہ وہ جموں لوٹیں، تاہم ریذیڈنٹ میجر جارج رمزے نے مداخلت کی اور نیپال سرکار کو سمجھایا کہ اس طرح زور زبردستی کر کے انہیں واپس بھیجنا مناسب نہیں ہے۔ اس طرح ۴۵ پرانے قیدی واپس تبت لوٹے اور اپنے اہل وعیال سے ملیں۔ اسے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اکثر ڈوگرہ سپاہی اپنے کام سے خوش نہیں تھے۔ انہوں نے اپنے وطن واپس جانے کے بجائے دیارِ غیر میں رہنے کو ترجیح دی۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ریذیڈنٹ نے جموں جانے والے ہر سپاہی کو سفر خرچ کے لئے بارہ روپے اور تبتی عورت کو آٹھ روپے دیئے۔ پندرہ سال کے بعد یہ اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ تبت لوٹنے والوں کو چھ چھ روپے دیئے۔

نیپال کی حکومت ایک صوبیدار کی قیادت میں ایک وفد کے ساتھ ان قیدیوں کو جموں بھیجنا چاہتی تھی۔ لیکن برطانوی ہند سرکار نے نہیں مانا۔

نیپال کی حکومت نے ان سپاہیوں کی یاد میں ایک خصوصی تمغہ جاری کیا جس میں ایک طرف نیپال کے بادشاہ مہاراج ادھیرج ویرندرا وکرم کی شبیہہ تھی اور دوسری طرف فارسی میں لکھا تھا کہ قیدیوں کی رہائی وزیر اعظم رانا جنگ بہادر کے اہتمام سے ہوئی۔ جموں جانے والے ہر سپاہی کو ایک تمغہ دیا گیا۔

میاں رائے سنگھ کا کچھ پتہ نہیں چلا اس کو شاید نہیں چھوڑا گیا یا فوت ہو چکا تھا۔ چند لداخی قیدیوں کو، جن کے نام اوپر آئے ہیں ڈوگروں کی طرفداری کرنے کے الزام میں قید میں رکھا گیا۔

کلون چھوانگ ستبدن کی جوان بیوی کے بارے میں کئی یورپی سفر ناموں میں لکھا ہے کہ سرخ رخساروں والی یہ وفادار عورت بز گو سے گزرنے والے ہر یورپی سے درخواست کرتی ہے کہ اس کے شوہر کو رہا کرائے۔ اس نے لیہہ کے تھانیدار بستی رام سے درخواست کی تھی کہ اس کے شوہر کو رہا کرنے کے لئے اپنا اثر ورسوخ استعمال کرے۔ تھانیدار نے اس سلسلے میں کئی آدمیوں کو لہاسہ بھیجا لیکن کوئی بز گو کلون سے ملاقات کرنے میں کامیاب نہیں ہوا۔

۱۹۵۹ء میں جب دلائی لاما ہندوستان آئے تو پناہ گزینوں میں دو ایسے مسلم کنبے تھے جن کو سینگھپا کہا جاتا تھا۔ یہ ان ڈوگرہ سپاہیوں کی اولاد تھے، جن کو دسمبر ۱۸۴۱ء میں تغلا کھر کی لڑائی میں قیدی بنایا گیا تھا۔

لداخ پر لڑائیوں، بغاوتوں اور مظالم کے آثار بہت سال تک دیکھنے میں آئے۔ تھامس تھامسن نے اپنی کتاب Western Himaliyan and Tibet (۱۸۵۲ء)

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

میں لکھا ہے:

''لداخ کے گنپے ہمسایہ، لہاسہ کے گنپوں کے مقابلے میں بڑے غریب ہیں۔ ہم نے ان کے بارے میں پڑھا تھا کہ یہ بڑے عظیم الشان تھے۔ حملہ آوروں نے مشرق میں گارو اور تکلاکوٹ تک سونا چاندی کی صورت میں ان کی ساری دولت لوٹ لی ہے۔''

تھامس تھامسن ۱۸۴۷ء میں لداخ آیا تھا۔ الیکزنڈر کننگھم بھی اس کے ساتھ آیا تھا۔ وہ بھی اپنی معلوماتی کتاب Ladakh میں رقم طراز ہے:

''اونچے خاندان کے افراد اس تبدیلی (حکومت کا خاتمہ) پر بڑ بڑاتے ہیں کیونکہ ان کا اقتدار ختم ہو گیا ہے۔ چھوٹے طبقے پہلے سے فائدے میں ہیں۔ پہلے ان سے زیادہ محصولات لیتے تھے۔ گیالپو، چھوٹا گیالپو (راجکمار) اور کلون ٹیکس کی رقم زیادہ لیتے تھے۔''

"The Adventures of a Lady" (۱۸۵۴ء) میں مسز ہاروے نے لکھا ہے کہ ''لداخ کا ۱۵ سالہ راجکمار اس کے شوہر سے ملنے آیا۔ تھوڑی دیر میں لداخ کا تھانیدار بستی رام پہنچا۔ کمرے میں کوئی اور کرسی نہیں تھی۔ راجکمار نے اپنی کرسی پیش کی۔ ظالم حکمران کے سامنے وہ تھر تھر کانپنے لگا''۔ وہ لکھتی ہے۔ ''لوگ مہاراجہ سے بڑے نالاں نظر آتے تھے اور بے چینی پائی جاتی تھی۔'' وہ جولائی ۱۸۵۰ء میں لیہہ پہنچی تھی۔ ایک اور انگریز انڈریو لیتھ آدمز لکھتا ہے۔ ''لداخ خطہ اس کے جائز حکمرانوں کے بعد ظلم اور غفلت کی وجہ سے افسوسناک طور پر بدلا ہے۔'' وہ جولائی ۱۸۵۲ء میں لداخ آیا تھا۔

ایک انگریز افسر ٹورینس (Torrens) نے ۱۸۶۲ء میں لکھا ہے۔ کلون ایک ڈوگرہ افسر کے ساتھ اس سے ملنے آیا۔ وہ افسر کلون کے ساتھ حلیمی سے پیش نہیں آرہا تھا اور کلون ایک مفتوح قوم کے فرد کی حیثیت سے اس کے خلاف اپنی نفرت چھپانے کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔

لداخ کے ایک گاؤں سنکو میں ایک انگریز فوجی افسر کپتان رائٹ کو آتے دیکھ کر ہر گھر سے عورتیں خرگوش کے بچے یا مرغی کے چوزے کی طرح اپنے بچوں کو بغل میں لے کر یا ساتھ لئے یکے بعد دیگرے بھاگ گئیں اور جھاڑیوں اور چٹان کی اوٹ میں غائب ہوئیں۔ نائٹ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

سے کئی گاؤں میں بیس سال پہلے کی تباہی کے نشانات دیکھے۔مکانات گرتے تھے اور قلعے کھنڈرات بنے تھے۔نائٹ مئی ۱۸۶۰ء میں لداخ آیا تھا۔

ڈاکٹر فرانکی نے اپنی کتاب Antiquites of India & Tibet (مطبوعہ ۱۹۰۹ء) میں لکھا ہے کہ سپیتی کے تمام گنپوں میں ڈوگرہ لڑائیوں کے اثرات اب بھی نظر آتے ہیں۔یہ بیسویں صدی کی شروعات کا مشاہدہ ہے۔

............●●●............

شیرازہ اُردو "میکش کاشمیری نمبر"

کیلاش ناتھ کول میکشؔ کاشمیری کی شاعری پر اساتذہ کا رنگ ہے اور قدماء کی روشن کی ہوئی قندیل ہاتھ میں لے کرانہوں نے اُردوشعری ادب میں اپنا سفر جاری رکھا۔طبیعت میں درویشی اور لااُبالی پن کی وجہ سے وہ جاہ وحشمت اور نام ونمود کے پیچھے نہیں بھاگے۔شیرازہ نے میکشؔ کاشمیری کی حیات اور اُن کے کارناموں کا احاطہ کرنے والے ایک خصوصی اشاعت منظرِ عام پر لائی ہے جسے پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا گیا۔

اس پتے پر منگوائیں: ☆......کتاب گھر، سرینگر/جموں/لیہہ/لداخ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

● ...... رقیہ بانو

لداخ کا لسانی منظرنامہ

تاریخ کے مختلف ادوار میں لداخ کو مختلف ناموں سے پکارا گیا ہے جو لداخ کے منفرد جغرافیائی خدوخال، طبعی خصوصیات، محلِ وقوع، آب وہوا اور تمدنی عوامل کی مناسبت کے مطابق ہیں لیکن جس نام کو دائمی حیثیت حاصل ہوئی ہے وہ "لداخ" ہے۔

لداخ کا سب سے قدیم نام جو تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے وہ "جنگ جونگ" ہے۔ جنگ جونگ کا مطلب Ovis Ammon کا دیش ہے۔(Ovis Ammon) ایک نادر جنگلی بکرا ہے جو اس خطے میں پایا جاتا ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام جنگ جونگ پڑا۔ تبت کے شہزادے سکندے نیاگوں کی حکومت سے پہلے لداخ کا نام مریول تھا۔ مریول کا مطلب سرخ دیش ہے۔ لداخ میں کچھ مقامات پر مٹی اور پہاڑوں کا رنگ سرخ مائل ہے اس لیے اس کا نام مریول پڑا۔ سکندے نیاگوں کے دورِ حکومت میں لداخ کو نارس کورسوم کہا جاتا تھا۔ (نارس کورسوم کا مطلب تین صوبوں والا ہے اس وقت لداخ کے تین صوبے تھے۔) کاچو سکندر خان "قدیم لداخ" کے دیباچے میں لداخ نام کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مغربی تبت کی قدیم تحریروں میں پائینی وادئ سندھ میں واقع

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ملک بلتستان کو نا نگ گوں کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور نا نگ گوں اور اس کی ملحقہ وادیوں شغر، کھرمنک (اٹھوک یا انٹوک یا کرتخشہ) چپلو وغیرہ جو دریائے سندھ کے پر آباد ہیں کے مجموعے کو بلتی یول، کرگل کو پوریگ، زانسکار کو زانسکار اور لداخ خاص کو مریول کا نام دیا گیا ہے۔ جب کہ فارسی کتبِ تواریخ میں بلتستان کو تبتِ خورد اور لداخ کو تبتِ کلاں کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور پوریگ و زانسکار کو ان دونوں ملکوں کی وسعتوں میں شامل سمجھا گیا ہے"۔ [۱]

مزید آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:

"لفظ بلتستان یعنی بلتیوں کا ملک جو فارسی کی ترکیب ہے بعد میں گھڑ لیا گیا ہے۔شنا زبان میں یہ ملک پولولو کے نام سے موسوم ہے۔بعد کے زمانے میں مغربی یعنی یورپی مصنفوں نے بلتستان، پوریگ، زانسکار، لداخ اور تبت کے مغربی اضلاع پورانگ، کوگے روودق وغیرہ جو نارس کو رسوم یعنی شاہ نیما گوں (نویں صدی عیسوی) کی خودمختاری سلطنت میں شامل تھے، کے مجموعے کو ویسٹرن تبت (مغربی تبت) کا نام دیا"۔ [۲]

فارسی تاریخ نویسوں نے لداخ کو تبت خورد، چھوٹا لداخ تبت کلاں یا بڑا تبتِ کہا ہے۔بعض مورخیں اور سیاحوں نے لداخ کو مغربی تبت کہا ہے۔لداخی تاریخ اور کلچر کے ماہر و محقق ڈاکٹر فرینکی نے لداخ پر اپنی کتاب کا نام "تاریخِ مغربی تبت" رکھا ہے اور دوسری کتاب میں لداخ کو انڈین تبت سے موسوم کیا ہے۔لیکن جس نام سے لداخ مدتوں سے مشہور ہے اور جسے

---

۱ قدیم لداخ تاریخ وتمدن (کاچو پبلی کیشنز کرگل لداخ، ۱۹۸۷ء) ص ۹

۲ قدیم لداخ (کاچو پبلی کیشنز کرگل لداخ، ۱۹۸۷ء) ص ۱۰

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

دائمی حیثیت حاصل ہے وہ لداخ ہے۔لداخ تبتی اورلداخی زبان کا لفظ ہے جس سے مراد 'درّے پر بودوباش کرنے والے' ہے' لا 'لداخی میں درّے کو کہتے ہیں اور 'داقس' سے مراد ساکنان یا رہنے والے کے' کثرت استعمال سے لداقس بعد میں لداخ بن گیا۔کئی مورخوں نے لداخ کا مطلب ''درّوں کے پار'' بتایا ہے۔بہرحال لداخ چاروں طرف اونچے اونچے درّوں سے گھرا ہوا ہے جن میں چند درّے دنیا کے بلندترین درّے ہیں۔

☆۔ لداخ میں آباد نسلیں

۱۔ مون

۲۔ درد

۳۔ منگول

۱۔ مون:

لداخ کی موجودہ آبادی زیادہ تر تین بڑی نسلوں مون' درد اور منگول نسل پر مشتمل ہے۔مون قوم اور درد قوم آرین نسل سے ہیں۔

لداخ میں سب سے پہلے مون آئے۔مونوں کے اصل وطن کے بارے میں مورخین کے درمیان اختلافات ہیں۔محمد امین پنڈت مصنف 'لداخ کی کہانی' کے مطابق مون کشمیر سے آئے تھے۔انہوں نے یہاں بستیاں' گاؤں بسائے اور بدھ مت کے طرز کے وہار تعمیر کئے۔عبدالغنی شیخ لداخی مقامی روایت کا حوالہ دیتے ہوئے ہماچل پردیش کو مونوں کا اصل وطن قرار دیتے ہیں وہ رقم طراز ہیں:

''ابتداء میں نقلِ مکانی کر کے لداخ آنے والے مون بتائے جاتے ہیں۔مون ہندوستان کی قدیم نسل ہے۔لداخ کی اپنی روایت کے مطابق مون ہماچل پردیش سے آئے تھے۔انہوں

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

نے لداخ میں بستیاں بسائیں“ [1]

کاچوسکندر خان لکھتے ہیں:

”مون قوم سے وہ لوگ مراد ہیں جو زمانہ قدیم سے تبت کے جنوب میں ہمالیہ پہاڑ کے ساتھ واقع جنگلوں میں آباد ہیں اور وہاں سے آس پاس کے ملکوں میں پھیلتے رہے ہیں“ [2]

کاچوسکندر خان نے اپنی بات کی تصدیق کئی محققوں کے حوالوں کی روشنی میں کی ہے۔انہوں نے اس سلسلے میں آر۔اے۔سٹین کا حوالہ نقل کیا ہے،وہ یوں رقم طراز ہیں:

”تبتی ان تمام قدیم قبائل(Aboriginal Tribes) کو مون کے نام سے یاد کرتے ہیں جو تبت کے جنوب میں ہمالیہ پہاڑ کی جنگلوں سے ڈھکی ہوئی پہاڑیوں میں رہتے ہیں۔ان پر ممکن ہے اس لفظ مون کا اطلاق ہوتا ہو جو چینی تحریروں میں تبت کے جنوب میں بسنے والے تمام وحشی قبائل(Barbarians) کے لیے استعمال ہوا ہے۔تاہم قدیم تحریروں میں مشرق یعنی تبت اور وسط ایشیا کی سرحد پر واقع خطے کی مون قوم کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔مغرب یعنی مغربی تبت میں یہ نام لداخ کی دوسری نیچ ذات (Low Casts) قوموں کو دیا گیا۔نیز اس کا اطلاق سکم اور بھوٹان پر بھی کیا جاتا ہے“ [3]

۱۔ لداخ۔تہذیب وثقافت (کرائیسٹ ہاوس پبلی کیشنز،جموں ۲۰۰۶ء) ص۲۳۔۲۴

۲۔ قدیم لداخ (کاچو پبلی کیشنز کرگل،لداخ، ۱۹۸۷ء) ص ۴۴

۳۔ بحوالہ قدیم لداخ از کاچوسکندر خان (کاچو پبلی کیشنز کرگل،لداخ، ۱۹۸۷ء)

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

بقولِ ایس،ایس، گیرگن اور پروفیسر ایف، ایم، حسنین تبتی لغت میں مون نام ان تمام قوموں کو دیا گیا ہے جو تبت اور ہندوستان کے میدانوں (نیپال، بھوٹان، آسام اور کُلّو) کے درمیان زمانہ قدیم سے آباد ہیں اور شکار پر گزارہ کرتی آئی ہیں، وہ آرین ہیں۔ زانگ زونگ (ZAN-ZUN) کی قدیم سلطنت میں مشرق میں مایوم لا۔ مغرب میں اودھیانہ، سوات، گلگت شمال میں یاسیر اور جنوب میں سپتی لاہول اورزانسکار سے گھری ہوئی تھی۔ مون قوم کے جن آثار کا ذکر کاچو سکندر، عبدالغنی شیخ وغیرہ نے فرینکی کے حوالے سے کیا ہے وہ یوں ہے:

""مون کھر (مون قلعے)، مون گی چھورتن (مون ستوپا) اور مون چینگ (مون کھیت) وغیرہ""

۲۔ درد:

لداخ میں بسنے والی دوسری قوم درد ہے۔ درد گلگت سے آئی اور لداخ کے مختلف خطوں میں پھیل گئی۔ کاچو سکندر خان خطۂ لداخ کے ابتدائی آبادکاروں میں درد اقوام کو شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

""لداخ کے ابتدائی آبادکاروں کا تعلق زیادہ تر گلگت کی درد اقوام سے تھا جو بلتستان اور پوریگ میں جگہ جگہ پھیل گئے اور وہاں اپنی حکومت قائم کی"" [۱]

درد قوم کو تبتی یا بلتی زبان میں بروقپہ یا ڈوقپہ کہتے ہیں۔ بروق، لداخی، تبتی اور بلتی زبانوں میں چراگاہ کو کہتے ہیں۔ ابتداء میں درد لوگوں نے بالائی چراگاہوں میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ اسی مناسبت سے انہیں بروقپہ کہا جاتا ہے۔ محمد حسن حسرتؔ ""بروقپہ"" کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

""بعض شین قبائل چلاس و کوہستان کی طرف سے مختلف ادوار میں اپنے ریوڑ کے ساتھ چراگاہوں کی تلاش میں نکلے تھے اور یہاں

[۱] قدیم لداخ (کاچو پبلی کیشنز کرگل لداخ ۱۹۸۷ء) ص ۷۰

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

پہنچ کر اپنے لیے بالائی چراگاہوں میں الگ دیہات آباد کر کے
خانہ بدوشانہ زندگی گزارنے لگے۔ چونکہ تبتی زبان میں پہاڑی
چراگاہ کو "بروق" کہتے ہیں۔ اس لیے یہ "بروقپا" (Broqpa)
یعنی بالائی چراگاہوں کے باشندے کہلانے لگے"۔[1]

درد ایک قدیم قوم ہے۔ مہابھارت، یونان اور ہندوستان کے قدیم سنسکرت ادب میں دردوں کا ذکر ملتا ہے۔ سکندرِ اعظم کی فوجی مہمات اور قدیم ہندوستان کے قلمکار وارہ مہر کی تصنیفات اور راج ترنگنی میں بھی دردوں کا ذکر ملتا ہے۔[1]

بقولِ کاچو سکندر قدیم دردوں کی لداخ میں آمد لگ بھگ دوسری یا تیسری قبل مسیح سے شروع ہوئی، اس بارے میں کوئی واضح ثبوت یا دستاویز اب تک مورخین و محققین فراہم نہیں کر پائے ہیں۔ اس بات کی بنیاد ان کی قدیم تاریخ کے مآخذ، مقامی روایات، دیو مالاؤں، گیتوں اور آثارِ قدیمہ پر مبنی ہیں۔ تاہم یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اس نسل کے لوگوں کے کئی گروہ یکے بعد دیگرے بتدریج وارد ہوئے۔ بلتستان، پوریگ اور زانسکار کے یہ غالباً اولین آباد کار تھے۔ جہاں تک لداخ کا تعلق ہے۔ ڈاکٹر فرینکی لکھتے ہیں:

"مغربی تبت میں سب سے پہلے مون قوم کے لوگ آباد
ہوئے۔ مونوں نے اگرچہ دھرم کے پرچار کے ساتھ ساتھ گاؤں
اور قصبے بھی بسائے۔ تاہم بہت سی قابلِ کاشت زمین باقی رہ گئی
تھی۔ اس بات کا علم دردوں کو ہوگیا اور وہ بھی یہاں پہنچنا اور آباد
ہونا شروع ہوگئے۔ ایسا کرنے میں انہیں نہ تو مونوں کی طرف
سے کوئی مزاحمت آئی اور نہ تبتی خانہ بدوشوں کی جانب سے کوئی

۱۔ بلتستان تہذیب وثقافت (بلتستان بک ڈپو، مینا بازار، اسکردو، پاکستان ۲۰۰۷ء)
نیا ایڈیشن ص ۸

۲۔ قدیم لداخ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

رکاوٹ تھی۔خانہ بدوشوں کے لیے وادیوں اور پہاڑیوں میں کافی
چراگاہیں موجود تھیں"۔ ۱

ان حوالوں کی روشنی میں یہ بتانا مشکل ہے کہ بلتستان، پوریگ اور لداخ میں کون سا خطہ سب سے پہلے آباد ہوا۔البتہ مورخین نے جن میں کاچو سکندر خان، محمد حسن حسرت وغیرہ شامل ہیں۔ یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ درد سب سے پہلے بلتستان میں آباد ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ ایک تو بلتستان تینوں خطوں میں سب سے گرم ترین اور زرخیز ہے اور دوسری یہ کہ بلتستان گلگت سے نزدیک ترین خطّہ ہے۔اس لیے اولاً دردوں نے بلتستان میں آبادی شروع کی ہوگی بھر پور پوریگ وزانسکار اور آخر میں لداخ میں۔

۳۔ منگول:

منگول خطۂ لداخ کا قدیم اکثریتی نسلی گروہ ہے۔ان کو منگول کی ذیلی شاخ "تبتی" بھی کہا جاتا ہے۔یہ نسل پورے خطۂ لداخ میں پھیلی ہوئی ہے اور انہی کی وساطت سے تبتی زبان نے اس خطے میں فروغ پایا۔گویا یہاں کے معاشرے کا بنیادی ڈھانچہ تبتی تہذیب ہے۔خطہ لداخ میں منگولوں (تبتوں) کی آمد سے متعلق عبدالغنی شیخ یوں تحریر فرماتے ہیں:

> "لداخ اور مغربی تبت کی مشترکہ سرحدیں ہیں۔اس لیے زمانہ قدیم سے ہی منگول نسل کے تبتی لداخ آتے جاتے تھے۔فرانکی کے مطابق خانہ بدوش تبتی لیہہ اور اس کے آس پاس کے علاقے میں اپنی بھیڑ بکریاں چرانے کے لیے لاتے تھے"۔ ۲

لداخ میں آبادی کا آغاز ہونے سے پہلے تبتی خانہ بدوش اپنی بھیڑ بکریوں کو چرانے کے لیے لداخ کے چراگاہوں میں لاتے اور واپس لے جاتے تھے۔پھر دھیرے دھیرے انہوں نے یہاں سکونت اختیار کی اور دردوں اور مونوں کے ساتھ مل کر خطۂ لداخ میں آبادی کی

---

۱ A History of Western Tibet

۲ لداخ: تہذیب وثقافت (کرائیسٹ ہاوس پبلی کیشنز، جموں ۲۰۰۶ء) ص ۲۴

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

شروعات کیں اور خطۂ لداخ کے دور دراز علاقے آباد کیئے۔اس طرح خطۂ لداخ کی آبادی ان تینوں نسلوں کی علاحدہ علاحدہ اور مشترکہ (مخلوط) نسلوں سے بڑھتی گئی۔ چونکہ ان میں منگولوں کی تعداد ان کے مقابلے میں زیادہ تھی۔اس لیے خطۂ لداخ کی زبان، رسم ورواج اور تہذیب و تمدن تبتی طرز کے مطابق پروان چڑھتا گیا اور تبتی زبان دوسری زبانوں کے مقابلے میں آگے رہی یہ زبان دوسری زبانوں سے اثرات لیتے ہوئے ایک نئی شکل میں رونما ہوئی جس کو آج لداخی زبان کہا جاتا ہے اور علاقے بلتستان و پوریگ کی زبان کو بلتی کہتے ہیں۔گوکہ ان دونوں کا بنیادی ڈھانچہ یا مآخذ تبتی زبان ہی ہے جس میں علاقائی، مقامی اور دردوں اور رمونوں کی زبانوں کے اثرات سے بہت ساری تبدیلیاں آچکی ہیں۔اس وجہ سے آج یہ دونوں زبانیں تبتی زبان سے بالکل مختلف نظر آتی ہیں۔

تبتی خانہ بدوشوں کے ابتدائی طائفے غالباً چوتھی یا پانچویں صدی قبل مسیح کے قریب موجودہ قصبہ لیہہ اور اس کے گرد ونواح میں آیا جایا کرتے تھے۔انہوں نے لیہہ میں مویشیوں کے لیے ابتداء میں لہس (Encampment) تعمیر کیئے۔لہس تبتی لفظ ہے جو بعد کے دنوں میں بگڑ کر لیہہ ہو گیا اور موجودہ لیہہ کا وجہ تسمیہ بنا جس کی تصدیق کئی مورخین نے مختلف روایتوں اور حوالوں کی روشنی میں کی ہے جیسے کہ کاچو سکندر خان لکھتے ہیں:

> "..... روایتوں اور آثار وقرائن سے قیاس ہوتا ہے کہ تبتی خانہ بدوشوں کے ابتدائی طائفے غالباً چوتھی یا پانچویں صدی قبل مسیح کے قریب موجودہ قصبہ لیہہ اور اس کے گرد ونواح میں آیا جایا کرتے تھے۔ انہوں نے لیہہ میں مویشیوں کے لئے لہس (Encampment) تعمیر کیئے۔لہس تبتی لفظ ہے عجب نہیں کہ یہ نام بعد میں بگڑ کر لیہہ ہو گیا ہے اور موجود قصبہ لیہہ کی وجہ تسمیہ بنا ہو"۔[1]

---

[1] قدیم لداخ (کاچو پبلی کیشنز کرگل، لداخ، ۱۹۸۷ء) ص ۹۲

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

لیہہ قصبہ کو اپنا مسکن بنانے کے بعد دھیرے دھیرے تبّتی لداخ کے اطراف موجودہ شے، ٹھکسے میں پھیل گئے۔ اس طرح بالائی لداخ اور شام (شم) کے کچھ حصوں بھی تبّتی سکونت پذیر ہو گئے۔

اس طرح مون، درد اور منگول نسلوں نے خطۂ لداخ کو آباد کیا۔ ابتداء میں انہوں نے الگ الگ دیہات آباد کیے لیکن جوں جوں آبادی بڑھتی گئی یہ نزدیک آتے گئے یہاں تک کہ تینوں نسلوں کے اختلاط سے ایک مشترکہ معاشرہ تشکیل پایا جس کے رسم ورواج، تہذیب وتمدن اور دیگر لوازمات کا بنیادی عنصر تبّتی تھا مگر اس پر ان دونوں (مون، درد) کے بھی دوررس اثرات پڑے۔ اس لیے موجودہ لداخی تہذیب وتمدن، رسم ورواج وغیرہ کی اپنی الگ پہچان ہے۔ تبّتی سے ماخوذ ہونے کے باوجود یہ بالکل الگ ہے۔ البتہ تبّتی اثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں کیونکہ لداخیوں نے ابتداء سے اپنی نسلی رشتہ کو استوار رکھا اور ہر معاملے میں اہلِ تبت کی پیروی کی۔ چنانچہ بعد کے زمانوں میں بھی اہلِ لداخ ہر معاملے میں تبت ہی کی طرف رجوع کرتے رہے اور رہنمائی حاصل کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ لداخی زبان وادب، تہذیب وتمدن، رسم ورواج اور مذاہب (بغیر دین اسلام کے) پر تبت کے گہرے اثرات پڑے ہیں بلکہ بہت حد تک تبت سے مشترکہ نظر آتے ہیں۔

نویں صدی عیسوی میں لداخ کی خود مختار حکومت کا آغاز نیما گون تبّتی شہزادے کے ہاتھوں ہوا۔ اس سے پہلے کبھی لداخی خود مختار رہے اور کبھی تبت حکومت کے زیرِ اقتدار رہے۔ ایک زمانے میں پورے خطۂ لداخ پر تبتیوں کی حکومت تھی۔ سیاسی تعلقات کے علاوہ دونوں ملکوں کے درمیان تجارتی، مذہبی تعلقات بھی زمانۂ قدیم سے چلے آ رہے ہیں۔

تبت پر چینی تبضے کے بعد بہت سارے تبّتی وہاں سے ہجرت کر کے آئے اور وہ لیہہ کے چغلام سر علاقے میں سکونت پذیر ہوئے جن کی زبان اور طرزِ معاشرت تبّتی ہے۔ لداخ میں اتنے سال رہنے کے باوجود نہ ان کی زبان میں کوئی تبدیلی آئی ہے نہ لباس، رسم ورواج وغیرہ میں۔ ان تبتیوں کی اکثریت لداخ میں رہنے کے باوجود لداخی بولنے سے قاصر

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہے۔ البتہ لداخی سمجھتے ہیں اور کچھ لوگ روانی سے لداخی بول بھی لیتے ہیں۔

لیہہ کے علاقہ چھنگ تھنگ میں بسنے والے بھی لداخیوں سے بالکل الگ نظر آتے ہیں۔ ان کی زبان، طرزِ معاشرت، رسم و رواج سب الگ ہیں۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ تبتی الاصل ہیں اور ان کی زبان پر تبت کے اثرات پڑے ہیں اس لیے یہ لداخی زبان سے بالکل الگ نظر آتی ہے اور خطۂ لداخ سے دور ہونے کی وجہ سے لداخی زبان یا طرزِ معاشرت وغیرہ کا زیادہ اثر نہیں پڑا ہے۔ اس لیے یہ لداخی ہوتے ہوئے بھی لداخیوں سے بالکل الگ اور مختلف نظر آتے ہیں اور ان کی زبان لداخی ہونے کے باوجود سمجھنے میں مشکل ہوتی ہے۔

☆۔ خطۂ لداخ کے مذاہب

۱۔ **بون مت**

۲۔ **بدھ ازم**

۳۔ **اسلام**

۱۔ بون مت:

خطۂ لداخ اور تبت کا ابتدائی مذہب بون چھوس یعنی بون مت (Bon Religion) تھا۔ بون مت سے پہلے زرتشتی مذہب بلتستان میں رائج تھا مگر اس بارے میں صرف دو ایک مورخین نے معمولی ساذکر کیا ہے۔ جیسے کہ غلام حسن سہروردی نے لکھا ہے:

> "بلتستان میں زرتشتی کا رواج وسطی ایشیائی جانب سے ہوا۔ جب کہ ان علاقوں پر ایرانی تہذیب و تمدن اور دین و ثقافت کا غلبہ ہوا تھا"۔[۱]

محمد یوسف حسین آبادی جان بڈلف کا حوالے دیتے ہوئے یوں تحریر کرتے ہیں:

> ".... تاہم اندازہ کیا جاتا ہے کہ بون چھوس سے پہلے زرتشتی مذہب رائج رہا ہے۔ محقق جان بڈلف کہتا ہے کہ اوکسس وادی

[۱] غلام حسن سہروردی "تاریخ بلتستان" (سٹی بک سنٹر بکسیلرز اینڈ پبلشرز ۲۰۰۹ء) ص ۳۵

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

زرتشتی مذہب کا گہوارہ رہا ہے جو بلتستان کے بالکل پڑوس میں واقع ہے۔ وہاں سے ہندوکش کے پہاڑی سلسلے کو عبور کر کے ان علاقوں میں اُن مذہب کا پہنچنا عین متوقع امر ہے''۔ ۱

مذکورہ بالا حوالوں کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ بلتستان میں بون مت سے پہلے زرتشتی مذہب رائج تھا' لیکن اس سلسلے میں مذکورہ مورخین نے کوئی ٹھوس شواہد پیش نہیں کئے ہیں۔ اس لیے ہم تبت اور لداخ کی طرح بلتستان میں بھی ابتدائی مذہب بون مت کو ہی قرار دیں گے جس کا ثبوت مختلف مورخین نے ٹھوس شواہد کے ساتھ پیش کیا ہے۔ بون مت کی ابتداء تبت میں ہوئی اور وہاں سے یہ لداخ اور بلتستان کی طرف پھیل گیا۔ تبت میں اس مذہب کا رواج کب اور کیسے ہوا، اس بارے میں مختلف مورخین نے الگ الگ رائے دی ہے۔ کننگھم کا قول ہے کہ یہ مذہب وہاں نیاٹھی چھن بو سے پہلے رائج تھا جس سے اس مت کے پیرووں نے اپنا بادشاہ بنایا تھا اور جو سیالی فرقے سے تعلق رکھتا تھا اور سواتیکا کا معتقد تھا۔ تبت میں یہ مذہب نو سو سال تک چھایا رہا اور وہاں سے گردونواح کے کئی (علاقوں) ملکوں میں پھیلا۔ بقول بنات گل آفریدی ۲ ''کھری تسم پو'' کے تبت پر قبضے کے بعد ۲۵۰ بعد از مسیح تاریخ میں اس کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ ماسوا اس کے کہ یہاں کے لوگ بون یا بون مت کے پیروکار تھے جو ہندوستان کے تیرتھ کرائیوں جیسا ایک تیاگی مذہب تھا۔ عبدالغنی شیخ بون مت سے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

''عام نظریہ یہ ہے کہ لداخ کا قدیم ترین مذہب بون تھا۔ تبت اور بلتستان میں بھی بون مذہب مروج تھا۔ بون مذہب کا جنم پہلے ایران میں ہوا۔ ابتداء میں یہ پارسی مذہب کا ایک ذیلی فرقہ تھا۔ سومالیک اور ڈنپانمکھا' بون کے عالم ہو گزرے ہیں۔ ان کی

۱ تاریخ بلتستان (بلتستان بکڈپو' نیا بازار اسکردو' پاکستان فروری سن ۲۰۰۰ء) ص ۲۰۔۲۱

۲ بلتستان (تاریخ کے آئینے میں) مترجم ڈاکٹر عظمیٰ سلیم

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کتابیں آج بھی دستیاب ہیں'' ۱؎

آگے مزید وہ لکھتے ہیں:

''ایک اور روایت کے مطابق بون مت کا بانی شیزرب مغربی تبت کے صوبہ کوگے کار کا رہنے والا تھا۔ تبت میں بون مذہب اُن ایرانیوں نے دیا جو پانچویں صدی قبل مسیح نقلِ مکانی کر کے تبت منتقل ہوئے تھے۔ جغرافیائی طور لداخ تبت اور بلتستان کے درمیان واقع ہے' اس لیے بون کا اثر ناگزیر تھا۔ بون مت میں بہت سارے دیوی دیوتا ہیں'' ۲؎

غلام حسن سہروردی رقمطراز ہیں:

''چھوس بون تبت اصلی میں رائج ہوا۔ اسے ۱۰۵ قبل مسیح میں بوتی کونگیال نے ان علاقوں میں رواج دیا تھا۔ دراصل بون ایک مقامی مذہب تھا جو صدرِ اسلام کے زمانے میں عرب و عجم میں رائج صابی مذہب کی مانند تھا۔ جس کا ذکر قرآنِ کریم میں بھی آیا ہے۔ اس کے ماننے والے دیوی دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے۔ اوہامِ باطلہ اور خیالاتِ فاسدہ پر یقین رکھتے تھے۔ حلت وحرمت کی ان میں تمیز نہیں تھی۔ مختلف رسمیں ادا کی جاتی تھیں اور میلے منعقد کیے جاتے تھے جن میں مذہب وثقافت کے نام پر انسانیت سوز رسمیں ادا کی جاتی تھیں'' ۳؎

مذکورہ بالا حوالوں اور دیگر تاریخی کتابوں کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے

۱؎ لداخ تہذیب وثقافت (کرائیسٹ ہاوس پبلی کیشنز' جموں ۲۰۰۶ء) ص ۲۴

۲؎ لداخ تہذیب وثقافت (کرائیسٹ ہاوس پبلی کیشنز' جموں ۲۰۰۶ء) ص ۲۴۔۲۵

۳؎ تاریخ بلتستان (سٹی بک سنٹر' اسلام آباد' پاکستان ۲۰۰۹ء) ص ۳۶

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کہ بون مت کی ابتدائی شکل یقیناً مظاہرِ قدرت کی پرستش دیوی دیوتاؤں پر اعتقاد تھی جیسا کہ لہاسہ کے آٹھویں صدی اور نویں صدی عیسوی کے تبتی، چینی کتبوں، یا ئینی لداخ میں چٹانوں پر کندہ تصویروں اور لداخ کے لنگ چھوس یعنی رزمیہ کیسر ساگا وغیرہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اس مذہب کا اثر تبت اور خطۂ لداخ پر مدتوں قائم رہا۔ اس مت کی بے پناہ مقبولیت کا ثبوت دور دراز خطوں بشمول ارکان میں اس کے آثار سے ملتا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ نیاٹھی چھن پو سے ستائیس پشتوں تک کے افسانوی حکمرانوں (Legendary Rulers) کے زمانۂ حکومت میں سلطنت کی حفاظت یا سلطنت پر حکمرانی افسانہ گو پہیلیاں، گانے والے اور پون پو اپنی رسوم ادا کرنے کی طاقت کے ذریعے کیا کرتے تھے۔ وہی اسے مذہبی سطح پر تقدس بھی بخشا کرتے تھے۔ بعد کے تبتی مورخوں جن میں وہ مورخ بھی شامل تھے جو اپنی تصنیفات میں اس مت کا شدومد سے ذکر کرتے ہیں، کا بھی یہی بیان ہے کہ تبت میں بدھ ازم کے آغاز سے پہلے نیاٹھی چھن پو اور سپودے کونگیال کے افسانوی دور میں سونگس زنگپو سے پہلے بون پو، افسانہ گو اور مطرب حکومت کرتے یعنی سلطنت کا کام چلاتے تھے اور سلطنت کی حفاظت کرتے تھے۔ یہ صورت اس مت کے زوال تک بلکہ اس کے بعد بھی مدتوں جاری رہی۔

ساتویں صدی عیسوی [۱] میں شاہ سونگ سن زنگپو نے بدھ مت کی سرپرستی شروع کی اور کھری [۲] سونگ الدے چن (۷۵۵ء سے ۷۹۷ء) نے بون مت کو دبا دیا اور اس مذہب کا زوال شروع ہوا۔ یہاں تک نیماگون کے وقت لداخ میں اس مت کے غالباً بہت کم نام لیوا موجود تھے۔ نیماگون کے بعد اس کی اولاد بدھ مت کی شیدائی رہی اور بدھ مت شاہی سرپرستی کی بدولت ترقی کی منزلیں طے کرنے لگا اور بون مت کی صرف یادیں اور کچھ یادگاریں باقی رہ گئیں۔

۲۔ بدھ مت:

لداخ پچھلے ایک ہزار سال سے زائد عرصے سے بدھ مذہب کے ایک اہم مرکز کی

۱ فرینکی ۲ لنتھم

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

حیثیت سے مشہور و معروف ہے۔بدھ مذہب ہمالیہ ریجن لداخ اور تبت کی پُر شفقت اور پُرسکون سرزمین کی آغوش میں صدیوں سے پوری آب وتاب کے ساتھ پھیلتا پھولتا رہا ہے۔اس سرزمین کے چپے چپے پر اس مذہب کی گہری چھاپ ہے، چاہے وہ تہذیب وتمدن کے حوالے سے ہو یا رسم ورواج کے حوالے سے یا فنون لطیفہ کے حوالے سے۔کاچو سکندر خان رقمطراز ہیں:

> ''.......بدھ اِزم نے بالآخر پورے تبت بشمول لداخ میں بون مت کی جگہ لے لی'' [۱]

خطۂ لداخ میں بدھ مذہب مہاراجہ اشوک کے عہد میں پھیلا۔بقولِ پروفیسر فدا محمد حسنین:

> ''لداخ میں یہ مذہب سب سے پہلے کشمیر کے راستے داخل ہوا، جو بہت قدیم زمانوں میں لداخ، تبت، گلگت، ٹیکسلا وغیرہ مما لک کے ساتھ اپنے تعلقات پیدا کر چکا تھا۔اپنی اصلی جائے پیدائش یعنی بھارت (ہندوستان) سے نکالے جانے کے بعد بدھ مت نے کشمیر میں فروغ پایا اور وہاں سے کابل، قندہار اور رفتہ رفتہ باختر یہ تک پھیل گیا'' [۲]

لداخ کے ساتھ کشمیر کے سیاسی اور اقتصادی تعلقات کے علاوہ زمانہ قدیم سے مذہبی وثقافتی تعلق بھی رہا ہے۔اس لیے جب کشمیر میں بدھ ازم پھیلا اور کشمیر بدھ مذہب کا مرکز بن گیا تو یہاں سے یہ مذہب مہاراجہ اشوک (اشوکا آف کشمیر) کے زمانے میں لداخ پہنچ گیا اور وہاں سے تبت، بلتستان اور چین تک پھیل گیا۔ کننگھم یوں رقمطراز ہیں:

۱۔ قدیم لداخ (کاچو پبلی کیشنز کرگل لداخ، ۱۹۸۷ء) ص ۵۰۰

۲۔ بدھسٹ کشمیر (لائٹ اینڈ لائف پبلشرز نئی دہلی ۱۹۷۳ء)

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

".....But Buddhism was one of the prevailing religion of Ladakh from the conversion of the people by Ashoka's missionaries down to A.D.400, when Fa Hain visited India. At that time be found Buddhism flourishing in the little state of Kia-Chha, or Ladakh, as well as in Kotan and other small states to the northward of ing, or Karakoram. The Tsung The King of Kia-Chha (Kha-Chan, or " Snow Land") still celebrated the great quinquennial assembly of the sramanas which had been established by Ashoka" (1)

کاچوسکندر خان لکھتے ہیں:

''اصلیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ لداخ میں بدھ ازم پہلی دفعہ تیسری صدی قبل مسیح سے دوسری صدی عیسوی تک کے زمانے میں درد مہاجرین کے ذریعے پہنچا اور بعد میں کشمیری بھکشوؤں کے ہاتھوں فروغ پایا اور رفتہ رفتہ بون مت کی جگہ لے لی'' ۲

1- Ladakh P- 357

۲ قدیم لداخ (کاچو پبلشرز کرگل، لداخ، ۱۹۸۷ء) ص ۵۰۳

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

مذکورہ بالا حوالوں اور دیگر تاریخی کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تبت و لداخ کی تاریخ بون مت کے آغاز و اشاعت اور اس کی بدھ ازم (موجودہ لامائیت) میں تبدیلی کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔ ۵۰۰ء سے ۱۰۰۰ء تک کے درمیانی عرصے میں مغربی تبت میں یہ دونوں مذاہب شانہ بشانہ چل رہے تھے۔ لداخ میں ابتدائی تبتی الاصل باشندوں کا مذہب غالباً بون مت تھا، جب کہ دردوں میں کچھ بودھ اور کچھ لوگ بون مت کے پیروکار تھے۔

لداخ میں بدھ مت پر تبت کا گہرا اثر ہے۔ اگرچہ تبت میں بدھ مت لداخ کے بعد پہنچا لیکن اہلِ تبت نے مختلف معاملات میں خاص طور پر مذہبی امور میں لداخی بودھوں کی رہنمائی کی ہے۔ بارہویں صدی سے لداخ سے مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے لیے بدھ مت کے لوگ تبت جایا کرتے تھے۔

لداخی بودھوں نے بے کم و کاست ہر گام پر تبت کی رہبری قبول کی ہے۔ تبت میں وقتاً فوقتاً جو بھی مذہبی تحریک چلی، اس کا جھونکا لداخ پہنچا اور لداخیوں نے کلی یا جزوی طور پر اس کا اثر لیا۔ عبدالغنی شیخ لداخ میں لامائیت سے بحث کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

> ''عموماً کہا جاتا ہے کہ لداخ میں لاموں [1] کے دو فرقے ہیں۔ ان کو زرد فرقہ اور سرخ فرقہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ تاہم لداخی بدھ مت کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ یہاں بدھ مت کے چھ مکاتیبِ خیال کے پیروکار بستے ہیں۔ یہ قدیم سکول نیم اصلاح شدہ سکول (Semi Reformed School) اور اصلاح شدہ (Reformed School) سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ فرقے ہیں ننگمایا، گیلوگپا، سسکیایا، سکرماپا اور کرگیوتپا۔ کرگیوتپا دو ذیلی

---

[1] لاما، بودھ، بھکشو، تبتی اور لداخی ہم معنی لفظ ہے۔ سکم، بھوٹان، منگولیا، تبت اور کئی مقامات پر بھکشو کو لاما کہا جاتا ہے۔ وہی شخص لاما کہلانے کا مستحق ہے جو ظاہری، باطنی، علمی طور پر بودھ مذہبی علوم کا ماہر ہو اور ان پر عمل پیرا ہو۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

فرقے ڈیگونگپا اور ڈوگپا پر مبنی ہوں۔ان فرقوں کا جنم وقتاً فوقتاً
تبت میں ہوا تھا۔تبت میں متعدد ذیلی فرقے بھی ابھرے لیکن
ان میں سے کئی پنپ نہیں پائے'' ۱؎

ابتدائی لاما ازم کا آغاز گورو پدما سمبھاوا نے کیا، جن کے کارہائے نمایاں کا بیان کئی صدیوں بعد ان کے پچیس تبتی شاگردوں کے پیروؤں نے ترتیب دیا۔تاہم لامہ ازم کے لوازمات اور لاماؤں کے قدیم فرقہ ''ننگمایا'' جو گورو کا براہ راست پیرو بتایا جاتا ہے اور جس کی قدیم ترکیب گوروند کور کے زمانے سے دو صدیوں کے اندر کے زمانے سے تعلق رکھتی ہیں، کے عقائد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی تعلیمات انتہائی تانترک Tantric قسم کے مہایانہ بدھ ازم پر مبنی تھیں جو اس زمانے میں ان کے وطن اودیانہ اور کشمیر میں رائج تھا۔اس میں بون مت کے رسومائی نظام کا ایک حصہ اور بون مت کی سی ارواح خبیثہ Demons کو ضم کیا گیا۔ان میں سے ہر ایک Demon کو لامہ ازم کے حلقہ نظام میں اس کا مناسب مقام دیا گیا تھا۔پس ابتدائی لامہ ازم شو کے تصوف (Mysticism) تنترا (Magic) اور ہند تبتی دیو مالائی آمیزش (Pristly Mixture) جس پر مہایانہ بدھ ازم کی ہیں چادر چڑھائی گئی تھی، پر مشتمل تھی اور یہ خصوصیت لامہ ازم میں آج تک موجود ہے۔

مختصر اً شاہان تبت کے دورِ حکومت میں تبت میں بدھ ازم بامِ عروج پر پہنچ گیا اور تبت کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا۔اہلِ تبت اس زمانے میں چین کے سٹیٹ سکول میں حصولِ علم کے لیے جاتے تھے اور تبتی علماء کو بین الاقوامی شہرت حاصل تھی۔تبت نے بہت سے دانشوروں، عظیم روحانی شاعروں کو جنم دیا جنھوں نے نہ صرف علم وادب میں نام پیدا کیا بلکہ مختلف علوم وفنون اور دینیات سے متعلق معلومات کا دائرہ وسیع کیا۔

تبت ولداخ میں بدھ ازم کے زوال کی تاریخ لنگ ترما کی تخت نشینی سے شروع ہوتی ہے۔جب کہ باقی ممالک مفتوحہ میں اس مت کا زوال بہت پہلے شروع ہو چکا تھا۔مثلاً

۱؎ ''لداخ تہذیب وثقافت'' (انیس آفسیٹ پرنٹرس دہلی ۲۰۰۶ء) ص ۲۳۲

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ترکستان میں تبتیوں کی موجودگی کو نویں صدی عیسوی میں ترک اویغوز اور کرلوق قوموں نے ختم کیا تھا جو مذہباً مسلمان تھے۔گلگت میں یہ مذہب ساتویں صدی عیسوی کے آخیر میں روبہ زوال ہوا تھا۔گلگت میں اس مذہب کے زوال کا سبب یہ تھا کہ ۶۷۶ء میں چینیوں نے ترکستان کو دوبارہ فتح کیا لیکن تبت پران کا حملہ ناکام رہا۔کشمیر کے راجہ مکتا پیڈ نے تبتیوں کے خلاف چینیوں کے ساتھ اتحاد کیا اور عربوں [1] نے تبت کی مدد کی اور چینیوں اور تبتیوں میں گلگت پر قبضہ کے لیے جنگ چھڑی جس کے نتیجے میں چترال اور اودھیانہ میں بدھ مت کے آثار تباہ ہوئے۔البتہ مسلمانوں کے ہاتھوں وسطِ ایشیا سے عیسائیوں اور بودھوں کا اخراج بہت بعد کے زمانے میں یعنی چودھویں صدی عیسوی میں وقوع پذیر ہوا۔جب کہ مغربی تبت میں نیما گون کی علاحدہ خودمختار حکومت کو قائم ہوئے چار پانچ صدیاں گزر چکی تھیں اور تبت اصل میں لھاچن کھری سوک الدے برسرِ حکومت تھا۔

لنگ ترما کے بعد اوت سرونکس تخت نشین ہوا۔اوت سرونکس نے بدھ ازم کی احیاء کے لیے کام کیا اور گرتی دیوار کو بہت حد تک سنبھال لیا لیکن اس وقت تبت ولداخ میں ایسے حالات پیدا ہو رہے تھے کہ وہاں اس مت کو دوبارہ اوجِ کمال پر پہنچانے کا سہرا شاہانِ لداخ کے سرراہ جن کا سرپرست اعلیٰ نیما گون تھا۔

کاچو سکندر خان مغربی تبت میں بدھ مت کے زوال پر بحث کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:[1]

> "چودھویں صدی عیسوی میں بلتستان اور پوریگ میں تبلیغِ اسلام کا سلسلہ شروع ہوا اور تھوڑے ہی عرصے میں سارا بلتستان اور پوریگ کے بیشتر علاقے مذہب اسلام کے دائرے میں آگئے...... نیز بہت بعد کے زمانوں میں عیسائی پادریوں کی کوششوں سے لداخِ خاص میں بہت سے خاندان نے مسیحیت

[1] لداقش اگیال راپس مترجم فرینکی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اختیار کی۔اس سے پہلے ڈوگرہ حملے کے دوران بودھی لٹریچر اور بدھ ازم سے متعلق مقدس کتب مذہبی کا بہت بڑا ذخیرہ تلف ہوا اور گنپوں کو نقصان پہنچا۔بقولِ فرینکی ڈوگرے ابتدائی ہندوستانی بدھ ازم کا احترام کرتے تھے یعنی لداخ میں مروّجہ بدھ ازم سے انہیں دلچسپی نہیں تھی۔دیوان ہری چندر اور وزیر رتنو کی فوج نے محل اور گنپے میں تمام بتوں کو توڑ ڈالا۔اس سے پہلے وزیر زورآور سنگھ کی فوج نے بہت لوٹ مار مچا رکھی تھی''۔[۱]

دورِ حاضر میں لیہہ میں بودھوں کی اکثریت ہے۔گنپے منے اور دوسری مذہبی جگہوں کی تعداد لیہہ میں زیادہ ہے۔لیہہ میں کئی مشہور بدھی مذہبی عالم ہو گزرے ہیں جنہوں نے بدھ مت کی تعلیم میں نمایاں کارکردگی انجام دی۔موجودہ دور میں کئی مشہور مذہبی عالم یعنی (لاما) مختلف گونپوں میں بدھ مت کی تعلیم دینے اور عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور دینی فرائض دونوں بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔

خطۂ کرگل میں صرف تین علاقوں میں بودھوں کی آبادی ہے اور اس کے علاوہ زانسکار میں بھی بودھوں کی اچھی تعداد ہے۔مجموعی طور پر تبت چین کے قبضے میں چلے جانے کے بعد 'لیہہ' بدھ ازم کے ایک اہم مرکز کی حیثیت سے مشہور ومعروف ہے۔جہاں پر بدھ مت کی عبادت گاہوں کی تعداد باقی جگہوں کے مقابلے میں زیادہ ہے اور مختلف مذہبی تہوار بڑے جوش وخروش سے منائے جاتے ہیں۔

لیہہ اور دیگر بدھ آبادی والے علاقوں میں آج بھی بدھ دھرم پر اچھا خاصا کام ہو رہا ہے۔کئی سکولوں میں بدھ مت کی تعلیم دی جاتی ہے۔بہت سارے نوجواں بدھ مت پر ریسرچ کر رہے ہیں اور انہوں نے بدھ مت سے متعلق بہت ساری کتابیں تصنیف کی ہیں۔

بدھ ازم کے اگرچہ چھ فرقے ہیں مگر دلائی لامہ کی تمام فرقے عزت و تعظیم کرتے

---

[۱] قدیم لداخ (کاچو پبلشرز کرگل' لداخ' ۱۹۸۷ء) ص ۵۱۷

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہیں۔ دلائی لامہ کے علاوہ کئی دیگر بڑے بڑے لامے ہیں جو مختلف گونپوں میں مذہبی رسومات انجام دینے کے علاوہ بدھ دھرم کی تعلیم بھی دیتے ہیں۔ لداخ بھر میں انہیں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

۳۔ اسلام:

خطۂ لداخ میں اسلام کی اشاعت کا آغاز چودھویں صدی عیسوی میں ہوا۔ جب کہ تبت ولداخ دونوں خطے تقریباً بدھ مت کے پیرو تھے۔ کشمیر میں بدھ ازم کا تقریباً خاتمہ ہو چکا تھا اور عام طور سے ہندو دھرم (شوازم) رائج تھا۔ دینِ اسلام کی شمع خطہ میں پہنچ کر اپنی شعاعیں پھیلا رہی تھی۔ دینِ اسلام کے پھیلاؤ کے نتیجے میں ہندو دھرم کا زور آہستہ آہستہ دم توڑ رہا تھا۔ اس انقلاب کی لہر مختلف ذرائع سے ہمسائیہ علاقہ لداخ کی طرف بڑھ رہی تھی جس کے کشمیر کے ساتھ صدیوں پرانے سیاسی، تجارتی اور مذہبی تعلقات تھے اور خطۂ لداخ کے طول وعرض میں مذہب اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے زمین ہموار ہو رہی تھی۔

خطۂ کشمیر میں اسلام کی اشاعت کا سہرا عام طور پر حضرتِ امیر کبیرؒ کے سر باندھا جاتا ہے۔ حالانکہ ان سے پہلے خطے میں اسلام کی روشنی حضرت بلبل شاہؒ کے ذریعے پہنچ چکی تھی اور آپ کے ہاتھوں لداخی شہزادے رینچن شاہ جو صدرالدین کے نام سے معروف ہیں، کے قبولِ اسلام کے نتیجے میں پوری وادی میں دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے راہیں ہموار تھیں اور جب حضرتِ امیر کبیرؒ نے یہاں تبلیغِ دین کا سلسلہ شروع کیا تو پوری وادی شمعِ اسلام سے منور ہوئی۔

حضرت امیرِ کبیرؒ نے تین بار وادی کا تبلیغی دورہ کیا اور پہلی بار سلطان شہاب الدین کے عہد میں تشریف لائے۔ آپ نے وادی میں اسلام کی اشاعت کرنے کے لیے بہت کوششیں کیں۔ بلتستان کے مورخین و مصنفین امیرِ کبیرؒ کے بلتستان وارد ہونے اور دینِ اسلام کی تبلیغ کرنے کی تصدیق مختلف مقامی روایتوں اور حوالوں کی روشنی میں کرتے ہیں۔

محمد یوسف حسین آبادی یوں رقم طراز ہیں:

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

''چودھویں صدی عیسوی کے ربعِ آخر کے دوران ایرانی مبلغین کے ذریعے بلتستان میں اسلام پھیلنا شروع ہوا۔عام طور پر یہاں اشاعتِ اسلام کو حضرت امیرِ کبیر میر سید علی ہمدانیؒ سے منسوب کیا جاتا ہے جو اپنے سینکڑوں مریدوں' شاگردوں اور علماء کے ساتھ ۸۳۔۱۳۷۳ء کے دوران تین بار کشمیر تشریف لائے۔آپ کی تبلیغ سے رفتہ رفتہ لوگوں نے اسلام قبول کیا۔یہاں تک کہ آپ نے سب سے پہلے کھرڈونگ پر ایک مسجد تعمیر کرائی۔پھر گمبہ سکردو میں جامع مسجد تعمیر کر کے نمازِ جمعہ و جماعت قائم کی۔اس کے بعد حسین آباد (کھینچونگ) میں اس کا اہتمام کیا گیا۔سکردو سے آپ شگر چلے گئے اور وہاں برالدلدو تک اسلام پھیلایا۔اس کے بعد چپلو میں جھور بٹ تک اسلام کی تبلیغ کی'' ۱

عبدالغنی شیخ خطہ لداخ میں اسلام کی آمد و اشاعت سے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

''کشمیر کی طرح لداخ اور بلتستان میں اسلام کی اشاعت کا سہرا میر سید علی ہمدانیؒ کے سر باندھا جاتا ہے۔۱۳۸۱ء یا ۱۳۸۲ء میں وہ لداخ آ کے راستے چینی ترکستان گئے تھے۔کشمیر کے کئی مورخین اور نسل در نسل پہنچی ہوئی روایت کے مطابق لداخ میں انہوں نے تبلیغِ دین کا کام بھی کیا ہے۔کئی مساجد تعمیر کیں۔پروفیسر مجیب کے مطابق انہوں نے زانسکار کی راجدھانی پدم میں بھی مسجد تعمیر کی'' ۲

مذکورہ بالا حوالوں اور دیگر تاریخی کتب کے حوالے سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اس خطے

---

۱ تاریخِ بلتستان (بلتستان بکڈپو' نیا بازار سکردو' پاکستان فروری ۲۰۰۳ء) ص ۲۳۔۲۴

۲ لداخ تہذیب و ثقافت (کرائیسٹ ہاوس پبلی کیشنز' جموں ۲۰۰۶ء) ص ۲۱۲۔۲۱۳

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

میں اسلام کے اوّلین مبلغ سید علی ہمدانیؒ ہیں جنہوں نے اس خطے میں دینِ اسلام کا پہلا پودا لگایا جس کی آبیاری ان کے اصحاب اور دیگر علمائے کرام نے کی۔

مولوی حشمت اللہ کے مطابق شاہ ہمدانؒ کا بہ نفسِ نفیس بلتستان پہنچنا واقعات سے ثابت نہیں ہوتا ہے۔اس لیے وہ خطے میں اسلام کے مبلغِ اوّل سید نور بخش کو قرار دیتے ہیں۔لیکن پوریگ و بلتستان میں اسلام کی ترویج واشاعت میں حضرت امیر کبیرؒ کی مساعی جمیلہ کا بالواسطہ دخل ضرور رہا ہے۔آپ نے اپنے خلیفوں کے ذریعے خطے میں اسلام کی اشاعت کا کام انجام دیا ہے جس میں حضرت سید محمد نور بخش کا نام بہت مشہور و قابلِ ذکر ہے۔

حضرت امیر کبیرؒ کے شاگرد سید محمد نور بخش کے خطۂ لداخ میں وارد ہونے اور بلتستان و پوریگ میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کی تصدیق تقریباً تمام محققین و مورخین نے کی ہے۔ مولوی حشمت اللہ خطے میں اسلام کی اشاعت کا سہرا سید نور بخش کے سر باندھتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

> ''......روایت ہے کہ اس وقت اسکردو میں غوطے چوسنگے، شغر میں غازی تھم اور خپلو میں شاہ اعظم حکمران تھے۔سید نور بخش نے تمام ملک میں دعوتِ اسلام دی اور حضرتِ امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ کے نام پر بیعت لی۔چنانچہ اہلِ ملک نے یکے بعد دیگرے مذہب اسلام اختیار کرنا شروع کر دیا اور تھوڑے عرصے میں کل آبادی اس دائرے میں داخل ہوگئی۔غازی تھم نے مسلمان ہو کر اپنا نام غازی میر رکھا اور مسجد برونجی جو حضرتِ امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ کی طرف منسوب کر دی گئی ہے غالباً سید محمد نور بخش نے بہ اہتمام غازی میر تعمیر کی''۔[1]

حضرت سید محمد نور بخش کا خطے لداخ (بلتستان و پوریگ) پہنچنا مقامی روایتوں سے بھی

[1] تاریخِ جموں ص ۵۹۰

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ثابت ہو جاتا ہے۔آپ نے بلتستان و پوریگ میں فرقہ نوربخشیہ ؎ا کی تبلیغ کی۔ چنانچہ فرقہ امامیہ نوربخشیہ خطے میں آغازِ اسلام سے ہی اکثریت کا مسلک رہا ہے۔آج بھی بلتستان اور کرگل کے علاوہ لیہہ کے چھوچھت علاقے میں ان کی اکثریت ہے۔

بلتستان' پوریگ اور لیہہ کے چند علاقوں میں اس مذہب/فرقے کے ماننے والے زیادہ ہیں۔

شمس الدین عراقی ۱۴۹۹ء تا ۱۵۰۵ء کے دوران سکردو کے راجہ مقپون بوغا کے عہد میں کشمیر سے سکردو تشریف لائے اور کچھ عرصہ یہاں اشاعت اسلام میں مصروف رہے۔ سارے بلتستان کا دورہ کیا۔اس کے بعد ۱۵۰۵ء میں کشمیر کے مدار المہام سید محمد بیہقی کے قتل ہو جانے کے بعد آپ واپس سرینگر تشریف لے گئے۔

سترہویں صدی میں سید علی اور سید ناصر طوسی دو بھائی ترکستان سے دینِ اسلام کی تبلیغ کے لیے بلتستان آئے۔ان کے بعد بھی اٹھارہویں صدی کے اوائل تک کئی مبلغ واردِ بلتستان ہوتے رہے اور یہاں تبلیغِ دین کے فرائض انجام دیتے رہے۔ایران کے علاوہ کشمیر اور دیگر چند علاقوں کے لوگ بھی تبلیغِ دین کے سلسلے میں خطۂ لداخ میں وقتاً فوقتاً تشریف لاتے رہے۔

بلتستان اور پوریگ (کرگل) میں اسلام کی اشاعت علمائے کرام اور بزرگانِ دین کی تبلیغ کی رہینِ منت ہے جن کی بدولت آج بلتستان اور پوریگ کی اکثریت مسلمان ہے اور لیہہ میں بھی مسلمانوں کی اچھی تعداد ہے۔خطۂ لداخ کے مسلمان شیعہ' سنی' نوربخشی اور اہلِ حدیث فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کی اکثریت شیعہ امامیہ فرقے کی ہے۔سنی (حنفیہ مسلک) اور اہلِ حدیث مسلک کے مسلمانوں کی تعداد کم ہے جن کی اکثریت لیہہ میں ہی آباد

ا: یہ فرقہ اصول وعقائد میں فرقہ شیعہ امامیہ سے ملتا جلتا ہے۔صرف اجتہادی اور فقہی امور میں تقلیدِ مجتہد کا فرق ہے۔بعض روایتوں کے مطابق یہ مسلک سید نوربخش کے نام پر نوربخشیہ کہلاتا ہے۔جو دراصل فرقہ شیعہ امامیہ کا ہی دوسرا نام ہے۔ (کاچو سکندر خان)

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہے۔لیہہ میں جو مسلمان آباد ہیں ان کے سلسلے میں عبدالغنی شیخ یوں رقمطراز ہیں:

''....لیہہ میں چند مسلمانوں کو لداخ کے خودمختار راجوں نے مختلف امور سرانجام دینے کے لیے لیہہ پدم اور ستوق میں آباد کیا تھا۔تجارت کے سلسلے میں کشمیر سنٹرل ایشیا سے لیہہ آنے والے متعدد مسلمان وقتاً فوقتاً لیہہ میں شادی کرکے مستقل طور پر بس گئے۔نیز ڈوگرہ فوج میں فوجی خدمات انجام دینے والے چند مسلمان بھی لداخ میں رک گئے اور یہیں بس گئے۔ان کی اولاد متعدد خاندانوں میں بٹ گئی اور آج کل لیہہ اور مختلف گاؤں میں بڑی تعداد میں آباد ہیں'' [1]

مزید آگے وہ لکھتے ہیں:

''لیہہ کے اکثر مسلمان آرغون کہلاتے ہیں۔آرغون سے مراد مخلوط النسل ہے جس کی ماں لداخی اور باپ غیر لداخی ہے۔باپ کی طرف آرغون چینی، ترکستانی، کشمیری، پٹھان، تاتاری، ڈوگرہ مغل اور دوسری کئی نسلوں کی اولاد ہیں'' [2]

موجودہ دور میں بلتستان اور کرگل میں سینکڑوں مسجدیں، امام باڑے اور دینی درسگاہیں ہیں۔لیہہ میں بھی کئی مساجد، امام باڑے اور دو تین دینی درسگاہیں ہیں۔تینوں خطوں میں کئی مذہبی تنظیمیں ہیں جو لوگوں کی فلاح و بہبود اور دیگر دینی امور کے لیے کام کر رہی ہیں۔

کرگل سے طلبہ مزید مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے لیے ایران و عراق وغیرہ جاتے ہیں جہاں سے فراغت کے بعد خطے میں مذہبی تعلیم دینے اور دیگر مذہبی امور انجام دیتے ہیں۔دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں کشمیر، ایران کئی دوسری جگہوں سے شیعہ عالم کرگل میں آتے رہتے ہیں۔

---

۱ لداخ تہذیب وثقافت (کرائیسٹ ہاوس پبلی کیشنز، جموں ۲۰۰۶ء) ص ۲۱۹

۲ لداخ تہذیب وثقافت (کرائیسٹ ہاوس پبلی کیشنز، جموں ۲۰۰۶ء) ص ۲۱۹

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

لیہہ ضلع میں چھوچھت علاقے میں شیعہ فرقے سے تعلق رکھنے والے لوگ آباد ہیں۔ جب کہ اس کے علاوہ نوبراہ علاقے کے بغدنگ میں بھی شیعہ اور نوربخشیہ مسلک کے ماننے والوں کی اچھی تعداد ہے۔

اہل سنت والجماعت اور اہلِ حدیث مسلک سے تعلق رکھنے والوں کی اکثریت لیہہ میں آباد ہے اس کے علاوہ علاقہ دراس میں بھی ان کی اچھی تعداد ہے۔

اہل سنت اور اہل حدیث مسلک سے تعلق رکھنے والے اپنے بچوں کو دینی تعلیم دینے کے لیے کشمیر، لکھنو وغیرہ بھیجتے ہیں۔ جہاں سے فراغت کے بعد لیہہ میں درس وتدریس کا کام انجام دیتے ہیں۔ لیہہ اور نوابرہ علاقے کے کئی طالبِ علموں نے کشمیر اور لکھنؤ سے دینی تعلیم مکمل کرکے آتے ہیں۔ کئی حافظ، عالم اور فاضل خطے میں دینی تعلیم کی درس وتدریس اور دیگر امور انجام دینے میں مشغول ہیں۔ کشمیر اور ہندوستان کے دیگر علاقوں سے علمائے کرام دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں خطے میں وقتاً فوقتاً تشریف لاتے رہتے ہیں۔

لداخ کے لسانی منظرنامے کی تشکیل میں لداخ کی قدیم تاریخ، جغرافیہ اور یہاں کے مذاہب کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمہید کے طور پر ان کا سرسری ذکر کرنا لازمی بن گیا۔

☆۔ خطۂ لداخ کی زبانیں

۱۔ لداخی زبان

۲۔ بلتی زبان

۳۔ شینا زبان

۱۔ لداخی زبان:

لداخی زبان وادب کی زمانۂ قدیم سے لے کر آج تک اپنی ایک خاص حیثیت رہی ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ لداخ کے لوگ بیرونی دنیا میں رونما ہونے والی گھٹناؤں سے جڑے رہنے کے باوجود اپنی زبان، دھرم، ثقافت اور ریت رواجوں کو کبھی نہیں بھولے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

لداخی یا بودک (Botic) زبان لداخ خاص یعنی لیہہ' زانسکار' نوبرا اور دیگر چند علاقوں میں بولی جاتی ہے۔لیہہ' زانسکار اور نوبراہ میں بولی جانے والی زبان میں بہت فرق ہے۔اس لیے بعض مورخین و محققین نے زانسکار میں بولی جانے والی زبان کو زانسکاری زبان ؛ نوبرا میں بولی جانے والی زبان کو نوبرا زبان اور لیہہ میں بولی جان والی زبان کو لداخی زبان کا نام دیا ہے لیکن دراصل یہ تینوں زبانیں ایک ہی ہیں۔ان تینوں علاقوں کے درمیان کافی فاصلے ہیں۔اس لیے ان کی زبانوں میں فرق پایا جاتا ہے کیونکہ ماہرینِ لسانیات کے مطابق ہر دس کوس (تین میل) کے بعد زبان میں تبدیلی آتی ہے۔ان تبدیلیوں کے باوجود زبان ایک رہتی ہے۔ زبان کے بنیادی ڈھانچے میں کوئی فرق نہیں آتا۔لداخ خطے کے ان تینوں علاقوں کی زبانوں میں لیہہ کی زبان کو مستند مانا جاتا ہے۔محمد حسن حسرت اس حوالے سے یوں رقمطراز ہیں:

> ''دانشوروں کا مقولہ ہے کہ ہر بارہ کوس (ایک کوس تقریباً تین میل کے برابر ہے) کے بعد مقامی گفتگو اور اندازِ بیان میں خفیف سا فرق آجاتا ہے۔ہر خطے میں چند مخصوص الفاظ' طرزِ تکلم کے انداز' محاورات اور ضرب الامثال موجود ہیں جو اس علاقے کے لیے خاص اور محدود ہوتے ہیں۔زبان تو وہی ہے لیکن تخصیص کی ہلکی سی صورت پیدا ہوجاتی ہے۔ایک زبان بہت بڑے وسیع علاقے پر حاوی ہوتی ہے جو اس کا وطن کہلاتا ہے۔اس سارے علاقے میں ایک خطہ ایسا بھی ہوتا ہے جو سیاسی' سماجی اور عملی طور پر دوسرے علاقوں پر فوقیت رکھتا ہے۔اس علاقے کی زبان کو معیاری قرار دیا جاتا ہے۔تحریری حوالوں میں اس کو بلند منزلت دی جاتی ہے''۔[1]

اس طرح علاقہ چھنگ تھنگ کے لوگوں کی زبان بھی لداخی ہونے کے باوجود الگ سی

---

[1] تاریخِ ادبیات بلتستان (نومبر ۱۹۹۲ء) ص ۴۷

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

لگتی ہے۔لداخ سے دور ہونے کی وجہ سے اس میں بھی کئی تبدیلیاں اپنے علاقے کے حساب سے رونما ہوئی ہیں۔اس لیے لداخی زبان سے مختلف نظر آتی ہے اور ان کی زبان کو لداخی میں ''چھنگ سکت'' بولا جاتا ہے جوان کی علاقے کی مناسبت سے پڑا ہے۔چھنگ تھنگ میں رہنے والوں کو بھی ان کے علاقے کی مناسبت سے ''چھنگ پا'' کہا جاتا ہے۔

مجموعی طور پر لداخی زبان جس کو بودک بھی بعض مورخین نے لکھا ہے، پورے خطے میں سمجھی جانے والی ایک معروف زبان ہے۔زانسکاری زبان، نوبراہ کی زبان، چھنگ تھنگ کی زبان بھی لداخی زبان ہی ہیں۔جن میں فاصلوں (یا دوریاں ہونے) کی وجہ سے بعض تبدیلیاں اور علاقائی خصوصیات پیدا ہوگئی ہیں۔ورنہ یہ سب زبانیں ایک ہی ہیں۔

لیہہ میں بولی جانے والی زبان کو ان میں مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ماہرین و مورخین نے اسی کو مستند مان کر اسی کے حوالے سے بات کی ہے اور اسی زبان کو اپنے موضوعات کا مرکز بنایا ہے۔

لداخی زبان (یا بودک زبان) کی دنیا میں اپنی ایک الگ پہچان ہے۔اس کی تاریخ، گرائمر وغیرہ پر بہت سارے ملکی قلم کاروں نے عرق ریزی سے کام کیا ہے۔تصنیف و تالیف کا کام بھی ہوتا ہے۔لداخی اسکالر اس زبان پر ریسرچ بھی کرتے ہیں۔لداخ میں بڑے بڑے شاعر اور مصنف اسی زبان میں لکھ رہے ہیں۔اس میں نہ صرف غزل، گیت، نظم وغیرہ لکھے جارہے ہیں بلکہ افسانے، ڈرامے اور کہانیاں بھی لکھی جاتی ہیں۔

لداخی/بودک (Botic) زبان کو مورخین لداخ عبدالغنی شیخ وغیرہ نے دوزمروں میں تقسیم کیا ہے۔بول چال کی لداخی زبان اور کلاسیکی تبتی جسے کلاسیکل لداخی بھی کہا جاسکتا ہے۔ کاچو سکندر خان لداخی/بودِک زبان کو دوزمروں میں تقسیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''دنیا کی دوسری زبانوں کے ادب کی طرح لداخی ادب بھی دو اصناف میں تقسیم کیا جاتا ہے معیاری ادب یا ادبِ عالیہ اور لوک ادب (Folk Literature)''[۱]

[۱] قدیم لداخ (کاچو پبلشرز کرگل، لداخ، ۱۹۸۷ء) ص ۱۰۶

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

بول چال کی لداخیوں کی مادری زبان ہے جولداخ میں عموماً بولی اور سمجھی جاتی ہے۔
اس زبان میں نظموں، لوک گیتوں اورلوک کہانیوں کے علاوہ کئی مشہور داستانیں ہیں۔اس زبان کا اپنالوک ادب ہے جوزبانی لوگوں تک آیا ہے۔

لداخی/ بودک (Botic) زبان کا مآخذ سانوتبتین کی ایک شاخ تبتو برمن (Tibato Burman) ہے۔خطہ لداخ، تبت، سکم، بھوٹان اور شمالی نیپال وغیرہ میں اسی زبان کی مختلف بولیاں بولی جاتی ہیں۔ان کے علاوہ بھارت کے بعض شہروں اورچین کے چار صوبوں چھینگانی، یونن، سیچوں اورگانسویں میں بھی سائنوتبتین بولنے والوں کی۔ایک بہت بڑی

تعداد موجود ہے۔تبتی ادب وثقافت کے ماہرین ومحققین کے مطابق اس وقت تبتی زبان کے بولنے والوں کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ماہرین ومحققین کواس زبان کی بولیوں کی کثرت اور ان کے درمیان موجود اختلاف پر سخت حیرت ہے۔محمد حسن حسرت اس حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

> ''تبتی زبان کے محققین کے مطابق اس وقت تبتی زبان کے بولنے والوں کی مجموعی تعداد تقریباً ستتر (۷۷) لاکھ ہے۔اصلی تبت سمیت چین کے چار صوبوں چھینگائی، سیچوان، یونن اور گانسو کے چھیالیس لاکھ، بھوٹان کے اٹھارہ لاکھ، شمالی نیپال، سکم، پوریگ، لداخ اور ہندوستان کے دیگر علاقوں کے کل دس لاکھ اور بلتستان کے چار لاکھ سے زائد لوگ اسی زبان کی مختلف بولیاں بولتے ہیں'' [۱]

لیکن بولیوں میں شدید اختلاف کے باوجود مذکورہ سارے علاقوں کی تحریری زبان ایک ہی ہے

---

[۱] بلتستان تہذیب وثقافت دوسرا ایڈیشن (بلتستان ڈپو اینڈ پبلی کیشنز نیا بازار اسکردو (۲۰۰۷ء)، ص ۲۶

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

لداخی زبان ''لداقس سکت'' جو لداخیوں کی مادری زبان ہے۔ گھر کی چار دیواری، بس سٹینڈ، دکانوں، گلی کوچوں غرض ہر جگہ بولی جاتی ہے حتیٰ کہ خطۂ لداخ میں ہر جگہ کے لوگ اسے سمجھتے اور بولتے ہیں۔ اس زبان کے ماخذ کے بارے میں بعض مورخین کے درمیان اختلاف ہے۔ ان کی رائے میں بول چال کی لداخی زبان تبتیوں کے لداخ پہنچنے سے بہت پہلے مروّج تھی اس لیے تبتی زبانوں اور لداخی زبان کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے۔ لداخی زبان وادب اور تہذیب وتمدن پر جو اثرات پڑے ہیں وہ ایک ہزار سنہ عیسوی کے بعد پڑے ہیں جب تبتی لوگوں کا لداخ کے علاقوں میں آنے جانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہاں تک کہ دسویں صدی میں لداخ پر تبتی شہزادے کی حکومت ہوئی۔

ڈاکٹر سنیو گتا کوشل جنہوں نے بول چال کی لداخی زبان پر ریسرچ کی ہے لکھتی ہے کہ ''بول چال کی لداخی زبان کا ماخذ تبتی زبان ہے اور یہ چینی خاندان کی زبانوں کے چین تبت گروپ سے تعلق رکھتی ہیں''۔

لداخ کے نامور مورخین ومحققین عبدالغنی شیخ اور کاچو سکندر بھی تبتی زبانوں کے خاندان تبتو برمن کو لداخی زبان کا ماخذ مانتے ہیں۔ کاچو سکندر خان لکھتے ہیں:

> ''اس کا بنیادی ڈھانچہ بحیثیت مجموعی تبتی ہے اور ذخیرۂ الفاظ کا بڑا حصہ تبتی ہے جب کہ آریائی زبانوں نے زیادہ تر اس کے لب ولہجہ کو متاثر کیا ہے اور گیسو سنوارے ہیں''۔[۱]

مذکورہ بالا حوالوں اور دیگر تاریخی کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس زمانے میں مذکورہ قوموں کا نسلی اختلاط شروع ہوا اور مشترکہ معاشرہ قائم ہوا۔ اس زمانے میں یہاں تبتی بولنے والوں کی اکثریت تھی جنہوں نے اپنی مادری زبان کے بنیادی ڈھانچوں کو بدلنے نہیں دیا اور گوناگوں انقلابوں کے باوجود اپنے اصلی سرچشمہ، علم وادب یعنی تبت اور تبتی

۱۔ قدیم لداخ (کاچو پبلشرز کرگل، لداخ ۱۹۸۷ء) ص ۶۰۱۔۶۰۲

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

زبان کو فراموش نہیں کیا اور تبت کے ساتھ ان کی علمی' ادبی' تہذیبی اور تمدنی وابستگی بدستور قائم رہی۔ ان کی اس ثابت قدمی کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ مون اور دردا قوام کے لوگ بھی ان کے رنگ میں ڈھلنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ بھی تبتی زبان وادب سے وابستہ ہونے لگے۔ ان آریائی اقوام کے ساتھ اختلاط اور معاشرت کے نتیجے میں تبتی زبان میں نہ صرف تبدیلی آ گئی بلکہ ان کا طرزِ فکر بھی دھیرے دھیرے بدل گیا۔ اس اختلاط کے نتیجے میں ایک نئی نسل وجود میں آ گئی اور ایک نیا معاشرہ تشکیل پانے لگا جس نے ایک نئی قومی زبان کو رائج کیا جو تبتی زبان سے کافی مختلف تھی۔ یہی موجودہ لداخی زبان ہے جو تبتی زبان سے ماخوذ ہونے کے باوجود تبتی زبان سے بہت مختلف ہے۔ کاچو سکندر خان یوں رقم طراز ہیں:

> "موجودہ لداخی زبان قدیم تبتی زبان کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اس کے بنانے میں مون' منگول اور درد تین بڑی قوموں نے حصہ لیا ہے۔ ان میں تبتیوں کا تعلق منگول نسل سے اور مونوں اور دردوں کا تعلق آریہ نسل سے تھا۔ چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ اس زبان میں دنیا کی تین بڑی نسلوں اور تہذیبوں کی روح بسی ہوئی ہے اور اس کے ذخیرۂ الفاظ میں تبتی کے علاوہ اردو، فارسی، انگریزی، کشمیری' شنا وغیرہ آریائی زبانوں کے الفاظ او رترکیبیں بھی بکثرت موجود ہیں۔ اس پسِ منظر میں اسے اگر تین بڑی نسلوں اور تہذیبوں کے اختلاط کی علامات کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا"[۱]

ایس ایس گیر گن اس سلسلے میں یوں لکھتے ہیں:

> "..... تاریخی بہاؤ کے دوران مختلف قسم کے لوگوں نے لداخ یا نارس سکورسم کے بہت سارے علاقہ جات کو اپنا مسکن بنا لیا تھا اور

۱: قدیم لداخ (کاچو پبلشرز کرگل' لداخ ۱۹۸۷ء) ص ۱۰۶

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

وہ کسی حد تک ابھی بھی وہاں پر موجود ہیں..... انسانی قبائل کی یہ لہریں، رواج، روایات، اسطور، کیلنڈر، پوشاک، غذا، زبان یا بولی بالعموم نسلی اختلاط میں مختلف عناصر کی تہیں جمانے کی ذمہ دار رہی ہیں۔ یہ نسلی قبائل یا تو ایک ساتھ بود و باش کرتے تھے ورنہ متحد ہو کر ایک دوسرے میں ضم ہو گئے تھے۔ جس کے نتیجے میں ایک ایسی قوم وجود میں آ گئی جس کا تہذیبی ورثہ زرخیز ہے" ۱

بول چال کی لداخی زبان/ بودک زبان ایک زرخیز زبان ہے۔ اس میں حلاوت مٹھاس، لوچ اور گھلاوٹ ہے۔ الفاظ کا اچھا ذخیرہ ہے۔ ڈاکٹر سینو گپتا کوشل نے لداخی بول چال کی زبان سے متعلق ان الفاظ میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے:

"یہ اپنی جگہ ایک مکمل زبان ہے اس میں تخلیق کی اُپج اور صلاحیت ہے۔ ہر قسم کا ادب اس میں تخلیق ہو سکتا ہے اور کسی دوسری زبان کے سہارے کی اسے ضرورت نہیں" ۲

مختصراً یہ کہ لداخی زبان تبتو برمن سے نکلی ہے۔ اس میں لفظوں کا ایک بڑا خزانہ ہے جو کسی بھی طرح کے اظہارِ خیال کے لیے کافی ہے۔ اس میں ہر قسم کے ادب کو تخلیق کیا جا سکتا ہے۔

☆۔ رسم الخط

لداخی/ بودک زبان کا رسم الخط تبتی رسم الخط ہے جو تبتو برمن سے ماخوذ تقریباً تمام زبانوں کا رسم الخط ہے۔

تبتی رسم الخط ایجاد ساتویں صدی عیسوی میں ہوا۔ جب تبت اصلی (لہاسہ) پر سونگ سین زنگپو ۳ کی حکومت تھی۔ سونگ سین زنگپو نے اپنے ایک وزیر کے بیٹے انو جوتھونمی قبیلے سے

۱: مختصر تاریخ مشمولہ 'ہمارا ادب' کلچرل اکیڈیمی سرینگر ۱۹۸۰۔۱۹۸۱ء) ص ۳۴۲۔۳۴۳

۲: بحوالہ "لداخ تہذیب و ثقافت" از عبدالغنی شیخ (کریسٹ ہاوس پبلی کیشنز، جموں ۲۰۰۶ء) ص ۲۱۷

۳: سونگ سین زنگپو کی حکومت ۶۱۷ء تا ۶۵۰ء کے درمیان تھی۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

تعلق رکھتا تھا اسی لیے تھونمی سمبھوٹہ کے نام سے معروف ہوا' کو اخراجات دے کر علمِ لسانیات اور فنِ تحریر کا مطالعہ کرنے کے لیے ہندوستان بھیجا۔ جہاں سمبھوٹہ نے ٹمزے لی چن سے سنسکرت زبان میں لکھنا پڑھنا سیکھا۔ بعد ازاں اس نے لہاسہ واپس آ کر سنسکرت (اور دیو ناگری) حروف کی مدد سے تبتی زبان کے مطابق اس کے لیے دو قسم کے رسم الخط وضع کیے جن میں ایک کا نام "اوچن" اور دوسرے کا نام تھا ئیک تھا جنہیں علی الترتیب علمی اور کاروباری کتابیں لکھنے کے لیے استعمال میں لایا گیا۔ بعض محققین ان رسم الخط کو "اوچن" اور "اومے" سے موسوم کرتے ہیں۔ بنیادی طور پر یہ دونوں حروف ایک ہی ہیں۔ اختلاف صرف اس قدر ہے جس قدر رومن کتابی حروف اور تحریری حروف میں ہے۔ یہ رسم الخط تیس حروف اور چار اعرابی نشانوں پر مشتمل ہے جو انگریزی کی طرح بائیں سے دائیں کی طرف لکھا جاتا ہے۔ سمبھوٹہ نامی اس ماہرِ زبان نے ہی پہلی بار تبتی زبان کی گرامر بھی مرتب کی۔ مولوی حشمت اللہ اس حوالے سے یوں رقمطراز ہیں:

"..... اس گیا لپو (سونگ سین زنگپو) نے لونپو آنو کے بیٹے سمبوٹا کو ایک پیمانہ بھر سونا اور کچھ زیورات طلائی دے کر ہندوستان میں حروف سیکھنے کے لیے بھیجا۔ (یہ پیمانہ اس انداز کا ہوتا تھا جس میں تین لب غلہ آ جائے) اس نے ٹمزے لی چن سے سنسکرت زبان میں لکھنا پڑھنا سیکھا اور پنڈت لارگ پو سنگے سے سنسکرت زبان سیکھی اور حسب ذیل تین کتابیں پڑھیں۔ ۱۔ بانی میاں کرن ۲۔ کالا یا ۳۔ جنترایا۔ بعد ازاں لہاسہ واپس آیا اور سنسکرت حروف تہجی کی مدد سے لہاسہ کی زبان کے واسطے حروف تجویز کیے۔ ہندوستان میں اس زمانے میں دو خط رائج تھے۔ ایک کا نام تبتی کتابوں میں لانسا لکھا ہے اس کے نمونے پر سمبوٹا نے اوچن' حروف ترتیب دیئے۔ علمی کتابیں انہیں حروف میں آج تک لکھی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

جاتی ہیں اور چھٹاپا میں بھی انہیں حروف کا رواج ہے۔ دوسرے خط کا نام ورتو لکھا ہے۔ اس کے نمونے پر سمبوٹا نے تھا ئیک حروف مرتب کیئے کاروباری کتابیں انہیں حروف میں لکھی جاتی ہیں اور خط وکتابت تمام تر اسی خط میں ہوتی ہے۔ یہ دونوں حروف اصولاً ایک ہی چیز ہیں۔ اختلاف بس اتنا ہی ہے جتنا رومن کتابی حروف اور تحریری حروف میں ہے"۔ [1]

خطۂ لداخ میں ابتداء سے تبتی رسم الخط رائج ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی رسم الخط یہاں ایسا موجود نہیں تھا جو لداخی حروفِ تہجی کی آوازوں کو ادا کر سکتا ہو۔ اس لیے لداخیوں نے تبتی رسم الخط کو اختیار کیا اور اسی رسم الخط کو تبتی طرز پر بدستور سیکھے اور لکھے جانے لگے۔ اس چیز نے تبتی طرز تعلیم کو بھی قائم رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ لداخ خاص کے لوگ اپنی تحریروں میں تبتی اصولِ انشاء پردازی کی پیروی کرتے ہیں۔

خطۂ لداخ کے لوگ زمانۂ قدیم سے تبتی زبان وادب سے وابستہ رہے ہیں۔ اس وابستگی کی ایک وجہ تبت کے ساتھ تعلقِ ہم مذہبی تھا۔ لداخ وتبت کے لوگ ابتداء میں بون مت اور بعد میں بدھ مت کے پیروکار بنے اور ان مذاہب سے متعلق جس قدر مقدس کتب اور لٹریچر موجود ہے وہ تبتی زبان میں ہے اور ان کو پڑھنے اور سیکھنے' سمجھنے' لکھنے کے لیے تبتی زبان کا سیکھنا ضروری ہے۔ اس بنیادی ضرورت نے لداخیوں کے لیے تبتی زبان وادب اور تبت کے ساتھ وابستگی کو اور بھی ناگزیر بنا دیا۔ تبت اور لداخ کے رشتے کو واضح کرتے ہوئے عبدالغنی شیخ لکھتے ہیں:

"تبت اور لداخیوں کے درمیان زمانۂ قدیم سے تعلقات رہے ہیں اور صدیوں پہلے لداخیوں نے کلاسیکل تبتی ادبی' علمی اور مذہبی زبان کی حیثیت سے قبول کی تھی اور آج بھی کم وبیش اس پر

[1] تاریخِ جموں (کشتواڑ' تبت' لداخ' بلتستان' گلگت) ص ۲۰۵۔۲۰۲

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

قائم ہیں۔اس زبان کا مذہبی، ادبی اور علمی سرمایہ تبت اور لداخ
کے علاوہ سکم اور بھوٹان کی مشترکہ میراث ہے'' ۱

لیکن کلاسیکل تبتی کا اثر ادیبوں، اسکالروں اور مذہبی حلقوں تک ہی محدود رہا اور یہ کبھی عوام میں مقبولیت حاصل نہ کر سکی۔اس کے باوجود بھی اس زبان کو لداخ کی تمدنی، تہذیبی، علمی، ادبی اور ثقافتی زندگی میں گہری افادیت حاصل ہے۔بقولِ کاچو سکندر خان:

''تبتی ادبِ عالیہ اگرچہ لداخیوں میں خاطر خواہ علمی وادبی ذوق
پیدا کرنے میں ناکام رہا، تاہم تبتی ادب پارے مختلف دریچوں
سے ان کے تہذیب وتمدن میں ان کی قومی ونجی زندگی میں اور ان
کے معمولات میں گھستے اور ان کے ذہنوں کو منور کرتے رہے'' ۲

ماضی میں سنسکرت کی سینکڑوں کتابوں کا کلاسیکی تبتی میں ترجمہ ہوا ہے۔ان میں مذہبی صحیفوں کے علاوہ کئی علمی وادبی کتابیں شامل ہیں۔ان مذہبی صحیفوں میں کنگیور (وینا) کی ۱۰۸ جلدیں اور ستنگیور (سترا) کی ۲۲۵ جلدیں ہیں جو تمام بڑے گنپوں میں آج بھی محفوظ ہیں۔اس کے علاوہ فلسفہ، طب، جیوتش، علمِ نجوم وغیرہ پر بھی کتابیں ہیں۔تراجم کے علاوہ اس وقت تک کے تبتی اور لداخی علماء نے کئی کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔لیکن بودھوں کی اکثریت ان کے مفہوم سے نابلد ہیں جس طرح اکثر مسلمان مفہوم سمجھے بغیر قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں۔اسی طرح بودھوں کی بھاری اکثریت ان دھارمک کتابوں کا مطلب سمجھے بغیر ورد کرتی ہے۔

تبتی زبان کے گرائمر اور رسم الخط پر متعدد یورپی وتبتی محققین، اسکالروں اور ماہرِ لسانیات نے بہت زیادہ لکھا ہے۔اس کے مقابلے میں لداخی زبان پر لکھنے والوں کی تعداد بہت کم ہے۔لداخی زبان پر لکھنے والوں میں سب سے معروف نام ڈاکٹر سنیو گتا کوشل ہیں

۱ لداخ تہذیب وثقافت (کریسنٹ ہاؤس پبلی کیشنز جموں ۲۰۰۶ء) ص ۳۲۰

۲ قدیم لداخ (کاچو پبلشرز کرگل لداخ ۱۹۸۷ء) ص ۶۰۳

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

جنہوں نے لداخی زبان پر دو کتابیں "Conversational Ladakhi" اور ''لداخی زبان کی گرائمر'' (Ladakhi Grammer) کے علاوہ کئی متفرق مضامین لکھے ہیں۔جب کہ ان سے پہلے N. D. Sharma نے اپنی کتاب "Trible Language in Ladakh" جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔میں خط لداخ میں بولی جانے والی زبانوں' لداخی' بلتی/ پوریگی پر لکھی ہے۔ان کے علاوہ کئی مورخین نے اپنی تاریخی کتابوں میں لداخی زبانوں پر مختصراً ہی سہی مگر لکھا ہے جن سے لداخ کی زبانوں کے بارے میں کافی معلومات فراہم ہوتی ہیں۔

لیہہ سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے لداخی' انگریزی اور اردو ڈکشنری مرتب کی ہے۔جن کا اسم شریف بابو عبدالحمید ہے۔یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔اس کتاب میں انہوں نے لداخی الفاظ کے متبادل اردو' انگریزی الفاظ دیئے ہیں۔اس ڈکشنری کی وجہِ تالیف بیان کرتے ہوئے بابو عبدالحمید لکھتے ہیں:

> ''لداخی' انگریزی اور اردو کی یہ لغت اپنی نوعیت کی پہلی لغت ہے۔ بودھی/ انگریزی اور بودھی/ ہندی میں اس سے پہلے ڈکشنریاں مرتب کی گئی ہیں۔اسی طرح بول چال کی لداخی اور انگریزی میں ڈکشنری منظرِ عام پر آئی ہے، تاہم لداخی/ اردو میں ایک لغت کی ضرورت لمبے عرصے سے محسوس کی جارہی تھی۔ ریاستِ جموں وکشمیر خصوصی طور اور رملک میں عمومی طور اردو دانوں کی ایک بڑی تعداد ہے۔ملازمت اور تجارت کے سلسلے میں لداخ آنے والے متعدد ملکی اور غیر ملکی سیاح لداخی زبان سیکھنے یا جانکاری حاصل کرنے کے لیے غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں'' ۱

۱ لداخی' اردو' انگریزی ڈکشنری مولف، بابا عبدالحمید (سنہ ندارد) ص xxiii

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

☆۔ لداخی زبان پر دوسری زبانوں کے اثرات:

کوئی بھی زبان اس وقت تک زندہ رہتی ہے جب تک کہ وہ اپنے دروازے دوسری زبانوں کے لیے کھلے رکھتی ہے اور دوسری زبانوں کے الفاظ کو اپنے دامن میں سمیٹنے کی گنجائش رکھتی ہے۔اس طرح زبان نہ صرف اپنے ارتقائی مدارج طے کرتی ہے بلکہ اپنے ذخیرۂ الفاظ میں بھی اضافہ کرتی رہتی ہے جس سے زبان ہر طرح کے اظہارِ خیال کے قابل بن جاتی ہے۔

ماہرِ لسانیات کے مطابق زبان صدیوں کے طویل سفر کے بعد معرضِ وجود میں آجاتی ہے اور اس میں نئے نئے الفاظ شامل ہوتے رہتے ہیں۔لہٰذا جو زبان بندھے ٹکے اصولوں کی پابند ہو جاتی ہے تو وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تنگ دامانی کا شکار ہونے لگتی ہے۔پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ زبان اپنی موت آپ مرتی ہے۔مشہور و معروف ماہر لسانیات نذیر احمد ملک اس حوالے سے یوں تحریر کرتے ہیں:

> ”تبدیلی زبان کی فطرت کا نمایاں وصف ہے۔ہر زبان میں اپنے ارتقاء کے دوران وقت اور مقام کے ساتھ تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔زبان میں تبدیلیاں یک لخت رونما نہیں ہوتی ہیں بلکہ غیر محسوس طریقے سے وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ان تبدیلیوں کے باوصف زبان میں نئے الفاظ شامل ہونے کے ساتھ ساتھ قدیم الفاظ متروک ہو جاتے ہیں اور مروّجہ الفاظ مختلف صوتی، مارفیمی اور معنوی تغیرات سے روشناس ہو جاتے ہیں“[1]

جہاں تک لداخی زبان کا تعلق ہے اس نے دوسری زبانوں کے لیے اپنے دروازے ہمیشہ کھلے رکھے ہیں اور بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے مطابق دوسری زبانوں کے سرمایۂ الفاظ سے استفادہ کیا ہے۔یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ لداخی زبان کا لسانی خاندان دنیا کی دوسری زبانوں سے بالکل الگ ہے۔اس لئے دوسری زبانوں کے الفاظ کے مقابلے

---

[1] کشمیری سرمایہ الفاظ کے سرچشمے (بک میڈیا سرینگر بک سیلرس اینڈ پبلشرز ڈلگیٹ سرینگر، اکتوبر ۱۹۹۳ء) ص ۱۳

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

میں لداخی زبان تبتی زبان کے الفاظ نسبتاً آسانی سے قبول کر لیتی ہے۔ بقولِ عبدالغنی شیخ:

"لداخی زبان کی ترکیب، ساخت، صوتیات اور مزاج ایسا ہے کہ وہ تبتی الفاظ کو آسانی سے قبول کر لیتی ہے" ؂۱

لداخ اپنے جغرافیائی محلِ وقوع کے لحاظ سے سیاسی، تجارتی اور فوجی اہمیت کا حامل ایک اہم خطہ رہا ہے۔ یہ خطۂ ایشیا کے چند بڑے و چھوٹے اہم ممالک سے گھرا ہوا ہونے کی وجہ سے ان ممالک کے ساتھ تعلقات اور ربط قائم ہو جانا قدرتی بات ہے۔ خاص کر تبت، کشمیر، ہندوستان، وسط ایشیا کے ممالک گلگت، بلتستان، منگولیا، چین وغیرہ ہمسایہ ممالک کے ساتھ تعلقات قائم ہو جانے سے اس کی تہذیب و تمدن اور مذہب، زبان وغیرہ پر اثر پڑنا قدرتی امر ہے۔

خطۂ لداخ زمانۂ قدیم سے سنٹرل ایشیا کا ایک اہم تجارتی مرکز رہا ہے۔ یہاں پر دنیا کے مختلف ملکوں کے تاجروں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ بقول عبدالغنی شیخ:

"لیہہ مختلف قوموں اور نسلوں کے تاجروں کا سنگم تھا۔ یہاں ترک، تبتی، پنجابی، کشمیری، ہماچلی، بلتی، افغان حتیٰ کہ سائبیریا اور وسطِ ایشیا کے دور دراز خطوں کے لوگ بازار میں نظر آتے اور اشیاء کا تبادلہ کرتے تھے" ؂۲

صدیوں کے میل جول اور سیاسی، سماجی اور مذہبی تعلقات کے نتیجے میں لداخی زبان پر تبتی زبان کے علاوہ فارسی، ترکی، عربی، کشمیری، اردو اور انگریزی زبانوں کے اثرات پڑے ہیں۔ لداخی زبان نے حسبِ ضرورت ان زبانوں سے استفادہ کیا ہے۔ ان زبانوں کے الفاظ اپنی اصل یا بگڑی ہوئی صورت میں لداخی زبان میں رچ بس گئے ہیں اور یہ الفاظ لداخی زبان کا

؂۱ : لداخ تہذیب و ثقافت (کریسنٹ ہاوس پبلی کیشنز جموں ۲۰۰۶ء) ص ۲۱۲

؂۲ : لداخ تہذیب و ثقافت (کریسنٹ ہاوس پبلی کیشنز جموں ۲۰۰۶ء) ص ۷۸

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ناقابلِ تقسیم جُز بن گئے ہیں۔ گویا لداخی زبان بھی امتزاجی اور انجذابی عمل میں دوسری ترقی یافتہ زبانوں سے کسی طرح پیچھے نہیں رہی ہے۔

راجگانِ لداخ کے آخری دور میں لداخ کی خودمختاری کا خاتمہ ہوا اور لداخ پر کئی ملکوں نے یکے بعد دیگرے حملے کئے۔ حملہ آور آندھی کی طرح آئے اور بگولے کی طرح چلے جاتے تھے لیکن اپنے محدود قیام کے دوران لداخی زبان کو متاثر کئے بنا نہیں رہے۔ اس کی نمائندہ مثال مغل حکومت ہے۔ مغلوں نے لداخ پر کئی بار حملے کئے۔ آخر میں لداخ کے لوگ مغل حکومت کے باج گزار بن گئے۔ اس عرصے میں مغلوں کے ساتھ خط و کتابت کے لیے فارسی زبان کی ضرورت پڑی۔ لداخی راجا نے کشمیر سے ایک فارسی داں منشی کو لداخ میں لاکر بسایا۔ ان دِنوں کشمیر میں مغلوں کی آمد کے بعد فارسی زبان وادب کا دور دورہ تھا اور فارسی شعراء کی ایک خاصی تعداد تھی۔ گویا کشمیر فارسی شعر و ادب کا مرکز بن گیا تھا۔ دفتروں اور عدالتی کاروائیوں میں فارسی زبان کا استعمال ہوتا تھا سکولوں اور دوسری تعلیم گاہوں میں فارسی پڑھائی جاتی تھی۔ لداخ کے چونکہ کشمیر کے ساتھ زمانہ قدیم سے تعلقات رہے ہیں۔ کشمیریوں کا لداخ آنا جانا لگا رہتا تھا اور لداخی بھی ان علاقوں میں جایا کرتے تھے۔ اس طرح کشمیریوں کے توسط سے بھی لداخی فارسی زبان سے متعارف ہوئی۔ بقولِ عبدالغنی شیخ، راجگانِ لداخ کے دور میں کم از کم ایک فارسی دان راجا کا نام ملتا ہے جو فارسی لکھنا، پڑھنا اور بولنا جانتا تھا۔

مغلِ حکومت اور کشمیریوں کے ساتھ صدیوں پرانے رشتے اور تعلقات نے لداخیوں کو فارسی زبان و ادب سے متعارف کروایا۔ اس کے علاوہ لداخیوں کے فارسی زبان سے متعارف ہونے کی بڑی وجہ خطۂ لداخ میں اسلامی مبلغین کی آمد اور کرگل اور بلتستان کے لوگوں کا قبولِ اسلام ہے۔ اسلامی مبلغین دینی تبلیغ اور درس و تدریس کے لیے فارسی زبان کا استعمال کرتے تھے اور دینِ اسلام کا ایک بڑا سرمایہ بھی اسی زبان میں محفوظ تھا۔ چنانچہ خطۂ لداخ کے مسلمان فارسی سیکھنے کے لیے مجبور ہوگئے۔ انہوں نے نہ صرف فارسی زبان سیکھی بلکہ دینی درسگاہوں میں فارسی زبان کی کتابیں پڑھائی جانے لگی۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ان وجوہات کی بناء پر بہت سارے فارسی کے الفاظ لداخی زبان میں آگئے جو اپنی اصلی صورت یا بگڑی ہوئی صورت میں لداخی زبان میں داخل ہو گئے اور لداخی زبان کا ناقابلِ تقسیم جز بن گئے۔لداخ کے نامور محقق و مورخ عبدالغنی شیخ کے مطابق "فارسی نے کئی الفاظ لداخی کو دے دیئے جو آج اپنی اصلی صورت یا بگڑی ہوئی صورت میں لداخی زبان میں شامل ہیں" ۱۔لداخیوں نے فارسی کے متعدد الفاظ کو اپنے زبان کے سانچے میں ڈھال کر اپنی زبان کے مزاج کے مطابق بنا کر استعمال کئے اور آج وہ لداخی زبان کا ایک اہم جُز بن گئے ہیں۔

۱۸۳۴ء سے ۱۸۴۰ء کے دوران لداخ پر ڈوگروں کی حکومت قائم ہو گئی۔ڈوگرہ دورِ حکومت کے ابتدائی دور میں فارسی سرکاری زبان تھی اور حکومت کا سارا کام کاج فارسی زبان میں ہوتا تھا لیکن اُردو نے ریاست کے لوگوں کے دلوں میں اپنے لیے جگہ بنالی تھی۔مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہدِ حکومت میں اُردو ریاستِ جموں وکشمیر اور لداخ کے لوگوں کے درمیان رابطے کی ایک اہم زبان بن گئی تھی۔ریاست کے علاوہ ملک کے دوسرے حصے کے لوگوں کے ساتھ تبادلۂ خیال کے لیے اُردو زبان کو ہی ذریعہ بنایا گیا۔فارسی کے برعکس اردو پڑھنے لکھنے بولنے اور سیکھنے میں لوگوں کا رجحان بڑھتا گیا۔یہاں تک کہ اردو لوگوں کی ہر دلعزیز زبان بن گئی اور عوامی سطح پر اردو اپنی ارتقاء کی ایک اہم ترین منزل سے گزر رہی تھی۔جب مہاراجہ پرتاب سنگھ نے ۱۸۸۸ء میں اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دیا۔سرکاری سرپرستی ملتے ہی اردو کی ترقی کی راہیں اور ہموار ہو گئیں۔

ریاست میں اُردو زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دینے سے بہت پہلے لداخ کے لوگ اردو زبان سے متعارف ہو چکے تھے۔ریاست کے علاوہ ملک کے دوسرے حصوں کے لوگوں کے ساتھ تبادلۂ خیالات کے لیے اردو زبان ایک نمایاں رول ادا کر رہی تھی۔لداخی بھی کشمیریوں کی طرح پہلے فارسی زبان سے واقف تھے۔اس واقفیت نے انہیں اردو سیکھنے اور سمجھنے میں بہت مدد دی اور فارسی کی توسط سے اُردو نے یہاں بھی بہت جلد اپنا ایک مقام بنالیا۔

---

۱ لداخ تہذیب وثقافت

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

۲۔ بلتی زبان:

بلتی زبان خطۂ لداخ میں بولی جانے والی ایک اور اہم زبان ہے جو بلتستان' کرگل کے علاوہ لداخ اور ہندوستان کے بعض دوسرے علاقوں میں بولی جاتی ہے۔ بلتی بولنے والوں کی اکثریت بلتستان اور کرگل میں بستی ہے۔ بلتستان میں رہنے والوں کو بلتی جب کہ بلتستان کو 'بلتی یول' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس لیے اس علاقے کی مناسبت سے اس زبان کو بلتی زبان کہا جاتا ہے۔

بلتی زبان کا ماخذ ''تبتو برمن'' ہے۔ اس کا اصل یعنی بنیادی ڈھانچہ تبتی ہے۔ علاقائی اور مذہبی بنیاد پر اس میں کچھ تبدیلیاں آ گئی ہیں اس لیے یہ تبتی الاصل سے مختلف ہوگئی ہے۔ اس لیے جہاں جہاں مسلمان علاقوں میں یہ بولی جاتی ہے۔ وہاں یہ بلتی زبان کے نام سے معروف ہے۔ محمد حسن حسرتؔ رقمطراز ہیں:

> 'بلتستان اور سرحد پار کرگل (پوریگ) میں جو زبان بولی جاتی ہے وہ ''بلتی'' کہلاتی ہے۔ یہ سائینو تبتین Sino Tibetian زبان کی تبتو برمن Tibto Burman شاخ سے تعلق رکھتی ہے۔ گویا یہ مشہور تبتی زبان کی ایک بولی ہے جس کی اصل تو تبتی ہے لیکن جہاں جہاں مسلمان علاقوں میں یہ زبان رائج ہے وہاں یہ بلتی زبان کے نام سے معروف ہے۔ ''بلتی'' دراصل موجودہ بلتستان کا مقامی اور جغرافیائی نام ہے اور اپنے وطن کی مناسبت سے یہ زبان بلتی کہلاتی ہے''۔[۱]

اشاعتِ اسلام سے قبل خطۂ لداخ کی پوری آبادی بودھ دھرم کی پیرو کار تھی۔ بدھ دھرم سے پہلے بون مت خطے میں رائج تھا۔ چونکہ تبت کے لوگ بھی بودھ ازم سے پہلے بون مت

---

۱ بلتستان تہذیب وثقافت (بلتستان بک ڈپو اینڈ پبلی کیشنز نیا بازار سکردو ۲۰۰۷ء)
جدید ایڈیشن ص ۶۶

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کے پیرو کار تھے۔اس لیے تبت کے ساتھ گہرے تعلقات پیدا ہو چکے تھے۔اس کے علاوہ خطۂ لداخ کا اہلِ تبت کے ساتھ زمانۂ قدیم سے سیاسی' سماجی اور ثقافتی تعلقات رہے ہیں۔اس لیے خطہ لداخ کی زبانوں اور تہذیب وتمدن پر تبت کے گہرے اثرات پڑے ہیں۔البتہ قبولِ اسلام کے بعد اہلِ بلتستان اور تبت کے مابین تعلقات منقطع ہو گئے۔اس لیے ان کی زبان وادب اور تہذیب وتمدن کے اثرات مٹتے گئے ہیں۔انہوں نے ہر معاملے میں تبت کے مقابلے میں عرب' ایران' عراق کو اپنا رہنما بنایا ہے اور ان کی طرف رجوع کرنے لگے' اس لیے مسلمانوں کی زبان و ادب' تہذیب وتمدن پر عربی اور فارسی کے اثرات پڑے جو ان ملکوں کی زبان تھی اور جن میں اسلام کا سارا سرمایہ محفوظ ہے۔کاچو سکندر خان اشاعت اسلام کے بعد بلتستان و پوریگ کی صورتِ حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''چودھویں صدی عیسوی میں بلتستان و پوریگ میں تبلیغِ اسلام کا سلسلہ شروع ہوا اور تھوڑے ہی عرصے میں بلتستان کی تمام اور پوریگ کی نصف سے زیادہ آبادی مسلمان ہوگئی۔اس مذہبی انقلاب کا اثر ان علاقوں کی تہذیب پر پڑا۔عوام و خاص کی اکثریت اسلامی تہذیب اور طرزِ فکر سے متاثر ہوئی۔پرانی تہذیبی قدریں بدلنے لگیں۔بہت سے پرانے رسم و رواج اور پرانے میلے ٹھیلے متروک ہوئے۔مذہبی امور میں اب تبت و لداخ کے بجائے عرب' ایران اور کشمیر سے رجوع کیا جانے لگا۔ بلتستان میں فارسی' عربی ادب متعارف ہوا اور مقامی زبان میں فارسی طرز کی شاعری کا آغاز ہوا'' ؎۱

بارہویں صدی عیسوی میں بلتستان میں ایک الگ ریاست معروضِ وجود میں آئی جس کی بنیاد ابراہیم شاہ مقپوں نے رکھی جو ایران یا مصر سے یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔اس طرح یہ

؎۱ قدیم لداخ (کاچو پبلشرز کرگل لداخ ۱۹۸۷ء) ص ۴۲۳

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

علاقہ سیاسی اعتبار سے تبت سے ہمیشہ کے لیے منقطع ہوگیا۔ بلتستان کی زبان میں تبت سے انقطاع کے بعد تبدیلیاں آنی شروع ہوئیں۔ ان تبدیلیوں سے بلتستان کی زبان تبتی زبان سے قدرے مختلف ہوگئی اور اسے تبتی زبان کی بجائے ''بلتی زبان'' کہا جانے لگا۔ اشاعتِ اسلام کے بعد اس میں مزید تبدیلیاں رونما ہوئیں اور یہ تبتی زبان سے الگ ہوکر علاحدہ تشخص کی جانب بڑھنے لگا۔

کرگل میں بولی جانے والی زبان کو پوریگی بھی کہا جاتا ہے۔ بعض لوگ پوریگی کو ایک الگ زبان قرار دیتے ہیں، ان کے مطابق سوت، شکر، چکتن وغیرہ میں بولی جانے والی زبان پوریگی ہے جو بلتی زبان سے مختلف ہے۔ جس میں زمانۂ ماضی سے تصنیف وتالیف کا کام ہوتا ہے اس کی اپنی الگ پہچان اور الگ تاریخ ہے۔

لیکن تاریخی کتابوں اور اس زبان کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ یہ اصل میں بلتی ہی کا دوسرا نام ہے۔ اس کی کوئی الگ تاریخ یا پہچان نہیں ہے۔ تاریخی کتابوں کے مطالعے سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ کرگل زمانۂ ماضی میں پوریگ کے نام سے مشہور و معروف تھا۔ مورخین مولوی حشمت اللہ، کاچو سکندر خان وغیرہ نے علاقہ، کرگل کو پوریگ ہی لکھا ہے۔ پوریگ کی وجہِ تسمیہ بیان کرتے ہوئے مختلف مورخین نے مختلف روایتیں لکھی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق لفظ ''پوریگ'' لفظ ''پوت ریگس'' کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ پوت ریگس تبتی ترکیب ہے اور اس کے معنی تبتی الاصل کے ہیں۔ یہ نام اس زمانے میں پڑا جب تبتیوں نے پوریگ میں سب سے پہلی مرکزی حکومت قائم کی۔

دوسری وجہِ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ پوریگ کا علاقہ چونکہ ٹیوب کی شکل میں چھوٹی چھوٹی وادیوں پر مشتمل ہے۔ اس لیے یہ سارا علاقہ پوریگ یعنی ٹیوب کے نام سے موسوم کیا گیا۔

تیسری وجہِ تسمیہ جو فرینکی نے اپنی کتاب کرانیکلز آف لداخ کی تشریح نوٹ میں بیان کی ہے یہ ہے کہ لفظ ''پوریگ'' کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس کے معنی ہیں ''بہادر نسل''۔ اس وجہِ تسمیہ کی تائید میں فرینکی لکھتے ہیں کہ قدیم زمانے میں پوریگ دردوں کا ملک تھا جو بہادر اور

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

جفاکش تھے۔اس نسبت سے یہ ملک ''پوریگ'' کے توصیفی نام سے مشہور ہوا جو بعد میں بگڑ کر پوریگ ہوا۔

مولوی حشمت اللہ پوریگ کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''نالہ لامہ یورو وتلا کے اتصال دریائے سندھ سے لے کر درۂ زوجیلا تک اور رنگدوم ولنگشت سے لے کر دریائے سورو کے اتصال دریائے سندھ تک بشمول ان ہر دو مقامات کی درمیانی وادیٔ سندھ کے جو ملک ہے اس کا نام زمانہ سلف میں پوریگ تھا'' ۱

علاقہ کرگل پوریگ کے نام سے زمانۂ قدیم میں مشہور تھا۔کرگل پوریگ کی راجدھانی ہے۔پوریگ میں سوت، چیکتن، پشکیوم، سورو، کرتسے، پھوکر، مولبیک، راکاکوکشو، شرگولا اور متعدد دیہات شامل ہیں۔

مذکورہ بالا روایتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ موجودہ کرگل پہلے پوریگ کے نام سے معروف تھا۔جہاں پر اکثریت مسلمانوں کی ہے جن کی زبان بلتی ہے۔کرگل کے تمام علاقوں میں بلتی زبان بولی جاتی ہے البتہ علاقائی مناسبت سے ان میں تھوڑا بہت فرق ضرور ہے۔کیونکہ ماہرینِ لسانیات کے مطابق ہر دس کوس کے بعد زبان میں تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ اس لئے ظاہری بات ہے کہ علاقۂ کرگل کے مختلف علاقوں میں بولی جانے والی زبان میں تھوڑا بہت فرق ضرور ہے۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ زبانیں الگ الگ ہیں۔

تاریخ کی مختلف کتابوں میں علاقے پوریگ کی زبان کو بلتی لکھا گیا ہے۔بلتستان کے نامور مورخ محمد حسن حسرت یوں رقمطراز ہیں:

''بلتستان اور سرحد پار کرگل (پوریگ) میں جو زبان بولی جاتی ہے وہ بلتی کہلاتی ہے'' ۲

---

۱ تاریخ جموں (کشتواڑ، تبت لداخ، بلتستان، گلگت) ص ۵۹۹

۲ بلتستان تہذیب وثقافت (بلتستان بک ڈپو اینڈ پبلی کیشنز نیا بازار سکردو ۲۰۰۷ء) جدید ایڈیشن ص ۲۶

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

☆۔ بلتی زبان کا رسم الخط:

بلتی زبان کا رسم الخط پہلے تبتی رسم الخط تھا جو تبتی زبان کی مختلف بولیوں کا مشترکہ رسم الخط ہے۔ تبتی رسم الخط کو ساتویں صدی میں تھومنی سمبوٹا نے ایجاد کیا۔ تھومنی سمبوٹا نے ہندوستان جا کر سنسکرت وغیرہ سیکھی۔ سنسکرت اور دیوناگری کی مدد سے تبتی زبان کے تقاضوں کے مطابق اس رسم الخط کو وضع کیا جو 'اوے' اور 'اوچن' دو قسموں پر مشتمل ہے۔ بنیادی طور پر یہ دونوں ایک ہی ہیں البتہ رومن کی طرح کتابی حروف اور تحریر میں تھوڑا سا فرق ہے۔ محمد یوسف حسین آبادی اس سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں:

> ''جس رسم الخط کو ترک کئے ہوئے کم و بیش پانچ سو سال ہوئے ہیں اس کا مطالعہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ انگریزی کی طرح یہ بائیں سے دائیں لکھا جاتا ہے لیکن اس کے برعکس اعراب حروف کی بجائے علامت کے طور پر آتے ہیں۔ اس رسم الخط کی اوچن اور اوے دو شاخیں متوازی طور پر رائج ہیں 'اوچن' اشاعت کے موقعے پر جبکہ 'اوے' ہاتھ سے لکھائی کے وقت استعمال ہوتا ہے'' [۱]

جس طرح بلتی زبان کی اساس تبتی زبان پر ہے۔ اسی طرح اس کا رسم الخط بھی تبتی رسم الخط سے مشترک ہے۔ لیکن مذہب کی تبدیلی نے زبان و ثقافت پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ بقولِ محمد حسن حسرت:۔

> ''چودھویں صدی عیسوی میں بلتستان اور کرگل میں ایرانی مبلغین کے ذریعے اسلام کی اشاعت شروع ہوئی تو تبت کے ساتھ بلتستان کا سینکڑوں سال پرانا مذہبی رشتہ منقطع ہوگیا اور بلتی زبان کو تبتی گھرانے سے الگ ہو کر اپنے علاحدہ تشخص کی جانب سفر کرنا

۱۔ تاریخ بلتستان (بلتستان بکڈپو' نیا بازار سکردو' فروری ۲۰۰۳ء) ص ۳۲۴

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

پڑا۔مسلمان ہوتے ہی شمعِ اسلام کے پروانوں نے بدھ مت کے رسم الخط سے کنارہ کش ہوکر فارسی رسم الخط کو اپنانا شروع کردیا"۔[1]

بلتستان میں اشاعت اسلام کے ساتھ ہی یہ رسم الخط (تبتی رسم الخط) متروک ہوگیا اور بالکل ہی بھلا دیا گیا۔یہی وجہ ہے کہ بلتی زبان کے شجرہ نسب اور رسم الخط کے بارے میں بلتی بزرگوں کو کچھ علم نہیں تھا۔اب بلتی زبان وادب کا سارا سرمایہ فارسی یا اردو رسم الخط میں محفوظ ہے۔ محمد یوسف حسین آبادی لکھتے ہیں:

"اصلی رسم الخط کے متروک ہونے پر بلتی نظموں کی تدوین کے لیے فارسی رسم الخط کو بروئے کار لایا جاتا رہا۔چونکہ راجاؤں کے دور میں خطوط اور لین دین کی تحریریں، معاہدے، وثیقے اور دیگر دستاویزات فارسی زبان میں لکھی جاتی تھیں۔اس لیے بلتی میں نظموں کے علاوہ کسی اور چیز کے لکھنے کی نوبت نہیں آئی"۔[2]

بلتی زبان میں الفاظ کے بڑے ذخیرے موجود ہیں لیکن اپنے اصل رسم الخط کو ترک کرنے کی وجہ سے بلتی میں تحریر کی اصل صورت مفقود ہوچکی ہے اور اس وقت فارسی رسم الخط بلتی زبان کا ذریعۂ تحریر بنا ہوا ہے جس سے بلتی زبان کو صحیح طریقے پر لکھا نہیں جاسکتا۔کیونکہ ان کے بنیادی حروفِ تہجی الگ الگ ہیں۔مثال کے طور پر لفظ 'ہڑتا' (گھوڑا) 'ہرتا' ہی لکھا جاتا ہے اور 'تا' بھی جب کہ صحیح تلفظ ان دونوں کے درمیان ہے۔اس طرح بلتی لکھنے والے اپنے اپنے انداز سے لکھتے ہیں۔کیونکہ اس کا اب تک کوئی بنیادی اصول مرتب نہیں ہوا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ایک کا لکھا ہوا دوسرے کو پڑھنے میں دقت ہوتی ہے بلکہ بسا اوقات دوسرے سے آسانی سے پڑھا ہی نہیں جاتا۔تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ صدیوں سے بلتی زبان کے لیے فارسی رسم الخط

1۔ بلتستان تہذیب وثقافت (بلتستان بک ڈپو، نیا بازار سکردو ۲۰۰۷ء) جدید ایڈیشن ص ۶۸

2۔ تاریخِ بلتستان (بلتستان بک ڈپو، نیا بازار سکردو، فروری ۲۰۰۳ء) ص ۳۱۹

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کا استعمال رائج رہنے کی وجہ سے بلتی ادب کا سارا ذخیرہ اسی رسم الخط میں موجود ہے اور اس سے دامن چھڑانا اور کسی دوسرے رسم الخط یا پرانے رسم الخط کو بلتی زبان کے لیے استعمال کرنا بہت مشکل ہے لیکن ایک طرف یہ بات بھی سچ ہے کہ بلتی زبان میں موجود سات آوازوں کے لیے فارسی رسم الخط میں حروف نہیں ہیں۔ جس کی وجہ سے بلتی زبان لکھنے میں دقتیں پیش آتی ہیں اور صحیح طرح سے بلتی زبان کو فارسی رسم الخط یا اردو رسم الخط میں لکھا نہیں جاتا۔

محمد حسن حسرتؔ بلتی کا فارسی رسم الخط کے زیرِ عنوان یوں لکھتے ہیں:

"بلتستان میں طلوعِ اسلام کے بعد عربی اور فارسی کے اثرات اس قدر تیزی سے نفوذ پذیر ہوئے کہ تبتی زبان کا اصل رسم الخط "آگے" متروک ہوگیا۔ دوسری طرف مذہبی منظومات کو ضبطِ تحریر میں لانے کے لیے فارسی رسم الخط کو بروئے کار لایا جانے لگا۔ چونکہ راجاؤں کے دور میں کاروباری تحریری معاہدے اور دیگر دستاویزات فارسی میں لکھی جاتی تھیں اس لیے بلتی میں حمد، نعت، مدحیہ اشعار اور غزلوں کے علاوہ اور کچھ لکھنے کی نوبت نہیں آئی۔ یہی وجہ ہے کہ شاعری کی پرانی تحریروں میں ٹ، ڈ، ڑ، پھ، تھ، ٹھ، کھ وغیرہ جیسے حروف نایاب ہیں..... چونکہ اس رسم الخط کا دامن بلتی زبان میں موجود تمام آوازوں کو ضبطِ تحریر میں لانے کی وسعت نہیں رکھتا جس کے باعث اس میں لکھی ہوئی بلتی عبارت پڑھنے میں بعض اوقات دقت ہوتی ہے"۔[1]

اس کے برعکس عربی، فارسی اور ہندی کے بعض حروف بلتی زبان میں رائج ہو چکے ہیں۔ ڈوگرہ حکومت کے تسلط کے بعد جب بلتستان پر ڈوگری، ہندی اور اردو زبان کا اثر و نفوذ شروع ہوا تو ان زبانوں کے حروف بلتی تحریروں میں شامل ہو گئے ہیں۔ عربی فارسی اور اردو کے

[1] بلتستان تہذیب وثقافت (بلتستان بک ڈپو نیا بازار سکردو ۲۰۰۶ء) جدید ایڈیشن ص ۷۲-۷۳

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

بعض حروف کے لیے بلتی زبان میں آوازیں ہی نہیں ہیں جیسے ت' ج' ذ' ص' ض' ط' ع' ف وغیرہ اس طرح 'س' سے 'ث' اور 'ص' کا کام لیا جاتا ہے۔ 'ح' کی جگہ گول 'ہ' 'ذ' 'ض' اور 'ظ' کی جگہ 'ز' 'ط' کے لیے 'ت' اور 'ع' کے لیے 'الف' استعمال ہوتا ہے۔ 'ف' کی جگہ مرکب 'پھ' مستعمل ہے۔

محمد یوسف حسین آبادی کے بقول اس رسم الخط یعنی فارسی رسم الخط میں سن ۱۹۷ء میں بلتستان کے محمد خلیل الرحمٰن نے بلتی زبان کے لیے ایک قاعدہ مرتب کیا ہے۔ لیکن قاعدہ اسی ناکمل رسم الخط میں ہے۔

۱۹۸۸ء میں بلتی ترجمہ قرآنِ پاک کے سلسلے میں محمد یوسف حسین آبادی نے کچھ نئے حروف وضع کیے جنھیں ستمبر ۱۹۹۰ء میں حلقۂ علم وادب بلتستان کی میٹنگ میں بلتی زبان کے لیے معمولی ترمیم کے ساتھ منظور کیا گیا۔ نومبر ۱۹۹۰ء میں "بلتی زبان" کے عنوان سے بلتی زبان کے اصل رسم الخط اور فارسی رسم الخط میں ایک قاعدہ شائع ہوا جس میں فارسی رسم الخط میں نئے حروف کو مقارن حروف ؎ پہ نقطوں اور علامات کے اضافے سے بنایا گیا ہے۔

ستمبر ۲۰۰۱ء میں چار بلتی مصنفین کی ایک جماعت نے حاجی فدا محمد ناشاد ڈپٹی چیف ایگزیکیٹو شمالی علاقہ جات کی سرپرستی میں اسی رسم الخط میں ایک تصویری بلتی قاعدہ مرتب کیا جسے پروفیسر فتح محمد ملک صدر نشین مقتدرہ قومی زبان نے مئی ۲۰۰۲ء میں شائع کیا۔ ۲۰۰۲ء میں انہی افراد کی کوششوں سے اس رسم الخط کے تحت بلتی زبان کے لیے سافٹ ویئر تیار ہو گیا۔ دسمبر ۲۰۰۱ء میں تبت فاونڈیشن لندن کی طرف سے قدیم رسم الخط کا ایک قاعدہ بھی منظرِ عام پر آیا۔

بلتی زبان کی لغت کی تالیف کے سلسلے میں سب سے پہلے گمبہ سکردو کے آغا فضل علی شاہ نے فارسی' بلتی منظوم لغت لکھی۔ تقریباً اسی زمانے میں اے۔ ایف سی ریڈ نے اپنی بلتی گرائمر کے آخر میں دو ہزار کے لگ بھگ الفاظ پر مشتمل انگریزی بلتی لغت بھی شامل کی۔ ۱۹۵۹ء میں ایک بلتی مذہبی عالم شیخ احمد نے ایک مختصر سی عربی' فارسی' بلتی لغت مرتب کر کے نجف اشرف 'عراق سے معرفتہ المبتدین کے عنوان سے شائع کردی۔ 'بلتی اردو لغت' بلتی زبان کے مشہور

؎ ج' چ' ز' ش' گ' ن ن

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

شاعر راجا محمد علی شاہ صبا نے مرتب کی ہے جو بلتی زبان کی جامع ترین لغت ہے۔

بیسویں صدی عیسوی کے دوسرے ربع کے دوران ایک انگریز عیسائی مبلغ اے۔ ایف۔سی ریڈ نے انگریزی میں بلتی زبان کی گرائمر لکھی جو تھونمی کی تبتی گرائمر کے بعد بلتی زبان کی اولین گرائمر ہے۔

۱۹۹۱ء میں ایک بلتی نوجوان غلام حسن لوبسانگ نے بلتی میں بلتی زبان کی گرائمر لکھی۔ بعد میں ۱۹۹۵ء میں برن یونیورسٹی سوئٹزرلینڈ نے اس کا انگریزی ترجمہ شائع کیا۔اردو بلتی زبان کی گرائمر غاسینگ فدا حسین مرحوم نے ۱۹۹۵ء میں مرتب کی ہے۔[۱]

☆۔بلتی زبان پر دوسری زبانوں کے اثرات

بلتی زبان کا لداخی زبان سے گہرا رشتہ ہے اس لیے بلتی زبان پر لداخی زبان کے گہرے اثرات پڑے ہیں۔ چونکہ ان دونوں کا ماخذ "تبتو برمن" ہے۔لہٰذا دونوں پر تبتی زبان وادب اور تہذیب وتمدن کے اثرات پڑے ہیں۔تبتی'لداخی اور بلتی زبان میں نہ صرف کئی الفاظ مشترک ہیں بلکہ تینوں کا رسم الخط بھی یکساں ہے۔

طلوعِ اسلام سے پہلے تبت اور لداخ کی طرح بلتستان بھی پہلے بون مذہب پھر بدھ مت کے پیروکار تھے اور مذہبی معاملات میں لداخ اور بلتستان تبت کو اپنا پیشوا مانتے تھے۔اس لئے تینوں خطوں کے درمیان زمانہ قدیم سے تعلقات رہے ہیں۔اس لیے لداخی زبان کی طرح بلتی زبان پر بھی سب سے زیادہ تبتی زبان کے اثرات پڑے ہیں۔

تبتی یا لداخی زبان کے بعد بلتی زبان جس زبان سے سب سے زیادہ متاثر ہوئی وہ فارسی زبان ہے۔عربی اور خصوصاً فارسی کے بہت سارے الفاظ بلتی زبان میں اپنی اصل یا بگڑی ہوئی صورتوں میں داخل ہو چکے ہیں جو آج بلتی زبان کے لازمی جزو بن چکے ہیں۔محمد حسن حسرت یوں لکھتے ہیں:

---

[۱] محمد یوسف حسین آبادی تاریخ بلتستان (بلتستان بکڈپو' نیا بازار سکردو' فروری ۲۰۰۳ء) ص ۳۲۱۔۳۲۲

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

''اس علاقے میں اسلام کی اشاعت چودھویں صدی عیسوی میں ایرانی مبلغین کے ذریعے ہوئی تھی جن کا ذریعۂ ابلاغ فارسی تھا۔ اس کے ساتھ ہی راجاؤں کی درباری زبان بھی فارسی ہوگئی۔ نتیجتاً وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مقامی شعراء نے بھی فارسی میں طبع آزمائی شروع کی اور آج بلتستان میں فارسی ادب کا بہت بڑا ذخیرہ منتشر حالات میں موجود ہے۔ یوں فارسی کے بہت سے الفاظ بلتی زبان میں رائج ہوئے۔ فارسی کے ساتھ ساتھ عربی زبان کی دینی اصطلاحات بھی بلتی زبان میں بکثرت مستعمل ہیں اور بے شمار الفاظ بلتی کا حصہ بن چکے ہیں'' [۱]

بلتی زبان پر اردو زبان کے اثرات ڈوگرہ دور حکومت میں پڑنے شروع ہوگئے جب خطۂ لداخ پر ڈوگروں کی حکمرانی ہوئی تو شروع میں ڈوگرہ حکومت کی سرکاری زبان فارسی تھی اور خطے کے لوگ خصوصاً اہلِ بلتستان فارسی سے پہلے ہی متعارف ہو چکے تھے۔ چنانچہ ابتدائی دورِ حکومت میں فارسی ہی مروّج رہی لیکن اردو زبان نے ریاستِ جموں و کشمیر کے لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنالی تھی اور یہ دھیرے دھیرے لوگوں کی ہر دلعزیز زبان بنتی گئی۔ یہاں تک کہ اردو زبان ریاست کے تینوں خطوں کے درمیان رابطے کا کام بحسن وخوبی انجام دینے لگی۔ علاوہ ازیں ملک کے دوسرے حصوں کے درمیان بھی رابطے کے لیے اسی زبان کو استعمال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ مہاراجہ پرتاب سنگھ نے اردو کی ہر دلعزیزی، مقبولیت اور افادیت کو دیکھ کر اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دے دیا۔ سرکاری سرپرستی ملتے ہی اس زبان کی ترقی کی راہیں کھل گئیں۔ اس نے نہ صرف ان علاقوں کی علاقائی خصوصیت کو اپنے اندر جذب کرلیا بلکہ ان علاقوں کے زبان و ادب کو بھی گہرے طور پر متاثر کیا۔ اس سلسلے میں محمد حسن حسرتؔ لکھتے ہیں:

[۱] بلتستان تہذیب وثقافت (بلتستان بک ڈپو نیا بازار سکردو ۲۰۰۷ء) جدید ایڈیشن ص ۷۹

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

''بلتی زبان کا اردو کے لسانی خاندان سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی یہاں کے لوگ دنیا سے منقطع ہونے کے باعث چھ سو سال قبل تک ہند آریائی' ہند ایرانی اور عربی زبانوں سے واقفیت رکھتے تھے۔ بلتی پر اردو زبان کا اثر بلا واسطہ اور بالواسطہ اس وقت شروع ہوا جب ۱۸۴۰ء کے بعد بلتستان جموں کے ڈوگرہ مہاراجہ کے زیر تسلط آیا۔ مہاراجہ کو بلتستان میں نظم ونسق چلانے کے لیے ملازمین کی ضرورت تھی ۔ یہ ضرورت بلتستان کے ناخواندہ معاشرے سے فوراً پوری کرنا محال تھا۔ اس کے لیے کشمیر، جموں اور شمالی ہند سے ملازمین لانے پڑے جہاں تعلیم مقابلتاً پہلے ہی عام ہوچکی تھی اور ذریعۂ تعلیم اردو تھا۔ چنانچہ بلتستان میں جب سکول کھلے اور لوگوں نے آہستہ آہستہ تعلیم کی جانب توجہ دینا شروع کی تو ذریعۂ تعلیم اردو ہی کو قرار دیا گیا جو لوگ تعلیم حاصل کر لیتے وہ مہاراجہ سرکار کے ملازم ہو جاتے۔ اس طرح اردو خود بخود بلتستان کی سرکاری زبان بنتی چلی گئی''[1]

بلتی زبان نے آج سے چھ سو سال پہلے تبتی گھرانے سے الگ ہو کر اپنی علاحدہ سمت اختیار کی اور کوچ کرنا شروع کیا۔ اپنی علاحدہ تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے اس نے فارسی اور اردو سے کئی چیزیں مستعار لیں، مثال کے طور پر فارسی سے فارسی رسم الخط لیا اردو سے غزل' نعت' قصیدہ' مرثیہ وغیرہ لیا۔ اس کے علاوہ کئی فارسی اور اردو کے الفاظ' ترکیبیں' محاورے' ضرب الامثال وغیرہ لیے۔

آج بلتی زبان میں غزل' نظم' نعت' منقبت' گیت وغیرہ لکھے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں نثری ادب میں ڈرامہ ایک مقبول صنف ہے جو بلتی زبان میں لکھے اور پیش کئے جاتے ہیں۔ افسانہ ناول وغیرہ پر ابھی کوئی خاص کام نہیں ہوا ہے۔

[1] بلتستان تہذیب وثقافت (بلتستان بک ڈپو' نیا بازار سکردو ۲۰۰۷ء) جدید ایڈیشن ص ۸۱-۸۰

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

بلتی زبان میں لکھنے والوں کی اکثریت بلتستان میں ہے جو تمام اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کر کے بلتی ادب کے سرمائے میں اضافہ کر رہے ہیں۔اس کے علاوہ کرگل میں بھی صادق علی صادقؔ، کاچو اسفندیار، باقر علی باقرؔ اور دیگر کئی شعراء و تخلیق کار بلتی زبان و ادب کے سرمائے میں اضافے کر رہے ہیں۔کاچو صادق علی صادقؔ کی کتاب ''صدائے صادق'' ایک قابلِ قدر اور شاہکار تصنیف ہے۔اس کتاب پر صادق علی صادقؔ کو تمام بلتی دنیا خراجِ تحسین دے چکے ہیں کیونکہ کرگل کے علاقے سے شائع ہونے والی یہ پہلی تصنیف ہے جو حمد، نعت، منقبت، غزل وغیرہ پر مشتمل ہے۔یوں تو بلتی زبان میں طبع آزمائی کرنے والے اور بھی کئی لوگ ہیں مگر ابھی کسی کی تخلیق زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر نہیں آئی ہے۔امید کی جاتی ہے کہ جلد ہی ان کی تخلیقات بھی شائع ہو کر منظرِ عام پر آئیں اور بلتی زبان و ادب میں مزید اضافے کا سبب بنیں گی تا کہ بلتی زبان و ادب بھی باقی زبانوں کے ادب کے مقابل تک آسکیں۔

۳۔ شینا زبان

خطۂ لداخ میں بولی جانے والی ایک اور زبان شینا ہے جو دراس اور لداخ کے چند دیہات اور کرگل میں ایک دو مقامات پر بولی جاتی ہے۔نیز وادیٔ کشمیر کے دور دراز علاقے گریز میں بھی شینا زبان بولی جاتی ہے۔

شینا درد قوم کی مادری زبان ہے۔درد گلگت سے ہجرت کر کے جب خطۂ لداخ میں آئے تو اپنے ساتھ اپنی زبان اور تہذیب بھی لائے اور آج تک داہ ہنو، درچکسن، کرگون اور علاقے دراس کی تہذیب و تمدن رسم و رواج لداخیوں اور بلتیوں سے الگ ہے۔البتہ ان میں لداخی اور بلتی اثرات زیادہ پڑے ہیں۔کرگل کے علاقے دراس، درچکس کرگون کے لوگوں نے خطے میں اسلام کی آمد کے بعد اسلام قبول کیا ہے۔اس لیے ان کی زبان، رسم و رواج اور تہذیب و تمدن میں اسلامی اور بلتی اثرات سرایت کر گئے ہیں۔انہوں نے اپنی پرانی روایتوں، رواجوں کو قبول اسلام کے بعد بالکل ترک کر دیا ہے اور وہ اسلامی رنگ میں رنگ گئے ہیں۔بقولِ کاچو سکندر خان:

''اسلامی تعلیمات وغیرہ کے زیر اثر مسلمان دردوں کی تہذیب

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

بہت بدل گئی ہے اور وہ اب عام پوریگی تہذیب کے بہت قریب ہیں۔ زبان ان کی البتہ اب تک بدستور شینا ہے۔ رسم ورواج اور ادب (لوک ادب) مخلوط قسم کے ہیں'' ۱

لداخ خاص یعنی لیہہ کے دیہات داہ ہنو، درچکس اور گرکوں وغیرہ کے دردوں نے بدھ مت اختیار کیا ہے لیکن انہوں نے اپنے کئی رسومات اور عقیدوں کو بھی برقرار رکھی ہے۔ زبان اور تہذیب وتمدن کے حوالے سے وہ لداخی بدھوں سے متاثر ہوئے ہیں۔ کاچو سکندر خان اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''......ہنو کے لوگوں نے گیا پوؤے لداخ کے زیرِ اثر تبتی زبان یعنی موجودہ لداخی زبان اختیار کی اور مادری زبان کو چھوڑ دیا۔ بہ ایں ہمہ بحیثیت مجموعی تہذیب تمام شاخوں کی ایک ہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ درد سماج داہ ہنو اور گنوخ کا ایک ہی درجہ ہے'' ۲

خطہ لداخ میں شینا زبان بولنے والی قوم خالص دردوں کی ہے جو علاقہ دراس اور دیگر چند دیہات میں سکونت پذیر ہے۔ دراس میں دردوں کے علاوہ کچھ بلتی اور کشمیری بولنے والے بھی بستے ہیں۔ کیونکہ علاقہ دراس کا محلِ وقوع ہی اس طرح کا ہے کہ یہ کرگل اور سرینگر دونوں کے ساتھ ملنے کے علاوہ بلتستان سے بھی نزدیک ہے۔ اس لیے یہاں ان تینوں علاقوں کے لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ زمانہ قدیم سے دراس کے ان علاقوں کے ساتھ سیاسی، مذہبی، ثقافتی، تجارتی تعلقات رہے ہیں اور ڈوگرہ حملہ لداخ تک ان تینوں علاقوں کے نزاع کا مرکز بنا رہا ہے اور یکے بعد دیگران ہی کے زیرِ اقتدار رہے ہیں۔

دراس میں آباد دردوں سے متعلق عبدالغنی شیخ یوں رقم طراز ہیں:

''دراس کے لوگ چیلاس کے فرمانروا ٹھا ٹھا خان کی اولاد بتائے جاتے ہیں۔ اس کی اولاد میں سات جوان اپنے وطن سے نقلِ مکانی کر کے

۱ قدیم لداخ (کاچو پبلشرز کرگل، لداخ ۱۹۸۷ء) ص ۲۶۷

۲ قدیم لداخ (کاچو پبلشرز کرگل، لداخ ۱۹۸۷ء) ص ۲۶۶

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

بلتی زبان میں لکھنے والوں کی اکثریت بلتستان میں ہے جو تمام اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کر کے بلتی ادب کے سرمائے میں اضافہ کرر ہے ہیں۔ اس کے علاوہ کرگل میں بھی صادق علی صادقؔ، کاچو اسفندیار، باقر علی باقرؔ اور دیگر کئی شعراء و تخلیق کار بلتی زبان و ادب کے سرمائے میں اضافے کرر ہے ہیں۔ کاچو صادق علی صادقؔ کی کتاب ''صدائے صادق'' ایک قابلِ قدر اور شاہکار تصنیف ہے۔ اس کتاب پر صادق علی صادقؔ کو تمام بلتی دنیا خراجِ تحسین دے چکے ہیں کیونکہ کرگل کے علاقے سے شائع ہونے والی یہ پہلی تصنیف ہے جو حمد، نعت، منقبت، غزل وغیرہ پر مشتمل ہے۔ یوں تو بلتی زبان میں طبع آزمائی کرنے والے اور بھی کئی لوگ ہیں مگر ابھی کسی کی تخلیق زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر نہیں آئی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ جلد ہی ان کی تخلیقات بھی شائع ہو کر منظرِ عام پر آئیں اور بلتی زبان و ادب میں مزید اضافے کا سبب بنیں گی تا کہ بلتی زبان و ادب بھی باقی زبانوں کے ادب کے مقابل تک آسکیں۔

۳۔ شینا زبان

خطۂ لداخ میں بولی جانے والی ایک اور زبان شینا ہے جو دراس اور لداخ کے چند دیہات اور کرگل میں ایک دو مقامات پر بولی جاتی ہے۔ نیز وادیٔ کشمیر کے دور دراز علاقے گریز میں بھی شینا زبان بولی جاتی ہے۔

شینا درد قوم کی مادری زبان ہے۔ درد گلگت سے ہجرت کر کے جب خطۂ لداخ میں آئے تو اپنے ساتھ اپنی زبان اور تہذیب بھی لائے اور آج تک داہ ہنو، درچکسن، کرگون اور علاقے دراس کی تہذیب و تمدن رسم و رواج لداخیوں اور بلتیوں سے الگ ہے۔ البتہ ان میں لداخی اور بلتی اثرات زیادہ پڑے ہیں۔ کرگل کے علاقے دراس، درچکس کرگون کے لوگوں نے خطے میں اسلام کی آمد کے بعد اسلام قبول کیا ہے۔ اس لیے ان کی زبان، رسم و رواج اور تہذیب و تمدن میں اسلامی اور بلتی اثرات سرایت کر گئے ہیں۔ انہوں نے اپنی پرانی روایتوں، رواجوں کو قبول اسلام کے بعد بالکل ترک کر دیا ہے اور وہ اسلامی رنگ میں رنگ گئے ہیں۔ بقولِ کاچو سکندر خان:

''اسلامی تعلیمات وغیرہ کے زیرِ اثر مسلمان دردوں کی تہذیب

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

بہت بدل گئی ہے اور وہ اب عام پوریگی تہذیب کے بہت قریب ہیں۔ زبان ان کی البتہ اب تک بدستور شینا ہے۔ رسم ورواج اور ادب (لوک ادب) مخلوط قسم کے ہیں"۔ ۱

لداخ خاص یعنی لیہہ کے دیہات داہ ہنو، درچکس اور گرکوں وغیرہ کے درددوں نے بدھ مت اختیار کیا ہے لیکن انہوں نے اپنے کئی رسومات اور عقیدوں کو بھی برقرار رکھی ہے۔ زبان اور تہذیب وتمدن کے حوالے سے وہ لداخی بدھوں سے متاثر ہوئے ہیں۔ کاچو سکندر خان اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"...... ہنو کے لوگوں نے گیا پوؤے لداخ کے زیرِ اثر تبتی زبان یعنی موجودہ لداخی زبان اختیار کی اور مادری زبان کو چھوڑ دیا۔ بہ ایں ہمہ بحیثیت مجموعی تہذیب تمام شاخوں کی ایک ہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ درد سماج داہ ہنو اور گنوخ کا ایک ہی درجہ ہے" ۲

خطہ لداخ میں شینا زبان بولنے والی قوم خالص درددوں کی ہے جو علاقہ دراس اور دیگر چند دیہات میں سکونت پذیر ہے۔ دراس میں درددوں کے علاوہ کچھ بلتی اور کشمیری بولنے والے بھی بستے ہیں۔ کیونکہ علاقہ دراس کا محلِ وقوع ہی اس طرح کا ہے کہ یہ کرگل اور سرینگر دونوں کے ساتھ ملنے کے علاوہ بلتستان سے بھی نزدیک ہے۔ اس لیے یہاں ان تینوں علاقوں کے لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ زمانہ قدیم سے دراس کے ان علاقوں کے ساتھ سیاسی، مذہبی، ثقافتی تجارتی تعلقات رہے ہیں اور ڈوگرہ حملہ لداخ تک ان تینوں علاقوں کے نزاع کا مرکز بنا رہا ہے اور یکے بعد دیگران ہی کے زیرِ اقتدار رہے ہیں۔

دراس میں آباد درددوں سے متعلق عبدالغنی شیخ یوں رقم طراز ہیں:

"دراس کے لوگ چیلاس کے فرمانروا ٹھا ٹھا خان کی اولاد بتائے جاتے ہیں۔ اس کی اولاد میں سات جوان اپنے وطن سے نقلِ مکانی کر کے

۱ قدیم لداخ (کاچو پبلشرز کرگل، لداخ ۱۹۸۷ء) ص ۲۶۷

۲ قدیم لداخ (کاچو پبلشرز کرگل، لداخ ۱۹۸۷ء) ص ۲۶۶

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

پوریگ اور دراس آئے۔چوٹو دیوسائی کے راستے دراس پہنچا اور آباد
ہوا۔ایک اور شخص ڈوم پا اس کے نزدیک گوڑو میل کے مقام پر آباد ہوا۔
بعد میں گوڑو میل [۱] سیلاب میں تباہ ہوا" [۲]

دردوں نے دراس میں کئی گاؤں آباد کیئے۔دراس میں آباد قبائل آپس میں لڑتے رہتے تھے اور جب لداخی راجوں نے پوریگ میں حکومت قائم کی تو دردوں اور لداخیوں میں ٹکراؤ ہوا۔لداخی راجہ نے دراس پر یلغار کی اور اسے فتح کر کے لداخ کی قلمرو میں لایا۔کچھ عرصے تک لداخ کے قبضے میں رہنے کے بعد دراس اسکردو کے مقپون علی خان کے قصبے میں چلا گیا۔ڈوگرہ حملہ۔خطہ لداخ پر ڈوگرہ حکومت کے بعد ہی اسکردو پر بیرونی حملے بند ہوئے بقولِ عبدالغنی شیخ:

"لگتا ہے ڈوگرہ دورِ حکومت میں دراس پر گرد ونواح کے علاقوں
کے حملے بند ہو گئے" [۳]

دراس کا ابتدائی نام "ہیم میس" تھا یہ شنیا لفظ ہینوبس ہے جس کا مطلب 'برف کا گھر' یا 'برف گرنے کی جگہ' ہے۔دراس والے آج بھی دراس کو ہیم میس کہتے ہیں۔یہاں پر کافی برف گرتی ہے۔کبھی کبھی پچیس تیس فٹ اونچی برف گرتی تھی۔موجودہ دور میں البتہ صرف آٹھ دس فٹ برف ہی گرتی ہے۔

کاچو سکندر خان دردوں کی زبان (شینا) سے متعلق یوں تحریر کرتے ہیں:

".....بولی ان کی شینا کی ایک قسم ہے جو بلتستان وشنگھو شعر کے
دردوں کی بولی کے بعض خطوں (چیلاس وغیرہ) میں اب تک
بولی جاتی ہے جب کہ اس قوم کی بولی کا موجودہ گلگت میں کوئی

---

[۱] ڈوگرہ دور حکومت میں گوڑو میل کو دوبارہ بسایا گیا اور اس کا نام مہاراجہ رنبیر سنگھ کے نام پر رنبیر پورہ رکھا گیا۔

[۲] لداخ تہذیب وثقافت (کریسنٹ ہاوس پبلی کیشنز جموں ۲۰۰۶ء) ص ۱۹۵

[۳] لداخ تہذیب وثقافت (کریسنٹ ہاوس پبلی کیشنز جموں ۲۰۰۶ء) ص ۱۹۸

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

نشان باقی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ دردستان سے اس قوم کا سارا (ابتدائی) قبیلہ اپنی منفرد زبان کے ساتھ اس طرف ہجرت کر کے آیا تھا اور گلگت میں ان کا کوئی نہ رہا تھا۔ گرکون بڑے بوڑھوں کا کہنا ہے کہ ان کے ہمسایہ قبائل نے ان کی ہجرت کو برا مانا تھا اور قومی جذبات اور خودداری کے تحت ان کی بولی پر پابندی عائد کردی تھی۔ اس لیے دردستان میں ان کی بولی کا نشان مٹ گیا۔ تاہم چونکہ یہ شینا زبان ہی کی ایک شکل ہے، اس لیے شینا زبان کی خصوصیات موجود ہیں اور لب ولہجہ اور الفاظ کم وبیش ملتے جلتے ہیں"۔ ؎۱

شینا ایک قدیم زبان ہے اس کو بروق سکت بھی کہا جاتا ہے لیکن عام طور پر داہ ہنو کے لوگوں کی زبان کے لیے یہ مخصوص ہے۔ داہ ہنو کے لوگوں کو بروقپہ اور اس کی زبان کو بروق سکت کہا جاتا ہے۔ داہ ہنو کے دردوں کی زبان اور مذہب دیگر دراس وگریز وغیرہ کے دردوں سے مختلف ہے۔ دراس اور گریز کے درد قوم نے اسلام قبول کر کے اپنی زبان' تہذیب وتمدن وغیرہ کو اسلامی ممالک اور مسلمانوں کے رنگ میں ڈھال دیا ہے اور قبولِ اسلام کے نتیجے میں انہوں نے اپنے بہت ساری رسومات اور دیگر چیزوں کو ترک کیا جو دینِ اسلام کے منافی ہوں۔ البتہ داہ ہنو اور دیگر درچکس گرگون وغیرہ کے لوگ بہت زمانوں تک اپنے آبائی مذہب پر گامزن رہے اور اپنی زبان وادب' تہذیب وتمدن وغیرہ کو بہت حد تک محفوظ رکھنے میں کامیاب رہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ دردوں نے بدھ دھرم قبول کرنے کے ساتھ ساتھ لداخی زبان کو بھی قبول کرلیا لیکن لداخی تہذیب وتمدن اور زبان وغیرہ قبول کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنی تہذیب وتمدن اور دیگر رسومات کو بھی باقی رکھا۔ چنانچہ موجودہ دور میں بھی ان کی تہذیب وتمدن اور رسومات عام لداخیوں سے مختلف نظر آتی ہیں ان کی زبان پر بھی شینا یا قدیم

؎۱ قدیم لداخ (کاچو پبلشرز کرگل' لداخ ۱۹۸۷ء) ص ۶۸۹

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

زبان کے اثرات واضح طور محسوس کئے جا سکتے ہیں۔

وادیٔ گریز کی بیشتر آبادی شینا زبان بولتی ہے صرف چند گاؤں میں کشمیری زبان بولی جاتی ہے۔ شینا بولنے والے لوگ اکثر شمالی علاقہ جات سے ہجرت کر کے یہاں آباد ہوئے اور جو کشمیری بولنے والے ہیں وہ وادیٔ کشمیر سے مختلف وقتوں میں یہاں آ کر آباد ہو گئے۔ وادیٔ گریز کی آبادی سے متعلق محمد رمضان یوں رقم طراز ہیں:

"گریز کی تمام آبادی ایک خاص قبیلہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اسے درد قبیلہ کہا جاتا ہے اور اس قبیلہ کی زبان شینا ہے اور اس نسبت سے اس قوم کو دردشن کہا جاتا ہے اور آریائی نسل سے ان کا تعلق ہے۔ یہ قوم ہندوکش سے ہوتی ہوئی تبت میں کافی عرصہ رہنے کے بعد دردستان میں پھیل گئی ہے"۔ [۱]

تاریخی کتابوں کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دردوں نے خطۂ لداخ کے بلتستان اور پوریگ سے اپنی آبادی کا آغاز کیا تھا۔ بلتستان میں آباد درد جو بلتستان کے کچھ دیہات میں آباد ہیں، آج بھی شینا زبان بولتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تہذیب و تمدن اور ثقافتی ورثے میں سے بہت سی چیزوں کو سنبھال کے رکھا ہے۔ اگرچہ بلتستان کے بلتی اقوام کے ساتھ میل جول اور خطے میں اسلام کے بعد انہوں نے اپنی بہت ساری پرانی رسومات اور دیگر غیر اسلامی چیزوں کو ترک کیا ہے لیکن اس کے باوجود بھی ان کی تہذیب و تمدن اور رسوم و رواج میں آج بھی ان کے ابتدائی تہذیب و تمدن اور سم و رواج کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔

محمد حسن حسرت کے مطابق بلتستان میں "بروقپا" یعنی درد اقوام کے لوگ شینا زبان بولتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

"بلتستان میں آباد ایک نسلی گروہ مقامی اصطلاح کے مطابق "بروقپا" کہلاتا ہے۔ یہ لوگ دراصل ہندی آریائی نسل

[۱] وادی گریز (سن ندارد جنوری ۲۰۰۸ء) ص ۲۲

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کے شین (درد) ہیں۔ یہ بلتستان کی وادی کھرمنگ سے لے کر
روندو کی آخری سرحد تک جنوبی اطراف کے بالائی علاقوں میں
ہے۔ بعض شین قبائل چلاس وکوہستان کی طرف سے مختلف ادوار
میں اپنے ریوڈ کے ساتھ چراگاہوں کی تلاش میں نکلے تھے اور
یہاں پہنچ کر اپنے لئے بالائی چراگاہوں میں الگ دیہات آباد
کر کے خانہ بدوشانہ زندگی گزارنے لگے“۔[1]

بعض مورخین کے مطابق شینا زبان سنسکرت سے نکلی ہے۔ یہ ایک اینڈو آرین زبان ہے۔ اس میں سنسکرت کے ستر فی صد الفاظ ہیں۔ اس کے علاوہ فارسی سے بھی اثر انداز ہو کر اسے بھی کئی الفاظ لے کر اپنے قالب میں ڈھالے ہیں۔ موجودہ دور میں خالص یا قدیم شینا بولنے والے خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ دراس کے لوگ شینا بلتی زبان کی آمیزش کے ساتھ بولتے ہیں۔ ان میں زیادہ تر الفاظ بلتی کے ہوتے ہیں۔ ضرورت کے وقت یہ لوگ بلتی بھی روانی سے بول لیتے ہیں۔

داہ ہنودرچکس کرگون کے لوگوں نے اپنی زبان کو ترک کر کے لداخی کو اپنا لیا ہے مگر وہ اپنی زبان 'بروق سکت' کے زیادہ تر الفاظ استعمال کرتے ہیں اس لیے ان کی زبان لداخی اور بروق سکت کی آمیزش نظر آتی ہے۔ لب ولہجہ بھی ان کا دیگر لداخیوں سے مختلف ہے۔ البتہ یہ لوگ لداخی زبان آسانی سے بول لیتے ہیں۔

وادیٔ گریز کے لوگ بھی خالص یا قدیم شینا نہیں بولتے ہیں۔ وادیٔ گریز چونکہ کشمیر میں ہے اور کشمیر کے علاقوں سے زیادہ نزدیک ہے اس لیے ان کی زبان پر کشمیری زبان کے گہرے اثرات پڑے ہیں اور ان کی زبان میں کشمیری کے کئی الفاظ داخل ہو گئے ہیں۔ وادیٔ گریز کے چند گاؤں میں کشمیری زبان بولی جاتی ہے۔ گریز کے لوگ کشمیری زبان بھی آسانی سے

[1] بلتستان تہذیب وثقافت (بلتستان بک ڈپو اینڈ پبلی کیشنز' نیا بازار سکردو ۲۰۰۷ء)
دوسرا ایڈیشن ص ۴۷۔۴۸

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

بول سکتے ہیں۔اس سلسلے میں وادی گریز کے مصنف محمد رمضان یوں تحریر کرتے ہیں:

"...... کیونکہ اس وقت جو زبان ہم گریز میں بولتے ہیں۔اس میں کافی ملاوٹ آچکی ہے۔اس میں کشمیری اور انگریزی زبان کا غلبہ لگتا ہے۔چونکہ علاقہ کا زیادہ ملاپ بانڈی پورہ اور سرینگر کے ساتھ ہے۔اس لیے کشمیری، اردو اور انگریزی کے کافی الفاظ داخل ہو گئے ہیں" ۱

موجودہ دور میں شینا لکھنے والے اردو یا فارسی رسم الخط کا استعمال کرتے ہیں۔شینا زبان میں لکھنے والوں کی تعداد نہیں کے برابر ہے۔اگر چہ اس کا لوک ورثہ (لوک ادب) کافی زرخیز ہے جس میں گیت، غزلیں، نعت، منقبت وغیرہ کے علاوہ کئی لوک داستانیں بھی ہیں لیکن تحریری صورت میں نہ ہونے کی وجہ سے اب یہ دھیرے دھیرے اپنا اثر ورسوخ کھوتا جارہا ہے۔دور حاضر کے کچھ نوجوان قلم کاروں نے اب اس کی طرف توجہ دینا شروع کی ہے۔ دراس کے محمد علی نے "شینا زبان" میں ایک کتاب لکھی ہے۔اس کے علاوہ کئی لوگ متفرق مضامین شینا زبان میں لکھنے کی کوشش کررہے ہیں۔امید ہے دیگر زبانوں کی طرح شینا زبان کے گرائمر اور قاعدے بھی جلد منظر پر آجائیں گے کیونکہ یہ کسی بھی زبان کی ترقی کے ضامن ہوتے ہیں۔

شینا زبان کے رسم الخط کے حوالے سے محمد رمضان خان یوں لکھتے ہیں:

"شینا زبان بذاتِ خود ایک مکمل زبان ہے جو بہت سارے لوگ بولتے ہیں۔بدقسمتی سے اس کا کوئی رسم الخط ہمارے پاس نہیں ہے مگر شمالی علاقہ جات میں اس کا رسم الخط موجود ہے لیکن رسم الخط بناتے ہوئے اس زبان کی اصلی ہیئت کو تبدیل کیا گیا ہے" ۲

---

۱ وادی گریز (ن ندارد جنوری ۲۰۰۸ء) ص ۵۹

۲ وادی گریز (ناشر ندارد جنوری ۲۰۰۸ء) ص ۵۸

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

جب کہ کاچو سکندر خان دردوں کی زبان کے رسم الخط (شینا) کے حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

"خلسی میں پائے گئے خروشتی اور برہمی زبان میں لکھے گئے کتبوں کو فرینکی نے قدیم مونوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ البتہ دردقلعہ کے پاس پائے گئے ہندوستانی حروف میں لکھے گئے کتبے کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ ممکن ہے یہ قدیم دردوں کا کام ہو۔ داہ بروق میں بھی کچھ کتبے ہیں لیکن وہ تبتی رسم الخط میں ہیں جو ممکن ہے قدیم دردوں نے لداخ میں پہنچنے کے بعد سیکھا ہو اور کوئی تحریر قدیم دردوں کی تا حال دریافت نہیں ہوئی ہے جس سے ان کے رسم الخط (اگر کوئی تھا) کا پتہ چل سکے"۔

مذکورہ بالا حوالوں اور دیگر تاریخی کتابوں کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شینا زبان کا ایسا کوئی رسم الخط نہیں ہے اور اب تک اس میں تحریری کام بھی بہت کم ہوا ہے۔ شمالی علاقہ میں اس زبان کو لکھنے کے لیے جو رسم الخط اپنایا جاتا ہے وہ اردو یا فارسی ہے۔ دراس میں جو نوجوان اس زبان میں لکھ رہے ہیں وہ بھی اسی رسم الخط میں لکھتے ہیں۔ لیکن اس رسم الخط سے شینا زبان کو صحیح طور پر نہیں لکھا جاتا۔ کیونکہ ہر زبان کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں، کچھ آوازیں ہوتی ہیں جو کسی اور زبان کے رسم الخط سے پوری نہیں ہوتی۔ مختصراً یہ کہ یہ رسم الخط شینا زبان کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا۔ اب یہ شینا زبان والوں کا کام ہے کہ وہ اس بارے میں غور و فکر کریں اور اس کا کوئی حل نکالیں۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

● ...... پروفیسر بشر بشیر

قدیم کشمیر میں کتب نویسی

(چھپتے چھپتے:۔ پروفیسر بشر بشیر صاحب کا یہ مضمون ہمیں تب موصول ہوا ہے جب زیرِ نظر اشاعت کا مخطوطہ پریس کو بھیجا جانے والا تھا اور آخری لمحات میں اِسے شاملِ اشاعت کیا گیا۔ادارہ)

اِنسانی تہذیب تنزل یا ترقی کے بعد جس منزل پر آج کھڑی ہے اُس کے حصول میں کتاب کی اہمیت مسلّم ہے جس کے بارے میں رتی بھر بھی اختلاف کی گنجائش نہیں ہوسکتی۔ یہی وہ پائیدار اور کارگر وسیلہ ہے جس کی بنیاد پر اولادِ آدم اپنی آئندہ نسلوں تک اپنے تجربات کو بنا کسی تخفیف یا اضافہ، اپنی اصل صورت میں منتقل کرتا رہا اور اِس طرح مسلسل تجربات کی روشنی میں نئے تجربات نے اِنسانی ذہن وشعور کو وُسعت بخشی۔ کتاب کی بنیاد تحریر پر مُنحصر ہے اور لکھائی یا تحریر کب اور کہاں سے شروع ہوئی اِس بارے میں وثوق سے کچھ کہنا ممکن نہیں تاہم اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اِس کی باقاعدہ ابتدا مصر سے ہوئی اور اِس کے ساتھ ساتھ یونان، چین اور رومانیہ کے صدیوں پُرانے بھرے پُرے تہذیبی نقوش اپنی شان وشوکت اور قدامت کے اعتبار سے مصری تہذیب کے قریب قریب ہم پلہ ہیں۔

بشریات، عمرانیات اور تاریخ کے علوم سے وابستہ ماہرین اور محققین قدیم تہذیبی آثار سے متعلق دریافت شدہ کتبوں کی عبارات کے معانی کھوجنے اور متعین کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ تاہم ہڑپا یا سِندھ وادی کی تہذیب کی مختلف النوع خصوصیات کی جانکاری مختلف

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

آثار کی بُنیاد پر حاصل کرنے کے باوجود یہاں حاصل شدہ کتبوں کے مطالب دریافت نہیں کر سکے ہیں۔ ابتدائی تاریخی ماخذوں اور ابھی تک دریافت شدہ تحریری شواہد یا دستاویزات کی روشنی میں ذہنی دریچوں کو وا کر کے اور پہلے سے قائم ذہنی مفروضات کو منطقی نتائج حاصل کرنے کی راہ میں حائل نہ ہونے دے کر اُن حقائق کے واضح اشارے خود بخود صاف ہوتے نظر آتے ہیں کہ جنوب ایشیا کے اِس حصہ یعنی دریافت شُدہ ہڑپا تہذیبی آثار کے شمال مشرق اور چین کے جنوب مغرب میں واقع کشمیر زمانہ قدیم سے ہی تہذیبی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے۔ مہابھارت کی نیم تاریخی جنگ میں کشمیر کے حکمران کی شمولیت کا بیان اور اِسی طرح یونانی تہذیب کے تابناک دور میں سکندرِ اعظم کی فوج کشی اور ملک گیری کی مُہمات میں باقی تمام ملحقہ ممالک کے حکمرانوں کے برعکس کشمیر کے راجہ کا پورس سے مِل کر صف آرا ہونا اِس بات کی دلالت کرتا ہے کہ یہ خطہ تہذیبی، سیاسی اور خود اعتمادی کی بنا پر زمانہ قدیم میں اپنی شناخت قائم کر چکا تھا۔ بات بنیادی طور کشمیر میں کُتب نویسی کی ہو رہی ہے اور بیچ میں جنگوں کا ذکر اِس لئے بے جا نہیں کہ منصوبہ بند معرکہ آرائی تب ہی ممکن ہے جب کوئی ملک یا قوم خود اعتمادی کے جذبہ سے سرشار ہو اور خود اعتمادی بنا فہم و فراست، باہمی رابطہ اور علم و دانش کے ممکن نہیں۔

انسانی تہذیب کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والا شخص بہت ہی آسانی سے یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ مسوپوٹامیہ چین اور ہڑپا جیسی قدیم دنیا کی اہم ترین تہذیبی اکائیوں کے درمیان ضرور کسی نہ کسی صورت میں رشتے و روابط رہے ہوں گے۔ اِس تناظر میں کشمیر کا محلِ وقوع خاص اہمیت کا حامل ہے۔ وہ اِس وجہ سے کہ اِن علاقوں سے آمد و رفت میں جغرافیائی اور موسمی اعتبار سے کشمیر اہم پڑاو رہا ہوگا۔ غالب امکان یہی نظر آتا ہے کہ یہ خطہ ان سب تہذیبوں کا زمانہ قدیم سے ہی پتریاگ یا سنگھم رہا ہوگا جس کی بنا پر شاردا پیٹھ کا اسطور بھی تشکیل پایا۔ یا یہ کہ پورے برصغیر میں جب بھی کسی بچے کو حصولِ تعلیم کے لئے کسی سکول، دانشگاہ یا ریشی کے پاس بھیجا جاتا تو اُسے خاص طور سے کشمیر کی طرف رُخ کر کے نمن کرنے کے لئے کہا جاتا کیونکہ عقیدہ یہ تھا کہ علم و فنون کی دیوی کا مستقل مَسکن یہی جگہ ہے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

محققین کی اِس رائے سے بھی ابھی تک اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں نکل آئی ہے کہ کشمیر کے باشندوں کا تعلق ہند آریائی قبائل سے ہے۔ ابھی تک تو وید ہی برِصغیر کی سب سے پرانی کتابیں تصور کی جاتی ہیں۔ ان میں سے سب سے قدیم رگ وید ہے۔ وید اور ژنداوستا آریہ قوم کے اعتقادات، تمناؤں اور خواہشات پر مبنی منتر ہیں جو اُن کے سفر اور ایران سے لے کر ہندوستان کے وسیع وعریض علاقے میں پھیل کر یہاں سکونت پذیری کے ابتدائی ایام میں ہی معرضِ وجود میں آئے ہیں۔ گویا برِصغیر میں مستقل تحریر اور کتابوں کے حوالے سے ابھی تک اِس خطہ کو شرفِ اوّل کا درجہ حاصِل ہونا چاہیئے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ یہاں کی مقامی زبان بھی شمالی ہندوستان کی سب سے قدیم زبان ہے۔

عمومی نوعیت کے اِس تبصرہ اور اشاریہ میں یہ بھی رقم کرنا بہت ہی ضروری سمجھتا ہوں کہ مشہور چینی سیاح ہیون سانگ نے جب ہندوستان کی طرف مراجعت کرتے ہوئے تین برس کے لئے رختِ سفر باندھا تو اولاً کشمیر میں وارد ہوا۔ تاریخی حوالوں کے مطابق اُس نے پورے دو سرمائی موسم بھی یہاں ہی گزارے اور اس دوران اُس نے یہاں کے علمی مراکز میں موجود کتابوں کے نسخے مختلف محرروں اور عالموں سے نقل اور تراجم کروا کے ساتھ لئے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ اُس نے تین سال کے پورے بھارت کے لئے مقررہ وقت کا بیشتر حصہ یعنی ڈھائی برس کشمیر میں ہی گزارے۔ چوتھی اور پانچویں صدی میں یہاں سے چین گئے کشمیری عالموں سے متاثر ہو کر ہی کئی چینی سیاح اور عالم یہاں آئے جن میں ہیون سانگ کے علاوہ اوکانگ کا خاص طور سے ذکر کیا جاتا ہے۔ اِسی طرح قدیم یونانی مورخین اور مصنفین جیسے ٹولمی کی تحریر میں کشمیر، کاسپاتی روس، کاسمر وغیرہ ناموں کا ذکر ملنے سے یہ واضح عندیہ ملتا ہے کہ اُس زمانے میں یہ خطہ اہم تہذیبی مراکز کے عالموں کی توجہ کا ایک اہم مرکز تھا اور اِس خطہ سے متعلق تحریری روایات ہی دور دراز کے ملکوں کے محققین کی جانکاری کا ذریعہ رہے ہوں گے۔

ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ ہم اپنے ماضی سے ناآشنا بھی ہیں اور صدیوں کی ناآشنائی کی وجہ سے اب اس سے لاتعلق بھی ہو چکے ہیں۔ ایک اہم تہذیبی مرکز ہونے کے ناطے یہ خطہ ہمیشہ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

سے دنیا بھر کے لوگوں کی نظروں میں رہا ہے جس کے نتیجے میں کچھ منفی اثرات بھی ہمارے قومی وجود اور شناخت کو نقصان پہنچاتے رہے ہیں۔ بیرونی طاقتوں کی مداخلت ہمیشہ سے خلفشار کی وجہ بنتی رہی اور اِس طرح عوام کی اکثریت صبح کو شام اور شام کو صبح کرنے کے معاملات میں ہی اُلجھ کر رہ گئی۔ نتیجتاً غیر ملکی حکمران اپنی ہی من مانی میں لگے۔ علم و ادب جو ہماری بنیادی پہچان تھی اُس جانب بہت ہی کم توجہ ہوئی اور ہم اپنے سرمائے سے دور ہوتے گئے۔ حکمرانوں اور سرکاری کارگزاروں کی بات تو دور کی ہے میں یہاں بہت ہی معذرت کے ساتھ عرض کرنا چاہوں گا۔ کیا ہم میں۔ سے کوئی اُس حد تک کشمیر کے ماضی سے واقف ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے جتنا کہ ہم نازاں ہیں۔

کئی حضرات اِس بات سے باخبر ہیں کہ آج سے چند دہائی قبل جب ٹیلی ویژن جیسی چیزوں کا رواج نہیں تھا تو دور گاؤں کا کوئی ان پڑھ کسان بھی شہر آ کر غلام محمد نور محمد تاجرانِ کتب کی طرف سے شائع کردہ کوئی مثنوی یا صوفی شاعر کے کلام پر مبنی کتابچہ خرید کر گھر لے جاتا اور کسی پڑھے لکھے شخص کو دعوت دے کر پورے گاؤں یا محلے کے لوگ جمع ہو کر پورے اہتمام سے عوامی زبان میں ''کتاب'' سنتے۔ اِسی کا نتیجہ یہ ہے کہ زبان و ادب سے وابستہ کئی حضرات اُن اہم شاعروں، مصنفین، کتابوں اور تصانیف کے ناموں سے کم از کم آج بھی واقف ہیں جو چودھویں صدی کے بعد لکھی گئیں۔ یہاں پر میں بالخصوص کچھ ایسے مصنفین کا تذکرہ کرنا چاہوں گا جن کا تعلق ہمارے دور ماضی سے ہے حالانکہ میں جانتا ہوں کہ اِس ضمن میں نہ تو باقاعدہ تحقیق ہوئی ہے اور نہ ہی میں اُن کوتاہیوں کی بنا پر ایسی تصنیفات تک رسائی حاصل کر سکا ہوں جو اِس قوم کے ایک فرد کی حیثیت سے میرے حصہ میں بھی آئی ہیں۔ کشمیر یونیورسٹی میں قائم ریسرچ لائبریری کے مینوسکرپٹ سیکشن کے کٹیلاگ تک کی رسائی کے بعد جو سطحی جانکاری مجھے حاصل ہوئی اُسے آپ کے سامنے مختصراً پیش کر کے یقیناً میری ہی طرح آپ میں سے کئی حضرات کے دل و دماغ میں ایک ہیجانی کیفیت بپا کرنے کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔

کشمیر کی ابتدا سے متعلق جس اسطور کو ہر بار دہرایا جاتا ہے اُس کا تعلق کشپ ریشی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کے ساتھ ہے اور جس طاقت کی بنا پر اُس نے یہاں سے پانی کا اخراج عمل میں لایا وہ سراسر روحانی ہی مانا جاتا ہے اور اِس طاقت کے حصول میں اُس کی ریاضت اور منتروں کے جاپ کا دخل ہے، جو ظاہر ہے کہ یا تو پہلے ہی لکھے گئے تھے یا اگر اُس سے پہلے نہ بھی لکھے گئے ہوں تاہم اُس نے ضرور اپنے شاگردوں کے لئے تحریر میں یا کسی اور طریقے منتقل و محفوظ کئے ہوں گے۔ ہوسکتا ہے کہ اِس قسم کی بیان بیازی کو کوئی ہوا میں تیر چلانے کے مترادف سمجھے تاہم پپلا داتھروید جو اتھرو وید کا خاص ایڈیشن کشمیر کے لئے ترتیب دیا گیا تھا اور جس کا نسخہ پروفیسر بہلر کو ملا تھا اُس کے ترتیب کار کا زمانہ ویدک قرار دیا گیا ہے۔ اِسی طرح ویدک زمانہ کے ایک کشمیری ریشی لوگا کشہ ریشی کا نام آتا ہے جس نے مذہبی رسوم سے متعلق کتاب کرمہ کانڈ تصنیف کی ہے۔

ناگ سین اور اُس کی تصنیف ''ملند پنہہ'' کے نام سے تو ہم سب واقف ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ملند پنہہ اولاً کشمیری میں ہی لکھی گئی تھی تاہم ابھی تک سنسکرت کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہوا ہے لیکن اِس کے پالی اور چینی زبان میں تراجم ہوئے ہیں اور اُس کے بعد انگریزی اور ہندی میں بھی یہ کتاب ترجمہ ہوئی ہے۔ ناگ سین کا زمانہ ۱۵۰ قبل مسیح کا ہے۔ زمانے کا تعین اِس بنیاد پر کیا گیا ہے کہ یہ شخص راجہ متندر کے دور سے تعلق رکھتا تھا۔ ملند پنہہ بدھ مت کے فلسفہ سے متعلق اُن مباحث یا سوال و جواب پر مبنی ہے جو یونانی راجہ متندر اور ناگ سین کے درمیان ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ متندر اُسے اپنا گرو یا استاد مانتا تھا۔ واضح رہے کہ سکندر کے قبضے میں آئے ہوئے ہندوستان کے شمالی سرحدی صوبے پر سکندر فیلقوش کی وفات کے بعد متندر حکمران تھا جو اُن دنوں بھی سلطنتِ یونان کا ہی حصہ تھا۔ ''ملند پنہہ'' اور اُس کے مصنف کا تعلق کشمیر کے ساتھ ہونے کے جواز میں نہ صرف راجہ متندر کا قلمرو کشمیر کے نزدیک واقع ہونا اور پھر بدھ فلسفہ کا کشمیر میں عروج پر ہونا ہے بلکہ ہمارے عوامی محاورے میں ''مَلِدٕ پٔنۍ'' کا استعمال ہوتا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ کتاب کا مواد مباحث یا یوں کہیں کہ حُجت پر مبنی ہے۔ اِس لئے آج بھی جب کوئی کسی نکتہ کے جواز میں دلیل یا ثبوت دینے کی کوشش کرے تو کہتے ہیں ''بیوٚتھہم مَلِدٕ پٔنۍ ونہِ'' یعنی کیوں ملدٔ پنی کہنے لگے! راجہ ماترگپت کے زمانہ یعنی پہلی صدی عیسوی کے بھرتری نٹ کی کتاب

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

"ہیہ گریو وَدھ" کا حوالہ کلہن، راجہ شیکھرن، کلہن، کھمیند را اور دوسرے النکار شاستر کے ماہرین نے کیا ہے، جو کہ اب ناپید ہے۔

یوں تو ریشی لفظ ذہن میں آتے ہی خاص طور سے جب اُس کا تعلق زمانۂ قدیم کے کسی ریشی کے ساتھ ہو تو کچھ سادھو سنیاسی کا سا تصور ذہن میں ابھرتا ہے جس نے نہ صرف زندگی کو تیاگ دیا ہو بلکہ اپنے ارد گرد تک سے لاتعلق ہو لیکن کشمیر میں کتابوں یا کُتب نویسی کی تاریخ کے سلسلے میں تیسری صدی کے ایک اہم ریشی کا ذکر آتا ہے جس کا نام برنگیشہ ریشی تھا جس نے برنگیشہ سہمتا تصنیف کی ہے جسے مہاتمہِ بھی کہا گیا ہے۔ اِس کتاب میں کشمیر کے پُر فضا اور صحت افزا مقامات کا مُفصل تذکرہ کیا گیا تھا۔ گیارہ ابواب یا حصوں پر مشتمل اس کتاب میں یہاں کے تیرتھ استھاپنوں کا بھی ذکر ہے۔ کشمیر کی جغرافیہ کے بارے میں اس کو بہت ہی اہمیت کا حامل مانا گیا ہے اور سٹائن نے (Ancient Geography of Kashmir) تصنیف کرنے کے وقت اسے بھی استفادہ کیا تھا۔ اِس کتاب کا ایک حصہ "امرناتھ مہاتمہِ" چھپا بھی ہے۔

سنسکرت زبان و ادب کی قدامت اور کلاسیکیت سے بھلا کون اختلاف کرسکتا ہے اور عمومی سطح پر اِس کے علاقہ کا تعین کرنا مقصود ہو تو بے ساختہ طور ہندوستان ہی بولا جاتا ہے۔ لیکن اس قدیم زبان کے ادبی اور تنقیدی سرمایہ سے اگر اُن کتابوں کو الگ رکھا جائے جو کشمیر میں لکھی گئی ہیں یا یوں کہیں کہ کشمیر کے ہی سکالروں نے لکھی ہیں تو باقی تمام سرمایہ یا تو ایک مفلوج سا جسم محسوس ہوگا نہیں تو ایک دھڑ جو سر کے بغیر ہو۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ سنسکرت زبان کے اوّلین گرائمر کے مصنف پانِنی کا تعلق کشمیر سے ہی بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ تیسری صدی عیسوی میں جیادتیہ نام کے ایک کشمیری عالم نے "کاشکا" تصنیف کی ہے جس میں پانِنی کی "اشٹادھیائی" کے پہلے پانچ ابواب کی تشریح اور وضاحت کی گئی ہے جو اِس خیال کو اور بھی تقویت پہنچاتا ہے کہ پانِنی کا تعلق کشمیر سے ہی تھا۔ چوتھی صدی میں پتنجلی نام کے عالم کا بہت ہی شہرہ رہا ہے جس نے اولاً کشمیر سے اور پھر بنارس سے تعلیم حاصِل کی تھی۔ سنسکرت گرائمر کے اِس بہت بڑے عالم نے بھی پانِنی کی اشٹادھیائی کی تشریح لکھی ہے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

چوتھی اور پانچویں صدی میں کشمیر بدھ مت کے فلسفہ کا بہت ہی اہم مرکز رہا ہے اور یہیں سے بودھ بھکشو اُن علاقوں میں جاتے رہے جہاں ابھی تک اِس مت کے ماننے والوں کی اکثریت ہے۔ ان دو صدیوں میں کتنی ہی کتابیں یہاں تحریر ہوئی ہوں گی اس کا اندازہ کرنا ہمارے لئے مشکل ہے۔ مختلف تذکروں میں کئی ایسے کشمیری بودھ بھکشوؤں کے نام ملتے ہیں جو یہاں سے چین جا کر سنسکرت زبان میں لکھی گئی کتابوں کا چینی زبان میں ترجمہ کرتے رہے۔ اِس بات سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ یہ عالم نہ صرف سنسکرت زبان اور بودھ فلسفہ بلکہ کئی زبانوں پر دسترس رکھتے تھے۔ اِس ضمن میں کُمار جیو کے متعلق درج ہے کہ اُس نے ایک سو سے زیادہ کتابوں کا چینی میں ترجمہ کیا۔ دھرمہ مِتر، دھرمہ رکھشہ، دھرمہ یش، بدھ جیو، وِملا کشہِ، سنگھ بھٹ، سنگھ بھوتی، شانتہِ گرب، پُنیہ تراتا اور بُدھ یش جیسے کئی نام ہیں جن کا ذکر ہمیں مختلف کتابوں میں ملتا ہے جنہوں نے یہاں سے چین، جاپان، تبت اور وسطِ ایشیا کے مختلف علاقوں میں جا کر سینکڑوں کتابوں کے تراجم کے ساتھ ساتھ کتابیں اور رسائل تصنیف کئے اور ساتھ ہی ساتھ بدھ مت کا پرچار بھی کیا۔ ظاہر ہے کہ تراجم پہلے سے ہی موجود کتب یا مواد کا ہو سکتا ہے اِس لئے کہا جا سکتا ہے کہ صدیوں سے پہلے کشمیر میں لکھی گئی کتابیں شہرت کے آسمان کو پہنچ گئی تھیں۔ اوپر جن مُترجمین کا ذکر کیا گیا اُن میں سے بدھ یش کے متعلق مرقوم ہے کہ وہ سب سے پہلے کاشغر گیا جہاں کے حکمران نے ایک خاص مذہبی تقریب پر اُس کے ساتھ ساتھ تین ہزار بھکشوؤں کو مدعو کیا تھا۔ اِس دور میں یہاں کے عالموں نے بدھ مت کی ترویج کے لئے نہ صرف شمالی ممالک اور اطراف و علاقہ جات کی طرف مراجعت کی بلکہ اُسی وقت کئی عالم ہندوستان کے جنوبی علاقوں سے گزر کر لنکا، جاوا، سماٹرا تک پہنچ گئے۔ اس سلسلے میں گُنہ ورمن کا نام یہاں اِس تذکرہ میں شامل کرنا لازم بن جاتا ہے۔ درج ہے کہ گُنہ ورمن ایک شہزادہ تھا جو بچپن میں ہی یہاں کے فلسفیانہ ماحول میں بھکشو بن گیا۔ باپ کی وفات کے بعد تخت پر بیٹھنے سے انکار کر دیا اور یہاں سے پہلے لنکا اور پھر جاوا گیا جہاں سنسکرت کُتب کا جاوا زبان میں ترجمہ کیا۔ ظاہر ہے کہ اپنے وقت میں وہ کافی مشہور تھا۔ اُدھر چین بھی بھکشوؤں کی سرگرمیوں کا مرکز بن چکا تھا۔ چین میں موجود بھکشوؤں کے اصرار پر

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

وہاں کے بادشاہ نے ۴۲۴ء عیسوی میں گنہ ورمن کو چین آنے کی اور جاوا کے بادشاہ کو اُسے وہاں سے رخصت کرنے کی درخواست کی۔ چنانچہ واپس چین آنے پر اُس نے دورانِ سفر کئی جگہوں پر قیام بھی کیا اور بالآخر ۴۳۱ء عیسوی میں چین پہنچ گیا۔ ایک سال میں کم از کم ایک درجن سنسکرت کتب کے چینی زبان میں ترجمہ کرنے کے بعد راہی بہ مُلکِ عدم ہوا۔

درجہ بالا عبارت سے کوئی بھی شخص اُس فلسفیانہ اور علمی فضا کا اندازہ کرسکتا ہے جو اُس زمانے میں کشمیر میں رہی ہوگی۔ یہاں اس جانب بھی اشارہ ضروری ہے کہ ایسے عالموں کے نام چینی اور دیگر زبانوں میں موجود تذکروں میں بھی ملتا ہے اور مذہبی عقیدت کے جذبہ کے تحت اِن کی تصانیف اور تراجم صدیوں تک سفر کرتے رہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ دیگر علوم کے مطالعہ، تحقیق اور تصانیف کے سلسلے میں کئی ایسے کارنامے اب بھی سُننے میں آتے ہیں جنہیں سُن کر چونکنا ایک فطری معاملہ ہے۔

حکیم چرک کا نام تو اکثر لوگوں نے سنا ہی ہے۔ ان کی تصانیف آج بھی علم طِب اور آیوروید کے متعلق بنیادی اہمیت کی حامل مانی جاتی ہیں۔ چوتھی یا پانچویں صدی کے اِس عظیم سائنسدان کی کتاب ''چرکہ سمہتا'' نام سے جانی جاتی ہے۔ چھٹی صدی عیسوی میں دُرڈبل نام کے ایک اور کشمیری سائنسدان، عالم اور محقق کی کتاب ''چرکہ سمہتا'' حصہ دوم سے موسوم ہے جو آج تک کئی بار چھپ چکی ہے اور آیوروید کے نصاب میں شامل رہی ہے۔ چرک اور دُرڈبل کی تصانیف و تحقیق اگرچہ اپنی افادیت اور اہمیت کی بنا پر اور ٹھوس کام ہونے کی وجہ سے کافی مشہور ہیں تاہم اِس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اِس شعبے میں یہی ہمارے ماضی کے اوّلین کارنامے ہیں۔ چرک سے بھی ایک یا دو صدی پہلے سشرت نام کے عالم نے آیوروید کے متعلق باقاعدہ کتاب لکھی ہے جسے ''سشرتہ سمہا'' نام سے جانا جاتا ہے۔ فی الوقت اِس ضمن میں اِس سے قبل ہوئے کام اور تصانیف سے متعلق ہمیں تصورات اور اندازوں سے ہی کام لینا ہوگا مگر یہ بات ذہن میں رکھ کر کہ کسی بھی باقاعدہ تصنیف کا معرضِ وجود میں آکر ہزاروں برس تک اِس کا تذکرہ ہوتے رہنا اُس سے پہلے کے نامعلوم پسِ منظر سے متعلق تجسس اور حیرت کا ہی موجب

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہوتا ہے۔

اِس حیرت کدہ سے باہر آ کر ذرا سنبھلیں تو پہلے ''کھل جا سم سم'' جیسا کوئی فقرہ یا منتر ٹھیک سے ذہن نشین کرنا پڑے گا۔ وہ اس لئے کہ یہی منظر نامہ ذہن میں رکھ کر تخلیقی ادب کے طلسم خانوں میں آپ جیسے صاحبِ ذوق اور صاحبِ حس حضرات بھٹکنے سے محفوظ رہیں۔ خاص طور سے جب کشمیر کی مقامی زبان کے حوالے بات شروع کریں۔ سنسکرت ہی نہیں افسانوی ادب کے عالمی شہکار اس کوکھ سے جنمے ہیں جس کے زمانہ کا تعین شاید ایک صورت میں ادا کر پائیں کہ مشرقی زبانوں میں جنسِ تخلیق کی لذّت کا بھرپور عروسی احساس یہاں کچھ اس طرح شروع ہوتا ہے کہ اس کی بوباس لے کر صدیوں تک یکے بعد دیگرے خوبصورت اور زوردار تخلیقات معرضِ وجود میں آتی رہیں۔ میرا مطلب ہے گناڑی کی برہت کتھا جس کی بنیاد پر نہ صرف سوم دیو جیسے نامی گرامی تخلیق کار کی کتھا سرت ساگر، ویتالی پچیسی یا اسی طرح سنسکرت برہت کتھا، برہت کتھا منجری جیسی کتابیں لکھی گئیں بلکہ عربی ادب کے شاہکار ''الف لیلیٰ'' کی کہانیوں کا تار و پود بھی یہیں سے لیا گیا ہے۔ بات کو طول دینے سے احتراز کرتے ہوئے اور ساتھ ہی ساتھ جرحِ صفائی کے طور اُلٹے سیدھے مانوس وغیر مانوس سوالات سے بچتے ہوئے اپنے مطالعہ کے دائرہ کو کم کرتے ہوئے براہِ راست چھٹی صدی کے اَوَک پنڈت کا نام لوں گا جس نے مہاراجہ کے حکم پر تین اوپیرا تحریر کئے۔ ناگانند، رتناولی اور پریہ درشکا نام کی ان تخلیقات کا ماخذ پشاچی یا کشمیری زبان میں لکھی گئی گناڑی کی برہت کتھا ہے۔ نہ جانے گناڑی کی تخلیق کا سوم رس کتنے ہی عظیم تخلیق کاروں کو راس آیا یہاں تک کہ گیارہویں صدی کے جانے مانے صاحب طرز کتھا کار سوم دیو کو مہاراجہ اننت کی رانی سوریہ متی کا دل بہلانے کے لئے گناڑی کی ہی برہت کتھا کے خُم سے لذت آمیز مواد کو کتھا سرت ساگر جیسے مسحور کُن جام تخلیق کی صورت میں پیش کرنے پر بحیثیت تخلیق کار بقاے دوام حاصل ہوا۔

کالیداس کے متعلق یوں تو دو آرا ملتی ہیں ایک یہ کہ وہ کشمیر سے تعلق رکھتا تھا اور دوسرا یہ کہ وہ اُجین کا باشندہ تھا۔ پانچویں صدی کے اِس بین الاقوامی شہرت یافتہ شاعر اور ڈرامہ نگار کی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

رگھہ ونش ، کُمار سمبھو، میگھ دوت مالوکا گنی متر وغیرہ کافی مشہور کتابیں ہیں جن لوگوں نے کالیداس کی ان کتابوں کا مطالعہ کیا ہے انہیں معلوم ہوگا کہ اُن کے مناظر اسی سرزمین کی حقیقت حال بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ کمار سمبھو کاویہ کی پوری سٹینگ ہمالیہ پہاڑی سلسلہ کی ہے اور میگھ دوت میں گنگہ بل، سندھ دریا اور باقی ندی نالوں اور کوہساروں کا کچھ اس طرح ذکر ہے کہ یہ کشمیر کے علاوہ اور کوئی علاقہ یا خاص طور سے اُجین ہو ہی نہیں سکتا۔ اختلافِ رائے کی صورت میں سب سے زیادہ اہمیت تخلیقات کی داخلی شہادت ہی ہمیشہ سے تسلیم کی گئی ہے نہ جانے کیوں یہاں ماسٹر زندہ کول کا مصرعہ زبان کی نوک پر جیسے تِلملا رہا ہے اور کچھ نہ کچھ سرگوشی سی کر رہا ہے کہ

ے کالِداسس تالہِ کُنہٕ پتھ کالہ، وۄنمت گاٹہٕ لبو

ادبی دنیا کی ایک اور نامور شخصیت بھرت منی جس کا تعلق پانچویں اور چھٹی صدی سے ہے اُس کے متعلق کئی محققین کا کہنا ہے کہ ناٹیہ شاستر سے متعلق پہلی باقاعدہ اور مشہور کتاب ''بھرت ناٹیہ شاستر'' کا یہ تصنیف کار کشمیر سے ہی تعلق رکھتا تھا۔ یہ کتاب کئی بار چھپ چکی ہے۔

عالمی ادبی تنقید کے سلسلے میں جتنے بالغ نظریئے کشمیر میں زمانۂ قدیم میں ہی پروان چڑھے ہیں اُتنے شاید کہیں اور بشمول یونان پیدا ہی نہ ہوئے ہیں۔ بیان کے جواز میں صرف اتنی سی بات کہنے کی جسارت کروں گا کہ ادبی تنقید کے ارتقائی سفر میں جو آج مابعد جدیدیت، تشکیل و ردِ تشکیل کا عالمی سطح پر ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے اُس بارے میں عصرِ حاضر کے فلسفیوں اور ناقدین کی سوچ کہیں زیادہ پھلانگ تو نہیں گئی ہے جیسا کہ چھٹی صدی کے بھامہ کی ''کاویہ النکار'' نویں صدی کے آنند وردھن کی ''دونیہ لوک'' اِسی صدی یعنی راجہ اونتی ورمن کے زمانے کی رُدرٹ کی پہلے ہی شائع شدہ ''کاویہ النکار'' واسوگپت سے گیان یافتہ سُپند شاستر کے بہت بڑے عالم کلٹ بھٹ کے فرزند موکلہ بھٹ کی شاعری اور النکار سے متعلق کتاب اور پھر دسویں صدی میں ابھینو گپت کی ''دونیہ لوکہ لوچن'' وغیرہ کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ کشمیر میں ماقبل تاریخ زمانے میں ہی اعلیٰ پایہ کی شاعری ہوتی رہی ہے جس کی بنیاد پر ایسے ادبی اور تنقیدی نظریئے وضع ہوئے جو عالمی سطح پر آج کی دنیا میں تازہ ترین تنقیدی رُجحانات تسلیم کئے جا رہے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ہیں۔منطقی اصول یہ ہے کہ تب ہی کوئی نیا نظریہ سامنے آسکتا یا آتا ہے جب پرانے نظریات میں کوئی کمی یا کھوٹ نظر آئے یا وُسعت کے اعتبار سے کمی پڑتی دکھائی دیتی ہے۔اس منطقی سوچ کا اطلاق باور کراتا ہے کہ عالمی تنقید ابھی اُس مقام کو ہی چھوتی ہے جہاں اِس سرزمین کے عالموں نے اِسے دسویں صدی میں چھوڑا تھا۔واضح رہے کہ جن مشہور شاعروں اور مصنفین کا اوپر ذکر ہوا خود انہوں نے بھی اپنے سے پہلے کے عالموں اور شاعروں کی رائے یا کلام کو اپنا ماخذ مانا ہے۔ مثال کے طور اکتالیس مشہور کتابوں کے مصنف ابھنیو گُپت نے ''دونیہ لوک لوچن'' میں آنند وردھن کے ''دونیہ لوک'' کی شرح پیش کی ہے۔اندوراج نام کے عالم کا اُس نے بطور اپنے استاد کے تذکرہ کیا ہے۔نویں صدی کے ابھیند گپت نے، جس نے یہاں سے بنگال ہجرت کی تھی اور وہاں راج درباری کی پدوی حاصل کی تھی، نے بھان کی کتاب کا خلاصہ ''کادمبری کتھا'' میں اشلوکوں کی صورت میں پیش کیا جبکہ خود اُس کی اپنی تخلیق ''رامہ چرت'' بھی پہلے ہی شائع ہو چکی ہے۔اِسی طرح ابھنیو گپت نے آنندوردھن کی پراکرت زبان میں لکھی ''وِشمہ بانا لیلا'' نویں صدی کے ہرش کی اُس کتاب جو بذات خود جے دیو نام کے شاعر کے چھندوں کی شرح تھی اور اِسی طرح مزید ایسی درجن بھر کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔آٹھویں صدی کے ہی شِو شاستر کے عالم کیدار بھٹ نے نہ صرف ''ورتہ رتنا کر''، سنسکرت چھندوں کی صورت میں لکھی بلکہ اُدھ بھٹ کی لکھی شاعری کی شرح بھی کی ہے۔اُدھ بھٹ کی ''کاویہ النکار'' بہت ہی مشہور کتاب مانی گئی ہے اور یہی النکار شاستر کے ''دونیہ سدھانت'' کا بانی مانا جاتا ہے۔بقولِ کلہن یہ راجہ جیاپیڈ کا سبھا پنڈت تھا۔واضح رہے کہ اُدھ بھٹ نام کا ایک اور صاحب تصنیف شخص بڈشاہ کے دربار میں تاریخ نویس تھا جس نے بڈشاہ کے دور کے واقعات سنسکرت میں رقم کئے تھے لیکن زمانے کی نظر سے یہ کتاب اوجھل ہو چکی ہے۔

نویں صدی کے اندوراج کا تعلق اگرچہ کشمیر سے تھا تاہم وہ جنوبی ہند میں پیدا ہوا۔ عین ممکن تھا کہ اندوراج کا میں یہاں ذکر نہیں کرتا مگر مقصود یہ ہے کہ آپ کی توجہ اِس جانب مبذول کر سکوں کہ جنوبی ہند کے علاقوں میں یہاں سے کئی علماء اور شاعر گئے ہیں اور اِس سلسلے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

میں کنڑ زبان میں لکھے گئے وچن صنف کی ابتدا سے متعلق جو تفاصیل راقم الحروف نے سال گزشتہ میں چھپے کشمیری زبان کی ابتدائی اصناف کے بارے میں لکھے گئے مضمون میں درج کی ہیں جو شعبہ کشمیری، کشمیر یونیورسٹی میں چھپا ہے۔ چنانچہ جس چیز کو کنڑ اپنی زبان اور کلچر کا ایک قیمتی اثاثہ قرار دے کر اپنی زبان کو کلاسیکی درجہ دلوانے میں کامیاب ہوئے ہیں ہو نہ ہو اُس صنف کی بنیاد کشمیر میں ہی پڑی ہوگی۔ مختصراً عرض کروں کہ جب لل دید اور شیخ العالم کے واکھ اور شُرک میں "وژن" اُس طرح کے معنوں میں استعمال ہوا ہو کہ گویا وہ اِس صنف سے واقف تھے تاہم جب ہمارے ہی ایک ادبی مورّخ واجب الاحترام اوتار کرشن رہبر صاحب کو وَژن (Identify) کرنے میں دشواری پیش آئی تو انہوں نے لوک شاعری کی بنیاد پر لکھی گئی کشمیری غزلیات کو وَژن قرار دیا اور اِس طرح حبہ خاتون، حبیب اللہ نوشہری، محمود گامی، رُسل میر اور بیشتر صوفی اور دیگر شعراء کی غزلیات کو وژن کا ہی نام دیا جانے لگا۔ اِن ضمنی نکات کو بیان کرنے کے لئے معافی چاہوں گا مگر "داشتم کہ بکار آید"

اصل بات کو جاری رکھتے ہوئے خود ہی اپنے آپ سے یہ سوال کروں گا کہ آخر ہم دریدا، سوسیر، کیوی سٹراس جوتھن، لاکاں، فوکر، لوئی آتھیو سے وغیرہ عصرِ حاضر میں شہرت یافتہ فلسفیوں اور تنقیدی نظریئے وضع کرنے والوں کا رشتہ کیوں کر اپنے قدیم زمانہ کے دانشوروں کے ساتھ جوڑیں۔ جواب یہ ہے کہ پروفیسر بُہلر انیسویں صدی کے اواخر میں تحقیقی کام کے سلسلے میں کشمیر آئے۔ یہاں آ کر ازمنۂ قدیم اور وُسطیٰ میں ہوئے کام سے کافی متاثر ہوئے۔ یہاں تک کہ کچھ اور ماہرین کی توجہ بھی اِس جانب گئی اور کئی کتابوں کا جرمنی زبان میں ترجمہ ہوا جس میں محمود گامی کی یوسف زلیخا کا برکھارٹ کا کیا ہوا ترجمہ بھی شامل تھا۔ اِس دوران پروفیسر بہلر کو بہت ہی زیادہ تعداد میں قلمی نُسخے ملے۔ کچھ نسخوں سے حوالے درج کر لئے تاہم پروفیسر موصوف کی نظر میں سب سے زیادہ کار آمد نُسخے اُسے اِتنا بھائے کہ یہاں چھوڑنے پر دِل مائل نہ ہوا اور کہا جاتا ہے کہ کئی خچروں پر لادھ کر اُس نے اِن قلمی نسخوں کو جمع کروا کے اُنہیں اپنے ساتھ لے گیا۔ بہلر کے بعد یہ نُسخے اور نوٹ جرمنی میں ہی پڑے رہے جب تک کہ اُن محققین اور ناقدین کی نظر

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

میں آئے جنہوں نے انہیں پڑھ کر اِن خیالات اور نظریات کو پیش کیا جو بہت پہلے سے موجود ہو کر بھی دنیا کی نظروں سے اوجھل تھے۔حق تو یہ ہے کہ پروفیسر گوپی چند نارنگ کی کتاب ''ساختیات، پسِ ساختیات اور مشرقی شعریات'' کے پڑھنے کے بعد ہی راقم الحروف کی توجہ ان کڑیوں کو ملانے کی طرف گئی۔لیکن یہاں بھی اُس مجبوری و معذوری کا شدید احساس ہوا کہ بنیادی ماخذوں تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے ثانوی ماخذوں پر ہی اکتفا کرنا پڑا۔

کشمیر میں کُتب نویسی کی روایت کا یہ سرسری سروے ہم پانچویں صدی تک لے آئے ہیں حالانکہ کئی معاملات میں ہماری بات دسویں صدی کے عالم ابھینو گُپت تک بھی پہنچی۔خیر، چھٹی صدی عیسوی سے متعلق میرے خیال میں ہماری دلچسپی کی سب سے اہم بات ''نیل مَت پُران'' کے حوالے سے ہے۔کیونکہ یہ کتاب ریاستی کلچرل اکیڈیمی کی طرف سے شائع ہونے کے بعد اب ہم سب کی نظر میں ہے۔پروفیسر بہلر کے مطابق یہ کتاب چھٹی صدی عیسوی میں نیلہ پنڈت نامی شخص نے لکھی ہے۔کتاب کے پسِ منظر کو زیرِ نظر رکھ کر ہم محتاط طور لفظ ''لکھے جانے'' کے بدل بہ ترمیم ''نظم کی گئی ہے'' کہیں گے۔پسِ منظر کو میرے خیال میں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ساتویں صدی کی پہلے ہی شائع شدہ کھیر سوامی کی ''امر کوش ٹیکا'' اور پھر وامن کی ''کاشکا'' ذکر لازم ہے۔موخرالذکر کتاب پانِنی کی اشٹادھیائی کے آخری تین ابواب کی وضاحت پر مشتمل ہے۔منورتھ کا ذکر تو پہلے ہی ہو چکا۔

جوں جوں ہم صدی بہ صدی آگے بڑھتے جارہے ہیں کتابوں اور مصنفین کی فہرست لمبی ہوتی جارہی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ کتابوں اور لکھنے والوں کی تعداد ابتدائی دور میں بہت ہی زیادہ ہوسکتی ہے تاہم فطری اصول کے تحت نزدیک کی چیزیں کچھ زیادہ ہی نمایاں اور صاف نظر آتی ہیں جبکہ دور کی چیزیں کچھ زیادہ توجہ طلب اور دلچسپ لگتی ہیں۔آٹھویں اور نویں صدی کی درجنوں کتابیں ابھی تک موجود ہیں اور سینکڑوں کُتب اور مصنفین کا ذکر مختلف کتابوں میں ملتا ہے۔نویں صدی کی ابتدا میں ہی راجہ جیا پیڈ کشمیر کا حکمران ہوا۔برسوں کی مہم جوئی اور فتوحات کے بعد جب اُس نے شب گردی کے دوران رانی کی موت کی اصل کہانی سُناروں کے کارخانے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

میں تفننِ طبع کے طور گائی جاتے ہوئے سُنی تو آگ بگولا ہو کر بہت بڑی تعداد میں برہمنوں کو موت گھاٹ اتارا اور بقول مورخین اُن کی اُتنی کتابیں دریا بُرد کردیں کہ جن سے تولہ ملہ تک وہ راستہ بنا جسے عرف عام میں ''سوتھ'' کہا جاتا ہے۔ تفصیلات میں ہماری زیادہ تر دلچسپی کی دو باتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ یہ کہانی مقامی یعنی کشمیر زبان میں ہی سُنار سنار ہے تھے گویا آٹھویں صدی میں کشمیری شاعری بہت ہی مقبول تھی۔ دوم کتابوں کی اُتنی تعداد کہ جن سے تولہ مُلہ تک اُن کے اوپر سے باندھ بنا، ایک طرف عوام میں شعر و شاعری کا اتنا شغف تو دوسری طرف دربار سے وابستہ اُمرا اور وُزراء کی اس سے اتنی دلچسپی کہ خود راجہ کا وزیر اعلیٰ جانا مانا شاعر تھا۔ ''کٹنی مت کاویہ'' اُس کی مشہور تصنیف رہی ہے جس میں ویشاؤں اور دلالوں کے فریبوں اور چالوں کا ذِکر کیا گیا ہے۔ اِسی بادشاہ کے دربار سے وابستہ اِتنا کر (کوی) جو بقول کلہن ''النکار شاستر'' کا زبردست ماہر تھا اور راجہ اونتی ورمن کے دور میں بہت مقبول ہو چکا تھا۔

کشپ ریشی کے خاندان کا کیدار بھٹ جس نے سنسکرت چھندوں کے متعلق ''ورتہ رتنا کر'' لکھی ہے اسی صدی سے تعلق رکھتا تھا جس کا حوالہ گیارہویں صدی کی کتابوں میں ملتا ہے۔ وامن نام کا اعلیٰ پایہ نقاد بھی راجہ جیا پیڈ کا ایک وزیر تھا جس نے النکار شاستر سے متعلق ''کاویہ النکار سوُتر ورتی'' لکھی جس میں الفاظ کے مُناسب استعمال کو شاعری کی روح قرار دیا گیا ہے۔ حیرانی تب ہوتی ہے کہ جب ہم اِس بات پر غور کرتے ہیں کہ آج کے دور میں بھی جنسی موضوعات پر کتاب لکھا جانا سننے میں کچھ عجیب سا لگتا ہے جبکہ اُس دور میں کوکہ پنڈت نے ''کوک شاستر'' لکھی جس کے کئی باب چھپ چکے ہیں۔

نویں صدی کے اجتاپیڈ کے دورِ حکومت میں بھٹ نا یک نام کا ایک اعلیٰ پایہ شاستر کا عالم تھا جس کا ذکر ممٹ اور ابھینو گُپت نے النکار شاستر کے رسا سدھانت کے سلسلے میں کیا ہے۔ وَاسوگُپت کا تعلق بھی اِسی صدی سے ہے۔ کشمیر کے شو فلسفہ کے بانی واسوگپت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُس نے مہادیو پہاڑ پر پتھر پر کنندہ شوسوتر دریافت کئے تھے۔ پہاڑ کے اوپر پتھر پر نا معلوم زمانہ کی تراشی ہوئی عبارت بھی مزید سوچ و بچار کی دعوت دیتی ہے۔ بھونہ بھٹ نام کے ایک

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

شاعر نے اِسی صدی میں ایک عجیب مہا کاویہ یا شاہکار نظم تخلیق کی تھی جس کی ایک اہم خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ اِس کے اشلوک ذومعنی ہیں، جن میں سے ایک کا اشارہ رامائن کے راون کی طرف اور دوسرا مہابھارت کے ارجن کی طرف ہے۔

۱۹۳۶ء شوسوامی کے ڈراموں اور غنائیہ ڈراموں پر مبنی میواری (نیپالی) رسم الخط میں ایک کتاب شائع ہوئی۔ اِس ڈرامہ نگار کا تعلق اونتی ورمن کے دورِ حکومت سے تھا۔ اِسی صدی کے زینتہ بھٹ کی تین کتابیں ''نیایہ منجری''، ''نیایہ کلکا'' اور ''آگم ڈمبر'' بمبئی سے شائع ہوئی ہیں۔ موخر الذکر کتاب ویدانت سے متعلق ہے۔ اُتپل وشنو کا تعلق بھی اسی صدی سے ہے۔ سپند شاستر سے متعلق اُس کی کتاب ''سپند پردیکا'' بھی بمبئی سے شائع ہوئی ہے۔ اُتپل وشنو پرتہ بھگیا فلسفے کا آدِ گرو یعنی بانی مانا جاتا ہے جس کی تقریباً آدھ درجن اور کتابیں چھپی ہیں۔ اِسی طرح سومانند کو بھی پرتہ بھگیا فلسفہ کا آدگرو بتایا گیا ہے جس نے اُس سے قبل کے فلسفوں کی کوتاہیاں بیان کر کے اپنا فلسفہ پیش کیا۔ چنانچہ اُس کی ''شودرشتی'' اِس فلسفہ کی بنیاد اور تشریح قرار دی گئی ہے ۔ابھنیو گپت کی تنترالوک میں اُس زمانے کے ''پرتہ بگھیا کارکا'' کے مصنف اُتپل دیو کو سومانند کا بیٹا اور شاگرد قرار دیا گیا ہے۔ تاہم مصنف کی مذکورہ کتاب کے حوالے سے اُس کا باپ اُدیا کرن تھا۔ ابھنیو گپت کا ذکر پہلے ہی اِس مضمون میں ہوا۔

علمِ جوتش کے ماہر اُتپل بھٹ کا ذکر البیرونی نے بھی کیا ہے جس نے اِس موضوع پر کئی کتابیں لکھی تھیں۔ اِس لئے اُسے بھی نویں یا دسویں صدی کا مانا جا سکتا ہے۔ واضح رہے کہ علمِ جوتش اور آسٹرالوجی پر کشمیر میں بہت پہلے سے کام شروع ہوا ہوگا جس کا واضح ثبوت کولک سنہ ہے۔ میرے خیال میں ہندوستان میں شاید ہی کوئی کیلنڈر کولک سنہ کی ہم سری کر سکتا ہے اور دنیا میں رائج نظامِ تقویم (کیلنڈر) میں قدامت کے لحاظ سے اگر ترتیب میں کولک سنہ پہلا نہیں تاہم ضرور قابلِ توجہ پوزیشن پر ہوگا اور ظاہر ہے کہ اِس موضوع پر بہت سارے مصنفین اور محققین نے بہت پہلے کتابیں لکھی ہوں گی۔ دسویں صدی کے ہی نرہری نامی عالم نے جڑی بوٹیوں کا لغات معہ اُن کی افادیت واستعمال تیار کیا تھا جبکہ بھیمہ گپت کے دور میں وَلب دیو نامی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

نقاد نے کئی اہم کتابیں لکھیں جن میں خاص طور پر کالیداس کی تخلیقات پر تنقیدی کتاب بھی شامل ہے۔ چنانچہ ولب دیو کی قریباً آدھ درجن کتابوں کے نُسخے ریسرچ لائبریری میں موجود ہیں۔ مضمون کی طوالت کو زیرِ نظر رکھ کر شاید یہاں پر میں نویں صدی کے واگہ بھٹ نامی آیورویدماہر کی کتاب ''اشٹانگہ ہردے'' کا ذکر ہی نہ کرتا مگر واگہ بھٹ عنوان سے کشمیری میں ایک لوک کہانی موجود ہے جو کلچرا کیڈیمی کی کاشُر لُکہٕ کتھ جلد نمبر ۴ ترتیب نشاط انصاری میں شامل ہے۔ اِس کہانی میں بظاہر اَن پڑھ اور کم علم کشمیری واگہ بھٹ کے روحانی کمالات اتنے ہیں کہ مہابھارت میں ہوئی خون ریزی کے بعد بطورِ معافی ہستناپور میں ہوئے یگیہ میں کرشن جی جیسے اوتار واگہ بھٹ کو یگیہ کی پیشوائی کے لئے بُلوا لیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اِس طرح کی لوک کہانی بنا پسِ منظر کے نہ تو بیان ہونا اور نہ قبولِ عام پا کر زندہ رہنا ممکن ہوسکتا ہے۔

گیارہویں صدی میں جن اہم مصنفین نے کشمیر میں جنم لیا اُن میں کھیمندر یا شیمندر کا نام بہت ہی مشہور ہے۔ النکار اور ناٹیہ شاستر کے اِس ماہر کی تقریباً چالیس کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ رامائن منجری، بھرت منجری، برہت کتھامنجری کے علاوہ النکار شاستر سے متعلق تین کتابیں، تین ڈرامے اور کشمیر کی تاریخ سے متعلق کتاب نرپاولی سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ تاہم نرپاولی ابھی تک دستیاب نہیں ہوسکی ہے۔ کھیمندر کے وقت میں راجہ اننت اور راجہ کلش یہاں کے حکمران تھے لیکن دیکھا جائے تو اُن کا نام بھی اِسی عالم کی بدولت زیادہ تر محققین لیتے رہے ہیں۔ ابھینو گُپت کے جانشین کھیمراج کی سات کتابیں چھپی ہیں۔ ایک کتاب کا قلمی نسخہ ریسرچ لائبریری میں موجود ہے جبکہ اُس کی دو اور کتابیں ابھی تک مِل نہیں پائی ہیں۔ اِسی صدی کے بھاسکر بھٹ کی ''شِو سوتر وارتیک'' شائع ہوئی ہے جس میں شومت کی قدیم روایت کا ذِکر ہوا ہے۔ اِسی طرح اُس زمانے میں ابھینو گُپت کے پرمارتھ سارس پر یوگہ راج نامی سکالر نے شرح لکھی ہے۔ مشہور سنسکرت ڈکشنری ''منکھ کوش'' کا ترتیب کار منکھ پنڈت بارہویں صدی کا عالم تھا۔ منکھ باپ وشواورت بھی ایک اَچھے شاعر کی حیثیت سے نام کما چکا تھا۔ منکھ کے استاد رویک پنڈت کی کتاب ''النکار سروسو'' کا ذکر تو ملتا ہے لیکن کتاب ابھی تک دستیاب نہیں ہوئی ہے۔

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

اِس بات سے شاید ہی ابھی تک کسی نے اختلاف کیا ہو کہ برصغیر میں تاریخ نویسی کی ابتداء کشمیر سے ہی ہوئی ہے اور اس سلسلے میں کلہن کی راج ترنگنی کو پہلی باقاعدہ تاریخی کتاب گردانا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ کلہن نے تاریخ سے متعلق موضوع کو لے کر اپنا یہ مشہور منظومہ بارہویں صدی میں لکھا ہے لیکن جو لوگ کشمیر میں تاریخ نویس کی روایت کی ابتداء کو کلہن کی راج ترنگنی مانیں وہ سراسر غلطی کے مرتکب ہیں کیونکہ بذاتِ خود کلہن اپنے سے پہلے کی لکھی گئی تاریخی کُتب کو بطورِ ماخذ درج کرتا ہے۔ اِن ماخذوں میں سہ ورت چھولاکر، ''پدم مہر''، ''ہیلہ راج''، رتناگر، کھیمند روغیرہ کی تصنیفات شامل ہیں۔ ہیلہ راج کے متعلق معلوم ہے کہ وہ دسویں صدی کا عالم تھا جس نے کشمیر کی قدیم تاریخ سے متعلق کتاب ''پارتھواولی'' تصنیف کی تھی اور اِس کا حوالہ بھی راج ترنگنی میں ملتا ہے۔ چنانچہ اس مصنف نے ''واک پدلیہ'' نام سے مہا بھاش کی شرح بھی لکھی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اب پارتھواولی دستیاب نہیں ہے۔ اِس بات سے آپ بخوبی واقف ہیں کہ مورّخ ''حسن تاریخِ نادری'' کے حوالے سے پنڈت رتناگر کی تاریخ کشمیر سے متعلق کتاب کی بنیاد پر ایسے باون راجاؤں کا ذکر کرتا ہے جو بقولِ کلہن ذہن کی فراموشی کے سمندر میں ڈوب چکے تھے۔ گویا رتناگر کی لکھی ہوئی تاریخ کا نُسخہ اُس کے بعد بھی موجود تھا اور جو نُسخہ کلہن کے ہاتھ لگا تھا اُس میں کسی وجہ سے ان بادشاہوں کا ذکر رہ گیا تھا۔ ویسے بھی کلہن کے لئے بنا ماخذ اپنے وقت سے پہلے ڈھائی ہزار سال کی تاریخ مرتب کرنا ممکن نہ تھا۔
''راج ترنگنی'' بمبئی کی کاویہ مالا سریز میں چھپی پھر کلکتہ سے اور پھر ۱۸۹۵ء میں سٹائن نے تبصرہ اور حاشیوں کے ساتھ شائع کیا۔ رنجیت سیتارام پنڈت کا انگریزی ترجمہ ساہتیہ اکادمی نے شائع کیا۔ اس سے قبل فرانسی سکالر ٹرائر نے اِس کا فرانسیی ترجمہ شائع کیا تھا۔ اردو میں ٹھاکر اچھر چند شاپوریہ کا ترجمہ بھی بازار میں دستیاب ہے۔ ریاستی کلچرل اکیڈیمی نے تین جلدوں پر مشتمل راج ترنگنی کا ترجمہ شائع کیا۔ حال ہی میں چھپے ایک اخباری کالم کے مطابق جرمن زبان میں بھی راج ترنگنی کا باتصویر ایڈیشن چھپا تھا، جو اَب کم یاب ہے۔ کلہن کی ایک اور کتاب ''اردھ ناریشورسوتر'' مانی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ کلیان نام کا ایک اور کاوِ شاستر کا ماہر بھی بارہویں صدی میں گزرا ہے

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

جس نے زمانہ قدیم سے متعلق کتھائیں اور تاریخ لکھی ہے۔ کچھ لوگ اُسے ہی کلہن قرار دیتے ہیں جو صحیح نہیں ہے۔ اسی صدی کے جن دیگر اہم مصنفین کا تذکرہ یا کتابوں کے نام ملے ہیں اُن میں سنسکرت، پراکرت، گدھی، شورسینی، پشاچی اور کشمیری زبان پر ماہرانہ دسترس رکھنے والا لوشٹہ دیو، گرامر اور تنقید کا ماہر ناگہ پنڈت، ویدانت شاستر کے عالم اور پہلے ہی شائع شدہ اشٹہ سدھی کے علاوہ کئی کتابوں کے مصنف رمیہ دیو سندیمان نامی سنسکرت شاعر، دواسازی سے متعلق لکھی گئی کتاب کے مصنف سُہل پنڈت، تنترالوک پر پہلی شرح لکھنے والے سُہ بھٹ دَت، مشہور کتاب وکر مانکہ دیو چرت اور کئی اہم کتابوں کے مصنف بلہن جسے کلیان کے مہاراجہ وکرمادتیہ سے وِدیاپتی کا خطاب بھی دیا تھا خاصے مشہور ہیں۔ شارنگہ دیو اور دیودر کا ذکر الگ سے کرنا اِس لئے لازم آتا ہے کہ اول الذّکر نے موسیقی سے متعلق کتاب سنگیت رتنا کر لکھی ہے جس میں برصغیر کے تمام سنگیت گھرانوں کا حال اور خصوصیات درج کی تھیں جبکہ دیودر نامی شخص ''واستہ شاستر'' یعنی (Civil Engineering) کا ماہر تھا۔ اس نے ''پردیپ'' نام سے کتاب لکھی تھی جو ابھی تک دستیاب نہیں ہوئی ہے۔ آیوروید کے ماہر آنند کا تعلق بھی اسی زمانے سے ہے تاہم اُس کی تصنیفات ناپید ہیں۔ اچاریہ مُمٹ کی ''کاویہ پرکاش'' کتاب کے نام سے ہم سب واقف ہیں۔ اُس کا بڑا بھائی کیٹ وپاکرن شاستر کا عالم تھا جس کی کتاب ''پردیپ'' چھپی بھی ہے۔ اسی طرح اُس کے چھوٹے بھائی اُودَٹ کی ''رگ وید'' کے اشعار کی شرح بنارس سے شائع ہوئی ہے۔ الک راجانک کی ''پروجیہ ٹِپکا'' جو رتناگر کی ایک نظم کی تشریح پر مبنی ہے بمبئی سے شائع ہوئی ہے

(جاری)

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

فہرست مضامین

شیرازہ۔جموں۔کشمیر۔لداخ نمبر جلد:۱

ہیون سانگ اور کشمیر	محمد یوسف ٹینگ
کشمیر۔اوکانگ کی نظر میں	سیّد رسول پونپر
مارکوپولو، وسطِ ایشیا اور کشمیر	ارجن دیو مجبور
البیرونی اور کشمیر	مرغوب بانہالی
مرزا حیدر، تاریخِ رشیدی اور کشمیر	غلام رسول جان
کشمیر۔ابوالفضل کی نظر میں	مشعل سلطانپوری
جہانگیر اور کشمیر	سیّد رسول پونپر
کشمیر برنیئر کی نظر میں	برج پریمی
ولیم مورکرافٹ اور کشمیر	سیّد رسول پونپر
کشمیر۔ہیوگل کی نظر میں	منظور فاضلی
ولیم ویکفیلڈ کا سفرنامۂ کشمیر	غلام نبی آتش
''کشمیر'' ینگ ہسبنڈ	ارجن دیو مجبور
سرالیگزنڈر کننگھم اور کشمیر	سیّد رسول پونپر
سرآرل سٹائن اور کشمیر	پریمی رومانی
لارنس آف کشمیر۔کل بھی اور آج بھی	محمد یوسف ٹینگ
ٹینڈل بسکو اور کشمیر	پریمی رومانی
لداخ۔غیر ملکی سیاحوں کی نظر میں	عبدالغنی شیخ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

فہرست۔شیرازہ، جموں۔کشمیر۔لداخ نمبر جلد:۲

چچ نامہ میں کشمیر	پروفیسر محمد ابراہیم
سلاطین کشمیر اور حکومتی نظم ونسق	محبوب اللہ محبوب
علاقہ ڈگر کے قدیم باشندے	ہنس راج پنڈوترہ
'کشمیر' سررِچرڈ ٹمپل	سید رسول پونپر
کشمیر میں میرے تیس سال"۔آرتھرینو کا سفرنامہ	مشعل سلطانپوری
'گلاب نامہ' میں کشمیر	ارجن دیو مجبور
رابرٹ تھورپ۔اہلِ کشمیر کا جانثار ہمدرد	غلام نبی خیال
ملا عبدالقادر بدایونی "منتخب التواریخ اور کشمیر"	پروفیسر محمد ابراہیم
راجوری اور پونچھ۔قدیم تذکروں اور سفرناموں کی روشنی	خوشدیو مینی
والٹر لارنس اور کشمیر شناسی	محمد یوسف ٹینگ
چارلیس ایلس بیٹس اور گزیٹیر آف کشمیر	فدا محمد حسنین
نائٹ کا سفرنامہ 'کشمیر وتبت	غلام نبی آتش
فریڈرک ڈِرو اور جموں وکشمیر ٹیریٹریز	ایاز رسول نازکی
تاریخِ جموں کا ایک گم گشتہ باب	گوور دھن سنگھ
"یہی ہے کشمیر"	سید رسول پونپر
میجر سونبورن کا سفرنامہ 'کشمیر	غلام نبی آتش
لداخ۔ملکی سیاحوں کی نظر میں	عبدالغنی شیخ لداخی
اُردو ادب میں کشمیر کی غلط تصویر کشی	غلام نبی خیال
سرجارج ابراہیم گریرسن اور کشمیر	پریمی رومانی
چمن میں ہر طرف......	منظور احمد دایک
جموں، کشمیر۔لداخ تذکروں اور سفرناموں کا۔ایک جائزہ	ایاز رسول نازکی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

فہرست۔شیرازہ، جموں۔ کشمیر۔لداخ نمبر جلد: ۳

عرسِ گلاب اور رقصِ بسمل۔ جارج فورسٹر کے سفرنامۂ کشمیر سے	محمد یوسف ٹینگ
قدیم کشمیر اور لداخ۔ جاپانی مصنف کی نظر میں	فدا محمد حسنین
ایف آر نیسٹ کا سفرنامۂ کشمیر	غلام نبی آتش
رسول گلوان کی خودنوشت سوانح حیات	عبدالغنی شیخ
لالہ رُخ۔ کشمیر کے پسِ منظر کی رنگین داستانِ حرم	غلام نبی خیال
جموں کی پہاڑی تہذیب اور یونانی بدھ اثرات	جیو شیشور پتھک
محمود غزنوی اور تسخیر کشمیر	محمد فاروق بخاری
قدیم رسائل اور اخبارات میں کشمیر	ظفر حیدری
وید، مہابھارت، پوران اور کشمیر	موتی لال ساقی
گورونانک دیو جی۔ کشمیر میں	پروفیسر سیوا سنگھ
ہنٹن نوولز۔ کشمیر کی لوک کہانیوں کا اوّلین ترتیب کار	غلام نبی خیال
لداخ مُہم جوؤں کی سرزمین	عبدالغنی شیخ
کشمیر کی قدیم مشہورِ عالم صنعتیں	جلالی شاہجہاں پوری
ایرینی کی کشمیر سے متعلق یادداشتیں	فاروق نازکی
کشمیر میں گورو ہرگوبند صاحب کی آمد	ہر بھجن سنگھ ساگر
زین ڈب۔ پتھر بولتے ہیں	غلام رسول بٹ
جموں میں ناگ مت	موہن لال آش
نویں صدی عیسوی میں کشمیر کی ایک جھلک	شریف حسین قاسمی
مملکتِ کشتواڑ۔ تذکروں اور سفرناموں میں	اسیر کشتواڑی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کشمیر۔ بودھ یونانی اور چینی...... ماخذ	موتی لال ساقی
برف مسکن۔ انڈریو ولسن کا سفرنامۂ کشمیر	سید رسول پونپر
ڈاکٹر مِس گومری۔ کشمیر کی انگریزی شاعرہ	اقبال ناتھ بٹ
سرزمینِ کشمیر کی فوجی روایات	عبدالاحد رفیق
ماریان ڈاوٹی کا سفرنامۂ کشمیر	غلام نبی آتش
گوروہری رائے صاحب کشمیر میں۔ ایک انکشاف	پروفیسر سیوا سنگھ
الیکزنڈر رزوماڈی کراس۔ لداخ میں	محمد اقبال نازکی
کشمیر کا ذکر۔ قدیم کتابوں میں	اوتار کرشن رازدان
اوڑی، تاریخ کے اوراق میں	کے ڈی مینی
کشمیر کے قدیم کتب خانے	رام چندر در
کشمیر میں یورپیوں کی آمد اور مقاصد	منظور احمد دایک
کشمیر میں برطانوی ریذیڈنٹ اور ان کی سرگرمیاں	منظور احمد دایک

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

فہرست شیرازہ، جموں۔کشمیر۔لداخ نمبر جلد:۴

مہم جونکولس نوٹووچ کا سفرنامۂ کشمیر اور لداخ	فدا محمد حسنین
للتادتیہ۔کشمیر کا سب سے بڑا ہیرو	محمد یوسف ٹینگ
جموں میں ہڑپہ تہذیب کے آثار	جگدیش چند ساٹھے
ممنوعہ مملکت۔دردستان	پروفیسر محمد اشرف وانی
ولیم مورکرافٹ۔کشمیر اور لداخ میں	عبدالغنی شیخ
راج ترنگنی۔تاریخ کے آئینے میں	غلام نبی خیال
سندمت نگر۔تاریخ اور تذکروں میں	غلام رسول بٹ
گلگت مسوّدات۔کتنی حقیقت، کتنا فسانہ	منظور احمد دایک
کشمیر۔تحفۃ الاحباب کے آئینے میں	غلام رسول جان
رارن محبّ کا گزیٹ	غلام نبی آتش
مظفر آباد۔تاریخ اور تذکروں کے آئینے میں	کے ڈی مینی
لداخ میں فنِ سنگ تراشی کے خزینے	عبدالغنی شیخ
شیخ باغ۔گاہے گاہے باز خواں	مخمور حسین بدخشی
شاہنامہ کشمیر۔خوبصورت آغاز حسرتناک انجام	محمد امین رفیقی
شاردا۔شاردا پیٹھ اور شاردا رسم الخط	بھوشن لال کول
شاردا۔فکروفن کے دریچے	اقبال ناتھ بٹ
شاردا کتبے۔ہماری تاریخ کے سنگِ میل	اے کے رازدان
کشمیر کے تاریخی مزارات	غلام رسول بٹ
دیوان کرپارام۔ثقافتی گنجینوں کا کلید بردار	منظور دایک

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

علاقہ ڈوڈہ۔تاریخ اور تذکروں کے آئینے میں	ولی محمد اسیر کشتواڑی
''در کشمیر ہمہ چیز خوب اند بجز''	فدا محمد حسنین
کتھاسرت ساگر	غلام نبی خیال
کشمیر اور فنِ مصوری۔تاریخ اور تذکروں میں	اوتار کرشن رازداں
کرنیل میاں سنگھ	غلام رسول بٹ
کشمیری زبان اور یورپی محققین	سید رسول پونپر
کشمیر اور لداخ کی حسین وادیاں	غلام نبی آتش
برزہ ہامہ	موتی لال ساقی
قدیم رسائل میں کشمیر سے متعلق دلچسپ نظمیں	ظفر حیدری
کشیو رازداں ہمایوں کشمیری	ایاز رسول نازکی
لداخ۔تہذیب وثقافت......ایک کارنامہ	ولی اسیر کشتواڑی

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

فہرست جموں۔کشمیر۔لداخ نمبر جلد:۵

پنڈت نہرو کا کم یاب سفر نامۂ کشمیر	محمد یوسف ٹینگ
سفر نامۂ کشمیر از محمد دین فوقؔ	فاروق نازکی
ارضِ کشمیر	
علمِ جغرافیہ اور طبقات الارض کے پسِ منظر میں	جی، ایم شہری
جموں کی تلاش۔راج ترنگنی میں	بلدیو پرشاد شرما
اگس ہرمن فرینکی اور خطہ لداخ	رشید تاثیر
کشمیر کے تجارتی راستے	منصور احمد منصور
ڈاکٹر بلیو کا سفر نامہ۔کشمیر اور کاشغر	فدا محمد حسنین
کشمیر کے شاہی محلات	سری کنٹھ کول
سری نگر۔جب باغوں کا شہر تھا	غلام حسن اعجاز
میر پور۔تاریخ کے اوراق میں	کے۔ڈی۔مینی
مجموعۃ التواریخ اور بیربل کاچرو	عبدالمجید متو
جمالِ کشمیر	ویریندر پرشاد سکسینہ
تہذیبی طرحداریاں.................	
عرش و کشمیر کے اعداد برابر نکلے	محمد یوسف ٹینگ
تاریخِ واقعاتِ کشمیر اور اس کا مصنف	محمد امین رفیقی
کشمیر۔فنِ تعمیر	برج پریمی
ہنٹنگٹن کے سفر نامے میں کشمیر اور لداخ	غلام نبی آتش
تاریخِ کشمیر۔ملک حیدر چاڈورہ	عبدالمجید متو

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کشمیر میں فنِ موسیقی۔تاریخی پسِ منظر	اوتار کرشن رازدان
کشمیر میں ظروف سازی	ولی محمد خوشباش
راج ترنگنی......از......جونراج	سری کنٹھ کول
الٰہی باغ	مخمور حسین بدخشی
تاریخِ اقوامِ کشمیر......ایک جائزہ	محمد اسد اللہ وانی
بھمبر......قدیم تذکروں کی روشنی میں	کے۔ڈی۔مینی
لداخ پر کپتان رمزے اور لبزانگ کی نگارشات	عبدالغنی شیخ
بڈشاہی عہد اور کشمیری ادب	اَوتار کرشن رہبر
کشمیر کے قدیم ترین سِکّے	اقبال احمد
پنڈت دیارام کاچرو خوشدلؔ	پروفیسر محمد ابراہیم
سری نگر کے شمشان	محمد یوسف ٹینگ
پتھر مسجد	مخمور حسین بدخشی
''جہاں تین سلطنتیں مِلتی ہیں''	
ای ایف نائٹ کے سفرنامے سے......	غلام نبی آتش
لداخ کی ثقافتی روایات اور اردو	عبدالغنی شیخ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

فہرست جموں۔ کشمیر۔لداخ نمبر جلد: ۵

پنڈت نہرو کا کم یاب سفر نامۂ کشمیر	محمد یوسف ٹینگ
سفر نامۂ کشمیر از محمد دین فوقؔ	فاروق نازکی
ارضِ کشمیر	
علمِ جغرافیہ اور طبقات الارض کے پسِ منظر میں	جی،ایم شہری
جموں کی تلاش۔راج ترنگنی میں	بلدیو پرشاد شرما
اگس ہرمن فرینکی اور خطہ لداخ	رشید تاثیر
کشمیر کے تجارتی راستے	منصور احمد منصور
ڈاکٹر بلیو کا سفر نامہ۔کشمیر اور کاشغر	فِدا محمد حسنین
کشمیر کے شاہی محلات	سری کنٹھ کول
سری نگر۔جب باغوں کا شہر تھا	غلام حسن اعجاز
میر پور۔تاریخ کے اوراق میں	کے۔ڈی۔مینی
مجموعۃ التواریخ اور بیربل کاچرو	عبدالمجید متو
جمالِ کشمیر	ویریندر پرشاد سکسینہ
تہذیبی طرحداریاں........................	
عرش و کشمیر کے اعداد برابر نکلے	محمد یوسف ٹینگ
تاریخِ واقعاتِ کشمیر اور اس کا مصنّف	محمد امین رفیقی
کشمیر۔فنِ تعمیر	برج پریمی
ہنٹنگٹن کے سفر نامے میں کشمیر اور لداخ	غلام نبی آتش
تاریخِ کشمیر۔ملک حیدر چاڈورہ	عبدالمجید متو

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

کشمیر میں فنِ موسیقی۔تاریخی پسِ منظر	اوتار کرشن رازدان
کشمیر میں ظروف سازی	ولی محمد خوشباش
راج ترنگنی......از......جونراج	سری کنٹھ کول
الٰہی باغ	مخمور حسین بدخشی
تاریخِ اقوامِ کشمیر......ایک جائزہ	محمد اسداللہ وانی
بھمبر......قدیم تذکروں کی روشنی میں	کے۔ڈی۔مینی
لداخ پر کپتان رمزے اور لبزانگ کی نگارشات	عبدالغنی شیخ
بڈشاہی عہد اور کشمیری ادب	اَوتار کرشن رہبر
کشمیر کے قدیم ترین سِکّے	اقبال احمد
پنڈت دیارام کاچرو خوشدلؔ	پروفیسر محمد ابراہیم
سری نگر کے شمشان	محمد یوسف ٹینگ
پتھر مسجد	مخمور حسین بدخشی
”جہاں تین سلطنتیں مِلتی ہیں“	
ای ایف نائٹ کے سفرنامے سے......	غلام نبی آتش
لداخ کی ثقافتی روایات اور اردو	عبدالغنی شیخ

............●●●............

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

فہرست۔ شیرازہ، جموں۔ کشمیر۔ لداخ نمبر جلد: ۶

لداخ کے ہمس گنپہ کا "پُراسرار" صحیفہ	عبدالغنی شیخ
شمبھالا اور کشمیر	پروفیسر فِدا محمد حسنین
"رہنمائے کشمیر" (محمد دین فوقؔ کی نایاب تصنیف)	فاروق نازکی
غیر ملکی سیاحوں کی سیاحتِ کشمیر	سیّد سلیم گردیزی
کشمیر: سر جیمز ڈُوے کی نظر میں	پروفیسر فِدا محمد حسنین
جوشؔ اور حفیظؔ کی شاعری میں کشمیریات	غلام نبی خیال
بلتستان میں بدھ مت کے آثار	سیّد محمد عباس کاظمی
کشمیر، فوک لور کے آئینے میں	غلام نبی آتشؔ
پشمینہ اور کشمیری شال کی کہانی	عبدالغنی شیخ
کشمیر میں ورودِ اسلام۔ بعض نئے مباحث	سیّد محمد عباس کاظمی
عالم معطر از قلمِ مشکبار ماست (حصہ اوّل)	ایاز رسول نازکی
بانہال...... گیٹ وے آف کشمیر	منشورؔ بانہالی
بدلتا ہوا لداخ	عبدالغنی شیخ

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

فہرست ۔ شیرازہ، جموں ۔ کشمیر ۔ لداخ نمبر جلد:۷

گلدستۂ کشمیر	پروفیسر قدوس جاوید
کشمیر کے روایتی لوک رقص...... کچھ باقیات	غلام نبی آتش
تاریخِ لدّاخ...... نئے تناظر میں	عبدالغنی شیخ
یارانِ وطن جو چلے گئے	غلام نبی خیال
سفرِ رومان	
(سیون ہیڈن کے تبت کے سفر کی سرگزشت)	گلزار جعفر
مسلمانوں کا کاچی گیوار...... جمال الدّین افغانی	محمد یوسف ٹینگ
کوکشو......	
جہاں بودھ اور مسلمان ایک ہی چھت کے نیچے رہتے تھے	عبدالغنی شیخ
مثنوی سحر البیان اور محمود گامی	ایاز رسول نازکی
تاریخِ کشمیر کے ماخذ	
جغرافیہ اور سلاطین کشمیر کی حکومت کی تاسیس	علی حماد عباسی
منشی چھرنگ پلکیس	عبدالغنی شیخ
دربارِ لارشریف اور حفیظ جالندھری	کے۔ڈی۔مینی
تحریکِ آزادیٔ ہند اور جموں و کشمیر کے اُردو شعرا	ڈاکٹر محی الدین زور کشمیری
اینڈریو ناروے کا سفرنامۂ لداخ	محمد یوسف مشہور
کشمیر میں دورِ سلاطین کا نظم و نسق	علی حماد عباس
کچھ زیارتِ لارشریف کے بارے میں	کے۔ڈی۔مینی
جان کولیٹ کا گائیڈ	غلام نبی آتش
اے مِشن اِن کشمیر	بشیر تابش
ڈل...... چشمہ سر یا تالاب؟	محمد یوسف ٹینگ
پہاڑی...... زبان اور رسم الخط	میاں کریم اللہ قریشی

............●●●............

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

فہرست۔شیرازہ، جموں۔کشمیر۔لداخ نمبر جلد:۸

بلتستان	عبدالغنی شیخ
کشمیری لوک کہانیاں اور تواریخ	غلام نبی آتش
برٹش لائبریری میں کشمیر	ایاز رسول نازکی
تصویرِ کشمیر	سر جیمز ڈوئی
	مترجم: محمد یوسف مشہور
کشمیر میں دورِ سلاطین کا نظم ونسق	محبّ الحسن
چودھری خوشی محمد ناظرؔ ''جوگی کا شاعر''	غلام نبی خیال
لداخ کے بروکھپا	محمد اقبال نازکی
کشمیر......شناخت کے بعض مباحث	پروفیسر فدا محمد حسنین
سیاچن گلیشیئر ......تاریخ کے آئینے میں	عبدالغنی شیخ
مملکتِ بھدرواہ	بشیر بھدرواہی
قدیم کشمیر میں ثقافتی سرگرمیاں	محبّ الحسن
یارانِ وطن جو چلے گئے	غلام نبی خیال
شاردا......منظر پسِ منظر	جہانگیر دانش
رہبرِ سیاحتِ کشمیر	جان کولٹ
	مترجم: بشیر تابشؔ
ضلع کٹھوعہ تاریخ کے تناظر میں......	کے۔ڈی۔مینی
کشمیری مثنویوں میں کشمیر کی منظر کشی......	ڈاکٹر گلزار احمد راتھر

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

فہرست۔شیرازہ، جموں۔ کشمیر۔لداخ نمبر جلد:۹

کشمیر شناسی کے چند پہلو۔فارسی شعراء کے کلام میں	پروفیسر مرغوب بانہالی
کشمیر۔غیر کشمیری مصوّروں کی نظر میں	پروفیسر شفیع شوق
انگریزی رومانوی ادب میں کشمیر کا تذکرہ	پروفیسر غلام رسول ملک مترجم:عابد احمد
کشپ ریشی اور فارسی مؤرخ	غلام رسول بٹ
لداخ کے بعض عقائد اوراوہام	عبدالغنی شیخ
یوسف شاہِ چک اور مغل۔بعض نئے مباحث	پروفیسر فدا محمد حسنین
لڈی شاہ......تاریخی واقعات کا ترجمان	غلام نبی آتش
بلتستان......قدیم قبیلے	محمد علی خان
کشمیر کی اُردو شاعری میں کشمیر	ڈاکٹر نذیر آزاد
کشمیر شناسی کے بعض اَچھوتے اشارے	پروفیسر مرغوب بانہالی
کشمیر کے کوہستان	عطا محمد میر
لداخ کا جغرافیائی محلِ وقوع......	عبدالغنی شیخ
جہلم ویلی روڈ......تاریخ کے اوراق میں	راجہ نذر بونیاری
بھوٹی زبان اوراس کا رسم الخط	چمیت نمگیل لداخی
کشمیر اور گجر	کے ڈی مینی
کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ۔ایک جائزہ	تنویر حسن

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

SHEERAZA

JAMMU-KASHMIR-LADAKH
IN ANCIENT TRAVELOGUES (X)

(Volume : 53 No. 1-3)
ISSN : 2277-9833

CHIEF EDITOR URDU
M ASHRAF TAK

J & K ACADEMY OF ART CULTURE & LANGUAGES

Published By:
J&K ACADEMY OF ART, CULTURE & LANGUAGES
SRINAGAR/JAMMU

Quaf Printers 9419436635

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

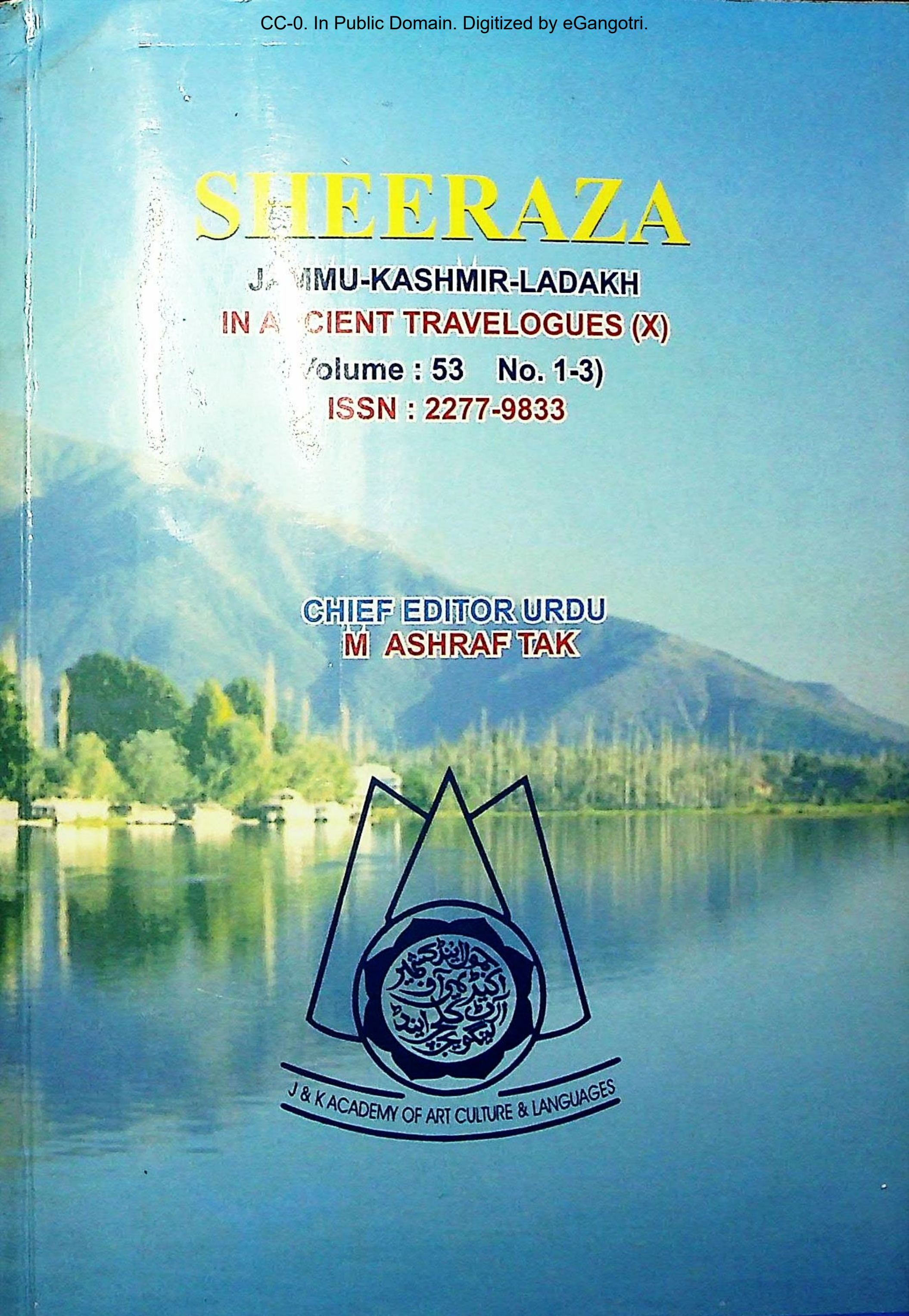

SHEERAZA

JAMMU-KASHMIR-LADAKH
IN ANCIENT TRAVELOGUES (X)

(Volume : 53 No. 1-3)
ISSN : 2277-9833

CHIEF EDITOR URDU
M ASHRAF TAK

J & K ACADEMY OF ART CULTURE & LANGUAGES

Published By:
J&K ACADEMY OF ART, CULTURE & LANGUAGES
SRINAGAR/JAMMU

Quaf Printers 9419436635

Kashmir Treasures Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

SHEERAZA

JAMMU-KASHMIR-LADAKH
ANCIENT TRAVELOGUES (X)

(Volume : 53 No. 1-3)
ISSN : 2277-9833

CHIEF EDITOR URDU
M ASHRAF TAK

J & K ACADEMY OF ART CULTURE & LANGUAGES

Published By:
J&K ACADEMY OF ART, CULTURE & LANGUAGES
SRINAGAR/JAMMU

Quaf Printers 9419436635

Kashmir Treasures Collection, Srinagar